

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 4540513-4519240



خیر الاعمال

خیر الاعمال

تاریخ اشاعت.....................رجب المرجب ۱۴۳۰ھ
ناشر.....................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت.....................سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ... چوک فوارہ... ملتان
مکتبہ الفاروق مصریال روڈ چوہڑ ہڑپال... راولپنڈی
ادارہ اسلامیات........انارکلی........لاہور
دارالاشاعت........اردو بازار........کراچی
مکتبہ سید احمد شہید........اردو بازار......لاہور
مکتبۃ القرآن........نیوٹاؤن..............کراچی
مکتبہ رحمانیہ........اردو بازار .... لاہور
مکتبہ دارالاخلاص... قصہ خوانی بازار...... پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)



عرض ناشر

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اپنے اکابرین کی دعاؤں کے طفیل ''خطبات حکیم الامت'' مکمل ۳۲ جلدوں میں شائع کر چکا ہے۔

بہت سے بزرگوں کی تمنا تھی کہ خطبات میں آنے والی احادیث مبارکہ کی تخریج ہو جائے اور فارسی اشعار وغیرہ کا ترجمہ ہو جائے۔

بتوفیقہٖ تعالیٰ ادارے نے زر کثیر خرچ کر کے یہ کام کیا۔ محترم جناب مولانا زاہد محمود صاحب نے تخریج احادیث اور حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ نے فارسی اشعار کے ترجمہ وغیرہ کے کام انجام دیئے۔

اس طرح الحمدللہ یہ جدید ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے آمین۔

احقر: محمد اسحٰق عفی عنہ

رجب المرجب ۱۴۳۰ھ بمطابق جولائی 2009ء

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد

كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم

إنك حميد مجيد

اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد

كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم

إنك حميد مجيد

اجمالی فہرست



فہرست مضامین

درجات الاسلام

اختیار الخلیل

یہ وعظ صحبت نیک کی ضرورت کے متعلق لال مسجد گنگوہ میں یکم شعبان
۱۳۳۰ھ بعد نماز مغرب ارشاد فرمایا

خطبہ ماثورہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ.

اَمَّا بَعْدُ: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم. المرء علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل۔ (سنن الترمذی: ۲۳۷۸، مشکوۃ المصابیح: ۵۰۱۹)

(یعنی ہر شخص اپنے دوست کے طریق پر ہوتا ہے پس ہر شخص کو چاہئے کہ یہ دیکھ لے کہ کس شخص کو دوست بناتا ہے)

تمہید:۔ یہ ایک ارشاد ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مفید اور ضروری مضمون ارشاد فرمایا ہے۔ میں نے اس مضمون کو اختیار کیا ہے کہ وقت کم ہے۔ وقت طویل اگر ہوتا تو مختلف ضروری مضامین بیان کئے جاتے اس لئے یہ بہتر معلوم ہوا کہ ایسا مضمون اختیار کیا جائے جو سب مسلمانوں کے لئے مفید اور ضروری ہو اور اس کے ساتھ ہی ہر وقت اس کی ضرورت بھی رہتی ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ دینی ضرورتیں دو قسم پر منقسم ہیں ایک وہ جو بعض کے اعتبار سے ضروری نہیں جیسے زکوۃ جس کے پاس مال ہو اس کے ذمہ اس کا ادا کرنا ضروری ہے اور جس کے پاس نہ ہو اس کے ذمہ نہیں ہے۔ اگرچہ اس میں بھی ایک اعتبار سے تعمیم ہے تاہم صاحب نصاب ہونے

کی تو تخصیص ہے اسی طرح حج ہے کہ جس کے پاس مال ہے اس کے ذمہ فرض ہے ورنہ نہیں یہ تو مکلفین کے اعتبار سے تخصیص تھی۔ بعض عبادات ایسی ہیں کہ وقت کے اعتبار سے ان میں تخصیص ہے جیسے نماز، روزہ، دوسری قسم وہ ہے کہ مکلفین اور وقت کے اعتبار سے بھی ان میں کوئی تخصیص نہیں یعنی نہ تو یہ ہے کہ زید پر واجب ہو عمرو پر نہ ہو اور نہ یہ ہے کہ ایک وقت میں ضروری ہو دوسرے وقت میں نہ ہو بلکہ ہر شخص پر ہر وقت اس کا وجوب ہے۔ ایسی ضرورت دینی کو جامع اور عام کہا جائے گا۔ پس ایسے مضامین بہت سے ہیں منجملہ ان کے یہ حدیث بھی ہے کہ اس میں ایسا ہی جامع مضمون ارشاد ہوا ہے کہ کوئی مکلف اور کوئی وقت اس سے مستثنیٰ نہیں ہے اس وجہ سے مناسب معلوم ہوا کہ اس حدیث کی کسی قدر ضروری شرح مگر مختصر بیان کر دی جائے لیکن وہ اختصار کافی ہوگا اس معنی کر مختصر ہوگا کو بہت سے مؤیدات ولواحق کو مشتمل نہ ہوگا جس قدر زیادت ہوگی توضیح ہی کے لئے ہوگی۔

فکر صحبت نیک:۔

یہ تمہید تھی اب اس ضروری مضمون کو سمجھئے گو بظاہر وہ مضمون اس معنے کہ سرسری ہے کہ بہت مرتبہ کانوں میں پڑا ہے اور اس کی ضرورت کی طرف کبھی نظر نہیں ہوئی۔ چنانچہ جب ضروریات کو ذکر کیا جاتا ہے تو اس فہرست میں اس کا ذکر ہی نہیں آتا۔ لیکن چونکہ یہ خیال واقع کے خلاف ہے اس لئے اس کی ضرورت اور مفید ہونا بھی عرض کیا جائے گا۔ ارشاد ہے کہ ہر شخص اپنے دوست کے طریق پر ہوا کرتا ہے پس ہر شخص کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس سے ارتباط و دوستی رکھتا ہے یعنی اگر وہ دوست دیندار ہو تو یہ شخص بھی دیندار ہے، اور اگر وہ بد دین ہے تو یہ بھی ایسا ہی ہے پس دوست کی بد دینی سبب ہے اس کی بد دینی کا، اور دوست کی دینداری سبب ہے اس شخص کی دینداری کا اور یہ سبب بھی منجملہ اسباب ظاہرہ عادیہ کے ہے۔ علت حقیقیہ تو ہر شے کی مشیت الٰہی ہے اور بعض علل کو حق تعالیٰ نے عقلی بنا دیا ہے لیکن یہ سبب عادی ہے یہ اس حدیث شریف کا حاصل ہے ترجمے سے اس مضمون کی تعیین ہوگئی ہوگی، یعنی دوستی کے اندر یہ غور کرنا کہ جس شخص کو میں نے دوستی کے لئے انتخاب کیا ہے آیا وہ دینداری کی حیثیت سے لائق دوستی کی ہے یا نہیں۔

آپ غور فرمائیں کہ اس کا لوگوں کو کتنا اہتمام ہے سو کچھ بھی نہیں دنیا داروں کو چھوڑ دیجئے جو دیندار کہلاتے ہیں اور وہ نماز، روزہ، زکوۃ حج کے فرائض سے گزر کر ایسے ایسے امور کا بھی اہتمام کرتے ہیں جو فرض و واجب نہیں چنانچہ تلاوت قرآن پاک کی کثرت، نوافل، دعاؤں کا پڑھنا یہ سب کچھ کریں گے اور دیکھنے والے ان کو سمجھتے ہیں کہ بڑے بزرگ ہیں لیکن باستثنائے معدودے

چند اس فکر میں کسی کو بھی نہیں دیکھا کہ یہ بھی سوچ ہو کہ میری صحبت کیسی ہے کیسے لوگوں سے میرا اختلاط ہے یا صحبت نیک کو مفید اور ضروری سمجھتے ہوں اور بد صحبت کو مضر خیال کرتے ہوں بلکہ یہ کہتے سنا ہے کہ میاں اپنا عمل اپنے ساتھ ہے اگر کوئی برا ہے تو اپنے واسطے ہے ہمارا تو خیر خواہ ہے۔

صاحبو! بیماری کے اندر تو یہ احتیاط ہے کہ جو بیماریاں لگنے والی مشہور ہیں کہ جن میں اہل مذہب تو کیا خود اطباء اور ڈاکٹر بھی اس میں مختلف ہیں چنانچہ بعض ڈاکٹروں نے تعدیہ کا انکار کیا ہے۔ بعض لوگوں نے ایسا کیا ہے کہ طاعونی کیڑے اپنی جلد کے اندر رکھ کرسی دیا ہے اور کچھ نہیں ہوا۔ بریلی میں ایک ہندو بنگالی کا جوان بیٹا مر گیا اس کو سخت صدمہ ہوا۔ زندگی سے بیزار ہو گیا اور اس نے اسباب موثرہ طاعون کو اختیار کیا۔ چنانچہ مریض کے کپڑوں کو پہنا اور اس کے برتنوں میں کھانا اور اس کی چارپائی پر لیٹنا اور اس کے ہی کمرہ میں رہنا شروع کیا کہ کسی طرح میری موت بھی آجائے۔ چاروں طرف سے اسباب مرض کو اپنے اوپر لپیٹا لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ اچھا خاصا رہا دیکھئے اگر لگنے کے کچھ واقعات ہیں تو نہ لگنے کے اس سے زیادہ ہیں۔ اسی واسطے اسلام نے اس کا کیسا اچھا فیصلہ کیا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہتے ہیں تو لگتا ہے اور نہیں چاہتے تو نہیں لگتا' اور اسی سے ان روایات و نصوص میں بھی تطبیق ہو جائے گی' جن میں بعض سے تعدیہ معلوم ہوتا ہے اور بعض سے عدم تعدیہ ثابت ہوتا ہے۔ بہر حال مقصود یہ ہے کہ جن امراض کا لگنا ثابت اور یقینی بھی نہیں اس میں تو یہ احتیاط ہے کہ اس مریض کی عیادت تک کو نہیں جاتے اور اپنی اولاد کو بھی بچاتے ہیں۔

متعدی مرض:۔

لیکن جو مرض دواماً لگتا ہے یعنی بری صحبت کا اثر بد اس سے بچنے کا ذرا بھی اہتمام نہیں۔ صاحبو! سب سے بڑھ کر مرض متعدی یہ ہے اس سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے کہ جس سے تم ملتے ہو دیکھو کہ یہ کیسا ہے اور ملنے سے مراد دوستی کا ملنا اور دل ملا کر ملنا مراد ہے۔ ایک ملنا ہوتا ہے ضرورت کا' مثلاً بازار گئے وہاں سب طرح کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے سو یہ ملنا مستثنیٰ ہے ملنے سے مراد دوستی کا ملنا۔ اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی دین خلیله (اپنے خلیل کے طریق پر) فرمایا ہے۔

(سنن الترمذی ۲۳۷۸' مشکوۃ المصابیح ۵۰۱۹)

علی دین صاحبه (اپنے ساتھی کے طریق پر) نہیں فرمایا۔ خلیل کہتے ہیں جس کے ساتھ دل مل جائے اب بتلایئے کہ اس پر کون نظر ڈالتا ہے کہ جو لوگ مجھ سے اس درجے میں ملتے ہیں وہ کیسے

ہیں۔ضعیف الدین ہیں یا دیندار ہیں یا کسی نے اس کا کوئی خاص انتظام کیا ہو۔میں دیکھتا ہوں کہ لوگ اپنی اولاد کے لئے کیسے کیسے فلاح کے کام سکھلاتے ہیں۔کوئی دنیا کے علوم سکھلاتا ہے کوئی علم دین پڑھاتا ہے۔کوئی صنعت وحرفت کی تعلیم دیتا ہے اور پرورش کا انتظام تو خیر حیوانات تک بھی کرتے ہیں اگر اولاد بیمار ہو جائے تو علاج میں سینکڑوں روپیہ خرچ کر ڈالتے ہیں۔غرض اپنا روپیہ اپنا عیش و آرام اولاد پر نثار کر دیتے ہیں۔مگر یہ فرمایئے کہ کسی نے اپنی اولاد کے لئے اس کی ساری عمر میں سے ایک معتدبہ حصہ یا سال میں ایک ماہ یا ایک ہفتہ ہی اس کام کے لئے بھی کام کیا ہے کہ اس مدت میں وہ کسی نیک صحبت میں تہذیب الاخلاق کے لئے رہا کرے اگر بڑی کسی کی توجہ ہوئی تو دو چار کلمے خود کہہ دیئے مگر یاد رکھو کہ عام کا خود بیدار کرنا کافی نہیں یہ تجربہ کیا گیا ہے کہ عام کا کہا ہوا نافع کم ہوتا ہے۔

شوکت کلام:۔

راز اس میں یہ ہے کہ کلام کے اندر اثر جب ہوتا ہے کہ کہنے والا خود عامل ہو اس لئے کہ بدون عمل لب ولہجہ میں قوت وصولت وشوکت نہیں ہوتی اور شوکت وصولت ہی کلام کے اندر بڑی چیز ہے۔یہی تو وہ شے ہے جو قرآن کریم کے اندر ہے۔جس کو سن کر اہل عرب کے ہوش پران ہو گئے تھے۔چنانچہ میں ایک قصہ عرض کرتا ہوں کہ اس سے آپ کو کلام اللہ کی شوکت وصولت کا اندازہ ہوگا کہ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ ودعوت اسلام شروع فرمائی اور بتوں کی مذمت کی اور لوگ مسلمان ہونے لگے تو ایک روز روسائے مکہ جمع ہوئے اور آپس میں مشورہ کیا کہ انہوں نے ہمارے مجمع کو پریشان کر دیا اور ہمارے معبودوں کی توہین کی کیا تدبیر کی جائے کہ یہ باز آ جائیں اور اس فتنے کو سکون ہو۔ایک شخص نے بیڑا اٹھایا کہ میں ان کو کسی طرح لالچ دے کر راضی کر لوں گا کہ آئندہ سے وہ رک جائیں گے وہ احمق یہ سمجھا تھا کہ جیسے لوگ طالب زر یا دنیا ہوتے ہیں ایسے ہی یہ بھی ہوں گے آج کل بھی لوگ بزرگوں کو ایسا ہی سمجھتے ہیں اور بعض لوگ بزرگوں سے اس لئے تعلق پیدا کرتے ہیں کہ ان کے ذریعہ سے روپیہ ہاتھ آ جائے گا یا کوئی عورت مل جائے گی اور یہ غور نہیں کرتے کہ جب اس شخص نے دنیا کو اپنے لئے پسند نہیں کیا تو دوسروں کے واسطے کہاں سے لائیں گے۔واللہ بڑا ظلم وستم ہے کہ اہل اللہ کے سامنے دنیوی اغراض پیش کی جائیں اہل اللہ کی خدمت میں دنیوی مقاصد لے جانے کی ایسی مثال ہے جیسے کسی جوہری کے پاس چارپائی بننے کے لئے لے جائیں یا سنار کے پاس کھرپا لے جائیں کہ اس کو سان پر رکھ دے۔اہل اللہ طبیب روحانی ہیں۔وہ امراض باطنی کے معالجے کے لئے

ہیں ان سے یہی کام لینا چاہئے آج کل یہی حالت ہے کہ کوئی نمک پڑھواتا ہے کہ میراں فلاں عورت سے نکاح ہوجائے، کوئی تعویذ لکھواتا ہے کہ میرا مقدمہ فتح ہوجائے انــا لله الخ حدیث میں ہے ارحمو ثلثة تین آدمیوں پر رحم کرو (المغنی عن حمل الاسفار۴: ۲۸، کنز العمال: ۴۳۲۹۹)

یعنی تین آدمی رحم کے قابل ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے عـالـم یلعب به الجهال یعنی وہ عالم کہ جس کے ساتھ جہلاء تمسخر کرتے ہوں اور یہ بھی تمسخر ہے کہ اس سے دوسرا کام لیا جائے جوہری کے پاس کھرپا درست کرانے کے لئے لے جانا اس کے ساتھ ظاہر ہے کہ تمسخر کرنا ہے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری مثال تو ایسی ہوگئی ہے جیسے کسی بخیل نے کوئی باورچی نوکر رکھ لیا اور اس سے بوجہ بخل کے نفیس کھانوں کے پکوانے کا کام کبھی لیتا نہ تھا وہ باورچی کہتا ہے کہ جناب کبھی کبھی تو پکوالیا کیجئے ورنہ میں تو آپ کے یہاں رہ کر اپنا فن بھی بھول جاؤں گا۔ وہ ہی مثال علماء کی ہے جو ان کا کام ہے وہ ان سے نہیں لیا جاتا ہے مولوی تو اب اس کام کے رہ گئے ہیں کہ جنازہ کی نماز پڑھادی یا تعویذ گنڈہ کردیا۔ اس نے یہ ریاضت اور مجاہدات تعویذ گنڈوں ہی کے لئے کئے تھے میں یہ نہیں کہتا کہ بزرگوں سے دنیا کی حاجت پیش نہ کرو ضرور پیش کرو، مگر اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان کو دعا کے لئے کہو۔ تعویذ گنڈا ان کا کام نہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان حضرات میں شان عبدیت ہوتی ہے اور تعویذ کرنے میں تعویذوں پر کسی درجے میں ضرور اعتماد ہوجاتا ہے معمول لہٗ کو تو پورا اعتماد ہوتا ہے اور عامل کے اندر بھی اس کے درجے کے موافق یہ خیال ضرور ہوتا ہے پس یہ عبدیت اور توکل کے خلاف ہے اس لئے ان کو تعویذ گنڈوں سے انقباض ہوتا ہے باقی دعا خواہ دین کے لئے یا دنیائے مباح کے واسطے ہو وہ عبادت ہے اس لئے دعا کی درخواست کرنا مضائقہ نہیں ہے اور وہ بھی جب کہ دین کی طلب ان سے زیادہ کرچکے ہو یا کرنے کا ارادہ ہو اور گاہ گاہ دنیا کے لئے دعا کرالی۔

بہرحال لوگ اپنے اوپر قیاس کرکے بزرگوں کو بھی طالب دنیا سمجھتے ہیں اسی طرح اس شخص نے بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی سمجھا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ آپ کا مقصود کیا ہے اگر مال مطلوب ہے تو ہم چندہ جمع کرکے آپ کو بہت سامان جمع کر دیں، اور اگر جاہ مقصود ہے تو ہم سب مل کر آپ کو سردار بنالیں اور اگر عورتیں مرغوب ہیں تو قریش کی خوبصورت عورتیں آپ کے لئے حاضر ہیں۔ مگر کیا ٹھکانا تحمل کا کہ آپ یہ سن کر ساکت رہے جب وہ سب تقریر کرچکا تو آپ نے جواب میں بجز اس کے کچھ نہیں فرمایا، اعوذ اور بسم اللہ پڑھ کر یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔ حٰمٓ (۱) تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (۲) كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا

لِّقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ (حم)(یہ کلام رحمٰن رحیم کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے۔یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں)۔جب آپ پڑھتے پڑھتے اس آیت پر پہنچے فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَقُلۡ اَنۡذَرۡتُکُمۡ صٰعِقَةً مِّثۡلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوۡدَ ۔(یعنی اگر یہ لوگ اعراض کریں تو آپ فرمادیجئے کہ میں تم کو ایسی کڑک سے ڈراتا ہوں جو مثل کڑک عاد و ثمود کے ہے) اس کلام کی شوکت ودبدبہ نے وہ اثر کیا کہ گھبرا گیا اور کہا کہ میں سن نہیں سکتا اور وہاں سے بھاگا اور آکر روسائے مکہ سے کہا کہ میری حالت تو اس شخص کے پاس جا کر عجیب ہوئی اور تمام قصہ بیان کیا اور کہا جب آپ نے فان اعرضوا الخ آیت پڑھی تو مجھے یقین ہو گیا تھا کہ مجھ پر اب بجلی گری اور اگر تھوڑی دیر اور بیٹھا رہتا تو میں اپنے دین کو جواب دے چکا تھا۔

دین کی ترقی:۔

فرمایئے یہ کیا اثر تھا کلام الٰہی کی تو قوت تھی ہی لیکن پڑھنے والے چونکہ خود عامل تھے زیادہ اثر اس کا بھی تھا پس نری اپنی تربیت کو کافی سمجھنا نادانی ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ اپنی اولاد کے لئے جہاں ایک ماسٹر تجویز کیا ہے وہاں ایک مربی اخلاق بھی تجویز کیا جائے اور گاہ گاہ اس کے پاس بھی قصداً بھیج دیا جایا کرے اور وہاں بھیجنے کے مصارف برداشت کئے جایا کریں۔سو بتلایئے کتنے مسلمان اس کا اہتمام کر رہے ہیں اور وجہ اس مساہلۃ کی یہ ہے کہ اس کی ضرورت ہی کو نہیں جانتے اس لئے اس حدیث سے ضرورت اس کی ثابت کی جاتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس حدیث میں ایک جملہ خبریہ ہے اور ایک جملہ انشائیہ ہے۔**المرء علی دین خلیله** (ہر شخص اپنے دوست کے طریق پر ہوتا ہے) (سنن الترمذی:۲۳۷۸،مشکوۃ المصابیح:۵۰۱۹)

تو جملہ خبریہ ہے اور فلینظر الخ جملہ انشائیہ ہے۔جملہ خبریہ کا حاصل ایک قاعدہ کلیہ ہے اور جملہ انشائیہ اس پر متفرع اور اس کا فائدہ ہے تو جملہ اولیٰ سے بھی مقصود یہی انشاء ہے اور وہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے اب اس پر متفرع فرماتے ہیں کہ جب تم کو معلوم ہو گیا کہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے اور دین کی درستی ہے ضروری تو ہر شخص غور کرے کہ کس سے دوستی رکھتا ہے تا کہ اس کا اثر دین میں سمجھ سکے اور جملہ **فلینظر** (چاہئے کہ غور کرے) سے اہل زبان سمجھ سکتے ہیں کہ بعد نظر کے دو امر میں سے ایک امر تحقیق ہوگا۔یا تو یہ تحقیق ہوگا کہ وہ دیندار ہے اور یا یہ معلوم ہوگا کہ دیندار نہیں پس **فلینظر** سے دو

ارشاد ثابت ہوئے ایک یہ کہ دیندار سے دوستی کرو اور ایک یہ کہ غیر دیندار سے دوستی نہ کرو اب ہم کو اپنی حالت دینی کو دیکھنا چاہئے سو ہماری حالت علی الاطلاق یہ ہے کہ جس نے جتنا دین اختیار کرلیا ہے اس پر بس کیے ہوئے ہیں۔ ترقی نہیں کرتے حالانکہ آج کل ہر چیز میں ترقی کا سبق گایا جاتا ہے اور اخباروں اور پرچوں اور لیکچروں میں اس کی ترغیب ہے ہم ترقی کے مخالف نہیں لیکن یہ دریافت کرتے ہیں کہ دین کی ترقی بھی کسی درجہ میں ضروری ہے یا نہیں اگر کہیں کہ ضروری نہیں تو ایسے شخص سے میرا خطاب نہیں ہے۔

دین کے بارے میں بیباکی

آپ کو تعجب ہوگا کہ ایسا کون ہوگا جو دین کی ترقی کا مخالف ہو۔ میں عرض کرتا ہوں کہ آج کل ایسے بھی بہت ہیں ابھی میرے پاس ایک کتاب آئی ہے اس میں میرے ایک دوست نے شعب ایمانیہ کی تفصیل لکھی ہے کہ ایمان کی کچھ اوپر ستر شاخیں ہیں یہ مضمون حدیث کا ہے ان شعب کی انہوں نے تفصیل لکھ دی ہے اور میرے پاس لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب اپنے عزیز یا دوست کے پاس جو وکیل ہیں بھیجی تھی۔ انہوں نے اس کے جواب میں لکھا کہ تم نے ایمان کو بہت طویل کردیا ایمان کیا ہے۔ شیطان کی آنت ہے۔ زمانے کا اقتضا تو یہ ہے کہ ایمان کو مختصر کرو توبہ توبہ استغفر اللہ، بتلایئے ایسے شخص کو کیونکر مومن کہا جائے۔ دیکھئے یہ تحریر اس شخص کی بتلا رہی ہے کہ یہ شخص یا تو دین سے بالکل ہی بے خبر ہے اور یا اعلیٰ درجے کا بے ادب ہے اس لئے کہ اگر ناواقفی سے کہا ہے تو بے خبر ہے اتنی خبر نہیں کہ ایمان کے اندر گھٹانا بڑھانا کیا کسی کے اختیار میں ہے اور اگر عقائد شرعیہ کو جانتا ہے تو بڑا گستاخ ہے۔ صاحبو! ایمان اور اس کے سب فروع اور شریعت کا ہر جزو ایسا ہے کہ اگر اس میں سے ایک ذرہ برابر بھی کم کردیا جائے تو اتنی ہی اس میں بدنمائی ہو جائے گی اور اس اختصار کی ایسی مثال ہوگی جیسے شاہی باز اڑ کر ایک بڑھیا کے گھر چلا گیا۔ بڑھیا نے اس کو پکڑ لیا اس کی چونچ دیکھی تو بہت بڑی ہے۔ بہت افسوس کیا کہ ہائے یہ کیسے کھاتا ہوگا قینچی لے کر اس کی چونچ کتر دی۔ نیچے پاؤں دیکھے تو وہ بھی لمبے لمبے تھے کہنے لگی ہائے یہ چلتا کیسے ہوگا پنجے بھی کتر دیئے۔ غرض جو چیز اس میں کمال کی تھی وہ سب اڑا دیں۔ اسلام میں اگر اختصار کیا جائے گا تو اس باز کی سی حالت ہوگی وہ اسلام ہی کیا رہے گا۔ یہ تو کیفیت ہے لوگوں کی بے باکی کی اور اس پر بھی اپنے کو مسلمان کہتے اور لکھتے ہیں ان کا

اسلام کسی شے سے نہیں جاتا نہ مارے مرے نہ ٹالے ٹلے جیسے ہندوستان کا نکاح کہ طلاق بھی دے دیں گے مگر برابر اس کو گھر ہی میں ڈالے رکھتے ہیں میرے پاس ایک سوال آیا تھا کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق دی اس نے کہا کہ میں طلاق نہیں لیتی۔ طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور ایسے واقعات میں نے خود دیکھے ہیں کہ تین طلاق دے دیتے ہیں اور پھر اس کو گھر میں رکھتے ہیں اور بخوف آبروریزی کے تحلیل بھی نہیں کرتے بس بس جیسا یہ نکاح' ایسا ہی ان حضرات کا ایمان ہے کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کرلیں۔ احکام کے ساتھ تمسخر کرلیں اور علماء تو بیچارے کسی شمار میں ہیں وہ تو شب وروز ان کے تختہ مشق ہیں اور پھر مومن کے مومن پھر مولویوں کو بدنام کرتے ہیں کہ ہم کو کافر بناتے ہیں صاحبو! کافر بنانا تو یہ ہے کہ کلمات کفر کی تعلیم دیتے ہوں مولوی کافر بناتے نہیں ہاں جب تم کفر کا ارتکاب کرتے ہو تو یہ کافر بتادیتے ہیں۔ نون کی جگہ تے کہو بس اسلام کے نرے دعوے ہی دعوے ہیں۔

صحبت نیک علم سے زیادہ ضروری ہے

غرض ایسے بھی لوگ موجود ہیں جو ترقی ایمان کیا نفس ایمان ہی کو ضروری نہیں جانتے یہ تقریر تو اس جواب پر تھی کہ ترقی دین ضروری نہیں اور اگر کہو کہ ترقی دین بھی ضروری ہے تو جناب ترقی دین کا طریقہ بھی تحقیق کیجئے سو وہ صرف تمنا سے نہیں ہوتی بلکہ جیسے ہر شے کے استاد ہیں ایسے ہی اس کے بھی راہنما موجود ہیں۔ ترقی ان کی صحبت سے ہوتی ہے آپ لوگ بس اس جزو کے تارک ہیں کہ صحبت نیک کا کسی درجے میں بھی اہتمام نہیں ہے تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علم سے زیادہ ضرورت صحبت کی ہے اس لئے کہ دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ صحبت یافتہ بزرگوں کے ہیں وہ ایسے اہل علم سے بہتر ہیں جو صحبت یافتہ نہیں لیکن ہماری یہ حالت ہے کہ صحبت ہی کو ہم نے چھوڑ رکھا ہے اور اصل منشاء اس کا یہ ہے کہ دین ہی کو ضروری نہیں جانتے۔ صاحبو! غضب کی بات ہے کہ کھانا ضروری پینا ضروری پہننا ضروری اور دنیا کے سب مسلمان ضروری اگر غیر ضروری ہے تو صرف دین ہے لیکن جب دین نہ ہو تو خواہ دنیا کتنی ہی ہو کس کام کی سید اکبر حسین صاحب جج کا شعر مجھ کو تو بہت ہی پسند آیا ہے۔

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوۃ ہے نہ حج ہے
تو پھر اس کی کیا خوشی ہو کوئی جنٹ کوئی جج ہے

جب دین ہی کو ضروری نہیں سمجھتے تو جو اس کا ذریعہ ہے اس کو تو کیوں ضروری سمجھیں گے اور دوسرا سبب اس ترک کا کبر ہے کہ ہم دوسرے باپ بیٹے کے کیوں محتاج ہوں ہمارے اندر کونسی بات کم ہے۔ صاحبو! اگر آپ کی گنی گم ہو جائے اور یہ معلوم ہو کہ وہ کسی حقیر بھنگی کے پاس ہے تو اس سے اس کو مانگو گے۔ افسوس ہے کہ دولت دنیا کی تو یہ قدر کہ اپنے سے زیادہ ذلیل سے مانگتے ہوئے بھی عار نہیں اور دین کی جو تمہارا ہی تھا اور اب وہ تمہارے پاس سے گم ہو گیا ہے اس کو اپنے مثل سے طلب کرتے ہوئے ننگ دامن گیر ہے۔ ایک تعلقہ دار نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کوئی ایسا پیر بتلاؤ جو خود بھی شاندار ہو اور مریدوں کی بھی عزت کرتا ہو ان کو حقیر ذلیل نہ سمجھتا ہو۔ یہ تکبر ہے کفار نے بھی یہی کہا تھا۔ لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (یعنی یہ قرآن شریف دو بستیوں (مکہ و طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اترا وہ ہی تکبر موروث چلا آتا ہے اور اگر کبھی صحبت کی طرف توجہ ہوتی بھی تو یا تو ایسے شخص کی طرف ہوتی ہے جس کے پاس خود نا تمام ذخیرہ ہو اور وہ خود ہی محتاج اصلاح اور یا ایسے کی طرف ہوتی ہے جو صاحب تصرف و خوارق ہو اگر چہ روزہ نماز کچھ نہ کرتا ہو ایک پیر صاحب تھے نماز نہ پڑھتے تھے۔ ان کے مرید یہ کہا کرتے تھے کہ پیر صاحب مکہ معظمہ میں جا کر نماز پڑھتے ہیں ایک شخص نے خوب جواب دیا کہ کیوں صاحب کھانے اور بول و براز کرنے کے لئے تو ہندوستان ہے اور نماز کے لئے مکہ اگر نماز وہاں پڑھتے ہیں تو کھانا بھی وہاں ہی کھا لیا کریں۔

بزرگوں کی نسبت غلط اعتقاد:۔

بعض لوگ بزرگوں سے اس لئے تعلق رکھتے ہیں کہ ان سے دنیا کا کام بن جائے گا اور ان کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو کچھ ان کے منہ سے نکلے گا وہی ہو جائے گا ایک شخص مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ گنج مراد آبادی کی خدمت میں آیا اور کچھ حاجت پیش کی۔ حضرت نے فرمایا کہ میں دعا کروں گا کہنے لگا کہ دعا تو میں بھی کر سکتا ہوں یوں کہہ دیجئے کہ اس طرح کر دیا۔

یاد رکھو! بزرگوں کے اختیار میں کوئی شئے نہیں ہے ان کا کام محض دعا کا ہے دعا کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ پیلی بھیت میں ایک بزرگ تھے ان کی خدمت میں ایک بڑھیا آئی اور اس نے اپنی کوئی حاجت پیش کی انہوں نے اپنے خادم سے کہا کہ بڑھیا سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ فضل کرے۔ اس خادم نے یہ کہا کہ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فضل کرے گا۔ لفظ کرے گا سن کر بے چین ہو گئے کہ میں نے یہ کب کہا تھا کہ فضل کرے گا۔ میرا زور کیا ہے میں کیا چیز

ہوں پھر جا کر کہو کہ یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ فضل کرے۔ دیکھئے جو بزرگ ہیں وہ خود اپنے کو محتاج اور مجبور سمجھتے ہیں سچے بزرگ یہ لوگ ہیں لیکن لوگ ایسوں کو بزرگ نہیں سمجھتے۔ بزرگ سمجھتے ہیں شرابیوں کو اور جو ننگے اول فول بکتے پھرتے ہیں یا مجذوبوں سے اعتقاد رکھتے ہیں وہ بھی محض دنیا کے واسطے بابری میں ایک بزرگ مجذوب ہیں سٹے والوں نے ان کو تنگ کر دیا ہے وہ بے چارے پریشان ہیں وہ کچھ بڑھا نک دیتے ہیں یہ لوگ ان میں سے کچھ الفاظ نکال کر ان سے کچھ استنباط کر لیتے ہیں یاد رکھو مجاذیب سے تعلق اسی کو ہوگا جو دنیا دار ہو اس لئے کہ مجذوب سے دین کا تو کچھ فائدہ کسی کو ہوتا نہیں اور دنیا کا فائدہ بھی صرف لوگوں کے زعم میں ہے۔ واقع میں وہ بھی نہیں لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ ان کے کہنے سے یوں ہو گیا حالانکہ ان کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ ان کے منہ سے وہی باتیں نکلتی ہیں جو ہونے والی ہیں۔ اگر وہ نہ بھی کہتے جب بھی وہ بات ہوتی غرض صحبت نیک کی طرف توجہ بھی ہوئی تو اس بے ہودگی کے ساتھ ہماری وہ حالت ہے۔

چوں گرسنہ میشوی سگ میشوی چوں کہ خوردی تند و بدرگ میشوی

(اگر بھوکے ہوتے ہو تو سگ ہو جاتے ہو اور جب کھاتے ہو تو تند خو اور بدرگ ہو جاتے ہو)

یعنی یا تو صحبت کی طرف توجہ ہی نہ تھی۔ صحبت بھی اختیار کی تو وہ بھی دنیا ہی کے واسطے دینداروں سے دنیا طلبی یہی سخت غلطی ہے نیک صحبت سے دین کا فائدہ حاصل کرنا چاہئے الحاصل نیک صحبت کا اختیار کرنا نہایت ضروری ہے ہر شخص کو چاہئے کہ اپنی صحبت موجودہ میں نظر ثانی کرے اور بری صحبت چھوڑ کر نیک صحبت اختیار کرے۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد فدائے یک تن بیگانہ کاشنا باشد

(یعنی ہزار اپنے جو خدا تعالیٰ سے بیگانہ ہوں اس ایک غیر پر قربان ہیں' جو خدا تعالیٰ کا آشنا ہو)

دشمن دین دوست کا علاج

اگر تم اپنے دوستوں میں بد دینی پاؤ تو میں یہ نہیں کہتا کہ ان کو چھوڑ دو بلکہ تدبیر سے کام لو مثلاً ان سے کہو کہ بھائی ہم تو آج سے نمازی ہو گئے ہیں اگر تم ہمارے دوست ہو تو تم بھی نماز شروع کر دو۔ باوجود فہمائش اور تدابیر کے وہ نہ مانیں تو ان کو چھوڑ دو اس لئے کہ جو خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اس سے کچھ توقع خیر خواہی کی نہیں ہو سکتی اور اگر تم اس سے ملتے رہے تو تم بھی اسی کے ذیل میں ہو گے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ایام غدر میں جو لوگ سرکار کے باغیوں سے ملتے تھے یا ان کی طرف

داری کرتے تھے وہ بھی باغی ہی شمار ہوتے تھے۔ پس باغی کا دوست بھی باغی ہی ہے اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ ایک شخص ہمارے باپ کا دشمن ہے کیا اس سے آپ ملیں گے پھر کیا خدائے تعالیٰ کے باغی ومخالف سے اتنی منافرت بھی نہ ہو۔ حدیث شریف ہے ایک گاؤں کی نسبت جبریل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس کو الٹ دو۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اس گاؤں میں ایک شخص ہے کہ اس نے کبھی نافرمانی نہیں کی فرمایا کہ مع اس کے الٹ دو اس لئے کہ یہ ہماری نافرمانی دیکھتا ہے اور کبھی اس کو تغیر تک نہیں ہوا۔ صاحبو! اگر کوئی ہماری ماں کو گالیاں دے تو اس کو ٹھنڈے دل سے سن نہیں سکتے لیکن اگر دین کے جوش میں کوئی مولوی متغیر ہو جائے تو اس کو متعصب قرار دیتے ہو اگر کوئی کہے کہ اگر یہی تغیر ہے تو پھر اپنے شبہات کو ہم کیسے دفع کریں گے۔ صاحبو شبہات دفع کرنے کا طریق اور ہے وہ یہ کہ اگر سچ مچ دین کی تحقیق کرنا منظور ہے تو سوال کے اندر شائستگی اور ادب کا طرز ہو۔ لوگوں کی حالت تو یہ ہے کہ سوال ہی خود اعتراض کے لئے کرتے ہیں اول خود ایک اپنی رائے قائم کر لیتے ہیں اور پھر معترضانہ سوالات کرتے ہیں اور عنوان ایسے اختیار کرتے ہیں کہ جس سے دل دکھتا ہے مثلاً وہی وکیل جس کا قصہ اوپر آ چکا ہے اگر ایمان کو شیطان کی آنت نہ لکھتا اور اس مقصود کو دوسرے الفاظ سے تعبیر کرتا تو اتنا دل نہ دکھتا۔ ایک شخص نے قصہ آدم علیہ السلام کا انکار کیا ہے اور طعن آمیز دلخراش عنوان اختیار کیا ہے کہ وہ جو موذنوں کے باوا آدم ہیں یہ اچھا خاصہ مسخرہ پن ہے فرشتوں کا انکار ایسی ہی بے ہودگی کے ساتھ کیا ہے۔ عنوان شبہ کا یہ ہے کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے وہ آسمان زمین کے درمیان میں چیلوں کی طرح منڈلاتی پھرتی ہیں۔ اگر اسی کو دوسرے عنوان سے بیان کرتا تو اتنا دلخراش نہ ہوتا اگر کوئی کسی کو کہے کہ سنا ہے کہ تمہاری اماں جان چکلے میں بیٹھا کرتی تھی، یہ صحیح ہے یا غلط۔ یہی حضرات جو مولویوں کو رائے دیتے ہیں کہ اعتراض کو ٹھنڈے دل سے سن کر جواب دینا چاہئے گو عنوان اعتراض کا کیسا ہی ہو۔ غور فرمالیں کہ خود ان ہی کو کتنا برا معلوم ہوگا پھر دین کے اندر کیسے گوارا کرلیا جائے کہ اس کے ساتھ تمسخر کیا جائے لیکن ہم لوگوں کی آج کل یہ حالت ہوگئی ہے کہ سب کچھ سنتے ہیں اور تغیر تک نہیں آتا۔ یہ سب بددین لوگوں کی صحبت اور قرب کا اثر ہے کہ حمیت اور غیرت بھی جاتی رہی۔ بددین کی صحبت کا اول یہ اثر ہوتا ہے کہ منکر پر تغیر نہیں آتا اسی طرح دیندار کی صحبت کا اول اثر یہ ہوتا ہے کہ ایک تو اس کو شبہ ہوتا ہے کہ میرے اندر فلانی کمی ہے اور دوسرے بری بات اس کو بری معلوم ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ تمام رذائل جاتے رہتے ہیں۔ اس لئے نیک صحبت کا بہت ہی اہتمام کرنا چاہئے۔

اپنے ہاتھوں اپنی اولاد کا بگاڑ:

اس وقت نہ خود بری صحبت سے بچتے ہیں نہ اپنے بچوں کو بچاتے ہیں جہاں وہ چاہتے ہیں پھرتے ہیں جہاں چاہتے ہیں بیٹھتے ہیں اور بددینوں سے ان کو پڑھواتے ہیں اس کا خیال نہیں کیا جاتا ہے کہ ان کے اخلاق درست ہوں' عقائد فاسد نہ ہوں پھر علماء کو بدنام کیا جاتا ہے کہ انگریزی سے منع کرتے ہیں اگر آپ نیک صحبت کا التزام واہتمام کریں تو انگریزی سے کون منع کرتا ہے۔ منع تو اسی واسطے کیا جاتا ہے کہ بری صحبت سے لڑکے میں خراب عقائد واخلاق پیدا ہو جاتے ہیں ورنہ انگریزی تو ایک زبان ہے اس کا سیکھنا مباح ہے آگے اس کو ذریعہ معاش بنانا یہ دوسرا مسئلہ ہے۔ اس کی اباحت فی نفسہا سے اسکا علی الاطلاق جواز لازم نہیں آتا۔ بلکہ اس میں تفصیل ہے کہ بعض ملازمتیں جائز ہیں بعض ناجائز ہیں انگریزی کی کوئی خصوصیت نہیں عربی پڑھنے والوں کی نسبت بھی یہی تفصیل ہے کہ اگر پڑھ کر پڑھانے میں مشغول ہو گئے تو یہ تو جائز بلکہ عبادت ہے اور اگر وعظ گوئی کا پیشہ بنالیا یا پیری مریدی اسی نیت سے کی کہ دنیا حاصل ہو یہ ناجائز ہے۔ ہاں اگر بلا حرص وطمع محض محبت واخلاص سے کوئی شخص کچھ پیش کرے تو مضائقہ نہیں' باقی اسی واسطے اگر دکان پھیلائی کہ دنیا حاصل ہو تو حرام ہے اسی طرح ہر زبان ہر علم میں یہی تفصیل ہے۔ فی نفسہ زبان کو کوئی منع نہیں کرتا مگر اب تو انگریزی پڑھ کر مسلمان ہی نہیں رہتا خاص کر کسی آزاد کالج میں گو وہ سلامی کہلاتا ہو پڑھنا کہ سم قاتل ہے بہت سے واقعات اس کے شاہد ہیں۔ گورنمنٹ اسکولوں میں پھر بھی اتنی خرابی نہیں ہے اس لئے کہ وہاں غیر قوموں سے مقابلہ رہتا ہے۔ جیسی ان اسلامی آزاد کالجوں میں خرابی ہے ایک ایسے ہی کے پڑھے ہوئے ایک لڑکے سے میں نے کہا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے کہنے لگا کہ نماز کس کی پڑھوں مجھ کو تو خدا کے وجود ہی میں شک ہے مجھے سخت صدمہ ہوا اور اس کے بعد وہ لڑکا بھی چشم نم ہوا اور اس نے کہا کہ اس کا وبال میرے ماں باپ کی گردن پر ہے کہ انہوں نے مجھ کو ایسی جگہ تعلیم کے لئے بھیجا۔ اپنے ہاتھوں اپنی اولاد کو بگاڑتے ہیں۔ اگر اول ہی سے اس کی روک تھام کریں۔ بری صحبت سے بچائیں' نیک صحبت کا اہتمام کریں تو یہ نوبت کیوں آئے صحبت کا وہ اثر ہے کہ آدمی جیسی صحبت میں رہتا ہے ویسا ہی ہو جاتا ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند

(یعنی نیک آدمی کی صحبت تم کو نیک بنادے گی۔اسی طرح بد بخت کی صحبت تم کو بد بخت بنادیتی ہے)

تا توانی دور شواز یار بد یار بد بدتر بود از مار بد

(یعنی جب تک تم سے ہو سکے برے دوست سے دور رہو کیونکہ برا دوست برے سانپ سے بھی بدتر ہے)

مار بدتنہا ہمیں برجاں زند یار بدبر جاں و بر ایمان زند

(برا سانپ تو جان ہی پر حملہ کرتا ہے اور برا دوست جان اور ایمان دونوں پر حملہ کرتا ہے۔ یعنی سانپ سے تو جان ہی جاتی ہے اور برے یار سے جان اور ایمان دونوں جاتے رہتے ہیں)

یک زمانے صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(تھوڑی دیر کی اللہ والوں کی صحبت سو سالہ طاعت بے ریا سے بھی بہتر ہے)

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا گو نشیند در حضور اولیاء

(یعنی جو شخص خدائے تعالیٰ کی ہم نشینی کا طالب ہو تو اس سے کہو کہ اولیاء اللہ کی صحبت میں بیٹھو ۱۲)

نیک صحبت خلوت سے بہتر ہے:۔

مرزا مظہر جان جاناں کی حکایت سنی ہے کہ ان کی مجلس میں یہ حدیث شریف بیان کی گئی کہ ایک ساعت ایسی ہوتی ہے کہ جو کچھ دعا اس میں کی جائے قبول ہوتی ہے۔ شرکاء جلسہ کے آپس میں تذکرہ ہوا کہ اگر وہ ساعت مل جائے تو اس ساعت میں کس شے کی دعا کرنا چاہئے کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ ہم تو صحبت نیک کی دعا کریں یہ بڑی چیز ہے اور تمام خیر کی جڑ یہی ہے اور عزلت سے یہ افضل ہے البتہ اگر صحبت نیک کسی وقت میسر نہ ہو تو اس وقت عزلت ضروری ہے۔ بس اس میں یہ تفصیل ہے بعض لوگوں کو عزلت میں غلو ہو گیا ہے کہ انہوں نے یہ تفصیل نہیں کی مگر مولاناؒ اس کا خوب جواب دیتے ہیں کہ اے شخص تو جو خلوت کو صحبت پر مطلقاً ترجیح دے رہا ہے سو تجھ کو یہ بھی خبر ہے کہ اس خلوت کی خوبیاں بھی تجھ کو جلوت ہی کی بدولت معلوم ہوئی ہیں پس عزلت کو صحبت پر کیسے ترجیح ہو سکتی ہے ہاں نیک صحبت اگر میسر نہ ہو تو پھر تنہائی خوب ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ تنہائی میں جی گھبراتا ہے۔ صاحبو! تمہارے اندر تو وہ باغ ہے کہ اگر اس میں مشغول ہو تو تم کو تو اس کی سیری سے فرصت نہ ملے پھر جی گھبرانا چہ معنے لیکن چونکہ تم اس کی طرف متوجہ نہیں ہو اس لئے نظر نہیں آتا۔ تنہائی میں اول اول جی گھبرائے گا اور جب اللہ کا نام

لو گے تو رفتہ رفتہ وہ حالت ہو جائے گی کہ پھر کسی کے پاس بیٹھنے سے جی گھبرانے لگے گا۔ جو لوگ بے اطمینانی معاش سے دنیا کے کام کاج میں مشغول ہیں ان کی تو کیا شکایت ہے مجھے زیادہ افسوس ان لوگوں پر ہے کہ کھانے پینے کی ان کو فراغت ہے اور کوئی کام ان کے ذمہ نہیں اور پھر وہ اپنا وقت چوپالوں اور بیٹھکوں میں بیٹھ کر برباد کرتے ہیں اور ہر وقت فضول باتیں بنایا کرتے ہیں کہ اخبار زمیندار میں آج یہ خبر ہے وکیل نے یہ لکھا ہے' فلاں جگہ طاعون ہو رہا ہے فلاں جگہ قحط ہے۔ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ اناج گراں ہو گیا ہے فرمایا کہ ہم کو کیا فکر ہے ہم کو جو کام بتلایا گیا ہے وہ کرنا چاہئے رزق دینا ان کا کام ہے' سمجھدار لوگ یہ تھے اہل اللہ نے فضولیات سے یہاں تک احتیاط کی ہے کہ ایک مرید نے اپنے پیر کو دوسری جگہ سے لکھا ہے کہ کفار و مسلمانوں میں یہاں جھگڑا ہو رہا ہے آپ دعا فرمائیے ان پیر صاحب نے لکھا کہ ہم نے تم کو وہاں اس لئے نہیں بھیجا کہ خبریں لکھا کرو اپنا کام کرو۔

صاحبو! ان فضولیات کو چھوڑ دو اور جو اصلی کام ہے اس میں مشغول ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو معاش سے بے فکر کیا ہے یہ بڑی دولت ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

خوشا روز گارے کہ دارد کسے ۔ کہ بازار حرصش نباشد بسے

(یعنی فراغت عجیب چیز ہے اگر کسی کو حاصل ہو زیادہ کی اس کو طمع نہ ہو)

بقدر ضرورت یسارے بود ۔ کند کارے از مرد کارے بود

(ضرورت کے موافق اس کے پاس مال بھی ہو تو اس کو کچھ کرنا چاہئے اپنے اوقات کو فضولیات میں ضائع نہ کرنا چاہئے)

ہمت سے کام لینے کی ضرورت :۔

پس یہ چوپالوں اور بیٹھکوں کی صحبت بہت زیادہ قابل انسداد ہے اور وہ شے جو انجن ہے ان سب کے کھینچنے کا جو گھروں سے ان کو نکال نکال کر یہاں بٹھلاتا ہے وہ حقہ ہے وہ تو قابل جلا ہی دینے کے ہے میری سمجھ میں اس اختلاط کا زیادہ سبب یہی آیا۔ اسی واسطے میں نے اس کی تخصیص کی' اگر علاوہ اس کے اور اسباب ہوں اجتماع کے ان سب کو بھی قطع کر دو۔ الحاصل برے دوستوں کو چھوڑ دو پھر اگر نیک صحبت میسر ہو تو اس کو اختیار کرو ورنہ تنہائی میں رہو' اور مجھے افسوس ہے کہ تم مرد ہو کر اپنے پرانے تعلق والوں کو چھوڑنے کی ہمت نہیں کر سکتے حالانکہ ایسا ہی کام ایک چھوٹی سی لڑکی

کر کے دکھلا دیتی ہے دیکھو لڑکی کی جب تک شادی نہیں ہوتی تو اس کی اور حالت ہوتی ہے وہ یہ کہ ماں باپ کا گھر اس کا گھر ہے ماں باپ کا دوست اس کا دوست ہے ماں باپ کا دشمن اس کا دشمن ہے اور جب شادی ہو کر شوہر کے یہاں جاتی ہے تو اس کی حالت میں ایک عظیم تغیر آ جاتا ہے وہ سمجھتی ہے کہ آج سے میرا گھر وہ ہے جو شوہر کا گھر ہے دوست کون ہے جو شوہر کا دوست ہے، دشمن کون ہے جو شوہر کا دشمن ہے۔ دیکھو! ایک تیرہ چودہ برس کی لڑکی نے ایک ذات واحد کے سامنے سب کو آگ لگا دی اور اسی کی ہو رہی۔ اور سب پرانے تعلقات کو رخصت کیا حتیٰ کہ اگر پرانے دوستوں میں سے آج کوئی شخص اس نئے دوست یعنی شوہر کا دشمن ہو تو وہ لڑکی اس کو دشمنی کی نظر سے دیکھنے لگتی ہے۔ افسوس تم مرد ہو کر اس طرح سے ایک ذات کے نہیں ہو سکتے ہو تمہارا مذہب یہ ہونا چاہئے کہ۔

دلارامی کہ داری دل دروبند دگر چشم از ہمہ عالم فروبند

(جس دل آرام سے تمہارے دل کو تعلق ہے پھر تمام عالم سے آنکھیں میچ لو یعنی جب محبوب حقیقی سے تعلق رکھتے ہو تو غیر اللہ سے تعلقات قطع کر لو)

خلیل آسا در ملک یقیں زن ندائے لا احب الآفلین زن

(حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح یقین کے ساتھ لا احب الآفلین (یعنی فانی اور غائب ہونے والی چیزوں سے ہم محبت نہیں کرتے) کی صدا بلند کرو)

اس نابالغ لڑکی نے تو اتنی ہمت کی کہ کر کے دکھلا دیا اور ہم مرد ہیں کوئی ہم میں سے پچاس برس کا ہے کوئی ساٹھ برس کا کوئی چالیس کا، آج ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ پرانے دوستوں کو جو خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہوں آگ لگا کر اہل اللہ کی صحبت اختیار کریں اگر سچ پوچھتے ہو تو ہم اس تیرہ چودہ برس کی لڑکی سے بھی گئے گزرے ہوئے ہیں۔

نیک صحبت میسر نہ ہو تو کیا کرے؟

اب آپ کی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ نیک صحبت کیا شے ہے اب ہم کو چاہئے کہ آج ہی اس کا عہد کر لیں کہ نیک صحبت اختیار کریں گے اور اس کا معمول مقرر کریں گے اور اگر نیک صحبت میسر نہ ہو تو بری صحبت سے تو بچنا چاہئے۔ کسی مریض کو اگر دوا میسر نہ ہوتی ہو تو پرہیز تو اس کو لازمی ہے اور اول تو نیک صحبت مفقود نہیں ہوئی۔ حضرات بزرگان دین موجود ہیں اور بالفرض اگر کسی جگہ کوئی ایسا نہ ہو تو پھر تنہائی سب سے بہتر ہے مگر تنہائی میں بیکار نہ بیٹھو، بلکہ بزرگوں کے تذکرے، اہل ہمت کی حکایات کا

مطالعہ کیا کرو۔ صحبت نیک کے ہی قریب قریب اس کا بھی اثر ہے آج کل تو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہم کو تو کچھ کرنا نہ پڑے ایک نظر میں کوئی بیڑا پار کردے میں کہتا ہوں کہ ایسا قدرت حق کے سامنے تو ممکن ہے لیکن عادت نہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے مریم علیہا السلام کے بے شوہر عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوگئے تھے اور آدم علیہ السلام سے بدون بی بی حوا پیدا ہوگئی تھیں پھر کیا کسی کو آج بھی اس پر قناعت ہے کہ بدون میاں بدون بی بی کے اولاد ہونے کا خیال کرے۔ پس خدا تعالیٰ کو بے شک اس پر قدرت ہے کہ بغیر کچھ کئے بھی عطاء فرمادیں لیکن ایسا شاذ و نادر ہوتا ہے۔ دینے والے تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں لیکن عادۃ اللہ یہ جاری ہے کہ کرے گا تو ملے گا ہم نے ان لوگوں میں سے کسی کو اس پر قناعت کرتے نہیں دیکھا کہ تجارت زراعت' نوکری نہ کریں اور اس امید پر بیٹھے رہیں کہ کہیں سے خزانہ مل جائے گا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ صرف ذکر و شغل ہی کرو اور دنیا کے سب کام چھوڑ دو اور تسبیح لے کر کونے میں بیٹھ جاؤ۔ یہ ہر شخص کا کام نہیں' میرا مقصود یہ ہے کہ صرف آپ نیک صحبت اختیار کرلیں اور بری صحبت سے بچیں اور تنہائی میں بزرگوں کے تذکرے دیکھا کریں لیکن تذکروں اور حکایتوں سے گزر کر حقائق و معارف کی کتابیں نہ دیکھیں صرف جن کتابوں میں حکایتیں ان حضرات کی ہمت کی باتیں اور اخلاق ذمیمہ کے معالجات ہیں بس وہ دیکھا کریں کہ ان کا دیکھنا مفید ہوگا۔

اہل اللہ کی صحبت سے حصول نفع کی صورت:

اب یہاں پر ایک شبہ رہا وہ یہ کہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہم تو بزرگوں کے پاس مدتوں سے رہتے ہیں کوئی دس برس رہا کوئی پانچ برس' ہماری حالت تو جیسی تھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی صاحبو! بزرگوں کے پاس جانے اور رہنے کی مختلف حیثیتیں ہیں۔ ایک شخص مدتوں سے طبیب کے پاس رہتا ہے اور امراض میں مبتلا ہے وہ یہ شکایت نہیں کرسکتا کہ میں تو مدت سے طبیب کے پاس ہوں میں تندرست نہیں ہوا اس کو یہی کہا جائے گا کہ بھائی تم نے علاج بھی کیا معالجہ کرکے اگر شکایت کرو تو بجا ہے اسی طرح بزرگوں کے پاس رہنے کی مختلف غرضیں ہیں بعضے لوگ تو بزرگوں کے پاس دنیا کے قصے لے کر جاتے ہیں کہ حضرت فلاں جگہ یہ ہو رہا ہے فلاں مقام کی یہ خبر ہے اپنا بھی وقت ضائع کرتے ہیں اور ان کا بھی۔ بزرگوں کے پاس جاؤ تو ان خرافات سے خالی ہو کر جاؤ اور اپنے امراض کو لے کر جاؤ اگر کوئی سائل زنبیل کے اندر ٹھیکرے بھر کر سخی کے دروازے پر جائے تو سخی اس کو کاہے میں دے گا۔ زنبیل میں تو جگہ ہی نہیں۔ ع

انا ئیکہ پر شد دگو چود (جو برتن کسی چیز سے پر ہوتو اس میں دوسری چیز کب آ سکتی ہے) اسی طرح جب تم اپنے خیالات سے پر ہوتو ان کی صحبت سے کیا نفع ہوگا۔ اگر جاؤ تو نہ ساکت بیٹھو کہ وہ کوئی بات پوچھتے ہیں تو جواب تک نہیں دیتے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جا کر چپ بیٹھ جاتے ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ کیسے آئے تھے تو فرماتے ہیں کہ حضرت تو خود روشن ضمیر ہیں۔ یہ سخت حماقت ہے ان کی خدمت میں جا کر اپنے امراض کا کچا چٹھا بیان کر دو اور جو تدبیر وہ بتلائیں اس پر کاربند ہو طریقہ تو یہ ہے اور اگر صحبت میسر نہ ہو تو خط و کتابت ہی رکھو لیکن فضول باتیں خط میں بھی نہ لکھو کام کی باتیں پوچھو اپنے امراض کا علاج دریافت کرو مگر اس علاج کی خود تعیین نہ کرو کہ فلاں قسم کا علاج ہو ایک شخص نے میرے پاس لکھا کہ نماز کی پابندی نہیں ہوتی کوئی وظیفہ بتا دو۔ اس زمانے میں سوئے تدبیر کا مرض بھی بہت ہے سمجھتے ہیں کہ وظیفہ سے نماز کی پابندی ہو جائے گی۔ میں نے لکھا کہ جب نماز قضا ہو جایا کرے ایک وقت کا فاقہ کیا کرو اور اگر پانچ وقت کی قضا ہو تو پانچ وقت فاقہ کرو علاج اور وظیفے اس کے لئے نہیں ہیں تو معالجہ میں ان کی رائے پر عمل کرو یہ ہے طریقہ انتفاع کا۔ بزرگوں سے پس اسی دھن میں ہمیشہ لگے رہو اگر آپ اسی دھن میں رہیں گے پوچھتے رہیں گے بزرگوں کے پاس آتے جاتے رہیں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ ایک دن میں کام بن جائے گا۔ آج کل تو لوگ بیعت ہو کر بھی پیر کا نام تک نہیں لیتے پیری مریدی کا حال بالکل طبیب و مرض کا سا ہے مریض اگر اپنا حال کہتا سنتا رہے اور طبیب کے ہدایات پر عمل کرتا رہے تو ایک دن صحت یاب ہو ہی جاتا ہے۔

اولاد کی اصلاح کا فکر

اور خدا کے لئے اپنے سے زیادہ اپنی اولاد پر رحم کرو اس زمانہ میں الحاد کا طوفان برپا ہے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ ان کو صحبت بد سے بہت اہتمام سے بچاؤ اور صحبت نیک کا اہتمام کرو آپ شاید اس کو تو سخت مشکل سمجھیں گے کہ انگریزی چھڑا کر عربی پڑھائیں۔ چلو میں بھی اس کو حذف کرتا ہوں آپ اسکولوں ہی میں پڑھایئے لیکن اتنی درخواست میری منظور کر لیجئے کہ اسکولوں میں جو تعطیلیں ہوتی ہیں اور ان تعطیلوں میں لڑکے ادھر ادھر مارے مارے پھرتے ہیں صرف ان تعطیلوں میں ان کو حضرات اہل اللہ کی خدمت میں بھیج دیا کرو۔ اگر کہو کہ پڑھائی کے دنوں میں تو وہ اسکول رہے اور تعطیل کے ایام میں بزرگوں کے پاس تو ہمارے ان کو دیکھنے کا کونسا وقت ہوگا تو میرے پاس

اس کا بھی جواب ہے وہ یہ کہ آپ تعطیل کے ایام کا تجزیہ کر لیجئے زیادہ دنوں اپنے پاس رکھیں اور تھوڑے دنوں کے لئے حضرات اہل اللہ کی خدمت میں بھیج دیا کیجئے یہ تو اولاد کے واسطے ہوا۔

عورتوں کی تربیت:۔

اب ایک اور جماعت رہ گئی ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت کی طرف کسی کو مطلق التفات نہیں ہے اولاد کی طرف ہے تو گو بری طرح ہو اور وہ کون ہیں؟ عورتیں۔ ان کی اصلاح کی سخت ضرورت ہے وہ اگر درست ہو جائیں گی تو پھر اولاد بھی صالح ہوگی اس لئے کہ ابتداء میں تو بچے ان کے ہی ہاتھوں میں رہتے ہیں۔ ان کی اصلاح کا طریقہ یہ ہے ان کو مسائل اور بزرگوں کی حکایات کی کتابیں پڑھائیں یا سنایا کریں اور اس کی پروانہ کریں کہ وہ سنتی ہیں یا نہیں۔ آپ گھر میں بیٹھ کر پکار کار کر پڑھا کریں۔ اس طرح سے آپ اپنا کام کئے جائیے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اثر ہوگا لیکن کتابیں علماء سے پوچھ کر انتخاب کریں۔ عورتوں کا نصاب نہ خریدیں وہ کتابیں اس کو سمجھتی ہیں' جیسے نور نامہ' وفات نامہ' ہرنی نامہ' معجزہ آل نبی' ساپن نامہ' قصہ گل بکاؤلی کہ ان میں بعض تو بالکل ہی خرافات ہیں اور بعض موضوعات پر مشتمل ہیں۔ ایسے ہی برائے نام نعت کی اکثر کتابیں کہ ان میں اکثر ایسے اشعار ہوتے ہیں کہ جن میں بے ادبی ہوتی ہے خدا تعالیٰ کی یا انبیاء علیہم السلام کی۔ کام کی کتابیں علماء سے پوچھ کر منتخب کریں غرض یہ ہیں طریقے اصلاح کے جن میں کوئی مشقت بھی نہیں دنیاوی کاموں کا بھی اس میں حرج نہیں۔

خلاصہ وعظ

آپ نے دیکھا کہ صحبت نیک کتنی سستی اور کس قدر مفید شے ہے۔ اتنا بڑا نسخہ اور اتنا سستا کتنی آسانی ہے۔ دیکھئے آپ کی نہ زراعت چھڑائی جاتی ہے نہ نوکری نہ تجارت' سب کچھ کرو لیکن بس حضرات اہل اللہ سے تعلق رکھو۔ ان کے پاس آتے جاتے رہو۔ کم از کم خط و کتابت ہی رکھو ان شاء اللہ تھوڑا سا تعلق بھی بے کار نہ جائے گا۔

اب اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

دعاة الامة

وهداة الملة

یہ وعظ ۷ اربیع الثانی کو مؤتمر الانصار کے
اجلاس ثانی میرٹھ میں خود پڑھ کر سنایا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بعد الحمد والصلوۃ احقر اشرف علی تھانوی عفی عنہ باقتضائے وقت ایک ضروری مضمون متعلق بقاء ملۃ اسلام کے عرض کرتا ہے جس کو پولیٹیکل معاملات سے کچھ تعلق نہیں۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۔یعنی تم مسلمانوں میں (ہمیشہ) ایک ایسی جماعت رہنا چاہئے جو خیر کی طرف (لوگوں کو) دعوت کرتی ہیں اور اچھی باتوں کی فرمائش کرتی ہیں اور بری باتوں سے منع کرتی رہیں اور (دنیا و آخرت میں) کامیاب یہ ہی لوگ ہیں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لایزال طائفة من امتی منصورین علی الحق لایضرهم من خذلهم (الصحیح للبخاری ۹:۱۲۵ بلفظ آخر)

یعنی میری امت میں ہمیشہ ایک ایسی جماعت (خدمت دین کے لئے) موجود رہے گی جو (منجانب اللہ) منصور (ومؤید) ہوں گے اور حق پر قائم ہوں گے اور جو شخص ان کا ساتھ نہ دے گا وہ (یعنی اس کا ساتھ نہ دینا) ان کے لئے مضر نہ ہوگا۔

ملت کے ہادی

آیت شریفہ تشریعاً ایسی جماعت کو ضروری بتلا رہی ہے جو طریق حق کی طرف امت کے داعی اور ملت کے ہادی ہوں اور اخیر میں لفظ عام سے اس جماعت کی کامگاری کی بشارت دے رہی ہے۔ اور حدیث شریف بعد ضرورت تشریعیہ کے ایسی جماعت کے وجود تکوینی مستمر الی یوم القیامۃ کی پیشین گوئی کر رہی ہے اور اس جماعت کی کامگاری کا راز کہ تائید من اللہ ہے بتلا رہی ہے اور لایضرهم من خذلهم سے لطیف و خفی لہجہ میں اس جماعت کے ساتھ نہ دینے والے کا مذموم وملام ہونا اس عنوان سے ظاہر کر رہی ہے کہ اس جماعت کا جب خدا تعالیٰ کا ساتھ دینا ہے جس سے وہ منصورین کی صفت سے موصوف ہوئے تو ان کا ساتھ نہ دینے والا

خدا کا مخالف ہوا کہ خدا تو ساتھ دے اور وہ شخص ساتھ نہ دے اعاذنا اللہ منہ۔

اور ایک طرف جس طرح ساتھ نہ دینے والے کو مذموم و ملام کہہ رہی ہے دوسری طرف صریح دلالت سے اس جماعت کو کسی کے ساتھ نہ دینے سے اندیشہ میں پڑنے سے بے فکر کر رہی ہے کہ تم تسلی رکھو اگر تمہارا کسی نے ساتھ نہ دیا تب بھی تم کو اس سے ضرر نہ ہوگا اور تمہاری کامیابی میں تمہارا انفراد سنگ راہ نہ ہوگا کیونکہ تمہارا ساتھ دینے والا خدا ہے جس کے ساتھ دینے کے بعد کسی کے ساتھ دینے کا انتظار نہیں کیا جا سکتا۔

اور اس پر نظر کر کے یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ کسی کا ساتھ دینا اس کا دین یا خدام دین پر احسان نہیں ہے بلکہ یہ خود اس پر خدائی احسان ہے کہ گو اس کی اس محکمہ میں ضرورت نہ تھی مگر پھر بھی بلا ضرورت اس کو جگہ دے دی گئی اور تنخواہ اجرت یعنی ثواب و قبول بمقدار ادائی دی گئی یہ ہی معنی ہیں اس ارشاد کے يَمُنُّونَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا. قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَىَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اور اسی کا ٹھیک ترجمہ ہے۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمیکنی
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

(تو بادشاہ پر اپنا احسان نہ سمجھ کہ تو بادشاہ کی خدمت کرتا ہے بلکہ بادشاہ کا ممنون احسان ہو کہ اس نے تجھ سے اپنی خدمت لی ہے۔)

خلفاء باطنین

یہ مدلولات و مفہومات ہیں آیت و حدیث مذکورین کے اور اسی جماعت کی بعض اہم اوصاف و خدمات و القاب کی مختصر تعیین و مجمل تبیین حضرت مولانا شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے اپنے اس قول میں فرمائی ہے۔ المعتنين تعليم الشرائع و القرآن و السنن و الامرين بالمعروف و الناهين عن المنكر و الذين يحصل بكلامهم نصرة الدين اما بالمجادلة كالمتكلمين او بالموعظة كخطباء الاسلام او بصحبتهم كمشائخ الصوفية الذين يقيمون الصلوة و الحج و الذين يدلون على طريق اكتساب الاحسان و المرغبون فى التنسك ولتزهد و القائمون بهذا الامر هم الذين نسميهم بالخلفاء الباطنين ۔ اس عبارت میں اس جماعت کے یہ تو اوصاف

ہیں معلم الشرائع و القرآن و السنن آمر بالمعروف و ناھی عن المنکر ناصر دین بالکلام الملفوظی و المکتوبی ۔اور یہ خدمتیں ہیں علاوہ ان خدمات کے جو اوصاف مذکورہ سے ماخوذ و مفہوم ہیں مجادلہ وکلام۔ وعظ و خطبہ ہمت بالصحبت تہذیب نفس وتحصیل نسبت اور اخیر میں لقب ہے یعنی خلفاء باطنین ۔

میرا اس وقت کا مضمون کوئی جدید دعویٰ نہیں ہوگا بلکہ قرآن مجید کی اسی آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی حدیث اور شاہ اولیاء کی اسی عبارت کی کچھ شرح اور تفصیل ہوگی جس سے وہ ہر طرح قابل قبول اور لائق توجہ وعمل ہوگی۔

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَااسْتَطَعْتُ ط وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ ط عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ۔

(اور میں صرف چاہتا ہوں جتنی میری بس میں ہے میری اور سب توفیق اللہ کی طرف سے ہے جس پر میں نے توکل کیا اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔)

اس آیت اور اس روایت اور اس عبارت میں چند احکام ہیں اور بعض احکام میں کچھ اجزاء ہر حکم اور ہر جزو پر مختصر مختصر عرض کرنا ضروری ہے۔ حکم اول بقاء دین ان امور پر موقوف ہے علم تفسیر۔ علم تجوید وقراءۃ علم حدیث علم اصول حدیث علم عربیہ صرف ونحو ولغت وبلاغت علم فقہ جس میں فرائض وعلم اخلاق وتصوف بھی داخل ہے علم اصول فقہ علم کلام علم قول شارح و حجت اصول مناظرہ اور جو علوم ان کے مقدمات یا متممات ہوں ان کی تکمیل میں اہل مدارس مشغول ہیں۔ وعظ جو مساجد ومجالس عامہ میں دیکھا جاتا ہے۔ تربیت اخلاق وسیاسات نفس جو خانقاہوں میں پایا جاتا ہے۔

اس حکم میں چند اجزاء ہیں جزو اول وجہ توقف اور علوم پر ظاہر ہے کیونکہ دین میں کل دو امر مقصود ہیں تصحیح عقائد و اصلاح اعمال۔ ان اعمال میں اعمال جوارح اور اعمال قلب دونوں داخل ہیں اور اعمال جوارح میں دیانات ومعاملات دونوں داخل ہیں اور معاملات میں حقوق مالیہ اور معاشرت دونوں داخل ہیں۔ قرآن وحدیث ان کی تعلیم میں اصل ہے پھر قرآن مجید کے توضیح مغلقات وتعیین مبہمات ومشترکات وامثال ذالک میں لغات وروایات کاشفہ اسباب نزول کی حاجت ہوئی اس مجموعہ کا نام علم تفسیر ہے۔

اور چونکہ قران لغت عربی میں ہے اس سے علوم عربیہ ادبیہ ولغات کی احتیاج بھی ثابت ہوگئی اور حدیث چونکہ بجمیع اجزائہ متواترۃ الالفاظ نہیں ہے اس لئے اس کی تنقید وتمیز کے

لئے علم اصول روایت کہ فن رجال بھی اس کے تابع ہے ضروری ٹھہرا اور چونکہ بعض احکام صریح الفاظ قرآن وحدیث کے مدلول نہیں اس لئے سلف صالح نے غیر منصوص کے احکام کو منصوص سے اخذ واستنباط کرنے کے لئے خود قرآن وحدیث سے قواعد صحیحہ سمجھ کر ان کو خود بھی استعمال کیا اور اپنے اصحاب پر اس کو القاء واملاء فرمایا اس سے فقہ کہ علم احکام مستنبط ہے اور اصول فقہ کہ علم بقواعد استنباط احکام ہی حاصل ہوا۔ پھر چونکہ ہر زمانہ میں عامہ ناس تحصیل علوم بدرجہ تکمیل کے لئے فارغ نہیں ہو سکتے اس لئے ان کے افادہ کا سہل طریق خطبہ یعنی موعظت عامہ قرار پایا اور چونکہ بعض اعمال نفس پر کسی قدر شاق ہیں جن میں کوتاہی بعید نہیں نیز بعض اعمال میں بعض غامض خرابیاں بھی ہیں جن کا فروگذاشت ہو جانا عجیب نہیں اس لئے اول کے تدارک کے لئے بالا استقلال علوم منبہ کی کہ علم اخلاق ہے اور ثانی کی تلافی کے لئے یہ سمجھ کر کہ انسان بنی نوع کے حال سے بہت متاثر ہوتا ہے صحبت اہل تہذیب کی ضرورت ثابت ہوئی یہ انتظام تو اندر حدود کا ہے۔

چونکہ ہر مقصود الابقاء چیز کے لئے اندرونی انتظام کے ساتھ بیرونی حفاظت کی بھی ضرورت ہوتی ہے دین اسلام بھی اس قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا اس لئے بیرونی حملات مذہبی کی مدافعت بھی ایک لابدی امر ٹھہرا اس کے لئے علوم مجادلہ وکلام کی ضرورت قرار پائی اور چونکہ بعض مدافعات میں مخالف کے مذہب پر بھی نظر کی ضرورت ہوتی ہے اس ضرورت سے بھی اور نیز خود احقاق حق وابطال باطل کی غرض سے بھی جو کہ اشاعت اسلام کے لئے موقوف علیہ ہے اور یہ اشاعت خود مامور بہ اعظم ہے بعض اوقات دوسرے مذاہب پر مطلع ہونا ضروری ہوتا ہے۔ بعض غیر مقصود علوم کی تحصیل اس مرتبہ میں مقصود بالغیر ہوگی نیز اثبات امور واجبۃ الاثبات اور نفی امور واجبۃ النفی میں کچھ عقلی قوانین کی حاجت ظاہر ہے اس بناء پر بعض علوم آلیہ عقلیہ محتاج الیہ ہوں گے۔

اور چونکہ شریعت نے قرآن مجید کے الفاظ کے ساتھ بالذات بھی اعتنا فرمایا ہے۔ بضرورت حفاظت بھی اور بمصلحت ثواب تلاوت بھی اس لئے تجوید وقرات بھی واجب الاہتمام ہوا اس تقریر سے اجمالاً تمام علوم ضروریہ بالذات وبالغیر کی مختصر فہرست معلوم ہوگئی اور ساتھ ساتھ ان سب پر بقاء دین کا توقف عقلی عادی بھی معلوم ہو گیا۔ اور بقیہ امور پر توقف آگے جزو دوم میں مذکور ہوگا۔

ضروریات دین پر مطلع ہونے کے دو طریق

جزو دوم۔ عام لوگوں کو جو کہ علوم مذکورہ میں بوجہ عدم فراغ مہارت نہیں پیدا کر سکتے

ضروریات دین پر اطلاع ہونے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ خود ان کو اس کی حاجت محسوس ہو اور احساس کے ساتھ طلب و رغبت بھی ہو اور اس وجہ سے وہ کسی ماہر عالم کے پاس قصد کر کے جاویں اور سوال کر کے جواب حاصل کریں یہ استفتاء و افتاء ہے۔

دوسرا طریق یہ ہے کہ یا تو ان کو حاجت کا احساس ہی نہ ہو۔ یعنی مثلاً ان کو اپنے کسی فعل کے متعلق کوئی شبہ ہی نہ پیدا ہو اس لئے اس کی نسبت سوال کی حاجت نہ سمجھیں یا احساس ہو مگر جاذبہ عمل وتقویٰ کا تقاضا نہ ہو اس لئے پوچھنے کی بھی ضرورت نہ سمجھیں اور اس لئے ان کو علماء خود ابتداء خطاب کر کے متنبہ ومتوجہ کریں۔

اور چونکہ غفلت اکثر میں غالب ہے اس لئے علماء کو اجازت نہ ہوگی کہ عوام سے پہلے طریقہ کے منتظر رہیں بلکہ دوسرے طریقہ کا اختیار کرنا خود ان پر ضرور ہوگا اس سے مواعظ وخطبات عامہ کا محتاج الیہ بقاء دین کا ہونا ظاہر ہوا۔

جزو سوم تحصیل علم کی غایت عمل ہے اور اعمال میں عموماً جذبات باطنہ محمودہ کا سخت دخل ہے اور ان جذبات کے ساتھ دوسرے جذبات نفسانیہ جن کی بناء بعض منافع دنیویہ کا جلب یا بعض مضار دنیویہ کا دفع ہے اکثر اوقات منازعت کرتے ہیں اور بوجہ ان جذبات نفسانیہ کے اوفق بالمرافق العجالہ ہونے کے اکثر یہی غالب آتے ہیں اور اس کے مغلوب کرنے اور جذبات محمودہ کے غالب کرنے کے لئے صرف ایک ہی چیز کام دینے والی ہے یعنی ہمت بمعنی عزم مصمم۔

اور تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ بہت کم طبائع ایسی ہیں کہ حالت انفراد میں ان کے عزم کو تصمیم ہو جاوے اس لئے اکثر کے لئے اس کی سخت حاجت ہوگی کہ وہ کسی صاحب عزم مصمم کے ساتھ چندے مجتمع رہے کہ اس کے عزم کو دیکھ دیکھ کر اس کے عزم میں تصمیم پیدا ہو اور پھر بعد راسخ ہو جانے ملکہ کے مفارقت اور انفراد بھی مضر نہ ہوگا اور اس مصلحت تصمیم عزم کے ساتھ ہی دوسرے منافع ومصالح بھی مثل اطلاع کے دقائق مکائد نفس پر اور تطہیر اعمال کے شوائب اغراض فاسدہ سے اور ایک وجدانی و ذوقی تعلق پیدا ہو جانے کے حق تعالیٰ کے ساتھ وغیر ذالک بھی ان کی صحبت سے میسر ہوتے ہیں۔

اس سے ضرورت مفہوم ہوگئی ہوگی حضرات مشائخ صوفیہ کی صحبت میں چندے رہ کر ان کے ارشادات پر عمل کرنے کی اور یہ ضرورت مشترک ہے خواص وعوام یعنی علماء وغیر علماء کے درمیان میں۔

پس حکم اول کے ان اجزاء ثلثہ میں بقاء دین کا توقف جمیع امور مذکورہ پر ثابت ہو گیا اور یہی مدعا تھا اور یہ

حکم آیت کے ان جملوں میں یَدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (جو خیر کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں اور نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔)

اجمالاً اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارت میں تفصیلاً موجود ہے۔ جو اسی اجمال کی تفصیل ہے چنانچہ دعاء الی الخیر و امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ان سب پر منطبق ہو جانا اہل علم پر مخفی نہیں رہ سکتا۔

حکم دوم۔ ان علوم کی تحصیل کے دو درجے ہیں ایک مجموعہ مقاصد و آلات کا مہارت کے ساتھ جمع کرنا دوسرے صرف مقاصد پر اور اس میں بھی ہر وقت کے اقتضاء کے موافق ضروری مقدار پر پھر دوسرے وقت پر اس وقت کے اقتضاء کے موافق ضروری مقدار پر اکتفا کرنا۔

اور ظاہر ہے کہ درجہ اول کے لئے ہر امتی فارغ نہیں ہے اسی لئے اسلام کے کسی دور میں بھی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہر ہر واحد اس درجہ کا جامع ہوا ہو البتہ ہمیشہ یوں رہا ہے اور اب بھی یہی ہو سکتا ہے اور اتنا ہی ہونا کافی بھی ہے کہ دوسرا درجہ عام رہے اور پہلا درجہ خاص جماعت کے ساتھ خاص رہے مگر وہ جماعت ہر جگہ شمار میں اتنی ہو کہ اس جگہ کی ضروریات دینیہ کے لئے کافی ہو سکے پہلے درجے کے لوگوں کو عوام یا طلبہ کہا جاوے گا اور دوسرے درجے کے لوگوں کو خواص یا علماء کا لقب دیا جائے گا۔

(تم بہترین امت ہو جسے لوگوں سے منتخب کیا گیا ہے) حدیث یہ ہے طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة (المعجم الکبیر للطبرانی ۱۰: ۲۴۰، البدایة والنھایة ۱۱: ۳۲۲)

(علم دین کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے) نیز صدر کی آیت و حدیث بھی اس درجہ کے ذکر سے خالی نہیں آیت میں یدعون کا مفعول مقدر اور حدیث میں لفظ امتی کے مصداق کا (کہ من کا مجرور ہے) بقیہ اس سے عبارت ہے۔

بقاء دین کا موقوف

حکم سوم۔ جس جماعت کو علماء و خواص سے اوپر ملقب کیا گیا ہے اور جس کو قرآن و حدیث میں امة داعیہ الی الخیر اور طائفہ منصورین فرمایا گیا ہے اس جماعت کا قائم ہونا اور ہمیشہ قائم رہنا مقاصد شرعیہ اور واجبات دینیہ سے ہے۔ چنانچہ قرآن میں ولتکن صیغہ امر اس وجوب پر دلالت کرنے کے لئے کافی ہے تو بعد انضمام حکم دوم ایک ایسی جماعت کا جن میں علماء مفسرین و محدثین وفقہاء و اصولیین و متکلمین و خطباء و صوفیہ ہوں قائم کرنا سب مسلمانوں پر فرض ہوا اور بعد انضمام حکم اول بقاء دین کا اس جماعت علماء پر موقوف ہونا ثابت ٹھہرا۔ تجربہ متعلقہ تکمیل و تسہیل حکم سوم۔

مرکزی دار العلوم کی ضرورت

اس میں کلام زیادہ طویل کرنے کی حاجت نہیں زمانہ کے اسباب و واقعات نے تجربہ

ومشاہدہ کرا کراس کے تسلیم کرا لینے پر بلاشبہ مجبور کر دیا ہے کہ اس شان کی جماعت علماء کی جس کا اوپر ذکر ہوا ہے تیاری کی تکمیل موقوف عادی ہوگئی ہے اسباب خاصہ کے جمع ہونے پر ان اسباب کا خلاصہ آئندہ کی مختصر سطور سے سمجھ میں آ جاوے گا وہ یہ کہ جا بجا اسلامی علوم کی کفالت کے لئے مدارس ہوں اور ان میں علوم دینیہ کا درس ہو اور ان کا ایسا نظم ہو کہ ان کے محصلین میں ایسے کاملین کی جماعت پیدا ہو جو مذکورہ بالا خدمات دین کے لئے بالکل کافی ہوں۔

اور چونکہ مشاہدہ ہے کہ ہر مدرسہ میں کاملین تیار ہونے کا نہ سامان ہے اور نہ مسلمانوں کی حالت سے یہ امید ہے کہ ہر ہر مدرسہ میں اتنا سامان مہیا کر سکنے کے وہ متحمل ہو سکیں اس واسطے یہ ضرور ہوگا کہ بعض مدرسے ایسے ہونے چاہئیں۔ پھر وہ اگر متعدد ہوں اور ایک کا دوسرے سے کوئی ارتباط واتساق نہ ہو تو اس صورت میں تجربہ ہی اس ماننے پر مجبور کرتا ہے کہ بوجہ اس کے کہ طبائع میں استبداد و انفراد غالب ہے بہت جلد ایک دوسرے کے گھٹانے یا مٹانے کی فکر میں پڑ کر دونوں ہی اس اثر سے متاثر ہوں گے اور کوئی بھی کامیاب نہ ہوگا۔

اور اگر باہم کوئی ارتباط ہو تو اگر تساوی کے ساتھ رہے تو اس پر بھی تجربہ ہی شہادت دینے کے لئے تیار ہے کہ محض تساوی کے ساتھ وہ ارتباط رہ نہ سکے گا چنانچہ قدرتی یہ ہی راز ہے بنی آدم میں باوجود تشارک نوعی کے عقلاً تشارک حکمی کے جائز نہ ہونے کا اور بالاضطرار ایک کے فرمان روا ہونے اور لاکھوں کروڑوں اسی فرمان روا جیسے ہاتھ پاؤں رکھنے والوں کے زیر فرمان ہونے کا۔

اور اگر تساوی کے ساتھ نہ ہو بلکہ ایک کو دوسرے کا تابع بنایا جاوے تو اس کا حاصل یہ ہوا کہ اگر اسی درجہ کے علماء تیار کرنے والے متعدد مدارس بھی ہوں تب بھی ان سب کا مرکز اور صدر اور متبوع اور قطب الرحی ایک ہی مدرسہ ہونا چاہئے۔

اور جب ایک کی مرکزیت کی ضرورت تسلیم کر لی گئی تو اب اس خصوص میں گفتگو کرنا کہ ایسے مدارس متعدد ہوں یا ایک ہو قبل از وقت اور فوق از منصب تسلیم کنندہ مرکزیت کے ہے کیونکہ جب ایک کو مرکز مان لیا تو اب اس کا فیصلہ اس مرکز ہی میں ہو جاوے گا ممکن ہے کہ وہ مرکز مجموعہ حالات داخلیہ و خارجیہ پر نظر کر کے سردست ایسے مدرسہ کا ایک ہونا اور آئندہ ضرورت و مصلحت و وسعت کے بنا پر متعدد ہونا مناسب قرار دے اس وقت تو مقصود اعظم اس کا تسلیم کرانا تھا کہ مرکز ایک ہی مدرسہ ہونا چاہئے سو وہ مسلم ہو چکا۔

پس حاصل ان اسباب موقوف علیہ تکمیل اعداد جماعت مذکورہ کا یہ ہوا کہ مثلاً ہم لوگوں کے

لئے ہندوستان میں ایک ایسا مدرسہ مرکزیہ تجویز کیا جاوے کہ تمام مدارس اسلامیہ اس کے تابع ہوں اور ہر مدرسہ کا درس اس مدرسہ مرکزیہ کی رائے سے معین کیا جاوے اور ان مدارس کے محصلین جب اس درس سے فارغ ہو جاویں تو اس مدرسہ مرکزیہ میں تکمیل کے لئے آ جاویں اور تکمیل سے مراد درسیات متعارفہ کا پورا کرنا نہیں یہ تو ان مدارس فرعیہ میں سے بھی بہت سے مدرسوں میں رہ سکتا ہے اور خود اس مدرسہ مرکزیہ میں بھی مثل دیگر مدارس کے یہ نصاب بھی رہنا چاہئے۔

اکابر کا طریق

بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہمارے اکابر کا طریق تھا کہ باوجود جامعیت کے زیادہ توجہ ہر محصل کے مناسبت طبیعت وموافقت مذاق کے لحاظ سے کسی خاص فن کی طرف کی جاتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ سب کامل ہی ہوتے تھے اور گو قدرتی طور پر اب بھی یہ طریقہ جاری ہے کہ بعض تحصیل نصاب متعارف کے سب کی توجہ الگ الگ خاص خاص فنون کی طرف ہو جاتی ہے۔

لیکن بڑا فرق ہے اس میں کہ توجہ ہو اور سامان نہ ہو یا کم ہو اور اس میں کہ توجہ ہو اور سامان بھی پورا ہو اکابر کے پاس اگر سامان میں کچھ کمی ہوتی تھی تو وہ اپنی جدوجہد وصبر ومشقت ونیز فطری اصابت فہم سے اس کی تلافی کر لیتے تھے اور اب یہ جزو مابہ التلافی خود کمیاب ہوتا جاتا ہے ونیز اس وقت دوسرے مذاہب وملل والے بھی ایسے ضوابط سے کام نہ لیتے تھے اس لئے اہل حق کو بھی اس کی ضرورت نہ تھی اب ایک تغیر یہ بھی ہو گیا ہے اس لئے بہت ضروری ہے کہ جس کی مناسبت جس علم سے دیکھی جائے اس کو اس علم کی کتابیں زیادہ مقدار میں دی جاویں اس علم کے ماہر اساتذہ کی صحبت میں اس کو چندے رکھا جاوے اس کی ضروریات کی کفالت کی جاوے تاکہ فراغ کے ساتھ ترقی ومہارت حاصل کر سکے تکمیل سے ہماری یہ مراد ہے ایسی تکمیل کے لئے اس مدرسہ مرکزیہ میں ایک درجہ ہونا چاہئے۔ ایسے مدرسہ کا لقب پہلے سے عام وخاص کی اصلاح میں دارالعلوم ہوتا ہے اور اس کے اس درجہ خاص کا نام جس میں اس طور پر تکمیل ہو درجہ تکمیل۔

اس تقریر سے ثابت ہوا کہ ایسی جماعت خادم دین کی تیاری کے لئے ایک اسلامی دارالعلوم کی مرکز المدارس ہو اور اس دارالعلوم میں درجہ تکمیل کی ضرورت ہے پس اس میں باقتضائے حکم سوم بانضمام مقدمۃ الواجب واجب مسلمانوں پر اس دارالعلوم کا قائم کرنا واجب ہوا۔

اور اگر اس مجموعی سامان کو اس مقصود کی تکمیل کا موقوف علیہ نہ بھی مانا جاوے اور دعویٰ کیا

جاوے کہ بدون اس کے بھی مقصود کی تکمیل ہوسکتی ہے تاہم اس میں تو شبہ ہی نہیں کہ اس سامان سے مقصود میں سہولت تو ضرور ہے پس اگر مقصود کی تکمیل کا موقوف علیہ نہ بھی ہو لیکن اس تکمیل کی تسہیل کا موقوف علیہ تو ضرور ہے اور حدیث میں سنت نبویہ مصرح ہے ماخیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی امرین الا اختار ایسرھما (سنن ابی داؤد ۴۷۸۵)

(جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دو کاموں میں سے ایک کا اختیار دیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں میں سے آسان کام کو اختیار فرماتے تھے) پس اگر ایسا دارالعلوم بنانا واجب نہ ہوگا تو سنت ہونے میں تو شبہ ہی نہیں۔ اور یہ احتمال سنیت کا اس وقت تبرعاً وتنزلاً منوانے پر اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ بطور پیشین گوئی نہ کہ کشفاً بلکہ فراستۃً کہتا ہوں کہ مسلمانوں پر جو زمانہ آ رہا ہے اس کو دیکھنے کے وقت آج وجوب کا انکار کرنے والے ان شاء اللہ تعالیٰ اس کو فرض کہتے ہوئے نظر آویں گے اور اس وقت ایسے دارالعلوم کا قائم کرنا محال تو نہیں مگر غالباً دشوار ضرور ہوگا۔

مرکزی دارالعلوم کا روح وجسد

کیونکہ جس شان کے محققین ومتدینین علماء میں اس وقت موجود ہیں ظاہراً آئندہ کمی ہوگی جیسا اس وقت پہلے سے کمی ہے اور ظاہر ہے کہ جس قدر سامان میں کمی ہوتی ہے مقصود میں دشواری ہوتی ہے اور روح ایسے دارالعلوم کی معلمین محققین ہی ہیں اور باقی سامان اس روح کا جسد۔

اے مسلمانو خوش ہو جاؤ کہ جو کام سب کے ذمہ سنت تھا یا واجب یا آئندہ کی حالت قریبہ دیکھ کر فرض۔ وہ آپ سب کی طرف سے ایک مختصر مگر برگزیدہ جماعت نے شروع کر دیا ہے یعنی ایک مدرسہ کو اسی شان کا دارالعلوم بنانا قرار دے دیا ہے۔ یہاں تک تو امید ہے کہ سب کے نزدیک پہلے سے مسلم یا اب واجب التسلیم ہوگا اب صرف کلام اس کی تعیین میں رہا مگر قبل اس کی تعیین کے مستحسن بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان خواص واوصاف میں بحث کی جاوے جو دارالعلوم کے لئے شایاں ہیں اس سے تعیین میں بھی سہولت ہوگی سو میرے نزدیک بلکہ جو صاحب ذرا بھی غور وانصاف وتحقیق سے کام لیں گے ان کے نزدیک بھی ایسے دارالعلوم کے لئے ان اوصاف کی ضرورت ہے۔

(۱) وہ خالص مذہبی مدرسہ ہو یعنی دنیا کا نہ اس میں غلبہ ہو نہ خلط ہو کیونکہ اگر غلبہ ہے تو احکام وآثار میں حکماً ووقوعاً اعتبار غالب کا ہوتا ہے اس لئے وہ دنیوی مدرسہ ہوگا اور گفتگو ہی مذہبی دارالعلوم میں اس لئے دنیوی مدرسہ مذہبی دارالعلوم نہیں ہوسکتا اور اگر دنیا کا خلط ہے تو تجربہ سے طے ہو چکا ہے کہ دنیا بوجہ عاجل ہونے کے نفوس کو جلدی اپنی طرف مائل کرتی ہے تو دنیا ودین کا جامع بنانا مآل کار دنیادار بنانا ہے تو ایسا مدرسہ بھی دنیوی مدرسہ ہوگا جو مذہبی دارالعلوم نہیں بن سکتا۔

خدمت دین کے لئے محض تحصیل علوم کافی نہیں

دوسری غرض دار العلوم سے خادمان مذہب کا پیدا کرنا ہے اور خدمت مذہب کے لئے صرف تحصیل علوم ہی کافی نہیں بلکہ اس کے لئے سخت ضرورت ہے تقدس و تعشق دین و خلوص و للّٰہیت و توکل و قناعت و تواضع و انکسار و تحمل مشاق و مصاعب کی اور خلط دنیا کے ساتھ یقینی اور مشاہد ہے کہ یہ صفات پیدا نہیں ہوسکتیں نیز ان صفات کے پیدا ہونے میں ان اوصاف والوں کے صحبت طویلہ کو اور صحبت بھی بلا شرکت ان کے اضداد کے بڑا دخل ہے اور خلط کی صورت میں یا تو ایسی صحبت ہی میسر نہ ہوگی یا اگر ہوئی تو بوجہ خلط بالدنیا کے ان کے اضداد کی معیت ان آثار کو ضعیف کرتی رہے گی غرض ایسی جگہ کی آب و ہوا دینی و مذہبی نہیں ہوسکتی اور بدون اس کے یہ اوصاف نہیں پیدا ہوسکتے اور بدون ان اوصاف کے کوئی خادم دین نہیں بن سکتا تو ایسے مخلوط مدرسہ سے خدام دین نہیں پیدا ہوسکتے اس لئے وہ دار العلوم بھی نہیں بن سکتا۔

(۲) اس مدرسہ میں اساتذہ محققین و مشائخ کاملین کافی مقدار میں مجتمع ہوں کیونکہ غرض دار العلوم سے ایسے ہی لوگوں کا پیدا کرنا ہے تو اگر وہاں علماً و عملاً اہل کمال نہ ہوئے یا ہوئے مگر کم مقدار میں ہوئے تو ایک صورت میں نفس غرض اور دوسری صورت میں غرض کی مقدار کافی و محتاج الیہ مرتب و حاصل نہ ہوگی۔

(۳) وہاں سرمایہ کتب و مساکن و مطاعم و ملابس طلبہ کے لئے کافی مقدار میں ہو کیونکہ یہ سب موقوف علیہ ہیں غرض مقصود کے اور یہ ظاہر ہے۔

(۴) عام مسلمانوں کے دلوں میں اس کی وقعت اور میلان اور اس کے کارکنوں پر وثوق و اعتبار کیونکہ یہ دار العلوم لابد محتاج ہوگا مسلمانوں کی امداد کا اور امداد کے لئے یہ امور عادۃً موقوف علیہ ہیں۔

اب بعد اثبات ضرورت ان اوصاف کے آگے دو صورتیں ہیں یا تو کوئی نیا مدرسہ اس شان کا ہو یا مدارس قدیمہ میں سے کسی مدرسہ کو اس درجہ پر پہنچا دیا جاوے فی نفسہ تو دونوں صورتیں ایک ہی درجہ میں تحصیل غرض کے لئے مساوی ہیں لیکن اندرونی اور بیرونی اسباب پر نظر کرنے سے ایسا جدید مدرسہ قائم کرنا دشواری سے خالی نہیں۔

اندرونی اسباب تو یہ کہ اس جدید مدرسہ کے لئے اس درجہ کے علماء و مشائخ جو کہ فارغ ہوں کہاں سے آویں گے اور اتنے مشغولین کا فارغ ہو جانا یہ کوئی سہل بات نہیں۔ اور بیرونی

اسباب یہ کہ اتنے سامان فراہم کرنے کے لئے جس میں سب سے پہلے ایک بہت بڑا مکان اور ایک بہت بڑا کتب خانہ ہوگا قبل کام شروع ہونے کے لاکھوں روپیہ کی ضرورت ہوگی جس کے لئے مسلمانوں کو ہم تیار نہیں پاتے خاص کر اس وجہ سے بھی کہ اس وقت وہ خیال محض فرضی وہوائی ہو۔ انسان طبعاً آنکھوں کے سامنے کی موجودہ کام کی صورت کی طرف منجذب ہوا کرتا ہے۔

مدرسہ دیوبند کی انفرادیت

غرض ان بیرونی واندرونی اسباب کی دشواری جدید مدرسہ سے کار برآری کی متوقع نہیں ہونے دیتی لامحالہ دوسری شق متعین ہوگئی کہ کسی قدیم مدرسہ ہی کے لئے معراج ترقی پر پہنچانا تجویز کیا جاوے۔

اب یہ بات کہ قدیم مدارس میں سے وہ مدرسہ کونسا مدرسہ ہو تو بعد معلوم ہو جانے ان خصوصیات لازمہ کے جو دارالعلوم کے لئے شایان ہیں جن کا اوپر چار نمبروں میں ذکر کیا گیا ہے اس سوال کے جواب میں میرے کسی دعوے کی ضرورت نہیں ہر صاحب نظر فیصلہ کر سکتا ہے کہ جس مدرسہ میں وہ خصوصیات ہوں وہی اس تخصیص کے لئے احق ہے اور اس کا دیکھ لینا بھی کچھ دشوار نہیں کہ وہ کون سا مدرسہ ہے جس میں ان خصوصیات کا اجتماع محسوس وبین ہے۔

شاید اب بھی کسی کو اس مصلحت سے کہ بعض طبائع کو بعد تسمیہ کے تطبیق میں غور کرنا سہل ہوتا ہے اس مدرسہ کے نام سننے کا انتظار ہو سو جو مدرسہ میرے نزدیک اس شان کا ہے اس میں میرا تحصیل درسیاست کرنا اس کو گو نام لینے سے عرفاً مانع ہے کہ وہ نام لینا کہیں اس پر محمول نہ کیا جاوے کہ جس کا کھائیے اس کا گائیے مگر یہ مانع اتنا قوی نہیں جس قدر مقتضی تسمیہ کا کہ شرع اور عقل ہی قوی ہے اس لئے حدیث الدین النصیحة (الصحیح للبخاری ۱: ۲۲، مشکوۃ المصابیح ۴۹۶۹) (دین خیر خواہی کا نام ہے) پر نظر کر کے اس مدرسہ کا نام بلا کسی لقب کے بتلائے دیتا ہوں اس کا نام ہے مدرسہ دیوبند۔

اور بلا لقب اس لئے بتلایا گیا کہ جس کا نام ہی سننے سے اس کے تمام اوصاف وکمالات مثل لازم بین کے سب نظروں میں پھر جاتے ہوں اس کا نام ہی لقب ہے پھر لقب بڑھانا تحصیل حاصل ہے کیا عجب ہے کہ یہی قدرتی راز ہو اس کا کہ اس وقت بہت کم مدارس ایسے ہوں گے جن کا کوئی نہ کوئی علم بھی نہ ہو بجز مدرسہ دیوبند کے کہ اول سے اس وقت تک اس کا کوئی علم بھی ہوا ہی نہیں صرف مدرسہ دیوبند کہا جاتا ہے۔ ولنعم ماقیل

زعشق نا تمام ماجمال یار مستغنی است بآب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبارا

وقیل ۔ دلفریباں نباتی ہمہ زیور بستند دلبر ماست کہ باحسن خداداد آمد

وقیل حسن الحضارۃ مجلوب بتطریۃ وفی البداوۃ حسن غیر مجلوب

اکمل الامت کے سادہ اسماء گرامی

اور اس کی ایک روشن اور پاک نظیر یہ ہے کہ امت میں جتنے اکابر سلف گذرے ہیں باوجود ان کے اکمل الامۃ مانے جانے کے آج ان کا نام کس سادگی واختصار سے بلا انضمام بڑے لمبے چوڑے لقبوں سے لیا جاتا ہے کسی کو یہ کہتے نہ سنا ہوگا جامع المعقول والمنقول حاوی الفروع والاصول حضرت مولانا الحاج الحافظ القاری الشاہ مولوی ابوحنیفہؒ وکذا وکذا۔ اکثر تو صرف ابو حنیفہؒ کہا جاتا ہے اور اسی میں محبت وعظمت کا وہ لطف آتا ہے کہ بڑے بڑے القاب وآداب میں نہیں آتا اور جو کسی کا بہت ہی شوق ہوا تو امام کا لفظ بڑھا دیا جیسا بعینہ اسی طرح چندروز سے خود بخود لوگوں کے السنہ پر مدرسہ دیوبند کے ساتھ عالیہ کا لفظ اطلاق کیا جانے لگا ہے۔

یہ ایک مضمون بطور جملہ معترضہ کے لفظ ''بلا لقب'' کی توضیح میں بڑھ گیا جس کی ناظرین سے معافی چاہتا ہوں بالجملہ وہ مدرسہ جو بوجہ جامع خصوصیات بالا ہونے کے دارالعلوم ہونے کے لائق ہے مدرسہ دیوبند ہے چنانچہ اس کا دارالعلوم ہونا بفضلہٖ تعالیٰ طے ہوگیا ہے۔

الجامعۃ القاسمیہ

اور اس کا سب سے پہلا قاعدہ جو کبھی متغیر ومتبدل نہ ہوگا نہایت اہتمام والتزام کے ساتھ منظور ہوا ہے کہ اس دارالعلوم کے افسر اعلیٰ اکابر علماء اہل حق کی ایک خالص مذہبی جماعت ہوگی اور تمام منتظمین پر ان کا ہر حکم بلا مزاحمت وبلا معاوضہ کثرت رائے وبلا تفتیش وجوہ وعلل فیصلہ ناطق سمجھا جاوے گا اور اس جماعت کا لقب الجامعۃ القاسمیہ تجویز کیا گیا ہے۔

اور مدرسہ موصوفہ کا ان خصوصیات کا جامع ہونا فلسفی مزاجوں کے نزدیک خواہ کسی سبب ظاہری سے ہو مگر ہمارا تو یقین اور اعتقاد ہے کہ اس کا سبب صرف ایک امر باطنی ہے وہ یہ کہ وہ ایسے مقبولان الٰہی کا بنا کردہ ہے جن پر اصاغر تو کیا ان کے اکابر بھی فخر کرتے تھے بقول کسی صاحب ذوق کے

شاباش آں صدف کہ چناں پرورد گہر　　آبا ازد مکرم وابناء عزیز تر

(اس سیپی کو مبارک ہو جس نے ایسے موتی کی پرورش کی جس کے باپ دادا اکرام والے اور بیٹے عزت والے ہیں)

اور بانی کی برکت کا موجب ترقی اصلی ہونا ایک عارف کی شہادت میں مصرح بھی ہے وہ مولوی رومی ہیں۔

حیث یقول کعبہ را ہر دم تجلی میفزود　　این زاخلاصات ابراہیم بود

(جیسا فرماتے ہیں کہ کعبہ پر ہر وقت تجلیات بڑھ رہی ہیں یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاص کی بناء پر ہے۔)

میرا نام لینا اس غرض سے نہیں کہ میرے نام لینے ہی سے میرے دعوے کو مان لیا جاوے یہ نام لینا تو صرف ان لوگوں کے انتظار کے جواب میں تھا جن کو تطبیق اوصاف میں نام لینے سے سہولت ہوتی ہے باقی اصل مدار اس دعویٰ کا ان خصوصیات کا منطبق ہونا ہے سو میں درخواست کرتا ہوں کہ میرے نام لینے سے قطع نظر کر کے خود سب حضرات نمبر وار غور فرمائیں کہ مجموعہ اوصاف کا جامع اس وقت کون سا مدرسہ ہے۔

مجموعہ اوصاف کا جامع دارالعلوم

وصف اول نے تو تمام مدارس اسلامیہ خالصہ کو شریک رکھ کر خالص دنیوی اور دینی دنیوی مخلوط مدارس کو مستثنیٰ کر دیا ان پر کسی طرح اس کا احتمال ہی نہیں ہو سکتا اور اس وقت یہ مسئلہ ضروری البحث نہیں کہ وہ اپنے اپنے غرض موضوع لہ میں کیسے ہیں یا کون کامیاب ہے کون نہیں اور پھر ہو سکتا ہے یا نہیں اس وقت تو صرف یہ کہا جاتا ہے کہ وہ خالص مذہبی دارالعلوم نہیں بن سکتے اور اگر وجدان و ذوق صحیح کے ساتھ مشاہدہ سے کام لیا جاوے تو صرف مشاہدہ اس دعوے کی کافی شہادت دے سکتا ہے۔

اور وصف دوم وسوم نے بہت سے معمولی مدارس کو مستثنیٰ کر دیا جہاں کمالی اور مالی ذخیرہ کم ہے اور خاص خاص مدارس شریک رہے گو بطور کلی مشکک قلت و کثرت کے تفاوت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن وصف چہارم نے بقیہ شرکاء سے بھی مدرسہ دیوبند کو ایسا امتیاز دیا ہے کہ

آفتاب آمد دلیل آفتاب　　گر دلیلت باید ازوے رومتاب

(سورج اپنے وجود کی خود دلیل ہے، اگر دلیل چاہو تو اس سے آج منہ پھیر لو)

عام اہل اسلام اپنے ہی قلوب کو ٹٹول لیں کہ اس مدرسہ کی طرف کس قدر کشش و رجحان اور اس کی خدمت کرنے میں اطمینان کے ساتھ کس قدر نشاط ہوتا ہے اور اگر کسی عارض سے کشش اور نشاط نہیں ہے تو یہ دیکھ لیں کہ وقعت اور عظمت کس قدر ہے غرض اگر ایک کے نزدیک محبوب ہے تو دوسرے کے

نزدیک معظم کیا اس کو دیکھ کر ہم انتم شهداء الله فی الارض (تم زمین پر گواہ ہو) سے استدلال نہیں کر سکتے۔ اب امید ہے کہ میرے اس دعوے کے صدق وصحت میں کسی کا اختلاف نہ رہے گا میں بقسم کہتا ہوں کہ فی هذه الدعوی اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَااسْتَطَعْتُ ط وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ ط عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔ (میں سوائے اصلاح کے اور کچھ نہیں چاہتا جس قدر مجھ سے ممکن ہے اور میری توفیق منجانب اللہ ہے میں نے اسی پر توکل کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔)

حکم چہارم۔ اس جماعت کی جب کہ وہ موجود ہو اعانت اور آئندہ اس کے قائم کرنے کے اہتمام کرنے والوں کی اعانت اور بعد اعتبار تجربہ متضمنہ حکم سوم بعنوان دیگر ایسے دار العلوم کی اعانت وامداد عامہ امت پر ضروری ہے چنانچہ ولتکن سے اس جماعت کے قیام کا وجوب اور مشاہدہ سے اس قیام کا اعانت عامہ پر توقف یہ اس وجوب اعانت کے لئے کافی دلیل ہے۔

اور کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ جب حدیث لایــزال الخ سے وجود تکوینی اس جماعت کا ثابت ہوتا ہے جیسا ابتدائی مضمون میں اس حدیث کے ذیل میں بیان ہوا ہے تو بعد تکفل حق تعالیٰ کے خلق کے تکفل کی کیا ضرورت ہے جو اس تکفل کو موقوف علیہ قرار دے کر واجب کہا جاوے جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے تکفل کا اسی طرح ظہور ہوتا ہے کہ مخلوق پر اس تکفل کو واجب فرمایا اور ہزاراں ہزار بندوں کو اس واجب کے ادا کرنے کی توفیق دی اور بعد ادائے واجب کے اس کا ثمرہ کہ قیام جماعت ہے مرتب ہوا تو وعدہ الٰہیہ اس طرح صادق ہو گیا۔

جس طرح قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ فرما کر اس کو اس طرح پورا کیا کہ بندوں کو بھی اس کا مکلف بنایا اور مکلفین میں بہت لوگوں کو توفیق دی تو کیا کسی کو اس کہنے کی گنجائش ہے کہ جب حق تعالیٰ نے حفاظ قرآن کی کفالت فرمائی ہے تو ہم کو اس کے اہتمام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسی طرح اس جماعت کے وجود کے وعدہ سے اقامت جماعت کے اہتمام کا واجب ہونا لازم نہیں آتا اگر کسی کو دوسرا فلسفی شبہ ہو کہ اس صورت میں حق تعالیٰ کا فعل ہمارے فعل پر موقوف ہوا تو نعوذ باللہ منہ واجب کو ممکن کی طرف احتیاج لازم آئی اس کا جواب یہ ہے کہ تقریر بالا سے معلوم ہوا ہو گا کہ اصل موقوف علیہ توفیق ہے اور توفیق خود فعل حق ہے اور اس کے بعد جو بندہ کا فعل ہے وہ توفیق کا موقوف علیہ نہیں بلکہ توفیق کے لوازم متاخرہ سے ہے اور توقف شئی علی شئی آخر سے اس پہلی شئی کا توقف اس شئی آخر کے لازم متاخر پر

لازم نہیں آتا کوجود النہار یتوقف علی طلوع الشمس الذی من لوازمہ المتاخرۃ طمس الکواکب فلا یلزم توقف وجود النہار علی طمس الکواکب ولا یلزم ان یکون لطمس الکواکب مدخل فی وجود النہار فافہم۔

حکم پنجم:۔ جوایسی جماعت کی یا اس کی اقامت میں سعی کرنے والوں کی نصرت واعانت نہ کریں گے وہ حق تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں لا یضرھم من خذلھم ۔(میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت موجود رہے گی)۔ میں سخن فہم کی نظر میں اس کی صراحت ہے چنانچہ ابتداء مضمون ہذا میں اس حدیث کے تحت میں اس کی ایک تقریر بھی کی گئی ہے ملاحظہ فرمایا جاوے اور اس طرح بھی اس کی تقریر ہوسکتی ہے کہ من خذل سے ضرر رسانی کی نفی کی گئی ہے تو خذلان اگر امر جائز ہوتا تو شرعاً ضرر رسائی کا اس میں احتمال ہی نہ تھا تو نفی کی ضرورت ہی نہ تھی۔ نفی اسی لئے کی کہ فی نفسہ متوجہ ہوں گے اور جو نہ ہوں گے ان کے نہ ہونے سے کچھ ضرر نہ ہوگا اور ضرر نہ ہونے کی ظاہری صورت وہ ہوگی جس کو ایک آیت کریمہ میں فرمایا ہے وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُم ۔(اور اگر تم روگردانی کروگے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کرے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے)۔ یہاں بھی اس مضمون کو یاد کرلیا جاوے جو اختلاف اجتہادی کے متعلق حکم پنجم اخیر میں مذکور ہوا ہے جس میں اہل عذر اجتہادی مستثنیٰ کیے گئے۔

غنا ظاہری و باطنی

حکم ہفتم بقول شاہ ولی اللہ صاحبؒ بنام خدا اس دارالعلوم میں ان لوگوں کو تیار کرنے کا سامان کیا جاوے مفسر محدث فقیہ متکلم مناظر مصنف مفتی واعظ اور ایسے لوگ ان خدمات کے لئے منتخب کئے جاویں جو یا تو غناء ظاہر رکھتے ہوں یا غناء باطن اور ان کی مالی خدمات حسبۃ للہ عمر بھر کی جاوے اور وہ عمر بھر دین کی خدمت میں خالصاً للہ مشغول رہیں۔ لفظ خلفاء باطنین میں اس طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ خلافت نبوۃ کی ہے اور انبیاء علیہم السلام کا یہی طریق رہا ہے کہ انہوں نے اشاعت دین پر معاوضہ نہیں لیا۔ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مَا لًا اَمْ تَسْئَلُھُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّکَ خَیْرٌ ۔(میں تم سے معاوضہ کا سوال نہیں کرتا میں تم سے مال کا سوال نہیں کرتا)۔ اسی طرح وارثان علوم نبویہ کے لئے بجائے اکتساب کے ان کے نفقات قوم کے ذمہ قرار دیئے گئے۔ قال اللہ تعالیٰ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ الخ۔(اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ فقراء جو اللہ کی راہ میں محصور ہیں اور زمین پر چل پھر نہیں سکتے۔)

حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھیؒ

اب میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں اور اس مختصر مضمون میں صرف اجمالی خاکہ ضرورت وحالت دارالعلوم کا کھینچا گیا ہے۔ اس کے بعد میں مولانا عبید اللہ صاحب ناظم جمعیۃ الانصار سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ زبانی یا اپنی تحریرات سابقہ یا حال کے ذریعہ سے جو کہ اسی مضمون میں لکھی گئی ہوں اس مضمون کی جس قدر مناسب سمجھیں تفصیل فرمادیں کہ وہ اس کو اچھی طرح سمجھے ہوئے ہیں اور اچھی طرح سمجھا سکتے ہیں بلکہ میں نے جو کچھ ان پریشان عبارات میں عرض کیا ہے وہ ان ہی کی توجہ کی برکت ہے اور میں یہ بات براہ تکلف نہیں کہتا بلکہ یہ ایک واقعہ ہے جو مجھ پر گذرا ہے کہ جب مجھ سے مولوی صاحب موصوف نے اس بات میں کچھ لکھنے واقعی میں خالی الذہن تھا کو فرمایا

ایک صفحہ کے لائق بھی ذہن میں مضمون نہ تھا اور مولوی صاحب نے فرمائش کی بیس صفحہ کی میں نے عذر بھی کیا مگر دوبارہ فرمانے سے قبول کرنا پڑا لیکن متردد تھا کہ کیا لکھوں گا صرف شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارت کہ وہ بھی مجھ کو مولوی صاحب ہی سے ملی تھی میرے پاس کل سرمایہ تھا گھر جب لکھنے بیٹھا غالباً پانچ گھنٹہ میں یہ بیس صفحہ لکھے گئے میرا اعتقاد یہ ہی ہے کہ اس فضل خداوندی کے ظاہری دو سبب ہوئے ایک مدرسہ دیوبند کی مقبولیت دوسرا مولوی صاحب کی توجہ کی برکت اس کے چاہے یہ معنی نہ ہوں کہ مولوی صاحب۔ صاحب تصرف ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ صاحب خلوص ہیں خلوص کی ایسی تاثیرات متعدیہ کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین۔

تقلیل الطعام
بصورۃ الصیام

مجاہدہ کی حقیقت کے بارے میں یہ وعظ ۷ رمضان ۱۳۴۰ھ بعد نماز جمعہ مسجد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں ۳ گھنٹے کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا جسے مولانا ظفر احمد تھانوی صاحب نے قلمبند فرمایا سامعین کی تعداد ۱۵۰ تھی۔

خطبہ ماثورہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ نَحۡمَدُهٗ وَنَسۡتَعِيۡنُهٗ وَنَسۡتَغۡفِرُهٗ وَنُؤۡمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيۡهِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَيِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ يَّهۡدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشۡهَدُ اَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ وَنَشۡهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

امابعد! فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا فِيۡنَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَا ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ۔ (العنکبوت آیت ۶۹)

(ترجمہ) اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو ضرور اپنا راستہ دکھلائیں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ مخلصین کے ساتھ ہے۔)

تشویش عام کا منشاء

ہر چند کہ اس رمضان میں بیان کا ارادہ نہ تھا دو وجہ سے ایک اس وجہ سے کہ آج کل لوگوں کی طبائع میں تاثر کا مادہ نہیں رہا ایک ہوا پھیل رہی ہے جس کی وجہ سے عام طبائع ادھر مشغول ہیں۔ لوگوں کو بیان بھی وہی پسند ہوتا ہے جو اس ہوا کے موافق ہو مسائل شرعیہ کا بیان اور خالص احکام کا بیان آج کل لوگوں کو پسند نہیں رہا۔ یہ تو ان کا حال ہے جو اس ہوا سے متاثر ہو چکے ہیں۔ اور جو اس سے پوری طرح متاثر نہیں ہوئے ان میں بھی ایک خاص عارض سے تاثر کا مادہ کم ہو گیا کیونکہ اس ہوا کا اثر ایسا پھیلا ہوا ہے کہ قلوب عام طور پر مشوش ہیں، جو لوگ گوشہ نشین

اور عزت گزین ہیں جن کو بجز ذکر و شغل اور اللہ اللہ کرنے کے کچھ کام نہیں ان کو بھی یہ شکایت ہے کہ ذکر میں دل نہیں لگتا انوار نہیں معلوم ہوتے وجہ یہ ہے کہ قلوب میں تشویش عام ہے طمانیت قلب مفقود ہو گئی اس ہوا کی ظلمت کچھ ایسی ہے کہ جن کے قلوب مطمئن ہیں ان کی بھی وہ حالت نہیں ہے جو اس سے پہلے تھی کیونکہ اس ہوا کا منشاء دین نہیں اگر اس کا منشا دین ہوتا تو اس میں ایک نور ہوتا ظلمت نہ ہوتی۔ اگر کسی دینی کام کی وجہ سے تشویش لاحق ہوتی ہے تو تجربہ ہے کہ اس سے نور قلب میں کمی نہیں آتی بلکہ نور بڑھتا ہے ہاں جس تشویش عام کا منشاء دنیا ہو اس سے بے شک ظلمت بڑھتی ہے جس کا اثر کم وبیش سب پر ہوتا ہے ان پر بھی جو اس تشویش میں مبتلا ہوں اور ان پر بھی جو اس سے الگ ہوں کیونکہ عموم بلوہ کی وجہ سے قریب قریب سب ہی مشوش ہوتے ہیں کوئی کم کوئی زیادہ تو ظلمت کا اثر بھی سب کے قلوب پر ہوتا ہے اور میں کہتا ہوں کہ اس ہوا کے حق نہ ہونے کی یہ بھی ایک کافی دلیل ہے کہ اس سے قلوب میں ظلمت بڑھ رہی ہے احکام الٰہیہ سے متاثر ہونے کا مادہ کم ہو گیا ہے ایک تو یہ وجہ تھی بیان کا ارادہ نہ ہونے کی کیونکہ جب سامع کے اندر تاثر ہی نہ ہو یا کم ہو تو بیان کرنے والے کی طبیعت کیونکر بڑھے

فہم سخن تا نکند مستمع قوت طبع از متکلم مجو

(جب تک سننے والا کلام کا سمجھنے والا نہیں ہوتا۔ بولنے والے کی قوت گویائی کو تلاش مت کرو)

طلب کی برکت

دوسری وجہ یہ تھی کہ کوئی مضمون ذہن میں نہ تھا اور جو مضامین تھے وہ مکرر تھے اس لئے اس رمضان میں بیان کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا لیکن بعض خیر خواہوں کی رائے ہوئی کہ کچھ بیان ضرور ہونا چاہئے اور ان دونوں وجہوں کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ اس وقت بعض لوگوں میں تو اس ہوا کا اثر ہی نہیں رہا۔ اب بہت کچھ سکون ہو چلا ہے اور جن میں وہ اثر ہے بھی تو ضعیف ہے جس میں بیان سے تغیر ممکن ہے۔ اس لئے امید ہے کہ سامعین پر بیان کا اثر ضرور ہو گا' سب پر نہ ہو تو بعض پر تو ضرور ہی ہو گا اس لئے مایوسی کیوں ہو۔

رہا مضامین کا مکرر ہونا تو مکرر میں حرج ہی کیا ہے' آخر کھانا بھی تو روزانہ مکرر ہوتا ہے جب تکرار کی وجہ سے غذائے جسمانی ترک نہیں کی جاتی تو غذائے روحانی کیوں ترک کی جائے۔ دوسرے مضامین مکرر میں بھی اکثر طرز بیان جدا ہوتا ہے جس سے نفع جدید ہوتا ہے۔ الغرض

مخلصین کی اس تقریر سے بیان کا کچھ کچھ ارادہ ہوا کیونکہ ان کی درخواست سے طلب مترشح ہوتی تھی تو میں نے خیال کیا کہ اگر ایک جماعت متاثر بھی نہ ہوگی تو کم از کم یہ مخلصین تو بیان سے متاثر ہوں گے۔ پھر دوسروں کی وجہ سے طالبین کا کیوں نقصان کیا جائے اور ان کو مسائل شرعیہ سے کیوں محروم رکھا جائے اور کیا عجب ہے کہ ان کی طلب کی برکت سے دوسروں پر بھی اثر ہو جائے اس کے بعد پھر مضمون بھی ذہن میں آ گیا تو تردد جزم سے بدل گیا اور بیان کا قصد کر ہی لیا اور ان شاء اللہ تعالیٰ امید ہے کہ حسب معمول رمضان رمضان ہر جمعہ کو بیان ہوتا رہے گا۔

روزہ کا بیان

اس وقت جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اس میں بظاہر رمضان کے متعلقات صیام وقیام وغیرہ کا ذکر نہ ہونے سے شاید سامعین کو تشویش ہوئی ہو کہ اس وقت کا بیان مناسب وقت نہ ہوگا حالانکہ وہ اس انتظار میں بھی تھے کہ رمضان کے احکام بیان کئے جائیں گے تو وہ مطمئن رہیں کہ بیان احکام رمضان ہی کا ہوگا اور اس وقت روزہ ہی کا بیان ہوگا لیکن اس آیت میں بالذات روزہ کا بیان نہیں بلکہ اس میں اس زمانہ کی عبادات کی روح مذکور ہے تو جب عبادات رمضان کی روح بیان کی جائے گی تو صورت بھی اس کی ساتھ ساتھ تبعاً بیان ہو جائے گی اور اگر صورت کا بیان نہ بھی ہوا تب بھی حرج نہیں کیونکہ مقصود تو روح ہوا کرتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ صورت بے کار ہے اس کی ضرورت نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ روح کا اہتمام صورت سے زیادہ ہوا کرتا ہے ورنہ مقصود دونوں میں بے کار کوئی نہیں کیونکہ سب جانتے ہیں کہ گو انسان میں اصل چیز روح ہے مگر بایں ہمہ جسم کو بیکار کوئی نہیں سمجھتا ورنہ چاہئے کہ اپنے بدن کی صحت وعافیت کا مطلق خیال نہ کیا جائے۔ بیماری میں دوا دارو بھی نہ کی جائے کیونکہ بیماری سے جسم ہی ہلاک ہوگا روح تو ہلاک نہ ہوگی۔ وہ تو جسم کے بغیر بھی باقی رہے گی، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں کوئی اس قاعدہ سے کام نہیں لیتا کہ اصل مقصود روح ہے صورت کی کیا ضرورت ہے بلکہ یہاں روح اور جسم دونوں کو مقصود سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح سمجھو کہ احکام شرعیہ میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں عمل کی یہ روح ہے وہاں بھی صورت اور روح دونوں مقصود ہیں بیکار کوئی نہیں بلکہ اس روح کا حصول خاص اس صورت پر موقوف ہوتا ہے کہ بدون اس عمل کے روح مقصود حاصل ہو ہی نہیں سکتی اس لئے مقصود دونوں ہوں گے گو یہ ضرور ہے کہ روح کا اہتمام صورت سے زیادہ ہونا چاہئے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ صورت محض بے کار ہے جیسا کہ بعض ملاحدہ اور جہال صوفیہ کا خیال ہے۔

تمام عبادات کی روح

اب سنیئے کہ وہ روح کیا ہے اس کا اس آیت میں بیان ہے سو مقصود بالذات اس آیت میں مجاہدہ کا بیان ہے اور یہی روح ہے عبادات رمضان کی بلکہ تمام عبادات کی بلکہ تمام شریعت کی کیونکہ سارے دین کا خلاصہ مجاہدہ ہی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ مجاہدہ کہتے ہیں لغت میں مشقت کو اور اصطلاح میں مجاہدہ کا نام ہے مخالفت نفس۔

سارے دین کا خلاصہ

اس کا حاصل بھی مشقت ہی ہے کیونکہ مخالفت نفس میں تعب ضرور ہوتا ہے۔ اور دین کا خلاصہ بھی مشقت ہی ہے کیونکہ اس میں ایک گونہ نفس کے اوپر پابندی لازم ہوتی ہے اور نفس پر پابندی گراں ہے وہ تو طبعی طور پر آزادی کا طالب ہے اسی لئے نفس پر اعمال دینیہ شاق ہوتے ہیں اور اسی لئے دین کا نام تکلیف ہے اور احکام شرعیہ کو احکام تکلیفیہ کہا جاتا ہے اور عبد کو مکلف کہتے ہیں گو تکلیف باعث راحت ہے مگر سب کو نہیں بلکہ خواص کو راحت کا سبب ہے ورنہ عوام کو تو دین پر چلنے سے تکلیف ہی ہوتی ہے جس کی یہ وجہ نہیں کہ احکام شرعیہ واقع میں دشوار ہیں یا طاقت سے باہر ہیں اگر ایسا ہوتا تو خواص کے لئے باعث راحت کیونکر ہو جاتے جو کام فی نفسہ دشوار ہوتا ہے وہ تو سب ہی کے لئے دشوار ہوتا ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ خواص کے لئے دین پر چلنا ذرا بھی دشوار نہیں معلوم ہوا کہ دین فی نفسہ تو دشوار نہیں بلکہ ایک عارض کی وجہ سے دشوار ہے وہ عارض یہ ہے کہ عوام کے نفوس پابندی کے عادی نہیں بلکہ آزادی کے عادی ہیں۔ تو بس دین کی دشواری اور تکلیف کا اصل یہ ہے کہ اس میں آزادی نہیں بلکہ تقیید ہے اور ظاہر ہے کہ محض اتنی بات سے کسی قانون کو سخت اور دشوار نہیں کہا جا سکتا کیونکہ پابندی تو ہر قانون میں ہوتی ہے اگر محض پابندی کا نام دشواری ہے تو ایک ڈاکو کو بھی یہ کہنے کا حق ہے کہ میں قانون سلطنت کو اس لئے نہیں مانتا کہ وہ دشوار ہے اور دشواری یہ ہے کہ اس میں مجھے پابند کیا جاتا ہے اور میرے جذبات کو دبایا جاتا ہے تو کیا عاقل اس کی اس بات کو تسلیم کر کے اسے معذور اور قانون کو دشوار مان لے گا ہرگز نہیں تو پھر ہم محض تقیید کی وجہ سے دین کو دشوار کیسے مان لیں ہاں یہ ضرور ہے کہ جن لوگوں کی طبائع آزاد ہیں ان کو دین کی پابندی گراں ہوتی ہے مگر یہ گرانی دین میں نہیں ہے بلکہ یہ خود آپ کے اندر ہے جیسے بچہ کو روٹی کھانا اور دودھ کا چھوڑنا گراں ہوتا ہے

اور وہ دودھ چھوڑتے ہوئے کیسا روتا اور مچلتا ہے تو کیا اس سے روٹی کا کھانا دشوار ہو جائے گا ہرگز نہیں ورنہ پھر آج سے بچوں پر یہ ظلم کرنا چھوڑ دیجئے اور ان کو ساری عمر ماں ہی کا دودھ پینے دیجئے مگر ایسا کوئی نہیں کرتا بلکہ یہاں سب یہ کہتے ہیں کہ روٹی کھانا تو بہت سہل ہے مگر بچہ کو اس لئے گراں ہے کہ وہ دودھ کا عادی ہو رہا ہے۔ جہاں وہ عادت چھوٹی پھر اس سے پوچھئے گا کہ روٹی کھانے میں کیا دشواری ہے اب تو اس کی یہ حالت ہوگی کہ رات دن روٹی روٹی پکارے گا اور اس کے بغیر چین نہ آئے گا اور ماں کے دودھ سے ایسی نفرت ہو جائے گی کہ خوشامد بھی کرو گے تو پاس نہ جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ یہی حال دین کی دشواری کا ہے کہ جب تک آپ آزادی کے عادی ہیں اسی وقت تک یہ گراں ہے اور جس دن آپ پابندی کے عادی ہو گئے اس دن آپ خود کہہ دیں گے کہ دین پر چلنا تو بہت ہی آسان ہے اور جب آپ کو احکام شرعیہ میں لذت آنے لگے گی اس وقت تو آپ پابندی کے ایسے عاشق ہوں گے کہ آزادی کے نام سے نفرت ہو جائے گی۔ جیسے بچہ کے منہ کو روٹی کا مزہ لگنے کے بعد ماں کے دودھ سے نفرت ہو جاتی ہے۔ بہرحال گو دین میں چلنا باعث راحت ہے اور یہ تقلید ہزاروں لذتوں کا سبب ہے مگر یہ خواص کے لئے ہے عوام کے لئے تو تکلیف ہی ہے اسی لئے عاقل بالغ کو مکلف اور دین کو تکلیف کہا جاتا ہے اور یہی حاصل ہے مجاہدہ کا تو سارے دین کا خلاصہ مجاہدہ ہوا۔

عبادات رمضان میں ہر قسم کا مجاہدہ

اور عبادات رمضان بھی احکام دین میں سے ہیں تو ان کا خلاصہ اور روح بھی مجاہدہ ہوا شاید آپ یہ کہیں کہ اس تقریر سے آیت کا خاص تعلق عبادات رمضان سے ظاہر نہ ہوا بلکہ عام تعلق ظاہر ہوا جو تمام احکام سے برابر ہے تو سنئے کہ اس آیت کو عبادات رمضان سے دو تعلق ہیں ایک تو عام تعلق ہے جو اس وجہ سے ہے کہ یہ عبادات بھی احکام دین میں سے ہیں اور سارے دین کا خلاصہ مجاہدہ ہے۔ دوسرا خاص تعلق ہے وہ یہ کہ ان عبادات میں بہ نسبت دوسرے احکام کے مشقت زیادہ ہے تو مجاہدہ کو ان سے زیادہ خصوصیت ہے۔ نیز دوسرے احکام میں تو مجاہدہ کے اقسام میں سے ایک یا دو قسم ہی موجود ہوتی ہیں اور عبادات رمضان میں سب اقسام مجتمع کر دی گئی ہیں گویا رمضان میں مجاہدہ کی تکمیل کر دی گئی ہے اس وجہ سے آیت کو عبادات رمضان سے خاص تعلق ہے اور اس کی تفصیل عنقریب معلوم ہو جائے گی کہ مجاہدہ کے اقسام کیا کیا ہیں اور ان سب کو رمضان میں کیونکر جمع کیا گیا ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ مجاہدہ میں دو قسم کے کام ہوتے ہیں بعض تروک ہیں جو چھوڑنے کے قابل ہیں اور بعض اعمال ہیں جو کرنے کے قابل ہیں۔ معاصی تو سب کے سب تروک ہیں۔ مثلاً زبان کا گناہ' نگاہ کا گناہ' معدہ کا گناہ' دل کا گناہ یہ تو چھڑائے جاتے ہیں اور طاعات اعمال ہیں جن کو کرنا پڑتا ہے۔ جیسے نماز' روزہ' حج' زکوۃ' حقوق معاشرت' حقوق زوجیت وغیرہ اور چونکہ یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مجاہدہ سارے دین کا خلاصہ ہے تو متعلق دین کے بھی یہی دو جز ہوئے ایک طاعات جن کو کرنا پڑتا ہے دوسرے معاصی جن کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ پھر طاعات کی دو قسمیں ہیں ایک واجبہ دوسری مستحبہ یہ دونوں کرنے کے قابل ہیں اور دونوں کا بجالانا مجاہدہ میں داخل ہے بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مستحب کے کرنے میں بہ نسبت واجب کے زیادہ مجاہدہ ہے۔ کیونکہ قاعدہ طبعیہ ہے کہ جس کام کو انسان اپنے اوپر لازم سمجھ لیتا ہے کہ اس کو ضرور ہی کرنا ہے اس کے کرنے میں زیادہ مشقت نہیں ہوتی اور جس کام کو اپنے اوپر لازم نہ سمجھے بلکہ اپنے کو اس میں مخیر سمجھے اس کا کرنا گراں ہوتا ہے خصوصاً اس میں پابندی تو بہت ہی گراں ہوتی ہے۔ اس لئے مجھ سے بعض سالکین نے بیان کیا اور میں خود بھی اپنا حال دیکھتا ہوں کہ فرائض کا ادا کرنا اتنا گراں نہیں ہوتا جتنا رات کا اٹھنا گراں ہوتا ہے۔ کیونکہ رات کو جاگنا اور تہجد پڑھنا ہمارے ذمہ لازم نہیں صرف سنت یا مستحب ہے اس لئے مستحبات کا بجالانا بھی مجاہدہ میں داخل ہے اور اسی لئے صوفیہ نے لکھا ہے کہ سالک کو علاوہ فرائض و واجبات کے کچھ سنن و مستحبات کا بھی التزام کرنا چاہئے کیونکہ مجاہدہ بدون اس کے کامل نہیں ہوتا' ہمارے حاجی صاحب نے بھی اس کی وصیت فرمائی ہے۔

محل دین کے تین اجزا

تو اب محل دین کے تین اجزاء ہوئے:۔ (۱) معاصی۔ (۲) طاعات واجبہ (۳) طاعات مستحبہ۔ شاید یہاں کسی کو یہ اشکال پیدا ہو کہ جس طرح اعمال کی دو قسمیں ہیں ایک واجب دوسری مستحب اسی طرح محل تروک کی بھی دو قسمیں ہونی چاہئیں۔ ایک وہ جن کا ترک واجب ہے' دوسری وہ جن کا ترک مستحب ہے۔ جس کا ترک واجب ہے وہ تو حرام اور مکروہ تحریمی ہے اور جس کا ترک مستحب ہے وہ مکروہ تنزیہی ہے تو اس طرح اجزائے دین چار ہو گئے تین نہ ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب محل تروک کی تفسیر معاصی سے کر دی گئی تو اب اس کی دو قسمیں نہیں ہو سکتیں کہ ایک معاصی تو وہ ہوں جن کا ترک واجب ہے اور ایک معاصی وہ ہوں جن کا ترک مستحب ہے کیونکہ جس کا ترک مستحب ہو وہ معصیت ہی نہیں معصیت وہی ہے

جس کا ترک واجب ہو بخلاف اعمال کے جس کی تفسیر طاعات سے کی گئی ہے کہ اس میں دو قسمیں موجود ہیں بعض وہ طاعات ہیں جن کا فعل واجب ہے اور بعض وہ ہیں جن کا فعل مستحب ہے۔

ناجائز کی دو اقسام

رہا یہ اشکال کہ ناجائز کی بھی دو قسمیں ہیں ایک حرام ہے ایک مکروہ اس کا جواب یہ ہے کہ ناجائز بالمعنی الاعم کی تو دو قسمیں ہو سکتی ہیں مگر معصیت کی کہ وہ مفہوم میں ناجائز سے اخص ہے دو قسمیں نہیں ہو سکتیں جس کو معصیت کہا جائے گا۔ اس کی دو قسمیں نہیں ہوں گی بلکہ اس کا ترک واجب ہی ہوگا تو اس صورت میں بہت سے بہت مکروہ تنزیہی معاصی میں داخل نہ ہوگا یہ تو مشہور کی بناء پر ہے اور اگر اس کو بھی معصیت مانا جائے تو اس کا ترک بھی ضروری ہوگا گو ضرورت میں تفاوت ہو اور یہی صحیح ہے کیونکہ مکروہ تنزیہی بھی ضروری الترک ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ اس پر بھی مواخذہ فرما سکتے ہیں اور جس چیز میں مواخذہ کا اندیشہ ہو وہ معمولی بات نہیں۔ پس خدا تعالیٰ کی نافرمانی گو قلیل ہی ہو اس کا ترک ضروری ہونا چاہئے۔ دوسرے فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ صغائر گو اخف الصغائر ہی ہو اصرار سے کبائر ہو جاتے ہیں تو اس درجہ میں مکروہ تنزیہی فقہاء کے نزدیک بھی ضروری الترک ہے۔ تیسرے یہ کہ مکروہ تنزیہی کا ارتکاب بسا اوقات مکروہ تحریمی کے ارتکاب کی طرف مفضی ہو جاتا ہے کیونکہ جو شخص مکروہ تنزیہی کے ارتکاب پر اقدام کرے گا وہ اس کو معمولی بات سمجھے گا اور جب نفس میں یہ بات پیدا ہوگئی کہ وہ ادنیٰ معصیت کو معمولی بات سمجھنے لگے تو اس میں خوف کا مادہ کم ہو جاتا ہے جس سے نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ اس کو مکروہ تحریمی کے ارتکاب پر بھی جرات ہو جاتی ہے اور قاعدہ ہے کہ مقدمۃ الحرام حرام۔ حرام کا مقدمہ بھی حرام ہوتا ہے۔ اس لئے مکروہ تنزیہی گو فی نفسہ حرام نہ ہو مگر اس مقدمہ پر نظر کر کے اس کا ترک بھی ضروری ہے اسی لئے حدیث میں ہے۔

تقویٰ کامل

لا یبلغ المومن درجة المتقین حتی یترک مالا باس به حذرا مما به باس (اوکما قال) (اتحاف السادة المتقین ۱: ۲۲۲) یعنی تقویٰ کامل یہ ہے کہ جس چیز میں اندیشہ بھی نہ ہو اس کو اس چیز سے بچنے کے لئے چھوڑ دے جس میں اندیشہ ہے اور یہاں سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو یہ پوچھا کرتے ہیں کہ یہ کام گناہ صغیرہ ہے یا گناہ کبیرہ مجھ سے جب کوئی

یہ پوچھتا ہے تو میں تعیین قسم سے جواب نہیں دیتا بلکہ اس سے سوال کرتا ہوں کہ اگر یہ گناہ صغیر ہوا تو کیا تمہارا ارادہ اس کے ارتکاب کا ہے اگر اس نے کہا نہیں تو میں کہتا ہوں کہ پھر تمہارا اس سوال سے مقصود کیا ہے اور اگر کہتا ہے کہ جی ہاں گناہ صغیرہ ہوا تو میں ارتکاب کا قصد رکھتا ہوں تو میں کہہ دیتا ہوں کہ تم قابل خطاب نہیں ہو۔ بندہ خدا کیا تم اس کو گوارا کر سکتے ہو کہ تمہارے چھپر میں ایک چھوٹی سی چنگاری لگا دی جائے' حالانکہ اس کی حقیقت ہی کیا ہے چھوٹی چنگاری تو اکثر خود ہی بجھ جاتی ہے اس میں کچھ زیادہ' اندیشہ نہیں مگر بایں ہمہ کوئی شخص ذرا سی چنگاری کو بھی اپنے چھپر کے لئے گوارا نہیں کرتا اور یہی کہا جاتا ہے کہ صاحب خدا بری گھڑی نہ لائے' بعض دفعہ یہ چھوٹی سی چنگاری غضب ڈھا دیتی ہے۔ افسوس ایک چار روپیہ کے چھپر کی تو اتنی قدر اور ایسی احتیاط اور متاع ایمان کی ایسی بے قدری کہ اس میں گناہ صغیرہ کی چنگاری لگانا گوارا ہے۔ یہاں یہ اندیشہ کیوں نہیں ہوتا کہ بعض دفعہ چھوٹی سی چنگاری بھی غضب ڈھا دیتی ہے اسی لئے اہل مجاہدہ نے تروک کی دو قسمیں نہیں کیں بلکہ وہ تمام افعال متروکہ کو ضروری الترک سمجھتے ہیں خواہ وہ حرام ہوں یا مکروہ تنزیہی پس ثابت ہوگیا کہ اجزاء دین کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) طاعات واجبہ (۲) طاعات مستحبہ (۳) معاصی من حیث الترک اور چار اقسام ہونے کا جو احتمال تھا وہ محض عقلی احتمال تھا ورنہ حقیقت میں مکروہ تنزیہی بھی معاصی بالمعنی الاعم میں داخل ہے اور اس کا ترک بھی ضروری ہے اور یہی تین اجزاء مجاہدہ کے بھی ہیں۔ پس مجاہدہ کی حقیقت یہی ہوئی کہ اعمال واجبہ و مستحبہ کو بجالائے اور معاصی سے اجتناب کرے اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ۔ (ترجمہ:۔ آیت کا یہ ہے کہ جو لوگ ہمارے راستہ میں مجاہدہ اور محنت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے دکھلا دیں گے فینا میں یا تو فی سببیہ ہے یعنی جاهدوا لاجلنا اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ جو ہمارے واسطے محنت برداشت کرتے ہیں یا ظرفیہ ہے تو مضاف مقدر ہے یعنی جاهدوا فی دیننا ترجمہ یہ ہوگا کہ جو ہمارے دین میں محنت کرتے ہیں اور دین خدا کا راستہ ہے چنانچہ دین کا لقب ارشاد ہے صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ الخ اس لئے میں نے اولاً ترجمہ میں کہا تھا کہ جو لوگ ہمارے راستہ میں مجاہدہ کرتے ہیں۔ اگر فی سببیہ ہے تو اس قید کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہدایت سبیل کا وعدہ اس مجاہدہ کے لئے ہے جو محض ہمارے لئے مجاہدہ کرے ریا وغیرہ کے لئے نہ کرے اور اگر ظرفیہ ہے تو فائدہ قید کا یہ ہوگا کہ یہ وعدہ ہر مجاہدہ کرنے والے

کیلئے نہیں بلکہ اس شخص کے لئے ہے کہ جو ہمارے راستے کے موافق یعنی شریعت کے مطابق مجاہدہ کرے کیونکہ خدا کے لئے تو جوگی اور راہب بھی مجاہدہ کرتے ہیں مگر ان کو وصول نصیب نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کا مجاہدہ خلاف شریعت ہے۔ گو بعض دفعہ یہ لوگ ایسے مجاہدے کرتے ہیں کہ مسلمان اس کا عشر بھی نہیں کرتے مگر سب بے کار ہے۔ مسلمان کو شریعت کے موافق سہل سہل مجاہدوں میں جو قرب حاصل ہوتا ہے وہ کفار کو سخت سے سخت مجاہدوں سے عمر بھر بھی نصیب نہیں ہوسکتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مسلمان کا مجاہدہ خدا کے راستہ پر ہے اور کفار کا مجاہدہ خلاف طریق ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ کفار میں جو لوگ ریاضت و مجاہدہ کرنے والے ہیں وہ بہ نسبت عام کفار کے راستہ سے بہت دور ہیں کیونکہ غلط راستہ پر تو دونوں ہیں مگر عام کفار تو اس غلط راستہ پر آہستہ آہستہ چل رہے ہیں اور مرتاضین بہت تیزی کے ساتھ چل رہے ہیں اور قاعدہ ہے کہ جو شخص غلط راستہ پر تیزی کے ساتھ چلے گا وہ سیدھے راستہ سے بہت دور ہو جائے گا۔ بخلاف اس کے جو غلط راستہ پر آہستہ آہستہ چل رہا ہے گو وہ بھی سیدھے راستہ سے دور ہے مگر زیادہ دور نہیں ہوا اسی لئے عام کفار کا اسلام کی طرف کسی وقت مائل ہو جانا زیادہ متوقع ہے۔ بہ نسبت ان کے خواص کے چنانچہ یہ جوگی اور سنیاسی وغیرہ بہت ہی کم اسلام لاتے ہیں اور راز اس میں یہ ہے کہ مجاہدات سے کچھ نفسیاتی کیفیات ان پر وارد ہونے لگتی ہیں بعضوں کو وقائع مستقبلہ کا کشف بھی ہونے لگتا ہے اور گو ان چیزوں کو قرب حق میں کچھ دخل نہیں مگر وہ لوگ اپنی جہالت سے ان کو مقصود سمجھتے ہیں اور جب بزعم خود ان کو مقصود حاصل ہو گیا تو اب وہ اپنے طریق کفر پر پہلے سے زیادہ پختہ ہو جاتے ہیں اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ حصول مقصود کے لئے ہمارا طریقہ کافی ہے اور عام کفار کو چونکہ یہ باتیں پیش نہیں آتیں اس لئے ان کو اپنے طریق کے حق ہونے کا ویسا جزم نہیں ہوتا جیسا اہل ریاضت کو ہوتا ہے۔

ہندوؤں کو ذکر و شغل کی تعلیم سے ممانعت کا راز

یہی راز ہے اس میں کہ ہمارے حضرات نے ہندوؤں کو ذکر شغل کی تعلیم کرنے سے منع فرمایا ہے گو ناواقف لوگوں کی یہ رائے ہے کہ ان کو خدا کا نام بتلا دینا چاہئے۔ اس میں حرج کیا ہے شاید کسی وقت رفتہ رفتہ اسلام کی طرف آجائے۔ مگر محقق جانتا ہے کہ حالت کفر میں ذکر شغل کرنے سے وہ اسلام سے قریب نہ ہوگا بلکہ پہلے سے زیادہ دور ہوگا' کیونکہ ذکر شغل سے اس پر کیفیات نفسانیہ کا ورود ہوگا جن کو وہ مقصود سمجھے گا' اسکے بعد یہ خیال جم جائے گا کہ میں اپنے کفر پر رہ کر بھی مقصود کو حاصل کر سکتا ہوں تو اب اس کے اسلام کی کوئی امید نہیں۔ یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو ان جوگیوں کو عام کفار سے اچھا سمجھتے ہیں۔

حقیقت تصوف اور اس کا ثمرہ

اور بعض لوگ غضب کرتے ہیں کہ ان لوگوں کو صاحب باطن سمجھتے ہیں، چنانچہ آج کل ایک رئیس
المشرکین کے ساتھ بہت سے مسلمانوں کو اس قسم کا اعتقاد ہے اور اس کی کرامتیں بیان کی جاتی ہیں۔
اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۔ ان لوگوں نے بس مطلق مجاہدات کا نام تصوف رکھ لیا
ہے اور چند تصرفات کو ثمرہ تصوف سمجھ لیا ہے حالانکہ تصوف نام ہے مجاہدہ بطریق الاسلام کا جس
کا ثمرہ رضا و قرب حق ہے کفار کے مجاہدوں کو تصوف سے کیا نسبت اور ان نفسانی تصرفات کو
قرب حق سے کیا تعلق یہ تو ادنیٰ مشق سے ایک مسمریزم والا بھی کرسکتا ہے تو بس وہ بھی صوفی
ہوگئے۔ افسوس یہ ہے کہ اس غلطی میں بہت سے لکھے پڑھے بتلا ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ان
لوگوں نے مسائل تصوف کو کسی محقق سے حاصل نہیں کیا محض سنی سنائی باتوں پر اعتماد کرلیا ہے اور
یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کافر کو ان لوگوں نے موحد کدھر سے بنالیا حالانکہ وہ صاف صاف کہتا
ہے کہ میں پکا ہندو ہوں بس وہی مثال ہے مدعی سست گواہ چست۔

کیفیت نفسانی

اور یہاں سے ان سالکین کی غلطی بھی واضح ہوگئی جو ان کیفیات و تصرفات اور کشف وغیرہ
کو مقصود سمجھتے ہیں یاد رکھو کہ ان کیفیات اور کشف کو مقصود سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ یہ نفسانی
ـیفیات تو یکسوئی سے ہر شخص کو حاصل ہوسکتی ہیں (جن کیفیات کو قرب میں کچھ دخل ہے اور وہ
نفسانی کیفیات سے بالکل جدا ہیں اور یہ وہ کیفیات ہیں جو تجلی صفات الٰہیہ سے سالک پر
ہوتی ہیں باقی ذوق وشوق کا غلبہ یا یکسوئی کا بڑھ جانا یہ سب نفسانی کیفیات ہیں ان کو مقصود
ـچھ نسبت نہیں ہاں اگر یہ شخص صحیح راستہ پر چل رہا ہے تو ان نفسانی کیفیات سے طریق میں
ـت ہوجاتی ہے باقی انہیں کو مقصود سمجھ لینا یہ مقصود سے بے خبری کی دلیل ہے۔۱۲)
ـھو کہ تصوف سے اصل مقصود یہ ہے کہ اعمال شرعیہ یعنی طاعات واجبہ و مستحبہ کا بجالانا اور
سے اجتناب کرنا یہ بندہ کی طبیعت ثانیہ بن جائے بس یہ وہ چیز ہے جس سے قرب و رضا حق
ـتی ہے کیفیات و کشفیات کو اس سے کچھ تعلق نہیں اگر ایک شخص ادا طاعات و اجتناب عن
ـ پختہ ہو وہ کامل صوفی ہے گو کیفیات کچھ بھی اس پر وارد نہ ہوتی ہوں اور جس پر کیفیات
ہوتی ہوں۔ کشف و تصرف میں بھی ملکہ رکھتا ہو مگر اوامر و نواہی میں پختگی حاصل نہ ہو وہ

صوفی نہیں خوب سمجھ لو بس یہ وہ معیار ہے جس میں کبھی غلطی نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد ارشاد ہے
وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ بعض نے اس کو اس مجاہدہ کے مقصود پر محمول کیا ہے ان کے نزدیک مطلب
یہ ہے کہ جو لوگ مجاہدہ کرتے ہیں اول ان کو راستہ بتلا دیا جاتا ہے پھر جب وہ راستہ طے کر لیتے ہیں اس
وقت ان کو نسبت احسان حاصل ہو جاتی ہے جس سے ان کے ساتھ معیت الٰہیہ قائم ہو جاتی ہے۔

مقصود کا بیان

اب وصول ہو گیا خلاصہ یہ ہوا کہ اَلَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا میں طریق کا بیان تھا اور ان
اللہ لمع المحسنین (بے شک اللہ تعالیٰ مخلصین کے ساتھ ہیں) میں مقصود کا بیان ہے مگر میرے
نزدیک یہاں صریح طور پر مذکور نہیں اور اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ بھی طریق ہی کے متعلق ہے
اور صریح اس لئے کہا کہ آگے میں یہ دعویٰ کروں گا کہ ہدایت سے یہاں ایصال مراد ہے اور اراء
ت طریق مراد نہیں اور ایصال کے ضمن میں ظاہر ہے کہ وصول کا بھی ذکر ہو گیا جو کہ مقصود ہے مگر
یہ ذکر تبعاً و ضمناً ہے نہ کہ قصداً و استقلالاً۔ اب سنئے کہ میرے نزدیک اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ
(بے شک اللہ تعالیٰ مخلصین کے ساتھ ہیں) کو طریق کے ساتھ کس طرح تعلق ہے بات یہ ہے
کہ جب اَلَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا میں یہ وعدہ کیا گیا کہ جو لوگ مجاہدہ کرتے
ہیں ہم ان کو اپنے راستہ پر پہنچا دیتے ہیں اس کو سن کر کسی کو یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ راستہ تو
بہت طویل ہے کیونکہ خدا کا راستہ ہے جو کہ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہیں تو ان تک پہنچنے کا راستہ بھی
بہت دور دراز ہو گا چنانچہ مولانا فرماتے ہیں۔

اے برادر بے نہایت درگہیست ہرچہ بروے میروی بروی مایست

(اے بھائی حق تعالیٰ کی بارگاہ غیر متناہی ہے۔ پس جس مقام پر بھی پہنچ جاؤ اس پر قناعت مت کرو آگے بڑھو

راہ عشق

اور ایک محقق کہتے ہیں

نگردد قطع ہرگز جادہ عشق از دویدنہا کہ میبالد بخود ایں راہ چوں تاک از بر

(عشق کا راستہ دوڑنے سے ہرگز قطع نہیں ہوتا کہ یہ راستہ مثل درخت انگور کاٹنے
بڑھتا ہے یعنی غیر محدود راستہ ہے)

تو اس بناء پر اس راستہ کا تو قطع ہونا محال ہے تو اس کو اختیار کون کرے اور اس

مجاہدہ کرنے سے کیا حاصل جب طے ہی نہیں ہوسکتا عارف شیرازی نے ایک جگہ درازی طریق ہی سے پریشان ہوکر فرمایا ہے۔

تو دستگیر شوائے خضر پے خجستہ کہ من پیادہ میروم و ہمرہاں سوار انند

(اے خضر (مرشد طریق) ہم خستہ حالوں کی دستگیری فرمایئے کیونکہ ہم تو پیدل چل رہے ہیں اور ہمارے رفقاء سواری پر تیز رفتار ہیں)

یہاں دوسروں کو سوار اپنے لحاظ سے فرمادیا کہ دوسرے میری نسبت سے ذرا تیز چل رہے ہیں باقی فی نفسہ یہاں کوئی سوار نہیں اس راستہ کو طے کرنے کیلئے سب پیادہ ہی ہیں کسی کے پاس کوئی سواری ایسی نہیں جو اس کو طے کرسکے چنانچہ اسی لئے ایک شعر میں سب کو صیغہ جمع میں جمع کرکے یوں فرمایا ہے

مابداں مقصد عالی نتوانیم رسید

(ہم اس مقصد عالی تک پہنچنے سے قاصر ہیں)

اس میں سب کی نسبت یہی فرمایا ہے کہ ہم اس مقصد عالی تک پہنچ سکتے یہاں سوار و پیادہ کی کوئی خصوصیت نہیں بیان فرمائی بس اس راستہ میں جو لوگ سوار بھی ہیں وہ ایسے سوار ہیں جیسے بچے نے پر سوار ہوا کرتے ہیں آپ نے بچوں کو دیکھا ہوگا کہ وہ لکڑی کا گھوڑا بنا کر بھاگے بھاگے پھرا کرتے ہیں تو کیا اس سواری سے وہ امریکہ پہنچ سکتے ہیں ہرگز نہیں امریکہ تو کیا پہنچتے جلال آباد تک بھی نہیں جاسکتے تو اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (بے شک اللہ تعالیٰ مخلصین کے ساتھ ہیں) میں اس اشکال کا جواب دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تم گھبراؤ نہیں جب تم مجاہدہ کروگے ہم تم کو منزل مقصود پر پہنچادیں گے اور راستہ اس طرح قطع ہوگا کہ ہم خود تمہارے خود ساتھ ساتھ ہوں گے جب تم تھک جاؤ گے تو ہم تم کو گود میں اٹھا کر پہنچادیں گے اسی کو وہی عارف جنہوں نے

ما بداں مقصد عالی نتوانیم رسید

(ہم اس منزل مقصود تک پہنچنے سے قاصر ہیں البتہ اگر آپ کا لطف بھی کچھ قدم طالبین کی طرف آگے رکھے تو راستہ دم میں قطع ہوسکتا ہے)

مجاہدہ کا نفع

طریق کی درازی اور اپنے ضعف پر نظر کرکے فرمایا تھا۔ آگے کہتے ہیں کہ ہاں ایک صورت ہے پہنچنے کی وہ کیا۔

ہاں مگر پیش نہد لطف شما گامے چند

کہ آپ کا لطف بھی کچھ قدم آگے رکھے تو پھر دم بھر میں راستہ طے ہے تو اس آیت میں اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ (بے شک اللہ تعالیٰ مخلصین کے ساتھ ہیں) ایسا ہے جیسے آپ ایک بچہ سے جو گھٹنیوں چلتا ہے یہ کہیں کہ جلال آباد پہنچ جانا ظاہر ہے کہ اس کے لئے اس کی کوئی صورت نہیں۔ بچہ کہتا ہے کہ میں چلتا ہوں لیکن اگر تھک گیا تو کیا ہوگا اس پر مربی کہتا ہے کہ جب تم تھک جاؤ گے تو ہم گود میں اٹھالیں گے بس اب اس کی ہمت بندھ جاتی ہے پھر وہ دو چار ہی قدم چلتا ہے کہ مربی کو شفقت کا جوش آتا ہے وہ جلد ہی اسے گود میں لے لیتا ہے۔ یہی مطلب اس جملہ کا ہے کہ تم محنت کرو ہم تمہاری انگلی پکڑ کر لے چلیں گے ہم تمہارے ساتھ ساتھ چلیں گے اور قاعدہ ہے کہ جب مربی بچہ کی انگلی پکڑ لیتا ہے تو وہ بے فکر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم بے فکر رہو ہم تم کو خود لے کر چلیں گے تنہا نہ چھوڑیں گے۔ انگلی پکڑ کر لے چلنے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی۔

عالمگیر کے زمانہ میں ایک راجہ کا انتقال ہو گیا اس کے ایک نابالغ لڑکا تھا اس لئے تخت کا مدعی بھائی ہوا مگر وزراء چاہتے تھے کہ تخت کا مالک لڑکا ہو لیکن اس کی امید کسی کو نہ تھی سب کا یہی خیال تھا کہ عالمگیر تخت کا مالک بھائی کو بنا دیں گے اور نابالغ لڑکے کو محروم کر دیں گے۔ وزراء نے یہ تدبیر کی کہ اس نابالغ لڑکے کو اپنے ساتھ لے کر دہلی چلے کہ شاید عالمگیر کو صورت دیکھ کر رحم آ جائے تمام راستہ وزیر اعظم اس لڑکے کو آداب شاہی و ضروریات سکھاتا جا رہا تھا کہ یوں سلام کرنا اور عالمگیر یہ سوال کریں تو یہ جواب دینا یہ بات پوچھیں تو تم یہ کہنا جب وزیر سب کچھ پڑھا چکا ہے اور دہلی میں داخل ہوئے تو لڑکے نے کہا کہ بھلا اگر عالمگیر نے ان سوالات کے علاوہ کوئی اور سوال کیا تو میں کیا جواب دوں گا۔ وزیر اس ذہانت سے دنگ رہ گیا اس نے کہا صاحبزادے جس خدا نے تمہارے دل میں اس وقت یہ سوال ڈالا ہے وہ وقت پر عالمگیر کی بات کا جواب بھی تیرے دل میں ڈال دے گا۔ بس اب میں مطمئن ہوں غرض یہ لوگ بچہ کو لے کر عالمگیر کے پاس حاضر ہوئے عالمگیر اس وقت زنانہ محل میں حوض کے کنارے پر غسل کر رہے تھے اطلاع ہونے پر اندر ہی بلا لیا وہ حاضر ہوا اور سلام کیا انہوں نے کھیل کے طور پر اس بچہ کے دونوں ہاتھ پکڑ کے حوض میں لٹکا دیا اور کہا چھوڑ دوں بچہ ہنسا عالمگیر سمجھے کہ بے وقوف معلوم ہوتا ہے بھلا یہ ہنسنے کا کونسا موقعہ تھا پوچھا ہنستے کیوں ہو بات کا جواب دو بچہ نے جواب دیا کہ حضور کی بات پر مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی۔

حضور کی تو یہ شان ہے کہ آپ جس کی انگلی پکڑ لیں وہ بھی ہلاک نہیں ہوسکتا اور میرے تو دونوں ہاتھ آپ کے ہاتھ میں ہیں بھلا میں کیونکر ڈوب سکتا ہوں' پھر مجھ کو کاہے سے ڈراتے ہیں عالمگیر کو اس جواب پر وجد آ گیا اور فرمایا لڑکا بہت ہوشیار ہے تخت کا مالک اسی کو بنایا جائے

تو صاحبو! جب ایک بیچارہ عاجز عالمگیر جس کا ہاتھ پکڑ لے وہ ہلاک نہیں ہوسکتا تو خدا تعالیٰ جس کا ہاتھ پکڑ لیں وہ کیونکر ہلاک ہوسکتا ہے۔ (اس وقت حضرت مولانا پر خاص حالت تھی اور سامعین کا عجیب حال تھا ۱۲ جامع) یقیناً ہلاک نہیں ہوسکتا۔ پس گویا یہ راستہ بہت طویل ہے اور نہایت خطرناک۔ مگر معیت حق کی وجہ سے پھولوں ہلکا ہو جاتا ہے اور بہت نزدیک ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ وہ مجاہدہ کرنے والے کون ہیں' جن کے ساتھ معیت حق ہوتی ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (جو لوگ مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستہ پر پہنچا دیتے ہیں) کے بعد اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (بے شک اللہ تعالیٰ مخلصین کے ساتھ ہیں) بڑھا کر اس پر بھی تنبیہ فرما دی کہ ہم ہر مجاہدہ کرنے والے کے ساتھ نہیں ہوتے بلکہ جو محسن ہو ہم اس کے ہمراہ ہوں گے۔

زیادہ محنتی ہونا معیار کمال نہیں

بعض لوگ مطلقاً زیادہ مجاہدہ کرنے والوں کو مقرب سمجھتے ہیں خوب سمجھ لو کہ یہ زیادہ چکی پیسنے پر قرب کا مدار نہیں بلکہ اس کا مدار احسان پر ہے چکی پیسنے پر مجھے یاد آیا کہ ایک بار حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ کے ایک مدرس کو معزول کرنا چاہا کیونکہ ان کی ترتیب تعلیم اچھی نہ تھی۔ مہتمم صاحب نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ان کو معزول نہ کیا جائے کیونکہ یہ محنتی بہت ہیں تو مولانا نے فرمایا کہ اگر زیادہ محنتی ہونا ہی معیار انتخاب ہے تو پسنہاری مجھ سے زیادہ محنتی ہے اور ارزاں بھی ہے پھر مجھے چالیس پچاس روپے کا مدرس کیوں بنا رکھا ہے میری جگہ ایک پسنہاری کو بٹھلا دیا ہوتا وہ مجھ سے زیادہ محنت کرے گی اور دو آنہ روز لیا کرے گی (سبحان اللہ کیا علوم ہیں ان حضرات کے ۱۲ جامع) آج کل یہ بڑا خبط ہے کہ محنتی ہونے کو کمال کا معیار سمجھتے ہیں یاد رکھو زیادہ مجاہدوں پر قرب کا مدار نہیں نہ یہ معیار کمال ہے۔

حقیقت احسان

بلکہ اس طریق میں اصل مدار احسان پر ہے جس کے لغوی معنے نیکو کردن عبادت ہے اور جس کی تفسیر

اخلاص سے کی گئی ہے اور حقیقت اس کی ایک حدیث میں بیان کی گئی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

الاحسان ان تعبداللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک یعنی تعبداللہ **مشابھا بانک تراہ** (الصحیح للبخاری ۶: ۱۴۴، کنز العمال ۵۲۴۹) ۔مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو جیسی اس حالت میں کرتے جبکہ اس کو دیکھتے ہوتے کیونکہ تم اگر اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تو تم کو دیکھ رہا ہے اور اس کا بھی مقتضا وہی ہے جو تمہارے دیکھنے کی حالت کا مقتضا ہے اور خدا کا تم کو دیکھنا یقینی ہے پس اس لئے ایسی عبادت کرو جیسی اس کو دیکھ کر کرتے چنانچہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کو دیکھتے ہوئے عبادت نہایت کامل ہوگی جیسے سڑک کوٹنے والا مزدور اگر حاکم کو سامنے سے آتا ہوا دیکھ لے تو اس وقت خوب کام کرتا ہے لیکن اگر مزدور کو حاکم خود بھی نظر نہ آئے گا مگر کسی معتبر ذریعہ سے اسے معلوم ہو جائے کہ حاکم میرے کام کو دیکھ رہا ہے تو اس وقت بھی اس کی وہی حالت ہوگی جو آنکھوں کے سامنے حاکم کو دیکھنے کے بعد ہوتی اور مسلمان کے لئے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بڑھ کر کیا چیز ہو سکتی ہے۔ جب قرآن و حدیث میں اس کی تصریح ہو چکی کہ حق تعالیٰ بندوں کے افعال کو دیکھ رہے ہیں تو ان کی حالت عبادت میں وہی ہونی چاہئے جو حق تعالیٰ کو دیکھ کر ہوتی اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کو دیکھنے کے بعد بہت ہی اچھے طریق سے عبادت ہوتی اور وہ اچھا ہوتا یہ ہے کہ ظاہراً ارکان اس کے مکمل ہوں اور باطمینان اس میں ریاء وغیرہ کا خیال پاس بھی نہیں آسکتا اس وقت تو اپنی بھی خبر نہ رہے گی دوسروں کی تو کیا خبر ہوگی جن کو عمل دکھلانے کا خیال ہو۔

چو سلطان عزت علم برکشد　　جہاں سر بجیب عدم درکشد

(جب وہ سلطان عزت کسی دل میں جھنڈا اپنے قرب کا لہرا دیتا ہے اس کی نظر میں یہی جہاں کالعدم ہو جاتا ہے)

اور یہی حاصل ہے اخلاص کا اس حدیث کی ایک تفسیر مشہور اس کے علاوہ بھی ہے وہ یہ کہ بعض لوگوں نے اس کے دو جملوں سے اس میں دو مرتبے نکالے ہیں اور وہ دو مرتبہ گو فی نفسہ صحیح ہیں مگر نہ معلوم حدیث کے الفاظ کی دلالت ان پر کیسے ہوگئی۔ اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اول تو عبادت اس طرح کرنی چاہئے جیسے گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو یہ تو اعلیٰ مرتبہ ہے اور اگر ایسی عبادت نہ ہو سکے تو کم از کم ایسی ہی کرو جیسے خدا تعالیٰ تم کو دیکھ رہے ہیں گویا جملہ اولیٰ میں تو مشاہدہ کی تعلیم ہے کہ عبادت میں حق تعالیٰ کو قلب

سے دیکھنا چاہئے اور دوسرے جملہ میں مراقبہ رؤیت کی تعلیم ہے کہ عبادت میں یہ تصور کر لیا کرو کہ حق تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں مگر یہ معنے حدیث کے مدلول نہیں ہو سکتے۔ اگر یہ مطلب ہوتا تو عبارت یوں ہوتی فان لم تعبد کانک تراہ فاعبدہ بانہ یراک کیونکہ مرتبہ اولیٰ ان تعبداللہ کانک تراہ (خدا تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو جیسی اس حالت میں کرتے جب تم اس کو دیکھتے ہوتے) میں تشبیہ ہے اس کے بعد مرتبہ ثانیہ فان لم تکن تراہ میں اسی تشبیہ کی نفی ہوگی اور معنے یہ ہوں گے کہ فان لاتعبد کانک تراہ اور یہ نفی صحیح نہیں کیونکہ بزعم مفسر اس تشبیہ کا مدار تو تصور اور خیال پر ہے کہ ایسی عبادت کرو گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور تصور میں بڑی وسعت ہے اور ایسا فرض بہت سہل ہے تو اس کی نفی کی کیا ضرورت ہے۔ لہذا فان لم تکن تراہ کو تشبیہ رؤیت کی نفی پر محمول نہیں کیا جا سکتا اور اس صورت میں یہ دوسرا مرتبہ پہلے مرتبے کے مقابل نہیں اس لئے اس کے یہ معنے بیان کرنا کہ اگر تم حالت مشابہ رؤیت الٰہی پر قادر نہ ہو تو یہی تصور کرو کہ حق تعالیٰ تم کو دیکھ رہے ہیں۔

مراقبہ کے دو درجے

الفاظ سے نہایت بعید ہے پس صحیح یہ ہے کہ حدیث میں نہ مراقبے کی تعلیم ہے نہ مراقبے کے دو درجے مذکور ہیں بلکہ دوسرا جملہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک (کیونکہ تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تو تم کو دیکھ رہا ہے) پہلے جملہ کی علت ہے جس کی تقریر آتی ہے اور فا تعلیلیہ کلام عرب میں بکثرت مستعمل ہے اور علت بیان کرنے کی ضرورت اس لئے ہوئی کہ ان تعبداللہ کانک تراہ۔ (خدا تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو جیسی اس حالت میں کرتے جب تم اس کو دیکھتے ہوتے) پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب ہم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہی نہیں تو ایسی عبادت کیونکر کریں جیسی خدا کو دیکھ کر کرتے تو جملہ ثانیہ میں اس شبہ کا جواب دیا گیا اور بتلایا گیا کہ بدون خدا کو دیکھے ہوئے بھی ویسی عبادت ہو سکتی ہے۔ جیسے دیکھنے کے بعد ہوتی کیونکہ اگر تم نہیں دیکھتے تو اس کا تو یقین ہے کہ وہ دیکھتے ہی ہیں اور اس یقین کا بھی اثر وہی ہے جو تمہارے دیکھنے کا اثر ہوتا اس کی وضاحت کے لئے میں ایک قصہ بیان کرتا ہوں مولوی محمد سعید صاحب کیرانوی رحمہ اللہ مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ نے مجھ سے اپنا واقعہ بیان کیا کہ جب میں قسطنطنیہ گیا اور سلطان عبدالحمید خاں رحمۃ اللہ علیہ کے ایوان کی طرف چلا تو اول تو میں بے فکری کے ساتھ چلا جب قصر شاہی میں

قدم رکھا اس وقت یہ تحقیق ہوا کہ سلطان کا جو خاص کمرہ ہے سلطان اس کمرہ میں کبھی سیر و تفریح کے لئے آ بیٹھتے ہیں اس وقت اس میدان میں چلنے والے سب ان کے سامنے ہوتے ہیں۔ مولوی محمد سعید صاحب کہتے تھے کہ بس یہ تصور کر کے کہ شاید اس وقت سلطان مجھے دیکھ رہے ہوں میری یہ حالت تھی کہ قدم نہ اٹھتا تھا اور میں گردن جھکائے نہایت ادب سے چل رہا تھا اس میدان میں چاروں طرف پھول پھلواری اور عمدہ عمدہ درخت لگے ہوئے تھے مگر میں نے ایسی نگاہیں نیچی کیں کہ کسی چیز کو بھی آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی۔ حالانکہ اس وقت تک نہ میں نے سلطان کو دیکھا تھا نہ یہ یقین تھا کہ وہ مجھ کو اس وقت دیکھ رہے ہیں، محض احتمال تھا کہ شاید دیکھ رہے ہوں مگر اس احتمال ہی سے میری وہ حالت تھی جس کو میں بیان نہیں کر سکتا۔

احسان کے معنی

اے صاحبو! جب ایک ادنیٰ بادشاہ کے احتمال رؤیت سے یہ حال ہوتا ہے تو حق تعالیٰ کی یقینی رویت کے استحضار سے کیسا حال ہونا چاہئے اس کو خود سمجھ لیجئے لہذا **فان لم تکن تراہ** (کیونکہ تم اس کو نہیں دیکھتے) جملہ اولیٰ کے لئے علت ہونا اس مثال سے بخوبی واضح ہو گیا۔ الغرض احسان کے یہ معنی ہیں کہ حق تعالیٰ کی عبادت ایسے خلوص و استحضار سے بجالائے گویا کہ یہ ان کو دیکھ رہا ہے۔ عبادت میں جس شخص کی یہ حالت ہو وہ محسن ہے اور ایسے ہی لوگوں کے لئے معیت حق کا وعدہ ہے۔ ہر مجاہدہ کرنے والے کے لئے اس کا وعدہ نہیں پس مجاہدہ کو احسان کے ساتھ مقید کر دینے سے معنے یہ ہو گئے کہ جو لوگ اخلاص و احسان کے ساتھ مجاہدہ کرتے ہیں ان کے حق میں وعدہ ہے لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا کہ ہم ان کو اپنے راستوں کی ہدایت کریں گے اور اسی تقیید سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اس میں ہدایت سے اراءت طریق مراد نہیں بلکہ ایصال علی الطریق مراد ہے۔ کیونکہ اراءت طریق صرف مجاہدین محسنین کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر مسلمان کو عام ہے اور سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (ہم ان کو اپنے راستوں کی ہدایت کریں گے) مجاہدہ مقید بالاحسان کی جزاء ہے پس لامحالہ ہدایت سے وہ معنے مراد لینے چاہئیں جو ایسے مجاہدہ کی جزاء ہو کر ایسے مجاہدین کے ساتھ مخصوص ہو اور وہ دوسرے ہی معنے ہو سکتے ہیں یعنی ایصال علی الطریق خلاصہ یہ ہے کہ راستہ بنانے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مسافر کو علامات و نشانات بتلا دیئے جائیں کہ اس راستہ میں پہلے ایک کنواں آئے

گا پھر فلاں سمت کو چلنا وہاں ایک درخت ملے گا پھر ایک پہاڑ آئے گا وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد مسافر ان علامات کو یاد کر کے چل پڑے تو اس صورت میں بھٹکنے کی بہت گنجائش ہے اور پریشانی تو ہے ہی جب تک وہ علامات نظر نہ آئیں اس وقت تک چلنے والے کو اطمینان نہیں ہوتا ہر قدم پر غلطی کا شبہ ہوتا ہے اور ایک صورت یہ ہے کہ کسی نے آپ سے راستہ پوچھا اور آپ نے بجائے علامات بتلانے کے یہ کیا کہ خود ساتھ ہو لئے کہ تم میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ اس صورت میں مسافر کا دل کتنا بڑھے گا اور وہ کیسا بے فکر ہو جائے گا خود ہی سوچ لیجئے کہ پس لنہدینھم میں ہدایت ہے یہی دوسرے معنے مراد ہیں کہ جو لوگ اخلاص کے ساتھ مجاہدہ کرتے ہیں حق تعالیٰ ان کو ہاتھ پکڑ کر پہنچا دیتے ہیں رستہ بتلانے پر اکتفا نہیں فرماتے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ بلا اختیار عبد کو اضطراری طور پر پہنچا دیں گے شاید کوئی صاحب یہ سمجھے ہوں کہ جب حق تعالیٰ ہاتھ پکڑ لیں گے اور خدا سے ہاتھ چھڑانا محال ہے تو پھر ہمارے اختیار کی کیا ضرورت ہے اب تو لامحالہ پہنچ ہی جائیں گے سو یہ سمجھنا صحیح نہیں کیونکہ اس صورت میں پہنچنے والوں کا کیا کمال ہوا اور قاصرین کی کیا کوتاہی ہوئی بلکہ حق تعالیٰ کے اس پہنچانے میں بھی بندہ کے اختیار کا لحاظ ہے جب تک بندہ میں ارادہ طلب رہتی ہے اس وقت تک تو وہ ہاتھ پکڑے رہتے ہیں اور جب اس میں ارادہ نہیں ہوتا فوراً ہاتھ جوڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ صاف ارشاد ہے اَنُلۡزِمُکُمُوۡهَا وَاَنۡتُمۡ لَهَا کٰرِهُوۡنَ کیا ہم اپنی رحمت کو تمہارے اوپر چپکا دیں گو تم ان سے کراہت ہی کرتے ہو ایسا نہیں ہوگا بلکہ جب تک تم میں طلب رہے گی اسی وقت تک ہماری طرف سے عنایات کی بارش ہوگی البتہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندہ کا کام صرف قصد مصمم ہے پھر عمل میں یہ تو مضطرب ہو جاتا ہے اور پھر تو کھینچ تان کر پہنچا ہی دیتے ہیں چنانچہ جو شخص نماز کا عامل ہے وہ قصد کے ہوتے ہوئے اس کے ترک پر قادر نہیں مگر شرط یہ ہے کہ قصد پیدا ہونے کے بعد اخیر تک باقی بھی رہے اگر کسی وقت قصد فوت ہو جائے گا تو اسی وقت سے عمل میں خلل آ جائے گا اور وصول میسر نہ ہوگا۔ اس پر شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ ہم تو بار بار نماز کا قصد کرتے ہیں پھر بھی عمل صادر نہیں ہوتا تو وہ سمجھ لیں کہ ان کے اندر ابھی تک قصد ہی پیدا نہیں ہوا محض تمنا کا درجہ پیدا ہوا ہے اور تمنا میں اور قصد میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

مجاہدہ کے چار ارکان

یہاں تک تو آیت کی تفسیر تھی اور اس تقریر سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ مجاہدہ کی حقیقت ارتکاب طاعات و اجتناب معاصی ہے، مگر اس پر ایک شبہ وارد ہوتا ہے میں اس کو بھی حل کرنا چاہتا

ہوں وہ یہ کہ اہل سلوک نے بالاجماع مجاہدہ کی ایک اور قسم بیان کی ہے، جو نہ ارتکاب طاعات میں داخل ہے نہ ترک معاصی کی فرد ہے اور وہ قسم مجاہدہ کی ایسی مشہور اور صوفیہ کے کلام میں اس کثرت سے مذکور ہے کہ لفظ مجاہدہ سے متبادر وہی مفہوم ہونے لگی ہے اور جو حقیقت اس وقت بیان کی گئی ہے وہ اس درجہ میں متبادر نہیں ہوتی چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ مجاہدہ کے چار رکن ہیں (۱) تقلیل طعام (۲) تقلیل منام (۳) تقلیل کلام (۴) تقلیل اختلاط مع الانام اور تقلیل کا لفظ تو میں کہہ رہا ہوں وہ تو ترک ہی سے تعبیر کرتے ہیں مگر مراد ان کی بھی تقلیل ہی ہے جس کو ترک سے اس لئے تعبیر کیا کہ بمرگش گیرتا بہ تپ راضی شود اگر وہ تقلیل کا لفظ استعمال کرتے تو ہم لوگوں کو گنجائش ملتی کہ ذرا سی قلت کر کے اپنے کو مجاہد سمجھ لیا کرتے اور جب ترک کا لفظ اختیار کیا تو ہم ان کے چھوڑنے کا قصد کریں گے اور ترک کلی ہو نہیں سکے گا اس لئے لامحالہ تقلیل کے اس درجہ پر جا ٹھہریں گے جو ان کا مقصود ہے۔

ترک مباحات

اب اشکال یہ ہے کہ مجاہدہ کی یہ قسم نہ تو اعمال میں داخل ہے کیونکہ اعمال اشیاء وجود یہ ہیں اور یہ ارکان اربعہ وجودی نہیں بلکہ عدمی ہیں چنانچہ اہل سلوک کا ان کو ترک سے تعبیر کرنا اس کی کافی دلیل ہے اور نہ یہ تروک میں داخل ہیں کیونکہ اوپر تروک کی تفسیر ترک معاصی سے کی گئی ہے اور ان ارکان اربعہ میں جو ترک ہے وہ مباحات پر وارد ہو رہا ہے کیونکہ کھانا سونا بولنا ملنا جلنا بقدر ضرورت تو واجب ہے اس کا ترک تو مراد ہی نہیں اور جس کا ترک مراد ہے یعنی زائد از ضرورت وہ گناہ نہیں بلکہ امور مباحہ ہیں ممکن ہے کہ یہاں کوئی یہ احتمال پیدا کرے کہ جس طرح تم نے اعمال کی دو قسمیں کی ہیں ایک عمل واجب۔ ایک عمل مستحب اسی طرح ہم تروک کی دو قسمیں کریں گے ایک ترک معصیت دوسرے ترک مباح تو اب ان ارکان اربعہ کا تروک سے خارج ہونا لازم نہ آئے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مجاہدہ میں وہی چیزیں داخل ہو سکتی ہیں جن کو قرب وثواب میں دخل ہو چونکہ عمل مستحب پر ثواب ملتا ہے اس لئے وہ تو مجاہدہ کی قسم بن سکتا ہے اور مباح میں کچھ ثواب نہیں نہ عملاً نہ ترکاً اس لئے ترک مباح مجاہدہ میں داخل نہیں ہو سکتا اور یہی وجہ ہے کہ جانب اعمال میں صرف عمل واجب و عمل مستحب کو بیان کیا گیا ہے عمل مباح کو بیان نہیں کیا گیا اور بعض روایات سے جو عمل مباح پر ثواب ملنا معلوم ہوتا ہے وہ نیت مخصوصہ کے ساتھ مقید ہے اور اس قید کے بعد وہ مستحب میں داخل ہو جاتا ہے۔ مباح نہیں رہتا غرض یہ مسلم ہے کہ مباحات کو قرب وثواب میں کچھ دخل نہیں نہ عملاً نہ ترکاً ۱۲ جامع)

صوفیاء بھی فقہاء امت ہیں

تو اب یہ اشکال باقی رہا کہ ترک مباح مجاہدہ کی قسم کیونکر بن گیا پھر یہ کسی ایک یا دو شخصوں کا قول نہیں بلکہ سارے اہل طریق کا اس پر اجماع ہے اور مجاہدہ کا ضروری ہونا مسلم ہے تو گویا ان کی ضرورت پر اتفاق ہے اور جس طرح اہل ظاہر کا اجماع حجت ہے اسی طرح اہل باطن کا اجماع بھی حجت ہے کیونکہ تصوف بھی فقہ کی ایک فرد ہے جیسا کہ اہل اصول نے امام ابوحنیفہؒ سے اس کی تصریح کی ہے کہ الفقہ معرفۃ النفس مالھا وما علیھا (فقہ نام ہے نفس کی معرفت کا جو اس کے لئے مفید اور جو مضر ہیں)

تو صوفیہ بھی فقہاء امت میں داخل ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ مسائل ظاہرہ میں فقہاء ظاہر کا اجماع تو حجت ہوا اور مسائل سلوک میں فقہاء باطن کا اجماع حجت نہ ہو تو اب اشکال ہر طرح پختہ ہو گیا۔

مجاہدہ کی حقیقت

اب اس کا جواب سنئے بات یہ ہے کہ مجاہدہ تو حقیقت میں ترک معاصی کا نام ہے ترک مباحات حقیقت میں مجاہدہ نہیں لیکن یہ حضرات طبائع کے خواص و کیفیات کو خوب جانتے ہیں جیسے اطباء ظاہر اجسام کے خواص و کیفیات کو جانتے ہیں تو ان حضرات نے طبائع بشری کی خاصیت پر نظر کر کے یہ دیکھا کہ مجاہدہ مطلوبہ (یعنی ارتکاب طاعات و اجتناب معاصی) میں بغیر ان ارکان اربعہ کے سہولت نہیں ہوتی۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جو لوگ مشک کی طرح پیٹ کو آنٹ کر آتے ہیں ان کو تراویح پڑھنا موت ہے وہ تو الم تر کیف ہی کی مسجد ڈھونڈتے پھرتے ہیں جب یہ بقر سے زیادہ کھائیں گے تو سورۃ بقرہ ان سے کہاں سنی جائے گی۔ آج کل خانقاہ میں تراویح الم تر کیف ہی سے ہوتی ہے مگر پھر بھی امام سے بعض لوگوں کی درخواست ہے کہ ذرا تیز پڑھا کرو سجدے رکوع میں دیر نہ کیا کرو ان یاروں کو مسئلہ کا پتہ نہیں چلا ورنہ یہ الم تر کیف میں بھی دو رکعتیں کرتے کیونکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ سورہ فاتحہ کے بعد اٹھارہ حرفوں کی آیت سے واجب ادا ہو جاتا ہے اس سے کم میں تو واجب ادا نہیں ہوتا اور اس طرح الم تر کیف میں دو رکعتیں بخوبی ہو سکتی ہیں۔ زیادہ کھانے کا یہ اثر تو اعمال پر ہوتا ہے پھر ان ہی بزرگوں کو لوگوں کی طبائع کا اندازہ کر کے یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہ بھی زیادہ تر کھانے ہی سے ہوتے ہیں۔ کھانے والا

ترک معاصی پر کم قادر ہوتا ہے اور جو لوگ کم کھاتے ہیں ان کو تقاضائے معصیت کم ہوتا ہے وہ اگر بچنا چاہیں تو سہولت سے بچ سکتے ہیں کیونکہ ان میں قوت بہیمیہ ضعیف ہوتی ہے جیسے بڈھا جس میں یہ قوت ضعیف ہوتی ہے اگر زنا سے بچنا چاہے تو بآسانی بچ سکتا ہے۔

مبغوض ترین اشخاص

اسی لئے حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ کو تین شخصوں سے زیادہ بغض ہے **ملک کذاب وشیخ زان وعائل مستکبر** (مجمع الزوائد ۶:۲۵۵) ۔ یعنی (۱) بادشاہ جھوٹ بولنے والا کیونکہ عام لوگ اگر جھوٹ بولیں تو وہ حاجت کا بہانہ کر سکتے ہیں کہ صاحب کیا کریں بدون جھوٹ کے کام نہیں چل سکتا۔ مگر بادشاہ کو کس بلا نے گھیرا وہ کیوں جھوٹ بولتا ہے اس کے اوپر کس کا دباؤ ہے یا اس کو کس کے پاس مقدمہ لے جانا پڑتا ہے۔ پس بادشاہ کا جھوٹ بولنا محض خباثت نفس ہے۔ اسی طرح (۲) بڈھا زنا کرنے والا اس پر بھی خدا کا غضب زیادہ ہے کیونکہ جوان تو کچھ عذر کر سکتا ہے کہ فرط شبق سے میری عقل پر پردہ پڑ گیا تھا مگر بڈھے پر کیا آفت آئی اسے کونسا شبق تھا وہ تو پہلا شبق سب بھول بھال گیا اب تو وہ نہ معلوم کتنی دیر میں نفس کو آمادہ کرے گا کیونکہ غریب مردہ ہو چکا ہے۔ جیسے ایک بڈھے قاضی نے کسی کم عمر لڑکی سے نکاح کیا تھا جو ابھی ان باتوں کو نہ جانتی تھی انہوں نے یہ کہہ کر راضی کیا کہ ایسا کام ایک بار کرنے سے سو کافروں کے مارنے کا ثواب ہوتا ہے وہ بے چاری راضی ہوگئی دو تین روز کے بعد پھر یہ مسئلہ بیان کیا وہ پھر راضی ہوگئی۔ اس کے بعد جب یہ جوان ہوگئی اور وہ زیادہ بوڑھے ہوگئے تو اب اس نے خود کہنا شروع کیا کہ قاضی جی کافروں کو ماریں خیر قاضی جی جہاد کو تیار ہوگئے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اس نے پھر کہا قاضی جی نے پھر بھی ہمت کی جب کئی دفعہ یہ قصہ ہوا تو قاضی جی گھبرا کر باہر چلے گئے بیوی نے لڑکے کے ہاتھ کہلا کر بھیجا کہ قاضی جی کافروں نے بہت زور کر رکھا ہے تو قاضی جی صاحب نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ہم نے ان کافروں سے صلح کر لی ہے بس یہی حال بڈھے کے نفس کا ہوتا ہے کہ وہ بھی ان کافروں سے صلح کر چکا ہے اب اس کا زنا پر اقدام کرنا سوائے شرارت نفس کے اور کچھ نہیں۔

فرعون بے سامان

(۳) اور عائل متکبر کی مذمت اس لئے ہے تو نگر کے پاس تو تکبر کا کچھ سامان بظاہر موجود

ہے مفلس قلاش کس بات پر اینٹھتا ہے یہ خواہ مخواہ فرعون بے سامان بنا جاتا ہے۔جیسے ایک شخص غریب تھا مگر لوگوں پر یہ ظاہر کرتا تھا کہ میں روزانہ گھی دودھ اور قورمہ پلاؤ کھاتا ہوں اور لوگوں کو دکھانے کے لئے مونچھوں کو تیل مل کر نکلا کرتا تھا تا کہ لوگ سمجھیں کہ پلاؤ کا گھی لگ رہا ہے۔ایک دن جو آپ نے چراغ میں سے مونچھوں کو تیل لگایا تو چراغ کی بتی بھی ساتھ میں آ گئی اور داڑھی میں الجھی رہ گئی اس شان سے جب آپ باہر نکلے تو اس دن سب قلعی کھل گئی تو غریب ہو کر متکبر بننا نہایت حماقت ہے۔غریبی کا تو مقتضا ہی تواضع ہے۔

تواضع زگردن فرازاں نکوست گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

(معزز لوگوں کا تواضع کرنا کمال ہے اگر گدا اگر تواضع کرتا ہے تو یہ تو اس کی عادت ہی ہے)

مرچوں کا فساد

اس سے معلوم ہوا کہ فقیر و مفلس کی عادت تواضع ہی ہوا کرتی ہے۔یہ گفتگو تو حدیث کے متعلق تھی میں یہ کہہ رہا تھا کہ کم کھانے والا گناہوں سے بسہولت بچ سکتا ہے جیسے بڈھا زنا سے آسانی کے ساتھ بچ سکتا ہے۔الغرض غور سے دیکھا جائے تو سب گناہ زیادہ کھانے ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔جیسے مولوی سالار بخش صاحب وعظ میں گناہوں کی فہرست گنوا کر فرمایا کرتے تھے کہ یہ سب فساد مرچوں کا ہے۔ان کے نزدیک سب گناہ مرچوں ہی کی وجہ سے ہوتے تھے لوگ تو اس کو ہنسی میں اڑاتے ہیں مگر میں نے اس کلام کی یہ تاویل کی ہے کہ مرچ سے کھانا لذیذ ہو جاتا ہے اور لذت کی وجہ سے بہت کھایا جاتا ہے اور بہت کھانا گناہوں کا سبب ہے۔اس طرح مرچوں کو اس فساد میں دخل ہو گیا۔

خیر مرچوں کا فساد تو ہو یا نہ ہو لیکن یہ کلام محقق ہے کہ اکثر گناہ زیادہ کھانے سے ہوتے ہیں۔یہ ساری باتیں مستی ہی میں سوجھتی ہیں کہ کسی کو گھور لیا' کسی کو چھیڑ دیا۔کسی کے عاشق ہو گئے۔بھوکے کو یہ مستیاں نہیں سوجھتیں جس کے گھر میں سال بھر کا غلہ بھرا ہوا ہو وہ تو عورتوں ہی کو گھورے گا اور کیا کرے گا کیونکہ معاش کی طرف سے بے فکری ہے کام کچھ ہے نہیں تو اب انہی قصوں میں وقت گذارتے ہیں ہاں اگر کبھی ان مستوں پر مقدمات ہو جاتے ہیں اس وقت ساری مستی نکل جاتی ہے اب نہ کسی کو گھورنے کی مہلت ہے نہ عشق ظاہر کرنے کی ہمت ہے ہر وقت مقدمہ کی فکر لگی رہتی ہے اور اس فکر میں کھانا پینا سونا بھی حرام ہو جاتا ہے۔اسی لئے

بزرگوں نے لکھا ہے کہ انسان کو بے کار نہ رہنا چاہئے۔ کسی نہ کسی کام میں لگا رہنا چاہیے دین کا کام نہ ہو سکے تو دنیا ہی کے کسی مباح کام میں لگا رہے کیونکہ مشغولی میں نفس کو مستی نہیں سوجھتی توجہ کام کی طرف رہتی ہے اور بے کاری میں چاروں طرف ذہن دوڑتا ہے اس راز کو حکام نے بھی سمجھا ہے۔ چنانچہ جو لوگ معطل و بے کار رہتے ہیں پولیس زیادہ تر انہی کی نگہداشت میں رہتی ہے اور ایسے ہی لوگوں کا نام آوارہ گردوں میں لکھا رہتا ہے اور جب کوئی واردات ہوتی ہے ایسے ہی لوگوں کو پکڑا جاتا ہے۔ تو گویا حکام کے نزدیک بھی بے کاری بدمعاشی کا سبب ہے۔

فکر معاش بھی بڑی نعمت ہے

اور ظاہر بات ہے کہ جس شخص کو کوئی دھندہ ہو گا وہ فضول پھندوں میں کیا خاک پھنسے گا اسے اپنے کام ہی سے فرصت نہ ہو گی جس کو ہر روز گھاس کھودنے کی فکر ہے وہ عورتوں کو کہاں گھورنے جائے گا اور یہاں سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے ساتھ کسی فکر کا لگا ہونا بڑی نعمت ہے۔ یہ بہت سے گناہوں کا وقایہ ہے خواہ دنیا ہی کا فکر ہو۔ پس غریبوں کو اس نعمت پر شکر کرنا چاہئے کہ حق تعالیٰ نے ان کو بے فکری نہیں دی امیروں کو دیکھ دیکھ کر غریبوں کی رال ٹپکتی ہے کہ ہائے ہم بھی ایسے ہی بے فکر ہوتے مگر یہ خبر نہیں کہ وہ اس بے فکری سے سینکڑوں گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور تم روٹی کی فکر میں ہزاروں گناہوں سے بچے ہوئے ہو۔ خوب کہا ہے ؎

آنکس کہ تو نگرت نمی گرداند او مصلحت تو از تو بہتر داند

(جو ذات پاک تجھے امیر نہیں بناتی وہ تیری مصلحت کو تجھ سے زیادہ بہتر جانتی ہے)

بسیار خوری کے نقصانات

زیادہ کھانے میں علاوہ اس نقصان کے کہ وہ گناہوں کا سبب ہوتا ہے اور بھی بہت نقصان ہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص ہمت کر کے گناہوں سے بچا بھی رہے تو یہ نقصان تو اسے بھی ہو گا کہ نیند زیادہ آئے گی کم کھانے میں نیند کم آتی ہے۔ پیٹ تن کر جب سوؤ گے تو نیند بھی تن کر آئے گی اور کچھ بھوک رکھ کر کھاؤ گے تو رات میں دو تین دفعہ خود بخود آنکھ کھل جائے گی کیونکہ نیند سے وہ تھوڑے بہت کھانا بھی جو کھایا تھا جلدی ہضم ہو جائے گا پھر جب پیٹ کمر سے لگ جائے گا تو ایک کروٹ پر لیٹا نہ جائے گا بار بار کروٹیں بدلو گے اور کئی بار آنکھ کھل کھل جائے گی پھر چونکہ یہ مسلمان ہے اس لئے ذکر اللہ میں لگ جائے گا اور سوچے گا کہ یہ وقت اور کسی کام کا تو ہے نہیں اور صبح ہونے میں دیر

ہے تو بے کار کیوں جاگے لاؤ کچھ اللہ اللہ ہی کرلو تو کم کھانے والے کو طاعات کی توفیق زیادہ ہوتی ہے اور زیادہ کھانے والا تو صبح کو بھی مشکل سے اٹھے گا اس لئے اس شخص کی طاعات بہت کم ہوں گی اور اگر بہت کھانے والا اتفاق سے کسی رات کو جاگ بھی گیا تو کھانے کا کسل ایسا ہوتا ہے کہ اس کو چار پائی سے اٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی اور اگر اٹھ بھی گیا اور وضو کر کے نماز یا ذکر میں لگ گیا تو تھوڑی دیر میں نیند کے جھونکے ایسے آئیں گے کہ سجدہ میں پڑ کر خبر بھی نہ رہے گی یا گردن جھکا کر سوتا رہے گا۔ زیادہ کھانے میں دین کا نقصان تو ہے ہی دنیا کا بھی نقصان ہے کیونکہ کھانے میں اس شخص کی رقم زیادہ خرچ ہوتی ہے ایک شخص فی وقت دس روٹی کھاتا ہے اور ایک چار روٹی کھاتا ہے دونوں کے خرچ میں آدھوں آدھ کا تفاوت ہوگا۔ پھر بہت کھانے والے کو غذا اچھی طرح ہضم نہیں ہوتی آئے دن بدہضمی کی شکایت رہتی ہے جس سے طرح طرح کی بیماریوں کا شکار رہتا ہے تو دواؤں میں بہت رقم خرچ ہوتی ہے اور کم کھانے والے کو غذا اچھی طرح ہضم ہوتی ہے اس کی تندرستی بنی رہتی ہے تو دواؤں میں اس کے روپے نہیں اٹھتے۔

بغیر بھوک لگے نہ کھانا

شیخ سعدی نے لکھا ہے کہ ایک نصرانی بادشاہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک طبیب کو بھیجا تھا کہ یہ مدینہ والوں کا علاج کیا کرے گا آپ نے طبیب کو واپس کر دیا اور فرمایا کہ ہم لوگ بغیر بھوک کے کھاتے نہیں ہیں اور بھوک رکھ کر کھانا چھوڑ دیتے ہیں اس لئے ہم کو طبیب کی ضرورت نہیں۔

(قلت اخرجه فی السیرة الحلبیة قال وردفی روایة انه اهدی مقوقس عظیم القبط الیه طبیباً لیداوی مرض المسلمین فقال ارجع الی بلدک فلاحاجة لنابک فانا قوم لاناکل حتے نجوع و نقوم عنه ولم نشبع منه او کماقال ۱۲ جامع)

واقعی اس دستور العمل پر عمل کر کے دیکھیے سب بیماریاں خود ہی بھاگ جائیں گی کبھی اتفاقی طور پر بیماری آ جائے تو اور بات ہے لیکن مجموعہ امراض تو نہ ہوگا مگر آج کل لوگوں کی عادت یہ ہے کہ بھوک لگنے کا کھانا کھانے میں انتظار نہیں کرتے بلکہ اکثر وقت آنے کی رعایت سے کھاتے ہیں کہ کھانا گرم گرم ہے دیر میں کھائیں گے تو ٹھنڈا ہو جائے گا لاؤ ابھی کھالیں۔ جی ہاں اس وقت کھانا تو گرم ہے مگر کھانے والا سرد ہی ہو جائے گا کیونکہ بے بھوک کھانے سے حرارت غیریزیہ منطفی ہو جاتی ہے معدہ میں تداخل ہو جاتا ہے پہلا کھانا ابھی ہضم نہیں ہوا تھا کہ دوسرا اور پہنچ گیا اب معدہ پریشان ہوتا ہے کہ کسے ہضم کروں اور خصوصاً یہ امراء کے مشیر تو بہت

غضب کرتے ہیں کہ رئیس صاحب کو بھوک نہیں ہے وہ کھانے سے انکار کر رہے ہیں تو مشیر اپنے پیٹ بھرنے کے لئے انہیں رائے دیتے ہیں کہ نہیں حضور کچھ تو کھا لیجئے فاقہ کرنا اچھا نہیں تھوڑا بہت کھا کر نمک سلیمانی استعمال کر لیجئے گا یا سوڈے کی بوتل پی لیجئے گا سب ہضم ہو جائے گا۔اس پر چاروں طرف سے تائید ہوتی ہے۔ کثرت رائے کے بعد وہ کھانا آتا ہے۔ رئیس صاحب تو دو چار ہی لقمے کھاتے ہیں باقی سب ان مشیروں کے پیٹوں میں اترتا ہے پھر اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ رئیس صاحب کا معدہ بھاڑے کا ٹٹو ہو جاتا ہے کہ بدون نمک سلیمانی یا سوڈے کی بوتل کے کھانا ہضم ہی نہیں کر سکتا۔ بعضے یہ تدبیر کرتے ہیں کہ سالن میں لیموں نچوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور اب کھائیے، دیکھئے کیسا مزہ آ گیا ہے لیموں نچوڑنے سے رئیس صاحب کی بھی رال ٹپک پڑتی ہے اور وہ جوں توں کھا لیتے ہیں۔

لیموں نچوڑ کی حکایت

لیموں نچوڑنے پر مجھے ایک لیموں نچوڑ کی حکایت یاد آئی ایک شخص کی عادت تھی کہ وہ سرائے میں بیٹھا رہتا تھا اور دو تین لیمو اپنے پاس رکھتا تھا جب کوئی ذی ثروت مسافر سرائے میں کھانا کھانے بیٹھتا یہ جا کر اس کے پیالہ میں لیمو نچوڑ دیتا کہ دیکھئے حضور اس سے سالن کیسا مزہ دار ہو گیا ہے اس کے بعد یا تو وہی ان کو بلا لیتا یا یہ خود ہی کھانے لگتے' لوگ مروت سے کچھ نہ کہتے اور یہ مفت سفت پیٹ بھر لیتا بس اس کا یہی پیشہ تھا کہ ایک پیسہ کے لیموں میں دونوں وقت پیٹ بھر لیا کرتا تھا ایک مرتبہ کوئی مسافر دل جلا بھی آ ٹھہرا اس کے پیالہ میں جو اس نے لیموں نچوڑا اور ساتھ کھانا شروع کیا تو اسنے زور سے ایک دھپ رسید کیا تو یہ لیموں نچوڑ کیا کہتا ہے کہ میرے ابا جان بھی مجھے یوں ہی مار مار کر کھلایا کرتے تھے آپ نے وہ زمانہ یاد دلا دیا اور بے حیا پھر بھی کھانے سے نہ رکا مسافر بھی خاموش ہو رہا کہ جب اس نے مجھے باپ بنا لیا تو اب کیا کہوں۔ واقعی یہ پیٹ بھی سب کچھ کرا دیتا ہے کھانے کے حریص کو نہ حیا رہے نہ شرم۔

بچوں کو اصرار کر کے کھلانا بہت زیادہ برا ہے

یہ تو ہنسی کی بات تھی میں یہ کہہ رہا تھا کہ کھانا خوب بھوک لگنے پر کھانا چاہئے یہ نہیں کہ اس کے لئے مشورے اور کمیٹیاں کی جائیں اور کثرت رائے پر فیصلہ کر کے کھا لیا جائے چاہے بھوک ہو یا نہ ہو اس لئے میں کھانے پر اصرار کرنے کو بہت برا سمجھتا ہوں کسی کو بے بھوک کھلانا زہر دینا ہے۔

لوگوں میں مرض ہوا کرتا ہے کہ اصرار کر کر کے کھلایا کرتے ہیں خاص کر عورتیں بچوں کو بہت بری طرح ٹھساتی ہیں۔ایک صاحب نے یہاں غضب کیا کہ ان کے بچے نے روزہ رکھا تھا افطار میں اس نے پانی بہت پی لیا تو روٹی نہ کھائی باپ نے کہا میاں کچھ تو کھالو اس نے انکار کیا تو کہا اچھا دودھ ہی پی لو اس نے دودھ پی لیا بس روزہ کی گرمی کے بعد جو دودھ معدہ میں پہنچا ہے اس نے فوراً اخلاط میں گڑبڑ پیدا کی اور بچہ ایسا سخت بیمار ہوا کہ مرنے سے بچ گیا۔تو بچوں کو اصرار کر کے کھلانا اور زیادہ برا ہے وہ تو خود ہی کھانے کے بہت حریص ہوتے ہیں اگر بچہ کبھی انکار کرے تو سمجھ لو کہ یا تو اس نے بہت ہی کھالیا ہے یا کسی مرض کی وجہ سے انکار کرتا ہے۔اب تم اصرار کر کے ہرگز نہ کھلاؤ یہ تو زیادہ کھانے کے نقصانات تھے مگر اس میں ایک خوبی بھی ہے (یہ لطیفہ کے طور پر فرمایا) وہ یہ کہ زیادہ کھانے والے کو خدا کی نعمت کی قدر بہت ہوتی ہے یہ کھانے پر بڑی محبت سے گرتا ہے۔

قدر دان نعمت

اس لئے میں زیادہ کھانے والوں کو قدر دان نعمت کہا کرتا ہوں۔کم کھانے والے کھانے پر اس طرح نہیں گرتے تو ان کو اس نعمت کی قدر زیادہ نہیں جیسے حضرت حاجی صاحب نے ایک موقع پر ایسا ہی فرمایا تھا۔قصہ یہ ہے کہ حضرت کے ایک مقرب مرید کو کسی شخص نے اپنے مال کی تقسیم کے لئے وصی بنایا تھا کہ اس کے مستحقین میں تقسیم کر دیا جائے۔انہوں نے یہ چاہا کہ حضرت کی رائے کے موافق تقسیم کروں۔چنانچہ مستحقین کے نام ایک پرچہ لکھ کر لائے اور حضرت سے عرض کیا کہ میں نے یہ مال ان لوگوں میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا ہے۔حضرت کی کیا رائے ہے۔اس پرچہ میں سارے نام ان لوگوں کے تھے جو متوکل تھے' حضرت نے فرمایا کہ تم نے فلاں فلاں کے نام نہیں لکھے وہ کہنے لگے کہ حضرت وہ تو امراء سے مل کر مانگ لیتے ہیں۔سوال کر کے کھا لیتے ہیں اور یہ لوگ کسی سے مانگنے نہیں جاتے ان کی یہ حالت ہے یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ کہ صورت دیکھ کر ناواقف لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بڑے مالدار ہیں جبھی تو کسی سے سوال نہیں کرتے اس لئے میں نے ان کو ترجیح دی کہ یہ کسی سے مانگنے نہیں جاتے۔حضرت نے فرمایا سبحان اللہ جو نعمت کے قدر دان ہیں تم ان کو تو دیتے نہیں (جن کو پیسہ پیسہ عزیز ہے جو اس کے لئے عزت و آبرو بھی خرچ کر دیتے ہیں) اور ان کو دیتے ہو جن کو سلطنت کی بھی پرواہ نہیں۔دوسرے یہ بھیک مانگنے والے اس لئے بھی زیادہ قابل رحم ہے کہ خدا تعالیٰ بھی ان کے خاص ذمہ دار نہیں چنانچہ ارشاد ہے من جعل همومه

همـا واحداهم الآخرة كفى الله هـمـومه كلها ومن تشعبت به همـومه لم يبال الله فى اى وادهلك (او كما قال) (سنن ابن ماجه ۲۵۷، مشکوۃ المصابیح ۲۶۳)
(جو شخص سارے فکروں کو چھوڑ کر ایک فکر اختیار کرلے یعنی آخرت کی فکر تو حق تعالیٰ اس کے سب فکروں کی کفایت کرتے ہیں اور جو خود مختلف افکار میں مبتلا ہو حق تعالیٰ کو اس کی پروا نہیں کہ یہ کس جنگل میں جا کر ہلاک ہوتا ہے ۱۲ جامع)

جھوٹے متوکلین کا حال

اور متوکلین کے بارہ میں نص موجود ہے وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (جو خدا پر توکل کرے خدا اسے کافی ہے) تو جس کا خدا ذمہ دار ہے۔ آپ کو اسکی تو فکر ہوئی اور جس کا خدا بھی ذمہ دار نہیں اس کی فکر نہ ہوئی۔ سبحان اللہ عارفین کے علوم کیسے پاکیزہ ہوتے ہیں ان کی نظر حقیقت پر پہنچتی ہے ورنہ ظاہر میں تو متوکلین کی حالت زیادہ قابل رحم معلوم ہوتی ہے مگر حاجی صاحب نے لطیفہ کے پیرایہ میں بتلا دیا کہ جو سچا متوکل ہے اس کو کسی کے اہتمام کی ضرورت نہیں اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْن اس پر رحم کرنے کے لئے کافی ہے۔ باقی جو جھوٹا متوکل ہو وہ محض مدعی ہے اس کا ذکر نہیں جیسے بعض لوگ توکل کا دعویٰ کرتے ہیں (یہ ایک واقعہ ہے) اور جب پریشانی پیش آتی ہے تو سوداگروں کو خطوط لکھتے کہ آج کل جاڑے کے کپڑے نہیں ہیں اتنی رقم نہیں جو بنا لوں قوت دماغ کے لئے دودھ کی بھی ضرورت ہے مگر وسعت نہیں آپ دعا کریں کہ حق تعالیٰ سب باتوں کا انتظام فرما دیں۔ سبحان اللہ دعا کے واسطے بھی سوداگر ہی رہ گئے تھے اگر سچ مچ دعا کرانا ہی مقصود تھا تو غرباء سے کرائی ہوتی اور متوکل تو اپنی ضروریات کے لئے کسی سے دعا کرانے کی ضرورت کیا ہے۔ خدا سے خود کیوں نہیں دعاء کرتا ان حرکتوں سے توکل کا نام بھی کیوں بدنام کرتا ہے۔ بس یہ شخص مخلوق کو بے وقوف سمجھتا ہے کہ وہ اس طرح لکھنے کو سوال نہ سمجھیں گے مگر آج کل دنیا کے معاملہ میں ہر شخص عقلمند ہے اور یہ تو کوئی ایسی دقیق بات بھی نہیں جس کو کوئی نہ سمجھ سکے کھلی ہوئی بات ہے کہ اپنی حاجات ظاہر کر کے دعا کرانے کا مطلب بجز سوال کے اور کیا ہے اگر اس پر بھی توکل چلا جا رہا ہے۔

آج کل کا توکل

توکل کیا ہوا بی تمیزہ کا وضو ہو گیا۔ بی بی تمیزہ ایک فاحشہ عورت تھی کسی بزرگ نے اس کو نماز کی تاکید کی اور اپنے سامنے وضو بھی کرا دیا کہ اس طرح وضو کیا کرتے ہیں۔ نماز بھی سکھلا

دی ایک مدت کے بعد وہ بزرگ پھر اس کے پاس سے گزرے۔ پوچھا بی تمیزہ نماز پڑھتی ہو کہا حضور روز پانچوں وقت پابندی سے پڑھتی ہوں۔ پوچھا وضو بھی کرتی ہو کہنے لگی کہ وضو تو اس روز آپ نے کرادیا تھا۔ اللہ کی بندی اسی وضو سے برسوں نماز پڑھتی رہی۔ بس جس طرح اس کا وضو نہ سونے سے ٹوٹتا تھا نہ پیشاب پاخانہ سے نہ زنا کاری سے اسی طرح آج کل بعض لوگوں کا توکل ہے کہ سوال بھی کرلیں اور متوکل کے متوکل بنے رہیں استغفر اللہ۔ غرض میں کہہ رہا تھا کہ جو امراء نمک اور چورن کے سہارے کھانا کھاتے ہیں وہ مرض کو خریدتے ہیں اسی طرح جو لوگ مشتہیات سے قوت جماع کو بڑھاتے ہیں وہ اپنی صحت برباد کرتے ہیں اس کے لئے بھی یہی قاعدہ ہونا چاہئے کہ بدون سخت تقاضے کے بی بی کے پاس نہ جائیں مشتہیات کے استعمال سے قوت زیادہ نہیں ہوتی ہاں استسقاء ہو جاتا ہے جیسے استسقاء والا کتنا ہی پانی پی لے مگر پیاس نہیں بجھتی یہی حال ان لوگوں کا ہو جاتا ہے کہ کثرت مقاربت سے بھی ان کی پیاس نہیں بجھتی تو یہ صحت کی دلیل نہیں بلکہ سخت مرض ہے جس کا انجام خطرناک ہے۔

استطعام کا مرض

اطباء نے استسقاء کی بیماری تو لکھی ہے مگر استطعام کا مرض کسی نے نہیں لکھا مگر ہم نے یہ مرض بھی دیکھا ہے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کا کھانے سے پیٹ نہیں بھرتا وہ کھاتے ہیں اور قے کرتے ہیں اور قے کر کے پھر کھانا شروع کردیتے ہیں۔ تو بزرگوں نے زیادہ کھانے کے یہ نقصانات دیکھے اس لئے ترک طعام کو مجاہدہ میں داخل کیا اور دوسری چیز تھی زیادہ سونا سو زیادہ سونے میں یہ نقصان ہے کہ اس سے برودت بڑھ جاتی ہے جس سے قوت فکریہ کم ہو جاتی ہے اور قوت فکریہ کی کمی سے دنیا اور دین دونوں کے کام خراب ہوتے ہیں۔ نیز اس سے امور انتظامیہ میں بہت خلل پڑتا ہے ایسے شخص کو پابندی اوقات کبھی نصیب نہیں ہوتی سوچتا یہ ہے کہ آج سویرے اٹھ کر فلاں فلاں کام کروں گا نیند آئی تو وقت کے بہت آنکھ کھلی اب اس کام کو دوسرے کاموں کے وقت میں کرتا ہے۔ دوسرے کاموں کو کل پر رکھتا ہے پھر دوسرے دن ارادہ کرتا ہے کہ آج دوپہر کو ایک گھنٹہ سوؤں گا پھر سویرے اٹھ کر کچھ کام کروں گا۔ وہاں ڈھائی گھنٹہ کے بعد آنکھ کھلی تو پھر سارا انتظام درہم برہم ہو گیا روز یہی قصہ رہتا ہے۔ اس لئے یہ شخص کبھی منتظم نہیں ہوسکتا اور بے انتظامی جڑ ہے بہت سی خرابیوں کی اس سے دین کو بھی ضرر پہنچتا

ہے اور دنیا کو بھی چنانچہ آج کل ہمارے بھائی دوسری قوموں کو دیکھ دیکھ کر ترقی کی ہوس کرتے ہیں مگر یہ نہیں دیکھتے کہ ان کی ترقی کا راز کیا ہے اس کو بھی اختیار کریں یاد رکھو ہر کام میں ترقی انتظام سے ہوتی ہے جو کام جماعت کے متعلق ہو اس میں انتظام اتحاد و اتفاق سے ہوتا ہے جب سب کام کرنے والے متفق ہوں اور ہر ہر شخص منتظم ہو اس وقت ترقی ہو سکتی ہے مگر ہمارے بھائیوں کا سارا انتظام تقریروں اور تحریروں تک ہوتا ہے تجویزیں بہت لمبی لمبی اور خوشنما ہوتی ہیں مگر جب کام شروع کریں گے تو اس بے انتظامی سے جو چار دن بھی نہ چل سکے اور اس کا تجربہ کر لیا جائے کہ انتظام وہی شخص کر سکتا ہے جو کم سوتا ہو۔ سویرے اٹھتا ہو علاوہ ازیں زیادہ سونے میں جس قدر وقت صرف ہوگا اس میں کچھ کام نہ ہوگا نہ دنیا کا نہ دین کا یہ سارا وقت بیکار جاتا ہے بس جتنا وقت طبعی نیند کا ہے (جس کی مقدار اطباء نے ۶ گھنٹے لکھی ہے ۱۲ جامع) وہ تو ضرورت میں صرف ہوا باقی سب رائیگاں گیا تو زیادہ سونے سے دنیا کی بھی کمی اور دین کا بھی نقصان ایسے شخص کی اکثر نمازیں بے وقت یا تنگ وقت میں ادا ہوتی ہیں۔ خصوصاً عشاء اور فجر اور تہجد تو اسے کہاں نصیب۔ اب تیسری چیز ہے زیادہ بولنا بزرگوں نے اس میں یہ نقصان دیکھا کہ اس کے ہوتے ہوئے گناہوں سے بچنا مشکل ہے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جو لوگ زیادہ بک بک کرتے ہیں وہ جھوٹ اور غیبت میں ضرور مبتلا ہو جاتے ہیں اور کثرت کلام کے ساتھ ہر بات سوچ کر کرنا جو تدبیر ہے معاصی لسان سے بچنے کی دشوار ہے اور اگر بالفرض کوئی شخص گناہوں سے بچا بھی رہا تو ایک نقصان سے تو کسی طرح بچ ہی نہیں سکتا وہ نقصان کیا ہے۔

دل زیر گفتن بمیرد در بدن گرچہ گفتارت بود در عدن

(دل زیادہ بولنے سے بدن میں مردہ ہو جاتا ہے اگرچہ تیری گفتگو عدن کے موتی ہی جیسے کیوں نہ ہوں)

قساوت قلب

یعنی کثرت کلام سے دل مر جاتا ہے ظلمت پیدا ہوتی ہے قساوت قلب پیدا ہو جاتی ہے اور یہ وہ بلا ہے جس کے بعد کسی گناہ میں مبتلا ہو جانا بھی بعید نہیں۔ ساری طاعت کا مدار حیات قلب پر ہے۔ نیک کاموں کی توفیق نور قلب سے ہوتی ہے اور تمام معاصی کا منشاء قساوت و ظلمت قلب ہی ہے۔ جب قلب میں حیات و نور ہی نہ رہا بلکہ اس کے بجائے قساوت و ظلمت پیدا ہو گئی تو اب یہ شخص سب گناہوں کے لئے قابل ہو جاتا ہے۔ پس کثرت کلام کے ساتھ گناہوں سے بچنا چند دن کا ہوتا ہے پھر معاصی کی طرف میلان ہونے لگتا ہے۔ اب رہی چوتھی

چیز یعنی زیادہ میل جول سواس میں یہ نقصان ہے کہ جتنا وقت اختلاط میں صرف ہوتا ہے اتنی دیر یہ شخص بے کار رہتا ہے۔ دین کا کوئی کام اس سے نہیں ہوتا رہا یہ کہ مسلمانوں سے ملنے میں بھی تو ثواب ہے تو اس سے مراد بقدر ضرورت ملنا ہے۔ اپنے پاس آنے والوں کی تواضع دس پندرہ منٹ میں ہو سکتی ہے اس کے لئے گھنٹے صرف کرنا وقت کیوں ضائع کرنا ہے زیادہ میل جول میں معمولات کی پابندی نہیں ہو سکتی ایک کام لے کر بیٹھے تھے کوئی ملنے آ گیا تو کام رخصت ہوا اب باتوں میں گھنٹے لگا دیئے جاتے ہیں جس سے سارے کاموں کا ٹھڑا ہو جاتا ہے تو ایسا شخص ہمیشہ پریشان رہتا ہے اور میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ بے انتظامی دنیا اور دین دونوں کے لئے مضر ہے دوسرے اختلاط میں خاموشی دشوار ہے خواہ مخواہ بولنا ہی پڑتا ہے جس میں اکثر غیبت و شکایت میں بھی ابتلا ہو جاتا ہے۔ تیسرے کثرت اختلاط سے باہم دوستی ہو جاتی ہے جس میں بعض دفعہ اپنے راز دوسرے پر ظاہر ہو جاتے ہیں پھر یہ دوست اپنے دوسرے دوستوں پر ان رازوں کو ظاہر کر دیتا ہے کیونکہ اس کو ان پر ویسا ہی اعتقاد تھا جیسا تم کو اس پر مگر بعض دفعہ ان میں تمہارا کوئی دشمن ہوتا ہے جو راز کو معلوم کر کے تم کو ضرر پہنچا دیتا ہے۔ نیز بعض دفعہ خود آپ کا دوست ہی بدل جاتا ہے اور دوست جب دشمنی پر آمادہ ہوتا ہے تو وہ اور دشمنوں سے زیادہ ایذا دیتا ہے۔ اسی لئے عرب کی مثال ہے اتق شر من احسنت الیہ یعنی جس پر تم نے احسان کیا ہو اس کے شر سے بچتے رہو اور آج کل یہ کچھ بعید نہیں کیونکہ اس زمانہ میں دوستی اور محبت اکثر اغراض کے لئے ہوتی ہے' جب تک غرض پوری ہوتی رہی دوست ہیں اور جس دن اغراض میں کمی آئی اس دن سے دشمن ہیں۔ چنانچہ تجربہ ہو گیا کہ جن لوگوں پر پورا اعتماد تھا کہ یہ دوستی سے کبھی نہ بدلیں گے وہ بھی اپنی اغراض میں کسی وقت نقصان دیکھ کر بالکل بدل گئے اور ایسے بدلے کہ دشمن سے بھی بدتر دشمن بن گئے پھر دشمنی سے دنیا کا ضرر تو ہوتا ہی ہے دین کا بھی نقصان ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں اطمینان قلب فوت ہو جاتا ہے اور اطمینان قلب سب کاموں کی جڑ ہے دین کا تو کوئی کام بدون اطمینان قلب کے اچھی طرح ہو ہی نہیں سکتا۔ میں کہتا ہوں کہ اس کے بغیر دنیا کا بھی کوئی کام نہیں ہوتا تو اختلاط میں یہ کتنا بڑا ضرر ہے۔

ضرورت اہتمام جمعیت قلب

ہمارے حاجی صاحب کو جمعیت قلب کا بہت اہتمام تھا اسی لئے حضرت نے سالکین کو وصیت کی ہے کہ کسی سے نہ دوستی بڑھائیں نہ دشمنی پیدا کریں بس سب سے معمولی صاحب سلامت رکھیں' کیونکہ دشمنی تو پریشانی قلب کا سبب ہے اور آج کل دوستی بھی اس کا سبب ہو

جاتی ہے (جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ۱۲)

اس تفصیل سے آپ کو زیادہ کھانے زیادہ سونے زیادہ بولنے زیادہ میل جول بڑھانے کے نقصانات اور مضرتیں بخوبی معلوم ہوگئی ہوں گی۔ پس گویہ چاروں فی نفسہ مباح ہیں مگر ایسے مباح ہیں کہ تمام گناہوں کا سلسلہ نسب انہی تک پہنچتا ہے۔ اس لئے بزرگوں نے ان کے ترک کو مجاہدہ میں داخل کیا خلاصہ یہ ہوا کہ مجاہدہ تو ترک معاصی ہی ہے مگر ترک معاصی عادۃً ان تروک اربعہ مباحہ پر موقوف ہے تو ان کا ترک بھی مجاہدہ ہے (لان مقدمة الواجب واجب جس پر واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے ۱۲)

الحمدللہ اس تقریر سے ان ارکان اربعہ کا مجاہدہ میں داخل ہونا واضح ہو گیا اور تقسیم مذکور پر بھی اشکال نہ رہا کیونکہ حاصل تقریر کا یہ ہوا کہ مجاہدہ حقیقیہ تو ارتکاب طاعات واجتناب معاصی ہی کا نام ہے اور اس معنی کہ یہ ارکان اربعہ مجاہدہ میں داخل نہیں تھے مگر چونکہ اجتناب معاصی عادۃً انہی پر موقوف ہے اس لئے حکماً یہ بھی مجاہدہ میں داخل ہو گئے۔

مجاہدہ کی دو قسمیں

تو اب مجاہدہ کی دو قسمیں ہوگئیں۔ (مجاہدہ حقیقیہ یعنی فعل طاعات و ترک معاصی۔ (۲) مجاہدہ حکمیہ یعنی ترک المباحات التی تجر الی المعاصی والی ترک الطاعات (یعنی ان مباحات کا چھوڑنا جو ارتکاب معاصی و ترک طاعات کی طرف مفضی ہوتے ہیں اور وہ یہی چار مباحات ہیں جن کا ذکر بالتفصیل اوپر ہو چکا ہے ۱۲ جامع)

ایسے مباحات کا ترک کرنا یہ حکمی مجاہدہ ہے اور چونکہ بوجہ مقدمہ ہونے کے یہ حقیقی ہی کے حکم میں ہے اس لئے اس کے فضائل بھی وہی ہیں جو حقیقی کے فضائل ہیں اور اس کا اہتمام بھی ویسا ہی ضروری ہے جیسا حقیقی مجاہدہ کا اہتمام ضروری ہے۔ اب یہاں ایک اشکال وارد ہوگا وہ یہ کہ جب ان مباحات اربعہ کا ترک کرنا حقیقی مجاہدہ نہیں بلکہ حکمی ہے تو اس کی کیا وجہ کہ صوفیہ نے مجاہدہ کے بیان میں حقیقی سے تعرض ہی نہ کیا بلکہ محض مجاہدہ حکمی کے بیان پر اکتفا کر گئے حالانکہ حقیقی احق بالذکر تھا تو بات یہ ہے کہ مجاہدہ حقیقیہ کا مجاہدہ ہونا تو ظاہر تھا اس کے بیان کی ضرورت نہیں سمجھی کیونکہ بیان اسی بات کو کیا جاتا ہے جو خود سمجھ میں نہ آسکے اور جو بات از خود سمجھ میں آسکے اسکو بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے اور اس قاعدہ کو صوفیہ نے سنت نبویہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم اور عادت الہیہ سے اخذ کیا چنانچہ شریعت نے اسی بات کا امر کیا ہے جس کی طرف از خود توجہ نہ ہو اور اسی بات سے منع کیا ہے جس سے لوگ کم بچتے ہوں۔ چنانچہ شراب نوشی سے منع کیا ہے' پیشاب نوشی سے نہیں منع کیا کیونکہ شراب نوشی میں لوگوں کو ابتلاء تھا اور پیشاب بھلا کون پیتا ہے تو اس سے منع کرنے کی ضرورت تھی اس سے منع کرنے کی ضرورت نہ تھی اس سے تو انسان کی طبیعت خود بھی بچتی ہے ہاں پیشاب لگ جانے کے احکام شریعت نے بیان کئے ہیں کیونکہ اس میں ابتلا متوقع ہے اسی عادت وسنت کے موافق صوفیہ نے مجاہدہ حقیقیہ سے تعرض نہیں کیا کیونکہ جانتے تھے کہ اس کا مجاہدہ ہونا کسی مسلمان پر مخفی نہ ہوگا اصل وجہ تو اس کے بیان نہ کرنے کی یہ تھی مگر اب جاہل صوفیہ بلکہ بہت سے لکھے پڑھے صوفی بھی اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ وہ مجاہدہ بس انہی ارکان اربعہ کو سمجھتے ہیں جن کا تعلق مباحات سے ہے اور اعمال واجبہ اور ترک معاصی کا کچھ بھی اہتمام نہیں کرتے۔ چنانچہ ایک صوفی رات بھر جاگتے تھے اور اس غرض کے لئے افیون کھایا کرتے تھے سبحان اللہ سونے سے تو پرہیز جو فی نفسہ مباح تھا اور نشہ کی چیز سے پرہیز نہیں جو حرام اور اقل درجہ مکروہ تحریمی تو ضرور ہے' کیونکہ افیون بقدر سکر کھانا حرام ہے اور اگر قدر سکر سے کم ہو تو ضرورت کے وقت جائز ہے بلا ضرورت مکروہ ہے اور جاگنا کونسی ضرورت ہے جس کے لئے افیون کا استعمال جائز ہو جائے۔ بس ان حضرات کی وہی مثال تھی کہ گڑ کھاویں اور گلگلوں سے پرہیز جیسے آج کل بعضے مولوی ان باتوں سے تو منع کرتے ہیں جن کو وہ خود بھی پہلے جائز سمجھتے اور کرتے آتے تھے اور ان باتوں سے نہیں روکتے جن کو ہمیشہ سے حرام سمجھتے تھے اور اگر کسی نے کسی کام کے متعلق ان سے کہا بھی کہ یہ تو گناہ ہے شرک ہے اس سے بھی تو منع کرنا چاہئے۔ تو یہ جواب دے دیتے ہیں میاں اس وقت تو کام ہونے دو گناہ کو بعد میں دیکھ لیا جائے گا۔ یہی مذاق اس صوفی کا تھا کہ اس وقت تو جاگنا چاہئے افیون کے گناہ کو بعد میں دیکھ لیا جائے گا۔ بھلا ان علماء سے کوئی پوچھے کہ جب تم گناہوں سے مخلوق کو نہیں روکتے تو مباحات سے کیوں روکتے ہو اور جو شخص ان مباحات کا ارتکاب کرے اس پر ملامت اور طعن کیوں کرتے ہو گناہوں میں تو اتنا تساہل اور مباحات سے اتنا اجتناب یہ تو وہی مثال ہوئی جیسے ایک شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تھا اسے حمل رہ گیا بچہ ہوا۔ بدنامی ہوئی کسی دوست نے کہا کم بخت تو نے عزل ہی کر لیا ہوتا جو اس بدنامی کی تو نوبت نہ آتی تو آپ کیا کہتے ہیں کہ ہاں خیال تو ہوا تھا مگر میں نے یہ سنا تھا کہ عزل مکروہ ہے' اس لئے نہ کیا۔ جی ہاں اور زنا تو بہت حلال تھا واہیات مثال تو گندی ہے مگر آج کل کی حالت کے مطابق ہے۔

بہر حال مجاہدہ کی دونوں ہی قسموں کا اہتمام لازم ہے اور یہاں سے علماء خشک کی غلطی بھی ظاہر ہوگئی جو صرف اعمال واجبہ وترک معاصی ہی کا اہتمام کرتے ہیں مجاہدہ حکمی کا بالکل اہتمام نہیں کرتے بلکہ اس کو مجاہدہ شرعیہ سے خارج سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ترک مباحات مجاہدہ کیونکر ہوگیا سو میں بتلا چکا ہوں کہ مجاہدہ حقیقیہ عادۃً ان مباحات کے ترک ہی پر موقوف ہے بدون اس کے ارتکاب طاعات وترک معاصی میں سہولت نہیں ہوتی اور مقدمہ مامور بہ کا مامور بہ ہوتا ہے تو یہ بھی مجاہدہ شرعیہ میں داخل ہے اور اس کا اہتمام بھی ویسا ہی ضروری ہے بلکہ ایک اعتبار سے مجاہدہ حقیقیہ سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ

سرچشمہ شاید گرفتن بہ میل چو پرشد نہ شاید گزشتن بہ پیل

(کسی چشمہ کی ابتدا کو سرمہ کی سلائی سے بھی بند کر سکتے ہیں لیکن اگر وہ پانی سے پر ہوگیا تو ہاتھی کے گزرنے سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا)

مقدمات زنا سب حرام ہیں

قاعدہ یہی ہے کہ مقاصد سے زیادہ مقدمات کا اہتمام کیا جاتا ہے تب مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔ چنانچہ نحو وصرف میں اس قدر محنت کی جاتی ہے کہ علوم مقصودہ میں اس کی آدھی محنت بھی نہیں کی جاتی۔ بعض دفعہ مطالعہ کا اتنا اہتمام کیا جاتا ہے کہ سبق کا بھی اتنا اہتمام نہیں کیا جاتا کیونکہ وہ مفتاح استعداد ہے۔ اگر مطالعہ کی استعداد پیدا ہوگئی تو سبق کو بدون استاد کے بھی سمجھ لے گا۔

اسی طرح حق تعالیٰ نے لا تقربوا الزنا فرمایا ہے (کہ زنا کے پاس مت جاؤ ۱۲) لا تفعلوا الزنا (زنا مت کرو) نہیں فرمایا لا تقربوا الزنا سے مقدمات زنا سب حرام ہوگئے جیسے نگاہ کرنا تصور کرنا۔ خلوت میں نامحرم کے پاس بیٹھنا اس کو ہاتھ لگانا وغیرہ وغیرہ کیونکہ اگر ان مقدمات کو حرام نہ کیا جاتا تو لوگ ان میں تساہل کرتے اور مقدمات میں مبتلا ہو کر پھر بچنا مشکل ہے پھر تو وہ یہ کہے گا۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ باز می گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

(دریا کی گہرائی میں ایک تختہ سے باندھ دیا ہے اور پھر کہتا ہے کہ تو دامن تر مت کر ہوشیار رہنا)

نامحرم کے ساتھ خلوت میں بیٹھ کر پھر معصیت سے بچا رہنا بہت ہی دشوار ہے شیطان کا مقولہ ہے جو اس نے بعضے بزرگوں سے کہا تھا کہ اگر خلوت میں جنیدؒ جیسا مرد اور رابعہؒ بصری

جیسی عورت جمع ہو جاویں تو میں ان کے خیالات بھی خراب کر دوں پھر ہماری اور آپ کی تو کیا ہستی ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ کی یہ بڑی رحمت ہے کہ جس کام سے منع کرنا چاہا اس کے مقدمات کو بھی حرام کر دیا۔ اگر مقدمات حرام نہ ہوتے تو پھر معاصی سے بچنا بہت لوگوں کے حق میں گویا تکلیف مالا یطاق ہو جاتا گویا بھلا ایک بھوکا آدمی تنہا گھر کے اندر دستر خوان بچھا ہے اور روٹی کے سامنے بیٹھا رہے اور روٹی سے صبر کئے رہے بہت مشکل ہے۔ ہاں روزہ دار ہو تو شاید بچا رہے اور اگر روزہ بھی نہ ہو یا یہ شخص روزہ کی فرضیت ہی کا قائل نہ ہو تو پھر بھوکے کا اس حال میں کھانے سے رکنا دشوار ہے شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں

ملحد گرسنہ درخانہ خالی برخواں عقل باور نکند کز رمضاں اندیشد

(منکر خدا بھوک کا مارا کسی خالی گھر میں کھانے لگے ہوئے دستر خوان پر ہو تو عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ وہ رمضان کے احترام سے باز رہے گا)

اسی لئے حق تعالیٰ نے نظر بد سے بھی منع کر دیا گو اس میں کلفت بہت ہوتی ہے خاص کر دفعۃً نگاہ پڑ جانے کے بعد اس کو فوراً پھیر لینا بڑا گراں گزرتا ہے مگر یہ کلفت تو ایک ساعت کے لئے ہے اگر نگاہ بھر کر دیکھ لیتا تو شاید ساری عمر کا وبال ہو جاتا جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے

درون سینہ من زخم بے نشاں زدہ بحیرتم کہ عجب تیر بے کماں زدہ

(میرے سینہ کے اندر تو نے زخم بے نشان لگایا ہے میں حیرت زدہ ہوں کہ تو نے عجب تیر بے کماں مارا ہے)

واقعی تیر نگاہ بہت سخت ہوتا ہے یہ تو بعض دفعہ دل میں بیٹھ کر نکلنا جانتا ہی نہیں۔ چنانچہ بعض لوگ اس نگاہ کی بدولت ایمان سے بھی گئے شیخ ابن القیمؒ نے لکھا ہے کہ ایک شخص ایک لڑکے پر عاشق تھا محبوب اس سے بے رخی کرتا تھا حتیٰ کہ اسی غم میں وہ مرنے لگا کسی نے معشوق کو اطلاع دی اس کو رحم آیا اور اس کے ملنے کے لئے چلا کسی نے عاشق کو خبر کر دی کہ وہ آرہا ہے یا تو مر رہا تھا یا سنتے ہی اٹھ بیٹھا لڑکے نے راستہ میں پہنچ کر کہ میری بدنامی ہوگی ارادہ ملتوی کر دیا اور اپنے گھر کا راستہ لیا اور اس شعر پر عمل کیا۔

کہا اس بت سے مرتا ہے وہ مومن کہا میں کیا کروں مرضی خدا کی

کسی نے عاشق کو اس کی بھی اطلاع کر دی کہ وہ تو اپنے گھر کو لوٹ گیا بس یہ سنتے ہی گر پڑا اور نزاع شروع ہو گیا لوگوں نے کلمہ توحید کی تلقین کی تو بجائے کلمہ کے معشوق کو خطاب کر کے کہتا ہے

رضاک اشھی الی فوادی　　من رحمة الخالق الجلیل

اوراسی پر ختم ہوگیا نعوذ باللہ۔

بدنظری کی خرابیاں

اسی طرح میرے شناسا ایک بوڑھے قاضی صاحب نمازی ثقہ تہجد گزار تسبیح گردان کسی یہودی پر عاشق تھے خود مجھ سے کہتے تھے کہ صاحب میرا تو نہ دین رہا نہ مذہب رہا میرا تو وہی دین ہے جو اس کا ہے اروہ مسلمان ہے تو میں مسلمان ہوں اگر وہ یہودی ہے تو میں یہودی ہوں اگر نصرانی ہے تو میں نصرانی ہوں اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ میں نے کہا کہ توبہ کیجئے خیر توبہ کرلی لوگ اس نظر بد کو ہلکی بات سمجھتے ہیں مگر یہی کمبخت جڑ ہے سارے ناپاک عشق کی جس میں کبھی ایمان تک بھی برباد ہو جاتا ہے تو کیا اب بھی یہ ہلکی چیز ہے یہ تو بہت سخت احتیاط کے قابل ہے کسی نے خوب کہا ہے

دلبراں گر دلبری زیباں کنند　زاہداں را رخنہ در ایماں کنند

(دلبراں جب اپنی ادا دلبری سے اپنی نزاکت حسن کا اظہار کرتے ہیں تو بڑے بڑے زاہدوں کے ایمان میں رخنہ ڈالتے ہیں)

(معشوق اپنی معشوقی کو خوشنما بناتے ہیں اور زاہد ایمان میں رخنہ ڈالتے ہیں)

اس لئے مجاہدہ حکمیہ کو غیر ضروری سمجھنا زاہدان خشک کی غلطی ہے جیسا کہ حقیقی مجاہدہ کا اہتمام نہ کرنا۔ جہلاء صوفیہ کی غلطی ہے یہاں تک مجاہدہ کی حقیقت اور اس کے اقسام معلوم ہوگئے اور اس پر جو اشکالات وارد ہوتے تھے ان کا جواب بھی ہوگیا۔

طاعات رمضان کی حکمت

اب سمجھئے کہ مجھے اصل میں طاعات کی حکمت بیان کرنا مقصود ہے جو اس زمانہ میں (یعنی رمضان میں) کی جاتی ہیں تو حق تعالیٰ نے اول یہ مضمون قلب میں ڈالا کہ مشترک حکمت ان افعال کی مجاہدہ ہے اور یہ مضمون اجمالاً متقدمین کے کلام میں بھی موجود ہے پھر یہ بات ذہن میں آئی کہ مجاہدہ کی دو قسمیں ہیں حقیقی اور حکمی۔ اس کے بعد میرے دل پر یہ بات وارد ہوئی کہ ان عبادات میں تفصیل حکمت یہی چار مجاہدے ہیں جن کو صوفیہ مجاہدہ کے ارکان اربعہ قرار دیتے ہیں چنانچہ ان عبادات میں ایک تو روزہ ہے اس کی حکمت تقلیل طعام ہے۔ دوسری تراویح ہے کہ اس کی روح تقلیل منام ہے۔ تیسری عبادت ان ایام کی تلاوت قرآن ہے۔ تلاوت قرآن کو ان ایام

سے خاص خصوصیت ہے اس کا ثبوت فعل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے۔ احادیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جبرئیل علیہ السلام رمضان میں قرآن کا دور کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ تراویح کے علاوہ بھی آپ اس زمانہ میں تلاوت قرآن زیادہ کرتے اور قرآن کا اہتمام بہت فرماتے تھے کیونکہ دور کرنا خاص اہتمام ہے تو گویا اس طرح رمضان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تلاوت قرآن زیادہ کرائی گئی ہے اور کثرت تلاوت کے لئے تقلیل کلام لازم ہے۔ جب آدمی قرآن پڑھتا رہے گا تو یقیناً باتوں میں کمی آئے گی تو تلاوت قرآن کی روح تقلیل کلام ہے۔

چوتھی عبادت اخیر رمضان میں اعتکاف ہے اس کی روح تقلیل اختلاط مع الانام ہے کیونکہ اول تو بہت لوگ مسجد میں آتے ہی نہیں جیسے ایک گنوار کا قصہ ہے اس کا بچھڑا چھوٹ کر مسجد میں گھس آیا وہ اس کے پیچھے پیچھے آیا تو مسجد کا ملا برا بھلا کہنے لگا کہ لوگ نہ نماز پڑھیں نہ کچھ کریں اور جانوروں کو مسجد میں چھوڑ دیتے ہیں تو گنوار کہتا ہے کہ بس زیادہ کیوں بڑ بڑ لگائی ہے بے وقوف جانور تھا آ گیا کبھی ہمیں بھی آتے دیکھا ہے ایسے لوگوں کے نزدیک تو مسجد میں آنا آدمیوں کا کام ہی نہیں جانوروں کا کام ہے۔ ایسے تو بھلا مسجد میں کیوں آنے لگے اور جو لوگ آتے بھی ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ بس نماز پڑھی اور اپنے گھر کا رستہ لیا مسجد میں ان کا دل لگتا ہی نہیں جو نماز کے بعد کچھ دیر بیٹھیں اللہ اللہ کریں یا قرآن پڑھیں وہ تو نہ معلوم نماز کے لئے بھی دس پانچ منٹ کس مصیبت سے مسجد میں ٹھہرتے ہیں۔ دن بھر چوپایوں میں باتیں بناتے رہتے ہیں اس سے ان کے کسی کام میں حرج نہیں ہوتا اور مسجد میں اگر امام نے نمازیوں کے انتظار کے لئے جماعت میں کچھ دیر کر دی تو اس پر اعتراض ہوتے ہیں کہ ہمیں قید ہی کر لیا۔ ہمارے کام کا حرج ہو رہا ہے۔ چنانچہ کانپور میں ایک شخص کہتے تھے کہ میں تراویح پڑھ کر گھر جاتا تھا ایک مسجد میں سے تراویح پڑھ کر لوگ نکل رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ تراویح کیا ہے قرنطینہ ہے جب ان لوگوں کو نماز پڑھنا بھی قرنطینہ معلوم ہوتا ہے تو نماز کے بعد تو وہ کیا مسجد میں ٹھہریں گے اسی لئے الم ترکیف کی مسجد ڈھونڈھتے پھرتے ہیں تا کہ جلدی سے فراغت کر کے گھر کا رستہ لیں۔

بزرگوں نے کہا ہے المومن فی المسجد کالسمک فی الماء والمنافق فی المسجد کالطیر فی القفس (کشف الخفاء للعجلونی ۲:۴۰۶)

یعنی مومن کی حالت مسجد میں ایسی ہوتی جیسے مچھلی پانی میں ہو کہ اس کو مسجد میں آ کر راحت وسکون حاصل ہوتا ہے اور منافق کی حالت مسجد میں ایسی ہوتی ہے جیسے پرندہ پنجرے میں قید ہو۔ قلت ویشھد لہ حدیث اذا رایتم الرجل یتعاھد المسجد فاشھدوا لہ

بالایمان فان الله تعالیٰ یقول انما یعمر مساجد الله من امن بالله الآیة اخرجه احمد و ابن منیع والترمذی وابن ماجة والدارمی وابن مردویه من حدیث ابی الهیثم عن ابی سعید مرفوعاً بهذا وقال الترمذی انه غریب وصححه ابن خزیمة وابن حبان والحاکم ولفظ الدیلمی عن معاذ بن جبل به مرفوعاً اذا رایتم الرجل یلزم المسجد فلا تحرجوا ان تشهدوا له انه مومن اه مقاصد حسنه ص ۱۸ قلت ولما کان لزوم المسجد وتعاهده من علامة الایمان کان عکسه من علامة النفاق ویستثنیٰ منه من لایقدر علیٰ زیاد المکث فی المسجد لغلبة هیبة حضرة الله علیه فمثله یخرج من المسجد سریعاً کما فرغ من الفرض فهو مؤمن کامل حقا لکون قلبه متعلقا بالمسجد دائما وملازماً له ولولم یلازمه بالمکث الطویل او لعذر اخر (سنن الترمذی ۲۶۱۷، مشکوٰۃ ۲۳۵ع)

(جب تم کسی شخص کو مسجد کا خیال رکھتے دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بے شک مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں ۱۲ جامع)

الحمدللہ ہماری جماعت کا لقب مخالفین نے مسجد کا مینڈھا رکھا ہے کہ ان کو مسجد کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں ہر وقت مسجد ہی میں پڑے رہتے ہیں اس میں انہوں نے ہمارے مومن کامل ہونے کا اقرار کرلیا۔ والفضل ماشهدت به الاعداء وہ تو طعن کی نیت سے کہتے ہیں مگر ہم اس لقب سے خوش ہیں۔

کیرانہ میں ایک طالب علم کو کسی نے کہا تھا کہ وہ آرہے مسجد کے مینڈھے تو اس نے خوب جواب دیا کہ پھر بھی دنیا کے کتوں سے تو افضل ہیں۔ (الدنیا جیفة وطالبها کلاب ۱۲)

خبر بھی ہے یہ مسجد کے مینڈھے کیسے ہیں یہ ایسے مینڈھے ہیں کہ جب ان کو دین کی مستی سوجھتی ہے تو سارے عالم پر حکومت کرتے ہیں۔

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں کہ ناز برفلک و حکم بر ستارہ کنم

(گدائے میکدہ ہوں گے وقت مستی مجھے دیکھ کر آسمان پر ناز اور ستاروں پر حکمرانی کرتا ہوں)

اور فرماتے ہیں

مبین حقیر گدایان عشق راکیں قوم شہان بے کمرو خسروان بے کلہ اند

(گدایان عشق الٰہی کو حقیر مت جانو کہ یہ اللہ والے شہان بے کمر اور خسروان بے کلاہ ہوتے ہیں)

اور فرماتے ہیں

درسفالیں کاسہ رنداں بخواری منگرید کیں حریفاں خدمت جام جہاں بیں کردہ اند

(رندان بادہ حقیقی کے کاسہ سفالین کو حقارت سے مت دیکھو کہ ان حضرات نے عاشقان حق کے میکدہ کی خدمت کی ہے ۔ یعنی ان کی صحبت میں رہے ہیں)

اور یہ باتیں ہی باتیں نہیں بلکہ اہل اللہ نے کر کے دکھلا دیا ہے کہ ان کے سامنے سلاطین کی بھی کوئی حقیقت نہیں ۔

حکایت حضرت شاہ سلیم چشتیؒ

ایک بار حضرت شاہ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس غالباً جہانگیر حاضر ہوئے ۔ اس وقت شاہ صاحب اپنے حجرہ میں تھے اور باہر ایک خادم کو اپنی ایک گدڑی دے رکھی تھی کہ اس کی جوئیں دیکھ دے ۔ خادم نے جو بادشاہ کی سواری دیکھی دوڑ کر حجرہ کی کنڈی ہلائی کہ حضرت جلدی کواڑ کھولئے ۔ شاہ صاحب اٹھے اور کواڑ کھول کر پوچھا کیا ہے کہا بادشاہ کی سواری آ گئی ۔ فرمایا لاحول ولاقوۃ الا باللہ تو عجیب مہمل ہے میں تو سمجھا کوئی بڑی سی جوں پائی ہوگی اس کے دکھلانے کو بلاتا ہے ۔ یہ کہہ کر پھر اپنی جگہ جا بیٹھے ۔ بادشاہ نے حاضری کی اجازت چاہی آپ نے اجازت دی مگر اس شان سے کہ پہلے تو پیر سکوڑ رکھے تھے بادشاہ کے آتے ہی پیر پھیلا دیئے بادشاہ کے ساتھ ایک خشک مولوی بھی تھے ان کو یہ حرکت بہت ناگوار ہوئی کہ یہ درویش بڑے ہی بے تہذیب ہوتے ہیں ان کو کسی کا بھی کچھ ادب نہیں ۔ پوچھا شاہ صاحب آپ نے پیر کیوں پھیلا دیئے ۔ فرمایا جب سے ہاتھ سکوڑ لئے پاؤں پھیلا دیئے ۔ سبحان اللہ کیا مسکت اور بامعنی جواب تھا یعنی جو لوگ بادشاہوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں وہ ان کی تعظیم کے لئے پیر سمیٹ لیا کرتے ہیں مگر جس نے ہاتھ سمیٹ لئے ہوں اس کو پیر پھیلانے کا حق ہے ۔ اس کے بعد مولوی صاحب نے کہا کہ سلطان اسلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں آپ کے ذمہ ان کی تعظیم واجب تھی ۔ فرمایا یہ تمہارے بادشاہ ہوں گے تم تعظیم کرو ۔ میرے تو غلامان غلام ہیں اس پر تو مولوی صاحب جھلا ہی اٹھے پوچھا یہ آپ کے غلامان غلام کدھر سے ہیں فرمایا کہ یہ ہوا و ہوس کے غلام ہیں اور ہوا و ہوس میرے غلام ہیں تو یہ میرے غلامان غلام ہوئے آپ نے دیکھا کہ یہ مسجد کے مینڈھے کیسے ہوتے ہیں یہ خلق سے ایسے مستغنی ہوتے ہیں کہ بادشاہوں کو بھی منہ نہیں لگاتے وہ اپنی اسی کھال میں مست ہیں آخر کیوں نہ ہوں وہ ہیں کس کے دیوانے

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم مست آں ساقی وآں پیمانہ ایم

(ہم اگر چہ تہیدست اور دیوانہ ہیں مگر اس ساقی ازل کے اور اس کے پیمانہ کے مست ہیں)

اور جو کوئی ان کو طعن کی نیت سے دیوانہ کہتے ہیں وہ اس کے جواب میں یوں کہتے ہیں

اوست دیوانہ کے دیوانہ نشد مرعسس رادید درخانہ نشد

(وہی دیوانہ ہے جوان کا دیوانہ نہیں ہے کوتوال کو دیکھا اور گھر کے اندر نہ بھاگا تو یہ خود نادانی ہے)

بخدا اس دیوانگی پر ہزاروں عقلیں قربان ہیں اس تجربہ کو مولانا فرماتے ہیں

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

(عقل دوراندیش کو ہم نے بہت آزمایا جب اس سے کام نہ چلا تو اپنے کو دیوانہ بنالیا)

سگ دنیا

ایک اور بزرگ کی حکایت کہ ان کی خدمت میں ایک بادشاہ حاضر ہوا جب، وہ خانقاہ کے دروازہ پر پہنچا اور اندر جانے کا ارادہ کیا فوراً نقیب نے ٹوکا کہ بلا اجازت اندر جانے کی ممانعت ہے تم یہاں ہی ٹھہرو میں شیخ سے اجازت لے کر آؤں تب جانا۔ بادشاہ جھلا ہی تو گیا مگر شیخ کے خیال سے خاموش رہا کیونکہ معتقد بن کر حاضر ہوا تھا یہ بزرگوں کے خدام بھی بڑے دلیر ہوتے ہیں یہ اپنے شیخ کے حکم کے سامنے نہ کسی رئیس کی پرواکرتے ہیں نہ بادشاہ کی چنانچہ نقیب نے شیخ کو بادشاہ کے آنے کی اطلاع دی انہوں نے اندر آنے کی اجازت دے دی تب بادشاہ صاحب اندر پہنچے جھلایا ہوا تو تھا ہی جاتے فوراً یہ مصرع پڑھا

در درویش را دربان نہ باید

(درویش کے دروازے پر دربان نہ چاہئے)

کیونکہ دربان تو بادشاہوں کے یہاں ہوا کرتے ہیں فقیروں کو اس سے کیا واسطہ تو بزرگ نے برجستہ جواب دیا۔

بباید تاسگ دنیا نیاید

(چاہئے تاکہ دنیا کے کتے نہ آئیں)

یعنی یہ دربان آدمیوں کی روک ٹوک کے لئے نہیں ہے بلکہ کتوں کو روکنے کے لئے ہے اور شان درویشی کے خلاف درمیان بمعنی اول ہے نہ بمعنی ثانی بادشاہ نے اعتراض کر کے کیسی منہ کی کھائی۔

تمنائے موت

آخر اہل اللہ کس سے ڈریں اور کیوں ڈریں بس وہ تو ایک سے ڈرتے ہیں اس کے سوا کسی سے ڈرنے کی ان کو ضرورت نہیں آخر لوگ ان کا کیا کر لیں گے بیش بریں نیست کہ مار ڈالیں گے سو یہ تو

ان کا عین مقصود ہے وہ تو اس دن خوشیاں منائیں گے جس دن روح بدن سے مفارقت کرے گی ان کی تو یہ حالت ہے کہ غلبہ شوق لقاء میں موت کی تمنا کیا کرتے ہیں۔ عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم راحت جاں طلبم وزپئے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسرایں غم روزے تادر میکدہ شاداں و غزل خواں بروم

(میں بہت خوش ہوں گا جس دن اس منزل ویراں یعنی دنیا سے میں رخصت ہوں گا اور حق تعالیٰ کی بقاء سے اپنی جان کی راحت پالوں گا۔ میں نے نذر کیا ہے کہ اگر کسی دن محبوب حقیقی کا غم مجھے مل گیا تو کسی اللہ والے کے پاس شاداں وغزلخواں جا پڑوں گا)

یہ نری شاعری نہیں بلکہ سچا حال ہے واقعی سالک کو سچ مچ موت کی تمنا ہی ہوتی ہے اور یہ تمنا خلاف شرع نہیں تمنائے موت وہ ممنوع ہے جو کسی دنیوی تکلیف کی وجہ سے ہو چنانچہ حدیث میں لضر نزل به کی قید موجود ہے۔ باقی اشتیاق لقاء میں تمنائے موت ہونا یہ ولایت خداوندی کی دلیل ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں قُلْ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ (اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرمادیں کہ تم اپنے خیال میں لوگوں سے الگ (ممتاز) اولیاء اللہ ہو تو ذرا موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو) دعوے ولایت پر تمنائے موت کا مطالبہ فرماتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوا کہ حصول ولایت کے لئے تمنائے موت لازم ہے۔ تو جو چیز لوگوں کے نزدیک سب سے بڑی کلفت ہے عارف کے نزدیک وہ محبوب ہے تو پھر کسی سے کیوں ڈرے نیز عارف کو یہ یقین ہوتا ہے کہ مخلوق مجھ کو نفع یا ضرر کچھ نہیں دے سکتی جو کچھ ہوگا خدا کے حکم سے ہوگا اس لئے اس کو نہ کسی سے طمع ہوتی ہے نہ خوف۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

موحد چہ برپائے ریزی زرش چہ فولاد ہندی نہی برسرش
امید و ہراسش نہ باشد زکس ہمیں است بنیاد توحید و بس

(جس کو توحید کی دولت ملتی ہے اس کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے پاؤں پر اگر سونے کا تم نے ڈھیر ڈال دیا اس کے سر پر تلوار ہندی رکھ دو تو نہ تو پہلے شخص سے اس کو امید وطمع ہوگی اور نہ دوسرے شخص سے کوئی خوف ہوگا)

کامل کا حال

جب توحید کامل ہو جاتی ہے تو یہی حال ہوتا ہے کہ موحد خدا کے سوا کسی کو نافع ضار نہیں سمجھتا

اس لئے مخلوق سے بالکل بے فکر ہو جاتا ہے پھر یہ لوگ عوام سے تو کیا ڈرتے بادشاہوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے پھر افسوس ہے کہ لوگ ان سے اپنی رائیوں میں موافقت چاہتے ہیں اور دباؤ ڈال کر ان کو اپنا تابع بنانا چاہتے ہیں۔ ایں خیال ست ومحال ست جنوں۔ شاید کسی کو یہاں پر یہ شبہ ہو کہ بعض دفعہ بزرگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنی جان کی بہت زیادہ حفاظت کرتے ہیں دماغ میں تیل لگاتے ہیں تا کہ ضعف نہ ہو جائے۔ مضرات سے پرہیز کرتے ہیں تا کہ بیمار نہ ہو جائیں' خطرات سے بچتے ہیں تا کہ کہیں جیل خانہ میں نہ پہنچ جائیں خاردار طریق میں نہیں چلتے کہ کہیں کانٹا نہ لگ جائے اس سے شبہ ہوتا ہے کہ وہ خطرات سے ڈرتے ہیں حالانکہ یہ ابھی کہا تھا کہ ان کو بجز خدا کے کسی کا خوف نہیں ہوتا تو بات یہ ہے کہ

درنیا بدحال پختہ ہیچ خام بس سخن کو تاہ باید والسلام

(کوئی خام شخص پختہ کار کے مقام کو نہیں سمجھ سکتا پس بات مختصر کرتا ہوں اور سلام کہتا ہوں)

کامل کے حال کا اندازہ عوام کو نہیں ہو سکتا وہ اس کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں اور اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ

ہر کسے از ظن خود شد یار من وز درون من نجست اسرار من

(ہر شخص اپنے گمان وقیاس کے مطابق میرا یار رہا لیکن میرے اندرونی اسرار کو کوئی شخص تلاش نہیں کرتا)

جان کی دو حیثیتیں

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ جان میں دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت یہ ہے کہ وہ اپنی جان ہے اس لحاظ سے وہ ان کو عزیز نہیں (کیونکہ وہ کسی چیز کو اپنی سمجھتے ہی نہیں ۱۲)

دوسری یہ حیثیت ہے کہ یہ سرکار کی دی ہوئی مشین ہے اس لحاظ سے وہ عزیز و محبوب ہے۔ کیونکہ سرکاری چیز ہے جو ہم کو امانت کے طور پر دی گئی ہے اور اس کی حفاظت کا حکم کیا گیا ہے اور اسی لحاظ سے عارف کبھی اپنی مدح بھی کیا کرتا ہے۔ ناواقف یہ سمجھتے ہیں کہ اپنی مدح کر رہا ہے مگر حقیقت میں وہ خدا کی چیز کی مدح کر رہا ہے جو خدا ہی کی مدح ہے۔ چنانچہ حضرت غوث اعظمؒ فرماتے ہیں۔

شکر للہ کہ نمردیم ورسیدیم بدوست آفریں باد بریں ہمت مردانہ ما

(اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم خیریت سے دوست تک پہنچ گئے ہماری اس ہمت مردانہ پر آفرین ہے)

خدا کی نعمت پر آفریں

دیکھئے اپنی ہمت کی تعریف ہو رہی ہے کہ خدا کا شکر ہے ہم محبوب تک پہنچ گئے اور وصال

سے پہلے نہیں مرے ہماری اس ہمت مردانہ پر آفریں ہے مگر حقیقت میں خدا کی نعمت پر آفریں ہو رہی ہے کہ اس نے ہم کو ایسی ہمت دی اس لحاظ سے وہ ہماری چیز تھوڑا ہی ہے بلکہ سرکاری عطا ہے اسی طرح ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را کو دامنم گرفتہ بسویت کشیدہ است

(میں اپنی آنکھوں پر ناز کرتا ہوں کہ انہوں نے تیرا جمال دیکھا ہے اور میں اپنے پاؤں کو بوسہ دیتا ہوں کہ یہ تیری گلی میں پہنچے ہیں ہر دم ہزار بوسہ اپنے ہاتھوں کو دیتا ہوں کہ انہوں نے تیرے دامن کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا ہے)

چونکہ ان ہاتھ پیروں سے طاعات کی توفیق ہوئی اور وہ وصال محبوب کا ذریعہ بن گئیں اس لحاظ سے اپنے ہاتھوں کو بوسہ دیتے اور پیروں کو چومتے ہیں کہ شاباش تم نے بڑا کام کیا یہ بھی اصل میں عطائے محبوب کی مدح ہے۔

عطائے محبوب کی مدح

مولوی فخر الحسن صاحب گنگوہی فرماتے تھے کہ وہ مکہ مکرمہ میں ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر تھے۔ معتقد لوگ ان کی تعریف کر رہے تھے اور وہ خوش ہو رہے تھے مولوی صاحب کے دل میں خطرہ ہوا کہ یہ کیسے بزرگ ہیں جو اپنی تعریف سے خوش ہو رہے ہیں بزرگ کو خطرہ پر اطلاع ہوگئی فرمایا کہ میری تعریف تھوڑا ہی ہو رہی ہے یہ تو میرے محبوب کی تعریف ہو رہی ہے کہ اس نے مجھے ایسا بنایا اور یہ کمالات عطا کئے ورنہ میں کیا اپنے باپ کے گھر سے یہ کمالات لایا تھا جو ان کو اپنے کمالات سمجھوں۔ البتہ صرف زاہد وہ اتنی نظر نہیں رکھتا اس لئے ان چیزوں کی قدر نہیں کرتا چنانچہ مثنوی میں مولانا نقل فرماتے ہیں

زاہدے را گفت یارے درعمل کم گری تا چشم را ناید خلل

(ایک زاہد سے کسی نے کہا کہ کم رویا کرتا کہ تیری آنکھیں خراب نہ ہوں)

گفت زاہد از دو بیروں نیست حال چشم بیند یا نہ بیند آں جمال

(کہا کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو آنکھیں جمال محبوب دیکھ لیں گی یا نہ دیکھیں گی)

گر بہ بیند نور حق راچہ غم است در وصال حق دو دیدہ کے کم است

ورنہ بیند نور حق راگو برو ای چنیں چشم شقی گو کور شو

(اگر جمال حق کو دیکھ لیا تو کیا غم ہے اللہ تعالیٰ کی وصال کی لذت کے مقابلہ میں یہ دو آنکھیں کیا ہیں اور اگر ان آنکھوں نے جمال محبوب نہ دیکھا تو ایسی آنکھوں کو جو منحوس ہیں نہ ہونا ہی بہتر ہے)

تو زاہد کی نظر اس پر ہوتی ہے کہ وہ میری نظر ہے اور اگر کوئی عارف ہوتا تو اس کی نظر اس پر ہوتی کہ ہمارے گھر کی کون سی چیز ہے۔

نیام وردم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

(میں اپنے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا ہوں جو چیز ہمارے پاس ہے سب آپ کی عطا ہے اور میں خود بھی آپ ہی کا ہوں)

وہ اگر روتا بھی تو حدود کے اندر روتا جیسے سرکاری چیز کا استعمال حد کے اندر کیا جاتا ہے

نفس کے حقوق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سید العاشقین ہیں مگر آنکھوں کی آپ اتنی خاطر فرماتے تھے کہ کان یکتحل ثلثافی ھذہ وثلثافی ھذہ (مسند احمد ۱: ۳۵۴، المستدرک للحاکم ۴: ۴۰۸) یعنی سرمہ کی تین سلائی ایک آنکھ میں لگاتے اور تین سلائی دوسری میں۔ اسی طرح آپ سے کبھی یہ ثابت نہیں کہ رات بھر جاگے ہوں اور امت کے لئے ارشاد فرماتے ہیں۔ ان لنفسک علیک حقاوان لعینک علیک حقا الحدیث (مسند احمد ۶: ۲۶۸، المستدرک للحاکم ۴: ۷۰) کہ تمہاری جان کا بھی تم پر کچھ حق ہے اور تمہاری آنکھ کا بھی تم پر کچھ حق ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ یہ چیزیں ہماری نہیں ہیں ورنہ ہم کو ان میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہوتا بلکہ سرکاری چیز ہیں جن کے کچھ حقوق سرکار نے مقرر فرما دیئے ہیں جن کی رعایت ہمارے ذمہ ضروری ہے۔

عارف کا حال

اس لئے عارف اپنی جان میں خلاف حکم کوئی تصرف نہیں کرتا یہ راز ہے اس کا کہ عارف کسی وقت تو جان کی ذرا پروا نہیں کرتا اور کسی وقت بہت حفاظت کرتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جہاں حکم شریعت ہوتا ہے وہاں تو وہ جان کی پروا نہیں کرتا اور جہاں حکم نہیں ہوتا یا ممانعت ہوتی ہے وہاں جان کی حفاظت کرتا ہے کیونکہ شریعت نے بعض وقت جان کو خطرہ میں ڈالنے سے منع بھی فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (اپنے آپ کو ہلاکت میں

ڈالو) جس سے فقہاء نے یہ مستنبط فرمایا ہے کہ جس جگہ امید نفع موہوم اور ضرر کا یقین یا غلبہ ظن ہو وہاں جان کو ڈالنا القاء نفس فی الهلاکت ہے جو شرعاً ممنوع ہے۔ نیز حدیث مرفوع میں ہے جس کو ترمذی نے روایت کیا ہے **لاینبغی للمومن ان یذل نفسه قالوا یا رسول اللہ و کیف یذل نفسه قال یتحمل من البلاء لمالا یطیقه**(سنن الترمذی : ۲۲۵۴، سنن ابن ماجة : ۴۰۱۶) ۵۱

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان کے لئے اپنے نفس کو ذلیل کرنا مناسب نہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان اپنے کو خود ذلیل کیسے کرتا ہے فرمایا کہ ایسی بلاء اپنے سر دھر لے جس کے تحمل کی اس میں طاقت نہیں۔ سبحان اللہ! کیا عجیب تعلیم ہے کہ کام اتنا ہی اپنے ذمہ لو جس کو کر سکو خواہ مخواہ ڈینگیں نہ مارو اور اپنی چادر سے باہر پیر نہ نکالو کہ اس کا انجام بجز ذلت کے کچھ نہیں۔ دشمنوں کو ہنسنے کا موقعہ ملتا ہے کہ بس کچھ ہو تو نہ سکا بڑے دعوے کرتے تھے کہ ایک سال میں یہ ہو جائے گا واللہ مسلمان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں ساری سیاست موجود ہے مگر کوئی قدردان بھی ہو دیکھ لیجئے اسی ارشاد کی مخالفت کر کے مسلمانوں کی آج کل کیا حالت ہو رہی ہے کہ دشمن بھی ان پر ہنستے ہیں تو عارف ایسے موقعہ پر ضرور اپنی جان وآبرو کی حفاظت کرے گا کہ جہاں شریعت نے جان کو خطرہ میں ڈالنے اور اپنے کو ذلیل کرنے سے منع فرمایا ہو خوب سمجھ لو یہ ساری گفتگو اس پر چلی تھی کہ لوگ ملانوں کو مسجد کے مینڈھے کہتے ہیں میں نے کہا تھا کہ یہ لقب تو ہمارے لئے باعث فخر ہے ہم اس سے برا نہیں مانتے کیونکہ اس میں ہمارے لئے ایک اقراری فضیلت ہے پھر میں کہتا ہوں کہ یہ مسجد کے مینڈھے تم سے ظاہری مسکین میں بھی اچھے ہیں کیونکہ مسجد خدا کا گھر تو ہے ہی اس لئے برکات میں تو دوسرے مساکن سے احسن ہی ہے لیکن وہ ظاہری شان وشوکت میں بھی تمہارے اکثر گھروں سے افضل ہے عمارت بھی چونہ گچ کی ہے ہر روز اس کی صفائی ہوتی رہتی ہے جھاڑو دی جاتی ہے اور ہر سال ایک مرتبہ پوتا پھیرا جاتا ہے پھر بعض مسجدوں میں مینار اور گنبد بھی ہوتے ہیں جیسے بادشاہ کا قلعہ ہو پھر بادشاہوں کے قلعہ میں تو گھوڑوں، بیلوں، خچروں کے پیشاب پاخانہ کی بدبو بھی ہوتی ہے۔ مسجد اس سے بھی پاک ہے اور زیادہ فضائل بیان کرنے کو جی بھی نہیں چاہتا کیونکہ

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

(مدعی سے اسرار عشق ومستی مت کہو اس متکبر خود بیں کو خود پرستی کے رنج میں مرنے دو)

کہیں یہ فضائل معلوم کر کے تم بھی مسجد ہی میں نہ آپڑو پھر ہماری راحت میں خلل پڑے۔ پس تم اپنے محلوں ہی میں خوش رہو اور ہمیں مسجدوں ہی میں رہنے دو۔

اعتکاف کی روح

غرض جب لوگوں کو مسجد سے اتنا توحش ہے تو معتکف تو اکثر تو اں ٹوں ہی بیٹھا رہے گا (یعنی اکیلا رہے گا ۱۲) اس کی تنہائی میں خلل کون ڈالے گا تو لامحالہ اعتکاف میں قلت اختلاط مع الانام ہو جائے گا یہ روح ہے اعتکاف کی یہ مضمون میرے ذہن میں ابھی یعنی دو چار روز ہوئے آیا تھا اس سے پہلے اس طرف کبھی ذہن نہیں گیا یہ نعمت حق تعالیٰ نے ابھی عطا فرمائی ہے میں نے جب بیان کا ارادہ کیا تو اول احیاء العلوم بھی دیکھی تو مگر اس میں امام نے رمضان کے آداب واحکام واسرار اقویاء کے مناسب لکھے ہیں اس میں اکثر مجاہدات اسی زمانہ متقدمین کے مناسب ہیں۔ اس زمانہ متاخرین کے موافق نہیں اصول تو اب بھی وہی ہیں جو پہلے تھے اصول کبھی نہیں بدلا کرتے مگر طریق معالجہ تبدل زمان سے بدل جاتے ہیں اطباء اس کو جانتے ہیں کہ طب یونانی کے اصول تو اب بھی بحالہا ہیں مگر طرق علاج میں زمانہ کے تبدل سے تغیر ہو جاتا ہے۔ تو تعلیم یافتہ طبقہ اس میں غلطی کرتا ہے وہ اصول کو بھی تبدل زمان سے بدلنا چاہتے ہیں اور اصول کو طرق پر قیاس کرتے ہیں کہ جیسے طرق مجاہدہ پہلے اور تھے اور اب اور ہیں اسی طرح علماء کو مسائل شرعی میں ضرورت وقت کا لحاظ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں مگر یہ قیاس مع الفاروق ہے۔ کیونکہ اصول کلی ہوتے ہیں اور کلیات اس تغیر سے محفوظ ہیں اور طرق جزئی ہوتے ہیں اور جزئیات میں یہ تغیر ہوسکتا ہے۔ غرض اس وجہ سے احیاء العلوم کے مضامین سے دلچسپی نہ ہوئی اور نہ بیان کے وقت اس کے مضامین کچھ یاد آئے کیونکہ وہ آج کل کے مناسب نہ تھے اور اسی لئے میں اپنے احباب کو ان کتابوں کے دیکھنے سے منع بھی کیا کرتا ہوں کہ خواہ مخواہ دیکھ کر عمل کی ہوس ہوگی اور اس کے موافق عمل کی ہمت آج کل کے طبائع میں ہے نہیں تو اس سے بجز پریشانی بڑھنے کے اور کچھ نفع نہ ہوگا۔ سو میں ان کتابوں کے مطالعہ سے اس لئے نہیں روکتا کہ وہ قابل مطالعہ نہیں بلکہ اس لئے روکتا ہوں کہ ہم ان کے مطالعہ کے قابل نہیں۔ بہر حال یہ مضمون جو میں نے بیان کیا ہے کتابی مضمون نہیں میری نظر سے آج تک کسی کتاب میں نہیں گزرا اور نہ میرے ذہن میں اس سے پہلے کبھی آیا پس یہ مضمون نو وارد ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے نیا آیا ہوا ہے اشارۃ الی الحدیث انہ حدیث عھد بربہ ۱۲ جامع) اس کی قدر کرنا چاہئے گو یہ مسالہ سے خالی ہے جو شیلا نہیں ہے مگر وہی مضمون ہے اور بات یہ ہے کہ حقائق صحیحہ میں جوش وخروش ہوا بھی نہیں کرتا وہ تو سادے اور پھیکے ہی ہوا کرتے ہیں جو شیلے مضامین زیادہ تر وہ ہوتے ہیں جن میں خارج سے نمک مرچ لگایا جائے۔ دیکھئے احادیث وقرآن کے مضامین کیسے سادے ہوتے ہیں اور دیوان حافظ ومثنوی کے مضامین جو شیلے ہیں

تو مقاصد میں جوش نہیں ہوا کرتا یہ تو مقدمات میں یا عوارض میں ہوا کرتا ہے اس لئے ان پر نظر نہ کرنا چاہئے حقیقت پر نظر رکھنا چاہئے۔ غرض حق تعالیٰ نے عبادات رمضان میں آپ کو ان چاروں مجاہدات کی روح سے کامیاب فرمانا چاہا ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک عبادت روزہ ہے جس کی حقیقت ہے ترک طعام و ترک شراب و ترک وقاع۔ (جماع)

ترک وقاع کی وصیت

صوفیہ نے ترک وقاع کو مجاہدہ میں اس لئے شمار نہیں کیا کہ ترک طعام و شراب اس کو مستلزم ہے چنانچہ تجربہ ہے کہ جو شخص کھانا کم کھائے گا اس کو شہوت وقاع کم ہوگی دوسرے مجاہدہ کا حاصل کسر قوت بہیمیہ ہے اور اس میں ترک وقاع کو دخل نہیں بلکہ برعکس وقاع کو اس میں دخل ہے کیونکہ قوت بہیمیہ جماع سے منکسر ہوتی ہے ترک جماع سے تو اس کو قوت ہوتی ہے لہذا ترک وقاع صوفیہ کا مبحوث عنہ نہیں ہاں اس کو قیام صحت جسم میں ضرور دخل ہے یعنی کثرت جماع صحت کے لئے مضر ہے۔ اس لحاظ سے اطباء نے اس سے بحث کی ہے اور چونکہ کثرت جماع ایک عارض دین کے لئے بھی مضر ہے وہ عارض یہ کہ صحت کی خرابی سے بعض دفعہ دین کے کاموں میں بھی خلل آجاتا ہے اس جہت سے بزرگوں نے بھی ترک وقاع کی وصیت کی ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ کا ارشاد ہے

احفظ منیک ان یصب فانہ ماء الحیاۃ یصب فی الارحام

(اپنے منی کی حفاظت کر یعنی کثرت جماع سے احتیاط رکھو کہ یہ آب حیات ہے جو ارحام میں ڈالا جاتا ہے)

شیخ شیرازی فرماتے ہیں

بہ بے رغبتی شہوت انگیختن برغبت بود خون خود ریختن

(بے رغبتی کے باوجود جماع کرنے کے لئے بہ تکلف شہوت کو ابھارنا اپنے خون کو رائیگاں خرچ کرنے کے مترادف ہے)

مجھ سے ایک محقق صوفی نے کہا تھا کہ بی بی سے کم ملنا چاہئے کیونکہ کثرت جماع سے حرارت غریزیہ کم ہوتی ہے اور سالک کو حرارت غریزیہ کی حفاظت ضروری ہے کیونکہ اس سے طبیعت کو انتعاش و التہاب ہوتا ہے جس سے عشق کی گرم بازاری ہوتی ہے مگر یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ترک وقاع سے جو التہاب ہوتا ہے وہ نفسانی التہاب ہوتا ہے روحانی نہیں جس کی بابت حدیث میں ہے۔

عشق کی دو قسمیں

جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ (کنز العمال: ۱۸۹۱۲، تفسیر القرطبی ۱۰: ۱۶۷) (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی) تفصیل اس کی یہ ہے کہ عشق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عشق طبعی دوسری عشق عقلی اور مقصود اصلی عشق عقلی ہے۔ عشق طبعی مقصود نہیں گو مقصود کے لئے مفید و معین ضرور ہے پس حرارت غریزیہ کے انتعاش سے عشق طبعی میں زیادتی ہوتی ہے عشق عقلی میں ترقی نہیں ہوتی بلکہ اس کی ترقی معرفت کے بڑھنے سے ہوتی ہے چنانچہ بڑھاپے میں ہر چند کہ عارف کی حرارت غریزیہ کم ہو جاتی ہے مگر اس عشق عقلی میں کمی نہیں آتی بلکہ اس وقت چونکہ معرفت کامل ہوتی ہے اس لئے اس وقت جوانی سے بھی زیادہ عشق عقلی کامل ہوتا ہے اسی کو عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

ہر چند پیرو خستہ و بس ناتواں شدم ہر گہ نظر بروئے تو کردم جواں شدم

(ہر چند کہ پیر و کمزور ناتواں ہوں لیکن جب آپ کے چہرہ کو دیکھتا ہوں تو جوان ہو جاتا ہوں)

معرفت بڑھاپے میں کامل ہوتی ہے

اور راز اس میں یہ ہے کہ عشق عقلی کا تعلق روح سے ہے اور عشق طبعی کا نفس سے اور بڑھاپے میں نفس تو کمزور ہو جاتا ہے مگر روح کمزور نہیں ہوتی بلکہ عارف کی روح بڑھاپے میں جوانی سے بھی زیادہ قوی ہو جاتی ہے کیونکہ قوت روح کا مدار معرفت پر ہے اور معرفت بڑھاپے میں کامل ہوتی ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

خود قوی تر میشود خمر کہن خاصہ آں خمرے کہ باشد من لدن

(پرانی شراب قوی ہو جاتی ہے خاص کر وہ شراب یعنی روحانی کیف اور لذت طاعات جو من جانب اللہ عطا ہوتی ہے وہ بڑھاپے میں اور تیز ہو جاتی ہے)

شراب معرفت کا تو خاصہ یہ ہے کہ یہ جتنی پرانی ہوتی ہے اتنی ہی تیز ہوتی ہے۔ پس بڑھاپے میں طاعات کی روحانی لذت کم نہیں ہوتی بلکہ زیادہ ہوتی ہے۔

روحانی لذت

اور حدیث **جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ** (**کنز العمال: ۱۸۹۱۲، تفسیر القرطبی ۱۰: ۱۶۷**) (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی) میں بھی روحانی لذت مراد ہے نفسانی لذت مراد نہیں جس میں حرارت غریزیہ کے انتعاش سے التہاب ہوتا ہے اور

یہاں سے سالکین کو سمجھ لینا چاہئے کہ اگر کسی وقت طاعات و ذکر کی لذت کم ہو جائے تو پریشان نہ ہوں کیونکہ یہ وہ لذت نہیں ہے جس کی بابت مولانا کا ارشاد ہے۔

بر دل سالک ہزاروں غم بود گر زباغ دل خلالے کم بود

(سالک کے دل پر ہزاروں غم ٹوٹ پڑتے ہیں اگر ان کے باغ دل سے ایک خلال بھی کم ہو جائے)

مولانا کی مراد یہ ہے کہ اگر کسی وقت آثار قرب میں کچھ کمی ہو جاتی ہے تو سالک کے دل پر غم کا پہاڑ ٹوٹ جاتا ہے اور آثار قرب میں کمی معصیت یا غفلت سے ہوتی ہے۔ پس جو سالک معصیت اور غفلت میں مبتلا نہیں ہے اور پھر اس کو طاعات و ذکر میں لذت پہلے سے کم ہو جائے وہ بے فکر رہے کیونکہ یہ نفسانی لذت تھی جس کی کمی سے قرب میں کچھ کمی نہیں آتی اور نفسانی لذت کا قاعدہ یہ ہے کہ شروع شروع میں جوش پر ہوتی ہے پھر مداومت ذکر سے جوش کم ہو جاتا ہے۔

نفسانی لذت

مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک ذاکر نے شکایت کی کہ حضرت اب ذکر میں پہلے جیسی لذت نہیں آتی فرمایا تم نے سنا نہیں کہ پرانی جورو اماں ہو جاتی ہے۔ سبحان اللہ کیا عجیب مثال دی۔ حاصل جواب کا وہی ہے کہ یہ لذت نفسانی ہے جس کا جوش کچھ دنوں رہا کرتا ہے جیسے بیوی کے ساتھ جوش محبت چندروز رہتا ہے اور سال دو سال گزرنے کے بعد وہ پہلا سا جوش نہیں رہتا البتہ انس پہلے سے زیادہ ہو جاتا چنانچہ جس بیوی کے ساتھ صحبت طویلہ رہی ہو اس کی محبت رگ رگ میں سرایت کر جاتی ہے۔ یہی حال ذکر کا ہے کہ زمان طویل کے بعد جوش تو کم ہو جاتا ہے مگر انس بڑھ جاتا ہے اور پرانی جورو کے اماں ہو جانے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی۔ ہندوستان میں ایک کابلی رئیس تھے جن کے لئے حکومت کی طرف سے کچھ جاگیر و معافی تھی اور حکام میں ان کی بہت وقعت تھی۔ بڑھاپے میں ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا تو حاکم ضلع تعزیت کے لئے آیا اور کہا آغا صاحب ہم کو آپ کی بی بی کے انتقال کا بہت صدمہ ہے تو وہ رونے لگے اور کہا کلکٹر صاحب وہ ہمارا بی بی نہ تھا اماں تھا ہم کو روٹی کھلاتا تھا بدن دباتا تھا۔ واقعی بوڑھے کی بیوی تو اماں ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ کام کے دونوں نہیں رہتے بس وہ حال ہوتا ہے کہ لینے دینے کے منہ میں خاک محبت رکھیں پاک اب ان کا تعلق نفسانی غرض کے لئے نہیں ہوتا محض پاک محبت ہوتی ہے۔ تو سالک کو چاہئے کہ ان نفسانی کیفیات کو مقصود نہ سمجھے بلکہ ذکر اور طاعات کو مقصود سمجھے۔

فراق ووصل چہ باشد رضائے دوست طلب   کہ حیف باشد از غیر او تمنائے
(فراق اور وصل کیا چیز ہے رضائے دوست طلب کیجئے کہ اس محبوب حقیقی سے اس کے غیر کی طلب باعث حیف وافسوس ہے)

حصول ورضا کا ذریعہ

اور حصول ورضا کا ذریعہ طاعات وذکر میں منحصر ہے بس ان پر دوام رکھے خواہ لذت ہو یا نہ ہو البتہ اگر کسی کو یہ کیفیات بھی حاصل ہو جائیں تو ان کی قدر کریں بلاوجہ ضائع نہ کریں اور قدر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جماع میں تقلیل کرے کہ اس کو ان نفسانی کیفیات کے بقاء میں بڑا دخل ہے۔ کیونکہ احتباس مادہ منویہ سے انتعاش والتہاب ہوتا ہے جو سبب ہوتا ہے نشاط وسرور کا جس سے طاعات میں لذت آتی ہے اور لذت سے دوام طاعات کی امید ہے اس طرح بالواسطہ ترک وقاع بھی سلوک میں مفید ہوتا ہے تو صوفیہ نے اس کو مجاہدات میں تو داخل نہیں کیا لیکن اس واسطہ پر نظر کر کے اس کی وصیت کی ہے۔ بہر حال اس تقریر سے اشکال مذکور کا جواب نکل آیا۔ غرض روزہ کی روح تقلیل طعام ہے۔

قلت طعام کی صورتیں

اب سمجھو کہ قلت طعام کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کھانا کھاؤ اور کم کھاؤ مثلاً جس کی غذا آدھ سیر ہے وہ پاؤ بھر کھائے جس کی پاؤ بھر ہے وہ آدھ پاؤ کھائے۔ اکثر صوفیہ کی نظر تو یہیں تک رہی اور ان کو ان احادیث سے تائید مل گئی جن میں جوع کی فضیلت اور شبع کی مذمت ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے **اکثرھم شبعا فی الدنیا اطولھم جوعاً یوم القیمۃ** (فتح الباری ۱۱: ۲۸۸) یعنی (جو دنیا میں زیادہ پیٹ بھرے گا وہ قیامت کے دن زیادہ بھوکا رہے گا۔) اس قسم کی احادیث سے ان حضرات نے جوع کی فضیلت اور شبع کی مذمت مستنبط کر کے یہ فرمایا کہ تقلیل طعام کے معنے یہ ہیں کہ پیٹ بھر کے کھانا نہ کھائے بلکہ بھوکا رہا کرے چنانچہ ان حضرات نے یہاں تک لکھا ہے کہ جو شخص رمضان میں افطار وسحر کے وقت پیٹ بھر کے کھانا کھاتا ہے اس نے حقیقت صوم وروح صوم کو باطل کر دیا زیادہ لوگ اسی طرف ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کا قول

لیکن شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ شارع علیہ السلام نے تقلیل

اور ہیضہ ہو جائے جس کو بعض لوگ مبارک مرض سمجھتے ہیں جیسے ایک اعرابی کی حکایت ہے کہ ایک گاؤں میں ہیضہ ہوا تھا تو وہاں کے آدمی بھاگ بھاگ کر اس اعرابی کے گاؤں میں آرہے تھے یہاں قحط پڑ رہا تھا کہ لوگوں کو روٹی بھی میسر نہ تھی اعرابی نے پوچھا کہ تم لوگ کیوں بھاگے آرہے ہو کہا گاؤں میں ہیضہ پھیل رہا ہے۔ اعرابی نے کہا کہ ہیضہ کیا ہوتا ہے لوگوں نے بتلا دیا کہ زیادہ کھانے سے بدہضمی ہو جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ افسوس یہ مبارک مرض ہم کو کبھی نہ ہوا تو شریعت نے اس شبع سے منع فرمایا ہے جس سے یہ مبارک مرض پیدا ہو شبع طبعی سے منع نہیں فرمایا اور جوع کی جو فضیلت وارد ہے تو میرے نزدیک اس سے اختیاری جوع مراد نہیں بلکہ غیر اختیاری مراد ہے یعنے یہ اس بھوک کے فضائل نہیں ہیں جو باوجود غلہ گھر ہونے کے اختیار کی جاتی بلکہ کسی شخص پر فاقہ آپڑے تنگدستی ہو تو اس کی تسلی کے لئے یہ فضائل بیان کر دیئے گئے ہیں کہ مسلمان کو فاقہ میں پریشان نہ ہونا چاہئے اس سے اس کو ثواب ملتا ہے درجات میں ترقی ہوتی ہے اور یہ فضائل جوع میرے نزدیک ایسے ہی ہیں جیسے احادیث میں بیماری کے فضائل اور اس پر ثواب بیان کیا گیا ہے یقیناً اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خود بیمار پڑ جایا کرے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر اتفاقاً بیمار ہو جائے تو ان فضائل سے اس وقت تسلی کر لیا کرے اور اس کی تائید میرے پاس قرآن سے ہے۔

جوع کے فضائل

حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ یعنی (ہم تم کو آزمائیں گے کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے اور صبر کرنے والوں کو بشارت دیجئے)۔ اس میں حق تعالیٰ نے بندوں کو مطلع فرمایا ہے کہ تمہارے اوپر یہ مصائب نازل ہوں گے ان پر صبر کرنا تو اس آیت میں حق تعالیٰ نے جوع کو بھی مصائب میں شمار فرمایا ہے تو بس جوع کے فضائل ویسے ہی ہیں جیسے اور مصائب کے فضائل ہیں اور دیگر مصائب میں اتفاق ہے کہ ان سے غیر اختیاری مصائب مراد ہیں یہ مطلب نہیں کہ مصائب کو خود اپنے اوپر لادا کرے اسی طرح جوع سے مراد غیر اختیاری ہے ان فضائل کا یہ مطلب نہیں کہ اناج غلہ گھر میں ہوتے ہوئے بھوکا رہا کرے۔ رمضان میں افطار و سحر کے وقت پیٹ بھر کے کھانے میں یہ بھی راز ہے کہ بھوک کے بعد سیر ہو کر کھانے والا صابر بھی ہے اور شاکر بھی ہے تو اس کی یہ حالت ہوتی ہے مرج البحرین یلتقین دونوں دریا ملے جلے رہتے ہیں اور جو شخص بھوکا رہتا ہے وہ صرف صابر ہے شاکر نہیں اور ایک راز یہ ہے کہ اچھی طرح

وسلم نے روز روز کے روزہ سے منع فرمایا ہے۔ اول تو آپ نے مہینہ میں تین روزے تجویز فرمائے ہیں (ایام بیض کے ۱۲) اور جس کو اس سے زیادہ ہمت ہو تو اس کے لئے ہفتہ میں دو دن تجویز فرمائے ہیں کہ ہر پیر، جمعرات کو روزہ رکھا کرے کیونکہ ان دنوں میں مخلوق کے اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوتے ہیں اگر کوئی اس سے بھی زیادہ ہمت رکھتا ہو تو اس کے لئے ارشاد ہے احب الصوم الی اللہ صوم داؤد کان یصوم یوما ویفطر یوما (الصحیح للبخاری ۴:۱۹۵، تفسیر ابن کثیر ۶:۴۸۸) کہ صوم داؤد اختیار کرے۔ یہ حق تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھے ایک دن افطار کرے اس طرح قیامت تک بھی روزہ کی عادت نہیں ہو سکتی ایک صحابیؓ نے اس پر بھی زیادتی چاہی تھی وہ ہر دن روزہ رکھنا چاہتے تھے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ بس صوم داؤد سے بہتر اور کوئی نہیں ہے اور ایک حدیث میں صوم دہر کی نسبت صاف تصریح ہے لا صام و لا افطر مطلب یہ کہ جو شخص سال بھر تک روزہ ہی رکھا کرے اس نے نہ روزہ رکھا کیونکہ عادت ہونے سے غرض حاصل نہ ہوئی اور نہ افطار کیا یعنی ظاہراً اس میں صوم دہر سے منع فرما دیا اور خود بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی ثابت نہیں کہ آپ نے پورے سال بھر روزے رکھے ہوں اور راز اس میں یہ ہے کہ عادت صوم کے بعد اس کا نفع باقی نہیں رہتا اسی طرح صوفیہ نے جو صورت بیان کی ہے کہ غذا کم کرتا رہے اور اکثر اوقات بھوکا رہا کرے چند روز کے بعد معدہ اس کا عادی ہو جاتا ہے تو مجاہدہ کا نفع باقی نہیں رہتا بلکہ جسمانی امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے اس طریقہ کو اختیار کیا ان کی صحت عمر بھر کے لئے خراب ہو گئی بخلاف اس صورت کے کہ سال میں ایک مہینہ روزے رکھے اور زیادہ ہمت ہو تو رمضان کے علاوہ بھی ہر مہینہ میں تین چار دن روزہ رکھ لیا کرے اور افطار میں اچھی طرح کھا لیا کرے اس سے صحت پر کچھ اثر نہیں ہوتا بلکہ تندرستی قائم رہتی ہے اور روزہ بدن کے لئے تنقیہ کا کام دیتا ہے۔

شبع کے دو درجے

رہا یہ کہ پھر ان احادیث کا کیا مطلب ہے، جن میں شبع کی مذمت اور جوع کی فضیلت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ شبع کے دو درجے ہیں ایک طبعی اور ایک اس سے زیادہ یعنی ایک تو پیٹ بھرنا ہے یہ تو شبع طبعی ہے اور ایک پیٹ تننا کہ بھوک دفع ہو گئی مگر نیت ہی نہیں بھرتی خواہ مخواہ پیٹ کو آنٹتا چلا جاتا ہے تو حدیث میں جس شبع کی مذمت ہے وہ وہ ہے جو شبع طبعی سے زیادہ ہو جس سے بدہضمی

ہے کہ شریعت نے اسی کو مشروع کیا ہے دوسری صورت کا وجود شریعت میں نہیں نیز یہ اس لئے بھی راجح ہے کہ اس میں راحت ہے دن بھر روزہ رکھ کر جب افطار میں پیٹ بھر کے کھائے گا تو نفس اور جسم کو راحت حاصل ہوگی اور اگر افطار میں بھی بھوکا رہا تو کیا خاک راحت ملے گی۔ اور جب مجاہدہ بھی سہل نہ ہوا تو مقصود کیونکر حاصل ہوگا کیونکہ نظریات کی انتہا تو بدیہیات پر ہوتی ہے اگر بدیہیات بھی نظری ہو جائیں تو نتیجہ کیسے برآمد ہوگا اس لئے ضروری ہے کہ مجاہدہ دشوار نہ ہو بلکہ سہل ہو ورنہ طاعات کی سہولت کے لئے تو مجاہدہ اختیار کیا تھا اور مجاہدہ بھی دشوار ہوا تو اب اس کی سہولت کے لئے کوئی اور مجاہدہ تجویز ہونا چاہئے اس طرح تو سلسلہ غیر متناہی چلے گا۔

روزہ کی ایک حکمت

تیسرے یہ کہ امام غزالیؒ نے روزہ میں ایک حکمت یہ بیان کی ہے کہ اس میں تشبہ بالملائکہ ہے جیسے ملائکہ کھانا نہیں کھاتے پانی نہیں پیتے اسی طرح روزہ دار ہوتا ہے میں کہتا ہوں اس سے بھی میرے اس دعوے کی تائید ہوتی ہے کیونکہ جیسے ملائکہ میں احتیاج طعام نہیں ہے اسی طرح ان میں سوزش جوع بھی نہیں ہے پس جو شخص روزہ رکھ کر افطار و سحر میں تقلیل طعام کر کے بھوکا رہے وہ ملائکہ کے زیادہ مشابہ نہیں ہوا کیونکہ گو وہ کھانے سے رکا ہوا ہے مگر سوزش جوع میں مبتلا ہے بلکہ ملائکہ کے مشابہ وہ شخص ہے جو سحر و افطار میں اچھی طرح مگر اعتدال کے ساتھ کھانا کھاتا ہے اس میں روزہ کے وقت نہ سوزش جوع زیادہ ہوگی نہ کسل طعام چوتھے یہ کہ صعوبت کا برداشت کرنا بامید سہولت آسان ہے اور اگر صعوبت کے بعد بھی صعوبت ہی رہی تو برداشت مشکل ہے اور سہولت ایک اخروی ہے ایک دنیوی اور ظاہر ہے کہ صعوبت عاجلہ کے بعد علاوہ سہولت آجلہ کے سہولت عاجلہ بھی کچھ ہونی چاہئے کیونکہ عام طبائع صرف سہولت آجلہ کے بھروسے صعوبت عاجلہ کو برداشت نہیں کر سکتیں اور سہولت عاجلہ اسی صورت میں ہے کہ روزہ کے بعد پیٹ بھر کر کھانے کی اجازت دی جائے ورنہ جب تم ہمیشہ بھوکے ہی اٹھو گے تو سہولت کیا خاک ہوئی اس طرح سے صعوبت کا تحمل دشوار ہو جاوے گا۔

مجاہدہ ادوم

پانچویں یہ کہ اس صورت میں مجاہدہ ادوم ہے جو شخص روزہ رکھ کر اچھی طرح کھائے پئے گا وہ تقلیل غذا کا عادی نہ ہوگا اور جو بھوکا رہ کر تقلیل طعام کرے گا وہ چند دن میں اس کا عادی ہو جائے گا پھر وہ زیادہ کھانا بھی چاہے تو نہ کھا سکے گا اب یہ تقلیل مجاہدہ نہ رہے گی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ

طعام کو تجویز کیا ہی نہیں بلکہ شارع نے کھانے کے اوقات معتادہ کو بدل کر ان میں فصل زیادہ تجویز کیا ہے اور اس تبدل عادت و زیادت فصل سے جو نفس کو تکلیف ہوتی ہے اسی کو شریعت نے تقلیل طعام کے قائم مقام سمجھا ہے۔ اور یہ دوسری صورت ہے تقلیل طعام کی پس کم کھانا اور بھوکا رہنا یہ شرعی مجاہدہ نہیں اور رمضان میں پیٹ بھر کے کھانا روح صوم کو کچھ مضر نہیں میں نے شاہ صاحب سے پہلے کسی کا قول نہیں دیکھا اور یہ مضمون اولاً خود بخود میرے قلب پر وارد ہوا تھا اس وقت تک میں نے شاہ صاحب کا قول بھی نہیں دیکھا تا اور میں نے تو کلا علی اللہ ایک وعظ میں اس کو بیان بھی کر دیا تھا بعد میں شاہ صاحب کے قول سے تائید ملی تو میں بہت خوش ہوا کہ الحمد للہ میں اس قول میں متفرد نہیں ہوں بلکہ امت کا ایک بہت بڑا محقق میرے ساتھ ہے ممکن ہے کسی اور نے بھی اس کی تصریح کی ہو مگر میں نے شاہ صاحب سے پہلے کسی کے کلام میں یہ مضمون نہیں دیکھا اور میری نظر کتابوں پر زیادہ ہے بھی نہیں صرف درسیات پر تھوڑی بہت نظر ہے اور درسیات بھی میں نے اس طرح ختم کی ہیں کہ ایک کتاب جماعت نے ختم کر لی اور میں زیادہ غیر حاضر رہا تو جماعت کے ختم کرنے سے میرے حق میں بھی وہ کتاب ختم ہو گئی بہر حال میرے نزدیک تقلیل طعام کی صورت شریعت میں یہ نہیں ہے کہ کھانا سامنے رکھا ہو اور تم پیٹ بھر کے نہ کھاؤ بلکہ اس کی صورت صرف یہ ہے کہ اوقات طعام میں فصل کر دو جیسا کہ روزہ میں ہوتا ہے پھر افطار و سحر میں پیٹ بھر کے کھالو تو اس کا کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ تجربہ ہے کہ سحر میں پیٹ بھر کے کھانے سے بھی دوپہر کو اپنے وقت پر بھوک کا تقاضا ضرور ہوتا ہے اور روزہ کی وجہ سے جب نہیں کھا سکتے تو نفس کو کلفت ہوتی ہے بس یہی شرعی مجاہدہ ہے لیکن میں اس میں اپنے نفس کو متہم سمجھتا ہوں دوسرے علماء بھی اس میں غور کر لیں لیکن وہ ایسے نہ ہوں جو کھانے کے طالب ہوں اور اگر سب ایسے ہی ہوئے تو وہی مثال ہوگی کہ امام بھی ننگا اور مقتدی بھی ننگے مگر دوسرا ان کی اقتداء نہیں کر سکتا' مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ حضرت ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے جن کی بیبیاں باہر پھرتی ہیں فرمایا تمہاری بیبیاں بھی نامحرموں کے سامنے آتی ہیں۔ پھوپھی زاد ماموں زاد خالہ زاد بھائیوں سے پردہ نہیں کرتیں۔ دیور جیٹھ کے سامنے آتی ہیں تو امام بھی ننگا مقتدی بھی ننگے اور جب سب ننگے ہوں تو نماز درست ہے اس لئے سب کی نماز صحیح ہے پس تقلیل طعام جو مجاہدہ کے ارکان اربعہ میں سے ایک رکن ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ سالک روزے زیادہ رکھا کرے یہ معنی نہیں کہ روزہ رکھ کر یا بغیر روزہ ہی کے بھوکا رہا کرے اور یہ تفسیر اس لئے راجح

کھانے والا اور عمدہ غذائیں کھانے والا نعمت الٰہی کا مشاہدہ زیادہ کرتا ہے جس سے حق تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا ہوتی ہے اور یہ نصف سلوک ہے پہلے زمانہ میں شاید خوف زیادہ قائد اعمال ہوتا ہو اس لئے تقلیل غذا سے نفع ہوتا ہوگا کیونکہ جوع میں ہر وقت استحضار ہے عقوبت کا لیکن آج کل تو محبت زیادہ قائد ہے اور وہ اچھی طرح کھانے پینے ہی سے بڑھتی ہے اس لئے ضرورت ہے شیخ کو محقق ہونے کی یہ نہیں کہ جو کتابوں میں لکھا ہو اسی کے موافق علاج کرنے لگے بلکہ اپنے زمانہ کی حالت سے بھی باخبر ہونا چاہئے۔ بعض شیوخ کی عادت ہوتی ہے کہ سب طالبین کو ایک ہی مجاہدہ تعلیم کرتے ہیں اور ایک ہی ذکر بتلاتے ہیں چاہے کسی سے ہوسکے یا نہ ہوسکے۔ عارف شیرازی ایسے مشائخ کی شکایت فرماتے ہیں جو ضعفاء کی رعایت نہیں کرتے۔

خستگاں راچو طلب باشد و قوت نبود گر تو بیداد کنی شرط مروت نبود

(کمزوروں کو اگر طلب ہے اور قوت رسائی منزل کی نہیں ہے تو اے راہبر اگر تو سختی راہ میں ان کو مبتلا کرتا ہے تو یہ خلاف شفقت و مروت ہوگا)

مولانا فرماتے ہیں

طفل راگر ناں دہی برجائے شیر طفل مسکیں را ازاں ناں مردہ گیر

(تو بچہ کو اگر دودھ کے بجائے روٹی دے گا تو اس مسکین کمزور بچے کو تو روٹی سے مار ڈالے گا)

اور فرماتے ہیں

چار پار اقدر طاقت بار نہ برضعیفاں قدر ہمت کار نہ

(جانور پر بقدر طاقت بوجھ رکھو اور کمزوروں پر ان کی ہمت کے اندازے سے بار رکھو)

خوف طبعی بالذات مقصود نہیں

ہمارے حاجی صاحب کے یہاں ہر شخص کے مناسب نسخے تجویز ہوتے تھے کہ کسی خوف کے راستہ سے پہنچایا کسی کو محبت کے راستہ سے کسی کو کثرت ذکر تعلیم کیا کسی کو تلاوت و نوافل بتلائے جس کے جو مناسب ہوا بتلا دیا اور اسی سے بحمد اللہ کامیابی ہوتی تھی اور جو لوگ سب کو ایک لاٹھی ہانکتے ہیں وہ بڑا ظلم کرتے ہیں۔ بہر حال اچھی طرح کھانا پینا جالب محبت ہے اور بھوکا رہنا کہ وہ خود ایک عقوبت ہے سبب خوف ہے اور محبت بہ نسبت خوف کے زیادہ قائد اعمال ہے اور قائد الی الاعمال ہونے کے سبب ہی خوف میں مقصودیت ہے اس میں بالذات مقصودیت نہیں اور اس قائد ہونے

میں محبت اس سے اقوی ہے تو اس کے اسباب زیادہ مطلوب ہوں گے یہاں شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ خوف تو جزو ایمان ہے اس لحاظ سے وہ بالذات مقصود ہوا تو سمجھ لینا چاہئے کہ خوف جو ایمان میں داخل ہے وہ خوف عقلی ہے بمعنی یحتمل ان یدخل النار یعنی (یہ مضمون دل میں حاضر ہے کہ شاید ہم کو جہنم میں بھیج دیا جائے یہ بھی آدھا سلوک ہے رہا خوف طبعی وہ بالذات مقصود نہیں بلکہ وہ اس لئے مقصود ہے کہ اعمال کی طرف قائد ہے اور اس درجہ میں عشق اس سے بڑھا ہوا ہے اس عشق سے زیادہ کوئی قائد نہیں کیونکہ ایک دم سے سب تعلقات مانعہ کو فنا کر دیتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

(عشق وہ آگ ہے جو روشن ہونے کے بعد معشوق کے ماسوا کو جلا کر خاک کر دیتا ہے)

تیغ لا در قتل غیر حق براند ورنگر آخر کہ بعد لا چہ ماند

(لا الٰہ کی تلوار سے غیر حق کو قتل کر اور پھر دیکھ کہ اس کے بعد کیا باقی رہتا ہے)

ماند الا اللہ باقی جملہ رفت مرحبا اے عشق شرکت سوز سخت

(یعنی صرف الا اللہ باقی رہے گا اور باقی سب فنا ہو جاوے گا۔ مرحبا اے عشق کہ تو ہر غیر محبوب کو جلا دینے والا ہے) ایک مقام پر دل کھول کر عشق کی مدح فرماتے ہیں

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما اے طبیب جملہ علتہائے ما

(اے عشق تو شاد رہ کہ بہت اچھی بیماری ہے کہ تو تمام بیماریوں کے لئے طبیب ہے)

اے دوائے نخوت و ناموس ما اے تو افلاطون و جالینوس ما

(اے عشق تو تکبر اور نخوت اور ناموس کی دوا ہے اور تو ہمارے لئے افلاطون اور جالینوس ہے)

واقعی عشق سے زیادہ تکبر و نخوت کو کوئی چیز نہیں نکالتی اور فرماتے ہیں۔

عشق جان طور آمد عاشقا طور مست و خر موسیٰ صاعقا

(طور پہاڑ میں جب عشق آیا تو طور مست ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے تجلی حق سے) اور فرماتے ہیں

جملہ معشوق است و عاشق پردہ زندہ معشوق است و عاشق مردہ

(ہر طرف محبوب حقیقی کے نشانات ہیں عاشق خود حجاب ہے اور محبوب تو زندہ ہے اور عاشق فانی اور مردہ ہے)

اب اس شعر میں چونکہ بات دور پہنچ گئی یعنی وحدۃ الوجود کا مسئلہ آ گیا جو کہ عوام کے لئے مضر ہے اس لئے عشق کی تعریف ختم کرتے ہیں اور اس ختم کرنے میں اپنا عذر بیان کرتے ہیں۔

سر پنہاں است اندر زیرو بم فاش اگر گویم جہاں برہم زنم

(راز پوشیدہ ہے زیر و بم میں اگر میں راز ظاہر کر دوں تو تمام عالم درہم برہم ہو جائے)

یہاں شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ جو لوگ زیادہ کھاتے پیتے ہیں وہ زیادہ معاصی میں مبتلا ہیں خدا کے ساتھ محبت و عشق کا ان میں نام بھی نہیں اگر زیادہ کھانے پینے سے محبت الٰہی پیدا ہوا کرتی تو سب سے زیادہ امراء و رؤسا کو خدا سے محبت ہوتی اور وہی زیادہ مطیع ہوتے مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔

طبائع سلیم کا خاصہ

اس کا جواب یہ ہے کہ طبائع سلیمہ کا تو خاصہ یہی ہے کہ جتنا مشاہدہ نعم زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی منعم کی محبت میں گھلتا ہے اور اطاعت کی کوشش کرتا ہے ہاں اگر طبائع میں کجی ہے تو پھر اس میں مستی پیدا ہوگی جیسا کہ بعض امراء میں اس کا مشاہدہ ہے مگر محل کی عدم قابلیت سے اگر مؤثر کا اثر ظاہر نہ ہو تو مؤثر کا قصور نہیں بلکہ محل کا قصور ہے۔ شیخ فرماتے ہیں۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست در باغ لالہ روید در شورہ بوم خس

(بارش اپنی لطافت طبع کے لحاظ سے ایک ہی حقیقت رکھتی ہے مگر باغ میں اسی سے لالہ و سوسن پیدا ہوتے ہیں اور زمین شور میں خس و خاشاک اور کانٹے اگتے ہیں)

بارش کتنی پاکیزہ اور لطیف چیز ہے مگر قابلیت عدم قابلیت محل کا یہ اثر ہے کہ بارش سے کہیں تو پھول پھلواری اور عمدہ عمدہ پھل پیدا ہوتے ہیں اور کہیں خس و خاشاک اور کانٹے اور خاردار درخت اگتے ہیں تو کیا اس سے بارش کو کوئی مضر کہہ سکتا ہے ہرگز نہیں بس یہی حال انعامات کی بارش کا ہے اگر طبیعت میں سلامتی ہو تو آدمی ٹھنڈا پانی پی کر حیا سے زمین میں گڑ جاتا ہے اور سوچتا ہے کہ مجھ گنہگار پر یہ انعام کہ مجھے ٹھنڈا پانی دیا برف دیا حالانکہ میں تو گناہوں کی وجہ سے اس قابل تھا کہ مجھے غارت کر دیا جاتا سو انعام کا اصل اثر تو یہی ہے ہاں کسی کی طبیعت ہی میں خباثت بھری ہو تو اس سے بحث نہیں اور ایسے خبیث النفس کو جب انعامات سے خدا کی طرف جذب حاصل نہ ہوا اسے بھوکے رہ کر کیا خاک تعلق پیدا ہوگا بلکہ انعامات کے ساتھ گو اس کی

طاعات کی توفیق نہیں ہوئی اور معاصی میں مبتلا ہے مگر اس کا ایمان تو محفوظ رہتا ہے اور اگر یہ شخص بھوکا رہے تو اس کے ایمان ہی زائل ہونے کا اندیشہ ہے چنانچہ کثرت سے واقعات اس کے شاہد ہیں بہر حال جن لوگوں میں زیادہ کھانے پینے کی وجہ سے معاصی کا ظہور دیکھا جاتا ہے وہاں بھی کھانا پینا فی الجملہ مفید ہو رہا ہے کہ ایمان ہی کی حفاظت ہوگئی چنانچہ آپ نے کھاتے پیتے رئیسوں کو مرتد ہوتے کم دیکھا ہوگا جو لوگ مرتد ہوتے ہیں وہ اکثر وہی لوگ ہیں جو بھوکے رہنے والے فاقہ زدہ تھے۔ پس آج کل یہ مجاہدہ مناسب نہیں کہ طالبوں کو بھوکا مارا جائے بلکہ مشاہدہ نعم کے ساتھ مجاہدہ کرانا چاہئے اول ان کو حسی نعمتوں سے لبھاؤ کھانے پینے کی اچھی طرح اجازت دو پھر وہ معنوی نعمتوں کی بھی قدر کرے گا اور نعمتوں کے مشاہدہ سے جب اس میں محبت پیدا ہو جائے گی تو پھر وہ کسی مصیبت سے پریشان نہ ہوگا اور یوں کہے گا

ناخوش تو خوش بود برجان من دل فدائے یار دل رنجان من

(اے محبوب آپ کی ناخوشی یعنی آپ کی طرف سے رنج بھی ہمارے لئے خوشی ہے کیونکہ یہ دل محبوب پر فدا ہے پس ان کی طرف سے ناخوشگوار حالات سے بھی راضی ہے)

لطیف مجاہدہ

لہذا روزہ رکھ کر افطار و سحر میں خوب کھاؤ اس پر شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ صاحب جب سحری میں خوب ٹھونس لیا تو روزہ میں مجاہدہ ہی کیا ہوا میں کہتا ہوں افسوس تم اپنے نفس کی حالت سے بھی غافل ہو صاحب نفس کو اپنی عادت کے بدلنے سے بھی تکلیف ہوتی ہے۔ چنانچہ تجربہ ہے کہ سحری میں چاہے آپ کتنا ہی کھالیں مگر روزہ کی وجہ سے ضعف ضرور ہوتا ہے پہلے بھی یہ مضمون آچکا ہے خصوصاً رمضان کے اخیر حصہ میں ہر شخص کے چہرہ سے ضعف کے آثار مترشح ہوتے ہیں۔ غرض جو لوگ سحری میں اچھی طرح کھانے والے ہیں رمضان کا اثر ان پر بھی ضرور ہوتا ہے۔ اسی لئے شارع نے صوم کو مجاہدہ میں داخل کر لیا مگر یہ لطیف مجاہدہ ہے جو لطیف طبائع کے لئے موزوں ہے اور سخت طبیعت والوں کے لئے دوسرا مجاہدہ ہے۔ ان کے واسطے امام غزالیؒ کی کتاب علاج ہے جس میں تاکید ہے تقلیل مقدار طعام کی لطیف اور کثیف طبیعت پر مجھے ایک حکایت یاد آئی۔ دیوبند کے ایک رئیس کے یہاں تقریب تھی جس میں عمدہ عمدہ کھانے پلاؤ، زردہ فیرینی وغیرہ پکے تھے۔ اتفاق سے بیگار میں ان کی رعیت کے چمار آئے تھے ان کو بھی کھانا دلوا دیا گیا

تو پلاؤ زردہ کو انہوں نے ناک منہ چڑھا کر کھایا کیونکہ وہ گنوار ان کھانوں کا پورا لطف کیا جانیں لیکن جب فیرینی چکھی تو ان سے رہا نہ گیا آپس میں کہنے لگے کہ یہ تھوک سا کے ہے (کیا ہے ۱۲) بھلا وہ گڑ کے کھانے والے ان کو فیرینی کی لطیف شیرینی کیا محسوس ہوتی ان کے منہ کو وہ پھیکی ہی لگی اس لئے تھوک سے تشبیہ دی ایسے ہی جو لوگ سخت طبیعت رکھتے ہوں ان کے لئے واقعی مجاہدہ صوم کافی نہ ہوگا مگر آج کل ایسی سخت طبیعتیں کہاں ہیں آج کل تو سارے نازک ہی نازک ہیں۔ امام غزالی کی تحقیق اس زمانہ کے مناسب ہوگی اس وقت قویٰ مضبوط تھے آج کل کے مناسب نہیں کیونکہ مجاہدہ سے مقصود کسر قوت بہیمیہ ہے اور اب تو قوت بہیمیہ خود ہی ٹوٹی ہوئی ہے اس پر بھی مخلوق کو بھوکا رہنے کو تعلیم کرنا اس مثل کا مصداق ہو جائے گا کہ مرتے کو مارے شاہ مدار۔ البتہ ان احادیث پر نظر کر کے جن میں کثرت شبع کی مذمت ہے اور محققین کے اقوال میں غور کر کے اتنی بات ضروری معلوم ہوتی ہے کہ شبع طبعی سے زیادہ نہ کھاوے اناڑی کی طرح بندوق نہ بھرے بعض لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ تراویح بیٹھ کر پڑھنا کیسا ہے میں اس کا جواب دیا کرتا ہوں کہ جس نے افطار میں ناک تک پانی بھرا ہو اور گلے تک کھانا ٹھونسا ہو اسے ناجائز ہے کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں معذور بنا اور جس نے عادت کے موافق پیٹ بھر کے کھایا ہو اسے جائز ہے۔ کیونکہ وہ واقعی معذور ہے۔ فقہاء نے بھی سحری میں اتنا کھانے سے منع کیا ہے جس سے روزہ میں کھٹی ڈکاریں آویں اور یہ جبھی ہوگا جب شبع طبعی سے زیادہ کھاوے گا سو اتنا کھانا مکروہ ہے ہاں معمول کے موافق پیٹ بھر کے کھانے کا مضائقہ نہیں اور یہ جو بعض صوفیہ نے جن پر فلسفیت غالب ہے لکھ دیا ہے کہ جو شخص رمضان میں بھی اور دنوں کی طرح پیٹ بھر کے کھائے اس نے روح صوم کو باطل کر دیا میرے نزدیک غلط ہے میں شرح صدر کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ بالکل غلط ہے۔ اگر پیٹ بھر کے کھانا صوم کو مضر ہوتا تو بخدا شارع اس کو ممنوعات صوم میں ضرور قرار دیتے کیونکہ یہ ضرر کچھ کم نہیں ہے کہ روح عبادت ہی باطل ہو جائے اگر حرام بھی نہ کرتے تو کم از کم مکروہ ہی قرار دیتے مگر ممنوعات صوم میں شارع نے شبع کا ذکر تک کہیں نہیں کیا آخر جو چیزیں روح صوم کو مضر تھیں شارع نے ان کو بیان کیا ہے۔

روح صوم کے منافی اشیاء

چنانچہ ارشاد ہے من لم یدع قول الزور و العمل به فلیس لله حاجة فی ان

یدع طعامه و شرابه (سنن ابی داوٗد: ۲۳۶۲، سنن الترمذی ۷۰۷) یعنی (جو شخص جھوٹ بولنا اور غلط باتوں پر عمل کرنا نہ چھوڑے (اس میں سب معاصی آ گئے ۱۲) تو خدا کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ تو دیکھئے قول زور مفطر صوم نہیں جھوٹ بولنے سے روزہ ٹوٹتا نہیں مگر چونکہ روح صوم کو مضر تھا اس لئے شارع نے اس کا مضر ہونا ظاہر کر دیا اگر شبع بھی روح صوم کو مضر تھا تو شارع نے اس سے کیونکر تعرض نہیں فرمایا جب شارع نے اس سے تعرض نہیں کیا تو ہم دل کھول کر کہتے ہیں کہ شبع روح صوم کو کچھ مضر نہیں جس کو غلاف کعبہ کے اندر سے کعبہ نظر آرہا ہو وہ تو کعبہ ہی کی طرف منہ کرے گا اس کو غلاف کی طرف منہ کرنے کی کیا ضرورت ہے ایسے ہی جب مجھ کو حقیقت منکشف ہوگئی تو میں وہی کہوں گا جو میں سمجھا ہوں ممکن ہے کسی محقق کے نزدیک یہ تحقیق صحیح نہ ہو تو ان کو وہ علم مبارک ہو جو ان کے پاس ہے اور چونکہ وہ ان کا اجتہاد ہے اس لئے اجر ان کو بھی ملے گا۔ پس اب میں ختم کرتا ہوں الحمدللہ یہ بات ثابت ہوگئی کہ تقلیل طعام میں جتنی صورتیں مجاہدہ کی نکل سکتی ہیں روزہ ان سب میں افضل ہے باقی کے متعلق ان شاء اللہ آئندہ بیان کروں گا اور مناسبت مضمون کے اعتبار سے اس بیان کا نام تقلیل الطعام۔ بصورۃ الصیام) تجویز کرتا ہوں۔ اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو برکات صوم سے متمتع فرماوے اور فہم سلیم اور عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی خیر خلقه

سیدنا ومولانا محمد وعلی واله واصحابه اجمعین۔

العزة

یہ وعظ عزت کی حقیقت کے متعلق بمقام جلال آباد مقصود علی خان کے مکان پر ۱۰ رجب ۱۳۳۱ھ کو بیٹھ کر ارشاد فرمایا جسے محمد عبداللہ صاحب نے قلمبند فرمایا سامعین کی تعداد ۸۰ تھی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمْ. اَمَّابَعْدُ: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّۃَ فَاِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا. (النساء آیت ۱۳۹)

ترجمہ:۔ (کیاان کے پاس معزز رہنا چاہتے ہیں سواعزاز تو سارا خدا کے قبضہ میں ہے)

جرم شدید پر شکایت

یہ ایک آیت کا ٹکڑا ہے اس میں حق تعالیٰ نے ایک قوم کی رائے کی تغلیط فرمائی ہے اور ایک ضروری مضمون ارشاد فرمایا ہے قطع نظر خصوصیت مقام یعنی سامعین وعظ کے وہ مضمون فی نفسہ بھی بہت ضروری ہے اس لئے کہ اس کا تعلق قریب قریب تمام مکلفین سے ہے بعض مضامین تو ایسے ہوتے ہیں کہ بعض کے لئے ضروری ہوتے ہیں بعض کے لئے نہیں اور بعض مضامین کے اندر عموم ہوتا ہے یہ بھی اسی قسم کا مضمون ہے کہ کوئی مکلّف اس سے خالی نہیں ہے اور قطع نظر عموم تعلق کے اس میں غلطی بھی واقع ہو رہی ہے۔ اس لئے اس کا بیان کر دینا اور بھی زیادہ ضروری ہو گیا اور نیز ایک اور وجہ سے بھی وہ غلطی قابل افسوس ہے وہ یہ ہے کہ جس قوم کی یہ شکایت ہے وہ قوم مکلّف بھی نہ تھی اس لئے کہ یہ مضمون ایک فرعی مضمون ہے اور فروع کے مکلّف وہ ہوتے ہیں جو دائرہ ایمان میں داخل ہوں اور یہ آیت شان میں ویسے ہی لوگوں کے لئے جو ایمان کے حدود سے خارج ہیں جیسے قانون گورنمنٹ کا مخاطب وہ ہوتا ہے جو حدود رعایا میں داخل ہو بخلاف باغی کے کہ وہ فرعی قوانین کا مخاطب نہیں ہوتا بلکہ وہ اول اطاعت کا مکلّف ہوتا ہے چنانچہ اس کو اس پر سزا نہیں ہوتی کہ پلیٹ

فارم پر بلا اجازت کیوں آیا یا مقدمہ میں کیوں حاضر نہیں ہوا ہاں اس کا مخاطب ہوگا کہ بغاوت کیوں کی، شرارت کیوں کی، یہاں سے اس مسئلہ کی حقیقت سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ کفار اصول کے مخاطب ہیں۔ فروع کے نہیں، اس سے یہ سوال نہ ہوگا کہ نماز کیوں نہ پڑھی تھی روزہ کیوں نہ رکھا تھا اس پر تو مسلمانوں سے ہوگا، ہاں یہ پوچھا جاوے گا کہ ایمان کیوں نہ لائے تھے۔ غرض اس مقام پر جو لوگوں کی یہ شکایت ہے وہ جماعت منافقین کی ہے کہ وہ گو زبان سے کہتے تھے کہ ہم ایمان لے آئے مگر وہ واقع میں مومن نہ تھے اسی وجہ سے ان کو فروع کا مکلّف نہ کہا جاوے گا۔ پس باوجود غیر مکلّف ہونے کے جس امر پر ان کی شکایت کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ جرم بہت شدید ہے، پس رعایا میں سے اگر کوئی اس جرم کا مرتکب ہوگا تو بہت زیادہ باعث شکایت ہوگا اس لئے کہ اس باغی سے تو کوئی تعلق نہ تھا لیکن یہ تو مدعی اطاعت ہیں یہ اگر مرتکب اس جرم کے ہوں تو بہت زیادہ قابل شکایت ہیں۔

طالب عزت

پس وہ امر کہ جس پر منافقین کو اس آیت میں ملامت کی گئی ہے افسوس ہے کہ وہ ہم میں بھی موجود ہے اس لئے وہ بھی زیادہ ضروری ہوا کہ اس مضمون کو اختیار کیا جاوے پس تین حیثیتوں سے اس مضمون کی ضروریات ثابت ہوئی اول تو فی نفسہ ضروری ہونا دوسرے اس میں غلطی واقع ہونا تیسرے ہم میں وہ غلطی ہونا اب سنئے کہ وہ مضمون کیا ہے۔ ارشاد ہے اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ یعنی کیا یہ منافقین کفار کے پاس جا کر عزت کے طالب ہوتے ہیں عزت تو تمام کی تمام اللہ تعالیٰ کی ملک ہے۔

شان نزول

یہ ترجمہ ہے آیت کا قصہ اس کے نزول کا یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک جماعت تھی منافقین کی وہ بظاہر مومن تھے اور واقع میں کافر تھے تو ان کا یہ شیوہ تھا کہ مسلمانوں کے فریق کے مقابل بن کر کفار سے میل جول رکھتے تھے اس لئے کہ اپنے زعم فاسد میں یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اسلام بڑھنے والا تو ہے نہیں یہ دو چار دن کا شور وغل ہے پھر بدستور کفار کا ہی پلہ بھاری رہے گا تو کیا ضرورت ہے کہ ہم ان سے بگاڑیں ادھر مسلمانوں سے اس لئے ملتے تھے کہ ان کے حملوں سے محفوظ رہیں اور شاید ان کو غلبہ ہو جاوے تو کہنے کو موقع رہے کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی شکایت فرماتے ہیں اور ان کی رائے کا غلط ہونا ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا یہ منافقین یہ سمجھتے ہیں کہ کفار کے پاس عزت ہے اس لئے ان سے میل جول رکھ کر عزت کے

طالب ہیں خوب سمجھ رکھو کہ غلبہ اور عزت تو ہماری ملک ہے پس جو اس کا طالب ہو وہ ہم سے میل جول کرے اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ جو شئے جس کی ملک ہو اور تم اس کے طالب ہو تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ اس کی اطاعت کرو یہ عجیب بات اور قلب موضوع ہے کہ اس کو ناراض کر کے اس سے وہ لینا چاہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی مصلحت سے وہ شئے پھر بھی اس کو دیدے مقصود یہ ہے کہ طریقہ اس کا یہی ہے کہ اس کی اطاعت بھی اختیار کی جاوے یہاں سے یہ شبہ رفع ہو گیا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ غیر مومنین کو بھی عزت اور غلبہ حاصل ہے۔

دنیا آزمائش اور امتحان کا گھر ہے

تقریر اندفاع کی یہ ہے کہ لام للہ میں ملک کا ہے تو حاصل یہ ہے کہ عزت اور غلبہ اللہ کی ملک ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ عزت اور غلبہ ہم کسی کو نہیں دیتے ممکن ہے کہ کسی مصلحت اور حکمت کی وجہ سے غیر مطیع کو بھی دیدیں اور وہ حکمت یہ ہے کہ یہ دنیا امتحان اور ابتلاء کا گھر ہے پس اگر دنیا میں مسلمانوں ہی کو غلبہ ہوتا تو یہ حکمت ابتلاء فوت ہو جاتی اس لئے کہ اسلام قبول کرنے والوں کا کوئی امتحان اور ابتلاء نہ ہوتا اس واسطے کہ جب کہ غلبہ انہیں کو ہوتا تو پھر مسلمان ہونا کوئی کمال نہ تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایسا ملا جلا قبضہ رکھا ہے کہ ظاہری نظر میں کوئی امتیاز نہ ہو کبھی کسی قوم کو غلبہ دے دیا کبھی کسی کو تا کہ اس کا امتحان ہو کہ دیکھیں ہمارے بندے کس طرف رخ کرتے ہیں آیا دنیا کی شان وشوکت پر مائل ہوتے ہیں یا ہماری طرف آتے ہیں پس باوجود اس کے اگر کوئی اسلام قبول کرتا ہے اس کا منشاء محض اخلاص ہوتا ہے کوئی دوسری غرض نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو یعنی خانہ کعبہ کو وادی غیر ذی زرع میں بنایا ہے کہ وہاں نہ کھیتی باڑی ہوتی ہے نہ سرسبزی کا نام ونشان ہے نہ نہریں اور چشمے اور کنوئیں ہیں بجز خشک میدانوں اور پہاڑوں کے کوئی شئے نہیں اگر بیت اللہ شریف خطہ کشمیر میں ہوتا تو وہاں مسلمانوں کا جانا کوئی کمال نہ تھا حق تعالیٰ نے ایسی جگہ بنایا کہ وہاں ہر شے کی کمی ہے تا کہ جو کوئی وہاں جاوے ہماری ہی محبت کی وجہ سے جاوے۔ چنانچہ مسلمان وہاں مشقتیں اٹھا اٹھا کر مال خرچ کر کر کے جو جاتے ہیں اس کا منشاء سوائے اخلاص اور حق تعالیٰ کی محبت کے کوئی شئے نہیں ہے۔

سادات پر حرمت زکوٰۃ کی حکمت

اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد کے لئے زکوٰۃ کو حرام فرما دیا ورنہ کم فہموں کو

یہ شبہ ہوتا کہ یہ سب ترغیب اور دعوۃ الی الاسلام اپنی غرض کے لئے ہے کہ ہم اور ہماری اولاد کو دنیا حاصل ہو۔ اب یہ شبہ ہی نہیں ہوسکتا اس لئے جو صدقات واجبہ ہیں جیسے زکوۃ عشر فدیہ وغیرہ یہ تو سب اپنے خاندان پر حرام ہی فرمادیئے ہیں اب رہ گئے صدقات نافلہ کہ ان میں اختیار ہے خواہ دو یا نہ دو ان میں کوئی شبہ ہی نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ صدقات ہی خود ضروری نہیں کہ ضرور دیئے جاویں۔ پس حق تعالیٰ کی یہ حکمت اور شان ہے کہ جہاں ذرا بھی خودغرضی کا شبہ ہوا ہے اسی کو دفع فرمادیا ہے پس اگر تنعم اور عیش اور مال و دولت اور عزت وجاہ وغلبہ اسلام کے ساتھ مخصوص ہوتا تو اسلام لانے میں پھر کوئی کمال نہ ہوتا اور مخلص اور غیر مخلص میں اشتباہ ہوجاتا اور اب جو کوئی ادھر آتا ہے وہ اخلاص ہی کی وجہ سے آتا ہے۔ جو قومیں اس زمانہ میں مال دے دے کر لوگوں کو اپنے دین میں ملاتے ہیں ان کے پاس ان کا کوئی جواب نہیں۔

دلیل حقانیت اسلام

اگرچہ آج کل بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مسلمانوں میں کوئی فنڈ ایسا ہوتا کہ خرچ کر کر کے لوگوں کو اسلام کی ترغیب دی جاتی لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ ایسا نہیں ہے پھر باوجود اس کے بھی لوگ مسلمان ہورہے ہیں، یہ کھلی دلیل حقانیت کی ہے اور اسلام کی ہمیشہ یہی شان رہی ہے کہ جو کوئی مسلمان ہوا ہے ظاہر شان وشوکت کو دیکھ کر مسلمان نہیں ہوا بلکہ اس کا منشاء ہمیشہ اخلاص ہی ہوا ہے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو جو کوئی مسلمان ہوتا تھا وہ تو اپنی پہلی دولت بھی پیش کردیتا تھا اسلام کامل کی خاصیت ہی یہ ہے کہ جب وہ قلب میں گھر کرلیتا ہے تو بجز اپنے مولا کے بندہ کو کسی شئے کی تمنا نہیں رہتی اس کی نظروں میں سب ہیچ ہوجاتا ہے جیسے بعض پتھروں میں یہ خاصیت ہوتی ہے کہ سرکہ کے اندر ڈالنے سے بھاگ جاتا ہے اسی طرح اسلام کے ساتھ ہی اس سے سب خرافات بھاگ جاتی ہیں اگر کوئی کہے کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو بھی مال کی محبت ہے جواب یہ ہے کہ اگر یہ شخص نعوذ باللہ کافر ہوتا تو جس قدر اب اس کو مال سے تعلق ہے اس سے زیادہ ہوتا۔ جس درجہ کا اس کا اسلام ہے اسی درجہ میں اس کو مال سے محبت ہے اگر یہ شخص اپنے اسلام کو کامل کرے تو پھر دیکھیں مال کی محبت کیسے رہتی ہے۔ اگر کسی کو شوق ہو کمال کا تو کمال پیدا ہوتا ہے صحبت سے میں نے بہت سے جلسوں میں اس کا تذکرہ سنا ہے کہ کوئی شخص چالیس دن ہی اپنے فرصت کے نکال کر کسی اہل اللہ کے پاس محض اپنی

تہذیب کے واسطے رہ جاوے پھر دیکھیں اسلام کیا شئے ہے اس کی مثال طب جیسی ہے کہ جب تک مریض ایک مدت تک معالجہ نہ کرے امراض کی جڑ نہیں کٹتی اور یہ صحبت نہ ہونے ہی کی خرابی ہے کہ آج کل ہمارے نوتعلیم یافتہ بھائی صحبت کی تو ضرورت سمجھتے نہیں قرآن وحدیث کا ترجمہ دیکھ دیکھ کر قرآن وحدیث میں اپنی عقل ناتمام کو لگا کر شبہات کرتے ہیں اور جب سمجھ میں نہیں آتا تو کہتے ہیں کہ یہ احادیث گھڑی ہوئی ہیں مولویوں نے گھڑ لی ہے۔

مسلمان کے قلیل الغذا ہونے کا مفہوم

چنانچہ حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ کافر سات آنت میں کھاتا ہے اور مسلمان ایک آنت میں اس پر شبہ کرتے ہیں کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ سب یکساں ہی کھاتے ہیں بلکہ بعض مسلمان زیادہ کھاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث نہیں ہے یہ خرابی اس کی ہے کہ اپنی عقل کو قرآن و حدیث کی فہم کے لئے بالکل کافی سمجھتے ہیں اور محققین سے پوچھتے ہیں بات یہ ہے کہ مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ مسلمان قلیل الغذا ہوتا ہے اور اس کا انداز جب ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص کی دو حالتیں فرض کی جاویں کفر اور ایمان پس یہ دعوے سے کہا جاتا ہے کہ اگر یہ شخص کافر ہوتا تو اس سے زیادہ کھاتا اور جس قدر کہ اب کھاتا ہے۔ غلطی یہ ہے کہ دوسروں سے مقابلہ کرتے ہیں اور مسلمان کے کم کھانے اور کافر کے زیادہ کھانے میں ایک راز ہے وہ یہ ہے کہ کھانے کے اندر درجے ہیں ایک پیٹ بھرنا دوسرے جی بھرنا چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ بھائی یہ شئے لذیذ ہے پیٹ تو بھر گیا مگر اس سے جی نہیں بھرا اور جی بھرنا کہتے ہیں حرص پوری کرنے کو اور اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ حرص مت کرو تو جب حرص نہ ہوگی تو جو حصہ حرص کا ہے اس قدر یہ شخص کم کھاوے گا اگر کوئی خاص مسلمان زیادہ کھانے والا ہے تو اس کا پیٹ ہی زیادہ ہے اگر یہ کافر ہوتا تو اس سے زیادہ کھاتا۔

مسلمانوں میں اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا عالم

پس الحاصل مسلمانوں کو مال کی محبت بہت کم ہے اور اس کا امتحان یہ ہے کہ ابھی کوئی ضروری کام اسلام کا پیش آجاوے مثلاً حج فرض ہو جاوے یا کسی مسکین کو دیکھ لے یا کسی مسجد یا کسی خیر کے کام میں صرف کرنے کا موقع ہو تو بے دریغ مال خرچ کر دیتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ مال کی محبت زیادہ نہیں بلکہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت زیادہ ہے غرض اسلام کی یہ خاصیت ہے کہ مال سے محبت نہیں رہتی۔

ایک یہودی کے مسلمان ہونے کا واقعہ

ایک یہودی کا قصہ ہے کہ اس کا قرض جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ آتا تھا وہ ایک دن آ کر تقاضا کرنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آوے گا دیدیں گے اس نے کہا میں تو آج لے کر جاؤں گا اور آپ کو گھر بھی جانے نہ دوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس کے کہ صاحب سلطنت تھے اس کو کچھ نہیں کہا صحابہ نے عرض بھی کیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صاحب حق کو کہنے کا حق حاصل ہے۔ دیکھئے اس کو کہتے ہیں ریاست اب تو میں دیکھتا ہوں کہ نہ کچھ اختیارات ہیں نہ ریاست ہے لیکن مجال کیا ہے کہ کوئی غریب آدمی اپنا رہا ہوا بھی مانگ لے بس آج کل کی ریاست یہ ہے کہ کسی غریب کی گھانس چھین لی کسی پر چوکیدارہ اور ٹیکس بڑھوا دیا دیکھئے ادھر ایک یہودی ذلیل اور ادھر ایک دین دنیا کے بادشاہ اور پھر قانون سے بھی آپ کو یہ حق حاصل کہ مہلت لے لیں مگر باوجود اس کے آپ کے اخلاق نے اجازت نہ دی کہ اس کے ساتھ کچھ درشتی فرماویں۔ اس لئے کہ مقصود تعلیم دینا تھا امت کو چنانچہ دن بھر وہ یہودی وہاں جمارہا اور رات کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم دولت خانہ پر تشریف نہ لے گئے حتی کہ صبح ہوگئی صبح کو بعد نماز وہ سامنے حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میں نے اپنی کتابوں میں پڑھا تھا کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہوگی کہ وہ برائی کرنے والے کو برائی کا بدلہ نہ دیں گے لکن یعفو و یصفح یعنی معاف کردیں گے اور درگزر کریں گے میں نے قصداً آپ کا امتحان کیا تھا اب مجھے تحقیق ہوگیا کہ وہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہی ہیں۔ اب میں مسلمان ہوتا ہوں اور کہا کہ اشھدان لا الہ اللہ و اشھدان محمد ارسول اللہ حدیث میں آیا ہے کہ وہ یہودی بڑا کثیر المال تھا اور مسلمان ہونے کے بعد اسلام نے اپنی خاصیت ظاہر کی چنانچہ حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس مال بہت ہے میں اس سب مال کا آپ کو اختیار دیتا ہوں آپ جہاں چاہیں خرچ کریں۔

خاصیت اسلام

غرض اسلام کی ہمیشہ سے یہی خاصیت ہے اور جس نے اسلام کامل اختیار کیا اس کو مال سے بعد ہی رہا۔ اگر کوئی کہے کہ سلاطین اسلام کے زمانہ میں تو علماء کی بڑی بڑی تنخواہیں ہوتی تھیں تو یہ کہنا کہاں صحیح ہے کہ کامل الاسلام لوگوں کو ہمیشہ مال سے بعد ہی رہا' میں کہتا ہوں کہ یہ

سب برائے گفتن ہے بعض علماء کی ضروری تنخواہیں تھیں مگر اکثر وہی ہوتے تھے کہ جو ان کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے باقی جو علماء اہل حق اور صاف گو ہوتے تھے ان کو بادشاہوں نے کبھی پسند ہی نہیں کیا بلکہ ان سے ہمیشہ وحشت ہی رہی بلکہ ان میں جو مشائخ اور صوفیہ بھی تھے جو کہ کونہ میں بیٹھنے والے ہیں بادشاہوں نے ہمیشہ ان سے بھی مخالفت ہی کی۔

حکایت حضرت سید آدم رحمۃ اللہ علیہ

شاہجہاں کے وقت میں ایک درویش تھے حضرت سید آدم رحمۃ اللہ علیہ ایک عالم ان کا معتقد تھا۔ بادشاہ سے کسی نے نمامی کی کہ ان سے بغاوت کا اندیشہ ہے چنانچہ ان کے حالات کی تحقیق کے لئے شاہجہاں نے سعد اللہ خاں وزیر اور ایک عالم کو ان کے پاس بھیجا جب یہ پہنچے تو حضرت سید آدم اپنی جگہ بیٹھے رہے تعظیم کے لئے کھڑے نہیں ہوئے سعد اللہ وزیر نے عرض کیا کہ حضور آپ نے ہماری تعظیم نہیں کی تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ ہم تو دنیا کے کتے ہیں لیکن مولانا تو نائب رسول ہیں ان کی تعظیم تو واجب ہے۔ حضرت نے فرمایا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم **العلماء امناء الدین مالم یخالطوا الامراء فاذا خالطوھم فھم لصوص الدین فاحذروھم** (کنز العمال: ۲۸۹۵۲، المغنی عن حمل الأسفار ۱: ۶۸ بلفظ آخر) یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علماء دین کے امین ہیں جب تک امراء سے نہ ملیں اور جب ان سے ملنے لگیں تو وہ دین کے رہزن ہیں وہ دنیا دار عالم جھلا اٹھے اور بادشاہ سے ایک ایک کی چار چار لگائیں بادشاہ دھوکہ میں آ گئے اور حضرت سید آدم کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ حضور یہ ہندوستان دار ظلمت ہے اگر حضور مکہ معظمہ تشریف لے جاویں تو بہت مناسب ہے۔ جب یہ حکم حضرت کے پاس پہنچا حضرت نے ایک خط شکریہ کا لکھ بھیجا کہ مجھے آپ نے دار ظلمت سے نکالا چنانچہ بہت اکرام کے ساتھ آپ کو روانہ کر دیا۔ جب حضرت سورت پہنچے تو وہاں کا صوبہ دار آپ کا مرید تھا اس نے بہت اکرام سے جہاز میں سوار کرا دیا جس روز ہندوستان کے حدود سے نکلے ہیں شاہجہاں نے خواب میں دیکھا کہ کسی شخص نے چارپائی سے گرا دیا معبروں نے تعبیر دی کہ تمہاری سلطنت کا قطب چلا گیا اب وہ زائل ہونے والی ہے اور وہ قطب سلطنت سید آدم تھے۔ یاد رکھو یہ دنیا جو قائم ہے یہ صرف اللہ والوں سے ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ جب کوئی زمین پر اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا قیامت قائم ہو جاوے گی۔ شاہجہاں بہت خائف ہوا اسی وقت سوار دوڑائے مگر وہ حدود سلطنت سے نکل چکے تھے۔

حکایت مولانا امیر علی صاحبؒ

مولانا امیر علی صاحب جن سے اجودھیا کا معرکہ ہوا ہے جس روز شہید ہوئے اسی روز پارلیمنٹ میں انتزاع سلطنت اودھ کا مشورہ ہوا ہے اور اس سے پہلے ایک صاحب دل نے اسی واقعہ کے متعلق دیوان حافظ میں فال کے طور پر دیکھا تھا تو یہ شعر نکلا

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را چنداں اماں نداد کہ شب راسحر کند

(تو نے دیکھا کہ پروانے کے خون ناحق نے شمع کو اتنی بھی امان نہ دی کہ سب کو سحر کر سکے اور وہ سحر سے پہلے ہی بجھ گئی)

چنانچہ ان صاحب دل نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ اب اس سلطنت کی خیر نہیں ہے چنانچہ حضرت سید آدم رحمۃ اللہ علیہ کے تشریف لے جانے کے بعد ہی سلطنت میں تنزل شروع ہوگیا۔ حتیٰ کہ زائل ہی ہوگئی۔ غرض ایسے لوگ بادشاہوں سے مال تو کیا پاتے اور الٹے بادشاہ ان سے کھٹکتے ہی رہے۔

حکایت امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ

اور حکایت یاد آئی عباسیوں کی سلطنت تھی بادشاہ نے اپنے بیٹے کو کچھ ہبہ کیا تھا دستاویز کو دستخط کرانے کے لئے تمام علماء کے پاس بھیجا چنانچہ سب نے بلا تامل دستخط کر دیئے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی وہ دستاویز آئی حضرت امام صاحب نے فرمایا کہ یہ گواہی ہے اور گواہی بدون مشاہدہ کے جائز نہیں۔ دستخط دیکھ کر شہادت دینا جائز نہیں میں اپنے کانوں سے جب ایجاب وقبول سن لوں گا جب گواہی دوں گا اب اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ یہاں آویں اور میرے سامنے اقرار کریں اور یا میں جاؤں سو مجھ کو تو کوئی غرض نہیں وہ خود ہی یہاں آویں خلیفہ نے جب یہ سنا اسی وقت قاضی کو بلایا اور تحقیق کیا کہ کیا یہ مسئلہ صحیح ہے قاضی نے کہا بے شک مسئلہ تو اسی طرح ہے خلیفہ نے پوچھا کہ پھر تم نے دستخط کیوں کیئے۔ قاضی نے کہا کہ آپ کے خوف کی وجہ سے خلیفہ نے قاضی کو معزول کر دیا اور کہا کہ یہ لوگ قاضی بننے کی قابلیت نہیں رکھتے قاضی بننے کے قابل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں چنانچہ امام صاحب سے درخواست کی گئی کہ آپ قضا قبول فرماویں امام صاحب نے صاف انکار کر دیا۔ اس لئے کہ حکومت کی نسبت حدیثوں میں بڑی وعیدیں آئی ہیں تو امام صاحب نے احتیاط فرمائی کہ مجھ سے حقوق ادا نہ ہوں گے ہاں اگر کسی کو یہ یقین ہو کہ اگر میں قبول نہ کروں گا تو مسلمانوں پر ظلم ہوگا تو ایسے وقت قبول کرنا ضروری ہے ورنہ

قاضی بننا اور حاکم بننا ہے بڑا کام حدیث میں ہے کہ جو شخص قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا' میں ایک حکایت بیان کرتا ہوں اس سے اندازہ ہوگا کہ قضا کیا شئے ہے۔

عہدہ قضاء کی اہمیت

ایک قاضی تھے نہایت متقی پرہیز گار عدل وانصاف میں کوتاہی نہ کرتے تھے جب ان کا انتقال ہونے لگا تو بڑا بیٹا غائب تھا' اپنے چھوٹے بیٹے کو قضا کا اہل دیکھا اس کو قاضی بنا دیا' بڑے بیٹے کو سن کر غصہ آیا کہ میرے ہوتے ہوئے چھوٹے کو قاضی بنا دیا غصہ میں جھلا کر باپ کی قبر اودھیڑی دیکھا کہ ایک دروازہ ہے اس میں داخل ہوا دیکھا کہ ایک بڑا میدان ہے اور مکان ہے اور قسم قسم کا سامان ہے آگے جا کر دیکھا کہ ایک بڑے مکلف تخت پر قاضی صاحب بہت اچھے اچھے کپڑے پہنے ہوئے بیٹھے ہیں مگر داہنی آنکھ میں ایک سانپ چمٹ رہا ہے بیٹے نے پوچھا کہ ابا تمہاری آنکھ میں کیا ہوا کہا کہ بیٹا رمضان کے دن تھے میرے پاس ایک یہودی اور ایک مسلمان کا معاملہ آیا میں نے یہ خیال کیا کہ مسلمان روزہ دار ہے اس کو آنکھ کے اشارہ سے کہہ دیا کہ تم سایہ میں بیٹھ جاؤ مجھ کو اس پر سزا ہوئی کہ دونوں کو برابر کیوں نہیں رکھا۔

حکایت حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ قاضی ہوئے ہیں انتقال کے وقت روتے تھے کہ اے اللہ مجھ سے نا انصافی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ حکم شرعی یہ ہے کہ اگر قاضی کے یہاں خود خلیفہ وقت کا مقدمہ آوے تو قاضی کو چاہئے کہ اپنی مسند چھوڑ دے اور خلیفہ کو وہاں بٹھلا دے لیکن فریق مخالف کو بھی وہاں ہی برابر میں بٹھلانا چاہئے پس امام ابو یوسف روتے تھے کہ اللہ مجھ سے یہ خطا ہوئی کہ میرے یہاں خلیفہ ہارون رشید کا ایک یہودی سے مقدمہ تھا میں نے فریق مخالف کو خلیفہ کے برابر نہیں بٹھلایا حالانکہ ڈگری یہودی کو دی اے اللہ اس کو معاف فرما دیجئے۔ پس ان حکایات سے سمجھ لیجئے کہ قضا کیسی ذمہ داری کا کام ہے اس لئے امام صاحب نے انکار فرما دیا' چنانچہ خلیفہ نے جیل خانہ میں بھیج دیا اور قسم قسم کی سختیاں شروع کیں مگر امام صاحب نے قضا قبول نہیں فرمائی اور جیل خانہ میں ہی وفات ہوگئی۔

سرمایہ اسلام

غرض سلاطین بھی اسی کو پسند کرتے تھے کہ جو ان کے ہم مذاق ہوتا تھا حاصل یہ کہ سلطنت

اسلام میں یہی اللہ والے ہمیشہ بے سروسامان ہی رہے ہیں امرا میں اگر کوئی عالم بھی ہوتا ہے تو عام مسلمان اس کے معتقد نہیں ہوتے اس کو ایک رئیس اور زمیندار سمجھتے ہیں چنانچہ اگر کوئی امیر عالم یہ مسئلہ بیان کرے کہ حربی سے سود لینا جائز ہے اور غریب عالم بھی مسئلہ بیان کرے تو اس امیر کا ہرگز اعتبار نہ کریں گے بلکہ خودغرضی کا شبہ کریں گے کہ اپنے مطلب کے لئے کہتا ہے۔ پس اسلام کا سرمایہ دین ہے مال نہیں ہے ایک کابلی کہتا تھا کہ یورپ کے گوروں سے ہم زیادہ امیر ہیں' ان کی دولت روپیہ پیسہ ہے ہماری دولت **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** ہے۔ واقعی بڑی دولت یہی ہے گو اس وقت یہ دولت نظر نہیں آتی ہے لیکن عنقریب ایک دوسرا بازار کھلنے والا ہے وہاں اس سکہ کی قدر ہوگی' وہاں یہ دنیا کا سکہ نہ چلے گا' اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی بچہ کے پاس ایک شیشہ چمکدار ہے اور وہ اس سے خوش ہے کہ میرے پاس بڑا عمدہ روپیہ ہے اور عاقل کے پاس اصلی روپیہ ہے مگر سیاہ رنگ کا ہے عاقل اس سے کہتا ہے کہ بے وقوف یہ جو تیرے پاس روپیہ ہے یہ بازار میں نہ چلے گا تو اپنے دل میں خوش ہولے کہ سکہ ہے' ہاں میرے پاس جو روپیہ ہے یہ اصلی سکہ ہے' چنانچہ دونوں بازار میں گئے اس بچہ نے وہ شیشہ چمک دمک والا دیا اس کو تو سودے والے نے پھینک دیا اور اس نے جو سیاہ روپیہ دیا تو بنئے نے بیس سیر گیہوں سے اس کی گود بھر دی۔

اصلی سکہ

اسی طرح متاع دنیا ہے کہ آبگینہ کے چمکدار ٹکڑے کی طرح چمک دمک اس میں بہت ہے اور اطفال دنیا اس پر مر رہے ہیں اور **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** ایک اصلی سکہ ہے اور حقیقی دولت ہے گو ظاہری بے سروسامانی کی وجہ سے اہل دنیا کو بے رونق نظر آتی ہے لیکن عنقریب اب دوسرا بازار آنے والا ہے۔ جس کو قیامت کہا جاتا ہے وہاں دیکھ لینا کہ کون سا سکہ چلتا ہے اور کونسی دولت کام آتی ہے اور آپ کو جمہور کی قیامت سے کیا لینا ہے آپ کی قیامت تو اسی روز ہو جاوے گی جس روز آپ یہاں سے رخصت ہوں گے **من مات فقد قامت قیامته** (اتحاف السادۃ المتقین ۹:۱۱' کشف الخفاء ۲:۲۸۶) پس قیامت کبریٰ کو چاہئے آپ دور ہی سمجھیں لیکن آپ کی قیامت تو ابھی عنقریب آنے والی ہے اور جب سے طاعون صاحب آئے ہیں اس وقت سے کسی وقت بھی اطمینان نہیں ہے اس نے طول امل کے سب دعووں کو چھوٹا کر دکھایا ہے بلکہ جوان زیادہ مرتے ہیں ایک ظریف کہتے تھے کہ آدمی جب چالیس سے گزر جاتا ہے پھر اس کو

کوئی خوف نہیں رہتا اب جڑ بندھ گئی وہ یہ لطیفہ اس پر کہتے تھے کہ طاعون میں بڈھے کم مرتے ہیں؛ جوان زیادہ مرتے ہیں۔ جب ہم پڑھا کرتے تھے اور کتابوں میں طاعون کا لفظ آتا تھا تو ہر بار اس کی تحقیق کے لئے لغت کی کتابیں دیکھنا پڑتی تھیں یہی معلوم نہ تھا کہ طاعون کیسا مرض ہوتا ہے اور اب تو ایسا یاد ہوا ہے کہ خدا ہی کرے جو بھولیں۔ غرض پہلے یہ ایک عجیب مرض تھا اور اب معمولی ہو گیا جیسے میرے استاد رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے تھے کہ قاضی نجابت علی خاں رئیس تھانہ بون کو چوتھیہ آیا کرتا تھا تو لوگ دور دور سے تماشا دیکھنے آتے تھے کہ چوتھیہ کیسا ہوتا ہے پہلے امراض کم ہوتے تھے اکثر لوگ تندرست رہتے تھے اس لئے اگر کوئی بیمار ہوتا تھا تو تعجب ہوتا تھا اور اب مریض زیادہ ہیں۔ تندرست کم ہیں اور ایسے ایسے مہلک مرض ہوتے ہیں کہ ہر شخص کو ہر وقت احتمال رہتا ہے کہ شاید میں کل نہ ہوں پس اب تو وہ دن قریب ہے جہاں یہ سکہ چلے گا بلکہ یہ یہاں کا روپیہ پیسہ سب یہاں ہی رہ جاوے گا کوئی ساتھ بھی نہ لے جانے دے گا سب یہاں ہی چھین لیتے ہیں عورتیں جو کہ زیور پر جان دیتی ہیں اور رات دن اس میں مرتی کھپتی ہیں وہاں جانے کے وقت سب زیور اتار لیا جاتا ہے کفن کا چونکہ شریعت نے حکم دیا ہے کہ اس میں میت کا اکرام ہے اس لئے وہ ساتھ جاتا ہے ورنہ یہ حضرات تو کفن میں بھی دریغ کرتے۔

ایک فلسفیانہ شبہ کا جواب

یہاں سے ایک فلسفیانہ شبہ کا جواب ہو گیا وہ شبہ یہ ہے کوئی فلسفی کہہ سکتا ہے کہ اس کفن سے کیا فائدہ اضاعۃ مال ہے اپنا مال جان بوجھ کر خاک میں ملا دینا کون سی عقل کی بات ہے جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے مکرم پیدا فرمایا ہے سو یہ اسکی اہانت ہے کہ ننگے کو دفن کر دیا جائے اور اسی واسطے کفن کے اچھا کرنے کا حکم ہے اگر کوئی کہے کہ آدمی کا اکرام بسبب روح کے ہے اور روح نکل گئی پھر اکرام کیسا اکرام اس جسد کا اس واسطے ہے کہ ایک زمانہ تک روح اس کی مصاحب رہی ہے۔

صحبت کی برکت

اور یہاں سے یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ صحبت وہ شئے ہے کہ اس کی بدولت ناکارہ اور ہیچ شے کے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوتا ہے جو کار آمد اور ذی رتبہ شئے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ پس اس قالب خاکی کا اکرام روح کے ہم صحبت ہونے کی وجہ سے ہے پس تکفین کا حکم شرعی ہے اس لئے با دل ناخواستہ کفن دیتے ہیں ورنہ ہمارے عنایت فرما بے کفن ہی دفن کر دیتے کہ کیوں پیسہ برباد کیا اور

اسی وجہ سے جس چارپائی پر مردہ کو لے جاتے ہیں وہ ایک بہت خراب خستہ کھٹولی ہوتی ہے اس لئے کہ اس چارپائی کو منحوس سمجھا جاتا ہے اس لئے وہ اب گھر میں رکھنے کے قابل تو رہی نہیں لامحالہ کسی کو دے دی جائے گی اس لئے ایسی چارپائی اختیار کی جاتی ہے جو سب سے کم قیمت ہو لیکن ان سے کوئی پوچھے کہ یہ زیور اور جائیداد اور نقد بھی تو مردہ کا ہی ہے ان میں نحوست کیوں نہیں آئی یہ کیوں ہضم کر جاتے ہو یہ سب مضمون اس پر متفرع ہو گئے تھے کہ مردہ کے ساتھ کوئی شئے نہیں جاتی اگر کوئی دولت ساتھ جاتی ہے تو وہ لا الہ الا اللہ ہے غرض مسلمان کی دولت تو یہ ہے باقی ظاہری ساز وسامان یہ زیادہ تر کفار کے حصہ میں ہے اگر مسلمان ہی دنیا میں ذی عزت اور مالدار ہوا کرتے تو لوگ اسی لئے مسلمان ہوتے کہ مال وجاہ حاصل ہوگا اور ابتلاء کی حکمت فوت ہو جاتی۔

ایک پادری کا مسلمان ہونا

میرے پاس کان پور میں ایک پادری آیا کہ میں مسلمان ہوتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ دو سو روپے مجھ کو جمع کر دیئے جاویں میں نے اس سے کہا کہ پادری صاحب آپ مسلمان ہوں یا نہ ہوں یہاں ایک پیسہ نہ ملے گا اگر اسلام کو آپ ذریعہ نجات سمجھتے ہیں تو پھر روپیہ کیسا مسلمان ہو جایئے اور اگر نہیں سمجھتے تو پھر آپ کا اسلام ہی کیا ہے کہ ایک مسلمان شخص نے یہ اعلان کیا تھا کہ میں آریہ ہوتا ہوں ورنہ میرے واسطے ایسی لڑکی اور اس قدر مال جمع کر دو چنانچہ بعض بھولے لوگوں نے تجویز کیا مگر اس کے مادہ کی خباثت اور اسلام کی وقعت تو اسی سے معلوم ہو گئی کہ مذہب کو اس نے دنیوی تمتع کے برابر سمجھا مجھے ایسے لوگوں کے بے دین ہو جانے کا کبھی غم نہیں ہوتا بلکہ اس کی مسرت ہوتی ہے کہ اچھا ہوا نکل گیا ایسے خبیثوں کا اسلام میں رہنا خود اسلام کے لئے موجب ننگ ہے بلکہ اگر ایسے خبیث نہ ہوتے تو اسلام نہایت آب وتاب سے چمکتا' غرض میں نے اس پادری سے صاف کہہ دیا چنانچہ اس نے سن کر کہا کہ صاحب میں تو اسلام کو ذریعہ نجات ہی سمجھ کر مسلمان ہوتا ہوں اور دو سو روپے بطور شرط کے نہیں ہیں بلکہ ضرورت کی وجہ سے میں نے سوال کیا تھا چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا سو اسلام میں مال کیسا بلکہ اس زمانہ میں تو مسلمان ہو کر اور زیادہ پریشان ہو جاتا ہے آج کل جو مسلمان ہو وہ محض اخلاص اور اسلام حق ہی سمجھ کر ہوتا ہے۔

اسلام میں بے نظیر صفائی ونظافت

اور آج کل مال تو کیا ملتا ہماری جہالت سے زیادہ افسوس ناک حالت یہ ہے کہ نو مسلم کی خالی

دلجوئی بھی نہیں کرتے بلکہ تحقیر و دل شکنی سے پیش آتے ہیں' چنانچہ ذلیل سمجھتے ہیں۔ مدراس میں ایک انگریز مسلمان ہوا' ایک روز وہ مسجد میں آیا نالی میں رینٹ وغیرہ دیکھی اس نے کہا نالیاں صاف رکھا کرو اس پر مسلمان اس سے بگڑ گئے کہ یہ مسلمان تو ہو گیا مگر انگریزوں کی صفائی اس سے نہیں گئی حالانکہ یہ محض ان کا جہل تھا۔ اسلام نے اس قدر صفائی سکھلائی ہے کہ کسی مذہب میں بھی وہ صفائی ونظافت نہیں۔ اہل یورپ صفائی صفائی گاتے پھرتے ہیں دیکھئے ان کی صفائی یہ ہے کہ پانی سے آب دست نہیں لیتے' قضاء حاجت کے بعد کاغذ سے صاف کرتے ہیں کاغذ سے قطع نظر بے ادبی کے کیا صفائی ہوتی ہے' غسل کے لئے ان کے یہاں ٹپ ہیں' نجاست لگی ہوئی ہوتی ہے اسی کے ساتھ ٹپ میں گھس جاتے ہیں وہ پانی سب نجس ہو جاتا ہے اسی سے غسل کرتے ہیں۔ اسلام کی صفائی دیکھئے اول ڈھیلے سے صاف کرتے ہیں پھر پانی سے ہفتہ وار حجامت بنوانا موئے زیر ناف کو صاف کرنا اور غسل کرنا' ذرا پسینہ میں بدبو ہو حکم ہے مسجد میں نہ آؤ غسل کر لو کپڑے اگر نئے نہ ہوں پرانے ہی دھولو' عطر لگاؤ۔ اہل یورپ کے یہاں عطر بھی ہے تو وہ بھی سڑا ہوا ہے ہماری شریعت میں ہر شئے کا ایک قانون ہے اگر مفصل بیان کیا جاوے تو طول ہوتا ہے اب ملاحظہ اور موازنہ کر لیا جاوے کہ صفائی ہمارے یہاں ہے یا ان کے یہاں لیکن کیا بات ہے اقبال دنیوی ہے کہ اس کی وجہ سے عیب بھی ہنر نظر آ رہے ہیں غرض اس بے چارہ انگریز نو مسلم کو اس درجہ سختی کی گئی کہ اس کو مسجد سے نکال دیا' وہاں جو رئیس اور عقلمند لوگ تھے وہ اس سے ملے اور کہا کہ یہ لوگ جاہل ہیں آپ کچھ خیال نہ کریں اس نے کہا کہ ہم کو کچھ خیال نہیں ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں ان لوگوں پر ایمان نہیں لائے یہ لوگ جانتے نہیں ہم تحقیق کر کے مسلمان ہوئے ہیں۔ غرض نو مسلموں کے ساتھ یہ معاملات کرتے ہیں اسی واسطے تو بہت سے لوگ باوجود یہ کہ چاہتے ہیں کہ مسلمان ہو جاویں لیکن وہ اسی سے ڈرتے ہیں کہ مسلمان ہو جاویں گے تو ہم ذلیل سمجھے جاویں گے کوئی ہم کو بیٹی نہ دے گا اگر چہ یہ اندیشہ ان کا کوئی عذر نہیں ہے' اگر حقانیت راسخ ہو جاتی تو کوئی شئے بھی مانع نہ ہوتی۔

بارہ اکبر کے پٹھانوں کی مردانگی

بارہ اکبر پور ایک مقام ہے وہاں بڑے بڑے خاندانی پٹھان ہیں' انہوں نے ایک بڑی مردانگی اور ہمت کا کام کیا وہ یہ ہے کہ گجنیر ایک مقام ہے وہاں یہ سنا گیا تھا کہ کچھ لوگ آریہ ہونے والے ہیں ہم لوگ وہاں گئے وہ لوگ برائے نام مسلمان ہیں لیکن تمام رسمیں ہندوؤں

کی سی ہیں حتیٰ کہ نام بھی ہندوؤں کے سے ہیں آریہ ایسے لوگوں کی تاک میں رہتے ہی ہیں ان کو بہکایا وہ آمادہ ہوگئے۔ ہماری ان لوگوں سے گفتگو ہوئی انہوں نے کہا کہ نہ تو ہم آریہ ہیں اور نہ تمہاری طرح مسلمان ہیں اور مسلمان ہونے سے یہ عذر بیان کیا کہ اگر ہم لوگ مسلمان ہو جاویں گے تو ہماری شادی بیاہ کہاں ہوں گے اب ہم اس کا جواب کیا دیتے۔ اکبر پور کے پٹھانوں نے کہا کہ ہم تم کو اپنی بیٹیاں دیں گے، وہ لوگ راجپوت تھے راجپوت بھی شریف قوم ہے لیکن تاہم ان خانصاحبوں نے بڑے دل گردے کی بات کہی اور ان کی ہمت پر آفریں ہے مگر وہی کچیا گئے۔ الحمدللہ کہ مسلمان لاجواب نہیں ہوئے قیامت میں ان کے پاس کوئی عذر نہ رہا۔

عزت اور قدر و منزلت کے مالک حقیقی

میں یہ مضمون بیان کر رہا تھا کہ مسلمان ظاہراً بے سروسامان ہیں اور کفار کو بظاہر عزت اور غلبہ ہے تو بظاہر شبہ ہوتا ہے اس کا میں نے جواب دیا تھا کہ لام ملک ہے تو مطلب یہ ہے کہ عزت اللہ کی ملک ہے اور تدبیر اس کے حاصل کرنے کی اطاعت ہے اسی پر کلام طویل ہوگیا تھا ابھی اصل مقصود بیان نہیں ہوا لیکن مقصود کی تعیین ہوگئی اور حاصل اس کا دو مضمون ہیں اول تو یہ کہ عزت اور غلبہ کی تحصیل میں غلطی کا عام ہونا دوسرے یہ کہ اس کے حاصل کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے ان دونوں کے متعلق مختصراً عرض ہے کہ یہ سب کہتے ہیں کہ عزت اور ترقی حاصل کرنا چاہئے اور اس کے ساتھ ہی علماء پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ علماء ترقی کے مانع ہیں میں کہتا ہوں کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ عزت حاصل کرنا چاہئے اور علماء اس کے مانع نہیں ہیں اور علماء کیسے مانع ہوتے ہیں جس شئے کو قرآن و حدیث ثابت کرتے ہیں اس کو کونسا مولوی مٹانے والا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ یعنی (اللہ ہی کے لئے ہے عزت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور مومنین کے لئے۔)

علماء ترقی سے مانع نہیں

بھلا جس شخص کا اس آیت پر ایمان ہوگا وہ کیسے اس کی نفی کرے گا، پھر علماء پر الزام کیسا بات یہ ہے کہ ان کی پوری طرح سنتے تو ہیں نہیں بے سوچے سمجھے ہانک دیا کہ علماء ترقی سے روکتے ہیں۔ صاحبو علماء ترقی سے مانع نہیں ہیں۔ علماء جو طالبان ترقی پر اعتراض کرتے ہیں وہ نفس ترقی کی طلب پر نہیں کرتے ہیں بلکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ آپ لوگ اس کو غیر طریق سے حاصل کر رہے

ہیں۔ طریق یہ نہیں ہے اگر کوئی پشاور جانا چاہے اور ٹکٹ لے لے کلکتہ کا اور اس کو کوئی اس کی غلطی پر آگاہ کرے تو وہ پشاور جانے کا اور ریل میں سوار ہونے کا مخالف نہیں بلکہ طریق کے اندر مخالفت کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ رستہ یہ نہیں ہے۔ پشاور کو دوسری گاڑی جائے گی اس کا ٹکٹ لو وہ تم کو پشاور پہنچائے گی اور یہ گاڑی پشاور نہیں پہنچائے گی میرے ایک ہم وطن اسٹیشن سہارن پور سے میرٹھ جانے والے لکھنو جانے والی گاڑی میں غلطی سے سوار ہو گئے۔ اتفاق سے میں بھی لکھنو جا رہا تھا عین روانگی کے وقت تو ان سے کوئی بات ہوئی نہیں اس لئے کہ خیال ہوا کہ یہ تو گاڑی میں موجود ہیں ہی ان سے باطمینان بات کروں گا جو لوگ مجھ کو پہنچانے کے لئے آئے تھے ان سے باتیں کرتا رہا جب ریل چھوٹ گئی اب میں ان کی طرف متوجہ ہوا میں نے پوچھا کہ آپ کہاں جائیں گے کہنے لگے کہ میرٹھ میں نے کہا کہ ممکن ہے کہ آپ میرٹھ جائیں مگر یہ گاڑی میرٹھ نہ جائے گی یہ تو روڑکی ہوتی ہوئی سیدھی لکھنو پہنچے گی یہ سن کر تو بہت چکرائے اور سردی کا موسم تھا ان جنٹلمینوں کو یہ بھی مرض ہے کہ کپڑا ساتھ نہیں لیتے اور رضائی اور روئی دار انگرکھا پہننے کو خلاف تہذیب سمجھتے ہیں بیک بینی و دو گوش ہی سفر کرتے ہیں ایسے ہی وہ بھی تھے خیر روڑکی وہ اترے پھر وہاں سے اخیر شب میں میرٹھ پہنچے۔ پس دیکھئے میں ان کے ریل میں سوار ہونے کا اور میرٹھ جانے کا مخالف نہیں تھا بلکہ گفتگو یہ تھی کہ آپ نے طریق میں غلطی کی پس علماء کو اگر کہیں طالبان ترقی پر اعتراض کرتے ہوئے سنا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ترقی کے مخالف ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ جس طریق سے آپ ترقی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں طریق اس کا یہ نہیں ہے۔

ترسم کہ نہ رسی بکعبہ اے اعرابی کیں رہ کہ میروی بہ ترکستان است

(اے اعرابی مجھے خوف ہے کہ تو کعبہ نہ پہنچ سکے گا کیونکہ یہ راہ جو تو طے کر رہا ہے یہ تو ترکستان کو جاتا ہے)

علماء کی مثال

طریقہ اس کا وہ ہے جو مولوی بتاتے ہیں اور مولوی کیا بتاتے ہیں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بتایا ہے وہ طریقہ ہے مولوی بے چارے تو سرکاری حکم کی منادی کرنے والے ہیں، منادی کرنے والے سے اگر کوئی معارضہ اور مناظرہ کرے تو وہ یہی کہے گا کہ میں تو منادی کرنے والا ہوں مجھ سے گلخپ نہ کرو ایسی مثال ہے جیسے چپڑاسی سمن لایا اور اس سے کوئی مباحثہ کرنے لگے تو ایسے شخص پر دو جرم قائم ہوں گے ایک تو تعمیل نہ کرنے کا دوسرے سرکاری آدمی سے مقابلہ کرنے کا پس یاد رکھو کہ یہ

علماء سرکاری آدمی ہیں ان سے منازعت کرنا سخت جرم ہے۔ غرض طریق ترقی کا وہ نہیں ہے جو آپ لوگوں نے اختیار کیا ہے۔ ترقی اور عزت حاصل کرنے کی ضرورت تو مسلم ہے لیکن طریق یہ نہیں ہے اب میں اس کو بیان کرتا ہوں مگر اس کی تحقیق کے لئے اول یہ سمجھئے کہ عزت حاصل کرنے کے لئے غرض کیا ہے اور وہ کیوں ضروری ہے سو لوگ تو ترقی اور عزت کے طالب ہیں کہ اس کی غرض محض بڑا بننا ہے مگر میں اس کی اصل وجہ بیان کرتا ہوں کہ اس کی کس لئے ضرورت ہے۔

جاہ و منزلت کی منفعت و مضرت

اصل یہ ہے کہ عقلی طور پر انسان کو دو چیزوں کی ضرورت ہے منافع کو حاصل کرنا اور مضرات سے بچنا آدمی جو کچھ کرتا ہے اس کی غایت صرف یہی ہوتی ہے کہ یا تو نفع کی تحصیل ہو یا مضرت کا دفع مثلاً کھانا کھاتا ہے تا کہ بھوک کے ضرر سے بچے اور قوت کی منفعت حاصل ہو دوا کرتا ہے تا کہ مرض دور ہو اور صحت حاصل ہو غرض جو کچھ کرتا ہے یا تو جلب منفعت کے لئے یا دفع مضرت کے لئے اور دوسرا قاعدہ عقلی یہ سمجھو کہ ضروری چیزوں کے طریقے بھی ضروری ہوتے ہیں۔ پس جلب منفعت اور دفع مضرت جس طریقہ سے حاصل ہو وہ بھی ضروری ٹھیرا سو طریقہ اس کا یہ ہے مال و جاہ کا حاصل کرنا مال تو اصل میں منافع کی تحصیل کے واسطے ہے اور جاہ اصل میں دفع مضرت کے واسطے ہے گو کبھی کبھی جاہ سے خطرہ میں بھی پڑنے کا احتمال ہے لیکن وہ بحیثیت جاہ ہونے کے خطرہ کا سبب نہیں ہوتی اس لئے کہ جاہ فی حد ذاتہ خطرات سے بچانے والی ہے بلکہ سبب وقوع فی الخطرہ کا قلت جاہ ہوتی ہے مثلاً بعض بڑے لوگوں کے کچھ دشمن ہو گئے اور ایذاء پہنچایا تو یہ ایذاء جاہ کے سبب سے نہیں ہوئی جاہ کے محدود ہونے کی وجہ سے ہے اگر غلبہ پورا ہوتا تو اس کا کوئی کچھ نہ بگاڑ سکتا اسی واسطے حق تعالیٰ کا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ غلبہ اور عزت غیر محدود اور کامل درجہ میں ہے لیکن تاہم جاہ ہی ایسی شے ہے جو بہت سے مصائب اور خطرات سے آدمی کو بچاتی ہے مثلاً اب ہم اطمینان سے بیٹھے ہیں کوئی ہم کو ذلیل نہیں کر سکتا' بیگار میں نہیں پکڑ سکتا تو اس کا سبب کیا ہے یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عزت عطا فرمائی ہے بخلاف ان لوگوں کے جن کو عزت حاصل نہیں ہے پولیس نے حکم دے دیا کہ دس چماروں کو بیگار میں پکڑ لاؤ بے چارے چار نا چار آتے ہیں پس جاہ اور عزت کی غرض مضرت سے بچنا ہے اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ عزت اور مال دونوں مطلوب اور ممدوح ہیں مہروب عنہ اور مذموم نہیں ہیں اور جو مال و جاہ کی مذمت کرتے ہیں ان کا عنوان تعبیری مختصر ہوتا ہے

مقصود مذمت کرنا حب مال اور حب جاہ کا ہے اور جب بھی وہ جو حق تعالیٰ کی محبت سے بڑھی ہوئی ہو کہ ان کی ہوس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو بھی پس پشت ڈال دے چنانچہ ارشاد ہے قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُنِاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۔ (ترجمہ:۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو' تم کو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم (سزائے ترک ہجرت) کا بھیج دیں سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ مذموم اور منہی عنہ نہ مال ہے نہ جاہ اور نہ حب مال وحب جاہ۔

مال و جاہ کس وقت مذموم ہے

بلکہ مال اور جاہ کی حب مفرط ہے جو اللہ کی یاد سے غافل کردے اور اس کے مقابلہ میں دین کی بھی پرواہ نہ رہے مثلاً مال کی دھن میں ایسا پڑے کہ حرام وحلال کی بھی پرواہ نہ رہے عزت اور آبرو کی ایسی حفاظت کرے کہ دین رہے یا جائے مگر بات نہ جائے جیسے ایک شخص ریل میں سوار تھے۔ انہوں نے نماز نہ پڑھی اور کہتے تھے کہ میں نے نماز اس لئے نہ پڑھی کہ ہندوؤں کا مجمع تھا اگر ان کے سامنے نماز پڑھتا تو وہ یوں کہتے کہ کیا اٹھک بیٹھک کرتا ہے اور اس سے اسلام کی اہانت ہوتی استغفر اللہ۔ یہ اس شخص کا گمان فاسد تھا اگر وہ نماز پڑھتا تو زیادہ عزت ہوتی' ایک وزیر اعظم ریاست بھوپال کی حکایت ہے کہ کسی بڑے حاکم کا لکچر ہو رہا تھا' نماز کا وقت آ گیا بڑے بڑے امراء وزراء شریک تھے ان میں نمازی بے نمازی سب قسم کے تھے یہ سمجھے کہ یہاں سے اٹھنا بڑی سبکی کی بات ہے اس لئے سب ساکت بیٹھے رہے۔ وزیر صاحب نے کھڑے ہو کر کہا کہ حضور نماز کا وقت آ گیا ہے ہم نماز پڑھیں گے۔ حاکم نے بہت خوشی سے کہا کہ ضرور پڑھ لیجئے وزیر صاحب جب کھڑے ہوئے اور لوگ بھی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے دربار ہی میں بڑے شان وشوکت سے نماز با جماعت ہوئی دیکھئے عزت یہ ہے' آج کل یہ حالت ہے کہ گو دین جاتا رہے مگر ہماری آبرو وعزت مزعومہ میں فرق نہ آنے پاوے ہماری آمدنی میں فرق نہ آنے پاوے چنانچہ مختلف تدبیروں سے خواہ وہ جائز ہو یا ناجائز کوئی مال بڑھا رہا ہے' کوئی جائیداد کی زیادتی کی فکر میں ہے عورتیں زیور کے بڑھانے کی فکر میں ہیں اسی طرح جاہ کو مختلف تدبیروں سے حاصل کرتے ہیں اور اس کو ریاست سمجھتے ہیں۔

ظلماً ارزاں شئے خریدنا ریاست نہیں

آج کل کی ریاست کا حاصل کیا ہے کہ اپنے دباؤ اور زور سے غریبوں پر ظلم کرنا کسی کی گھانس چھین لی، کسی کی زمین دبالی، قصابوں سے گوشت سستا خرید لیا ہمارے یہاں جو زمیندار ہیں ان کے یہاں گوشت سستا آتا ہے چنانچہ ہمارے گھر ہی قصائی غریبوں کے نرخ سے کچھ ارزاں دیتے تھے میں نے ایک روز قصاب کو بلایا اور پوچھا کہ ہمارے یہاں تم گوشت غریبوں کے بھاؤ سے کیوں نہیں دیتے اور اس کی کیا وجہ ہے۔ قصابوں نے کہا کہ آپ مولوی صاحب ہیں میں نے کہا کہ بس میری مولویت کا نرخ چار پیسہ ہوا، سچ سچ ایمان سے بتلاؤ کہ اگر میں باوجود مولوی صاحب ہونے کے اس قوم میں نہ ہوتا بلکہ کسی غریب قوم میں ہوتا جب بھی تم اسی نرخ سے دیتے، قصابوں نے کہا کہ حضور آپ کے سامنے مکروفریب کہاں چلتا ہے، سچی بات یہ ہے کہ اس وقت تو ہم اس بھاؤ نہ دیتے۔ میں نے کہا کہ ایسا گوشت کھانا حرام ہے۔ ہم کو تم جولاہوں اور تیلیوں کے نرخ سے دیا کرو تو ہم لیں گے ورنہ آج سے گوشت کھانا چھوڑ دیں گے، قصابوں نے بڑا اصرار کیا میں نے ہرگز نہ مانا اس روز سے ہمارے یہاں دو آنہ سیر گوشت آتا ہے صاحبو! یہ ظلما: ارزاں گوشت خریدنا ریاست نہیں ہے اس ریاست کی حقیقت عنقریب معلوم ہو جائے گی یہ حق تعالیٰ کی اس امت پر رحمت ہے کہ یہاں کھلم کھلا سزا نہیں ہوتی۔

بنی اسرائیل کا قصہ

امم سابقہ میں جو کوئی گناہ کرتا تھا وہ دروازہ پر لکھا جاتا تھا یا فوری سزا ہو جاتی تھی۔ چنانچہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا اس نے ایک مچھلی فروش سے مچھلی کا سودا کیا، وہ زیادہ مانگتا تھا یہ کم دیتا تھا جب وہ راضی نہ ہوا اس نے وہ مچھلی اس سے چھین لی اور گھر لا کر بیوی کو کہا کہ اس کو مسلم گھی میں تلو، چنانچہ وہ مسلم پکائی گئی جب کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا وہ مچھلی زندہ ہو گئی اور اس نے انگلی میں کاٹ کھایا اور تمام ہاتھ میں آگ لگ گئی۔ ڈاکٹروں نے تجویز کیا کہ بغیر ہاتھ کے کاٹے ہوئے یہ درد و سوزش کم نہ ہوگی چنانچہ وہ ہاتھ کاٹ دیا گیا وہ سوزش آگے بدن میں سرایت کر گئی پھر تو بہت پریشان ہوا اور کسی اہل دل کے پاس گیا اور اس سے مچھلی کا سب قصہ بیان کیا اس نے کہا کہ اس کو تلاش کر کے قصور معاف کراؤ تو سکون ہوگا، چنانچہ وہ مل گیا ادھر اس نے قصور معاف کیا ادھر درد و سوزش جاتا رہا جب

رات کو سو کر صبح کو اٹھا دیکھا تو پورا ہاتھ موجود ہے، ظلم اور حق العبد خواہ کتنا ہی تھوڑا ہو اس کو کم نہ سمجھا جاوے اور یہ گمان نہ کریں کہ پیسہ دو پیسہ کے عوض ہم دوزخ میں نہ جاویں گے۔ درمختار میں لکھا ہے کہ تین پیسہ کے عوض میں سات سو نمازیں مقبول چھن جاویں گی جیسے مدیون کے مال کی یہاں قرقی اور نیلام ہوتا ہے، وہاں بھی اسی طرح قرقی اور نیلام ہوگا ایسے بڑے خطرہ کے ہوتے ہوئے ایک موہوم عزت کی رعایت کرنا کون سی عقل کی بات ہے بعض لوگ اسی ریاست و حقوق کی حفاظت کے لئے مزارات پر جو مرغ چڑھایا جاتا ہے وہ بھی لیتے ہیں تاکہ حقوق قدیمہ میں فرق نہ آوے۔

سستا گوشت خریدنے کا ایک حیلہ

بعض رئیس مولویوں نے سستے گوشت کے حلال ہونے کا ایک حیلہ نکالا ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگ ہماری زمین میں چراتے ہیں تو گو یا گھانس روکنا جائز نہیں لیکن زمین تو ہماری ملک ہے، ہم اس میں آنے نہ دیں گے۔ شریعت نے اس کا جواب دیا ہے وہ یہ ہے کہ بے شک زمین تمہاری ملک ہے اور تم کو نہ آنے دینے کا بھی اختیار ہے مت آنے دو لیکن گھانس چونکہ مباح الاصل ہے اس لئے تم خود اس کو کاٹ کر دو جیسے کسی کا رومال کسی کے گھر میں اڑ کر جا پڑے تو یا تو اس کو اجازت دو کہ وہ اپنا رومال اٹھالے اور یا تم خود اس کو دو صاحبو گھانس کی حقیقت ہی کیا ہے کہ اس کے عوض تم گوشت سستا لیتے ہو ایک ذرا سی مقدار کے واسطے کیوں سزائے آخرت خریدتے ہو بہت سے بہت پانچ روپیہ سال زائد صرف ہوں گے، پانچ روپے کے لئے کیوں دین برباد کرتے ہو

زر و نقرہ چیست تا مفتوں شوی چیست صورت تا چنیں مجنوں شوی

(یہ سونا چاندی کیا ہے جس پر تو عاشق ہوا جاتا ہے اور یہ رنگ و خون کی صورتیں کیا حقیقت رکھتی ہیں جن پر تو پاگل ہوا جاتا ہے)

خصوص اس وجہ سے کہ ظلم کا انجام ہمیشہ خراب ہوتا ہے میرے پاس اگر کوئی گوشت یا گوشت میں پکی ہوئی شے بھیجا کرتا ہے تو میں کھاتے ہوئے ڈرا کرتا ہوں اور جن گھروں کا حال مجھے معلوم ہے کہ ان کے یہاں گوشت سستا آتا ہے ان کے گھر کی ایسی شے واپس کر دیتا ہوں۔ اور یہ تقویٰ نہیں ہے تقویٰ کا تو بڑا درجہ ہے یہ فتوے ہے اس لئے کہ قوی شبہ کے موقع پر تحقیق کرنا واجب ہے بعض لوگ یہ تاویل کرتے ہیں کہ قصائی ہمارے گھروں میں رہتے ہیں ہم کرایہ نہیں لیتے اگر گوشت میں وہ ہمارے ساتھ رعایت کر دیں تو کیا حرج ہے یاد رکھو کہ اس

طرح یہ بھی ناجائز ہے اس لئے کہ یہ اجارہ کی صورت ہے اور فاسد البتہ ایک صورت سے یہ حلال ہو سکتا ہے اور اس میں تھوڑی سی ترمیم کی ضرورت ہے۔ وہ یہ ہے کہ شرع میں ہر شئے کا ایک قانون ہے جیسے گورنمنٹ کے قوانین ہیں یہ قانون الٰہی ہے کوئی شے بے قاعدہ نہیں۔

کرایہ کا قانون

کرایہ کا قانون یہ ہے کہ اجرت گول مول نہ رہے جو کرایہ ٹھہرے معین اور معلوم ہو جیسے ایک گاڑی تم کرایہ کرو تو یہ جائز نہیں کہ یوں کہہ دو کہ مناسب کرایہ دے دیں گے اول معین کرلو کہ دو روپیہ دیدیں گے اور صرف اتنا بھی کافی نہیں بلکہ دونوں کی آزادی بھی بحالہ رہنا چاہئے بعض رئیس کہہ دیتے ہیں کہ فلاں جگہ تجھ کو چلنا پڑے گا اور تجھ کو ایک روپیہ ملے گا وہ بے چارہ ان کے زور کی وجہ سے کچھ نہیں بولتا یاد رکھو کہ جب تک وہ دل سے راضی نہ ہو جائز نہیں ہے ورنہ وہی مثال ہوگی کہ ایک طالب علم کہتے تھے کہ میرا ایک شہزادی سے نکاح ٹھہرا ہے آدھا تو ہو گیا ہے آدھا باقی ہے۔ میں تو راضی ہوں وہ راضی نہیں ہے بس تم یہ کرو کہ مکان کا کرایہ ٹھہرالو مثلاً پانچ روپیہ سال کرایہ ہے اور اس پانچ روپیہ کا جس قدر گوشت آوے اور جس نرخ پر وہ آزادی سے راضی ہوں ان سے لے لو اور ان سے کہہ دو کہ مہینے میں ہم کو اتنے گوشت کی ضرورت ہوگی یا یہ کرو کہ دو سیر کے حساب سے گوشت لو اور ایک آنہ تو نقد دے دیا کرو اور بقیہ کو کرایہ میں کاٹ دو اور اس کا حساب لکھتے رہو جب کرایہ ختم ہو جاوے تو پھر پورے دام سے لینے لگو۔

درختوں پر پھل آنے سے پہلے بیع باطل ہے

دیکھئے اس صورت میں کوئی اشکال نہیں مقصود حاصل ہے صرف تھوڑے سے لفظوں کا خرچ ہے مگر لوگوں کو اس میں بھی سستی ہے اسکی ایک اور نظیر یاد آئی کہ وہاں بھی ذرا لب ہلانے سے حرام سے بچ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ آج کل آم جو بک رہے ہیں یہ حرام اس لئے کہ پھل آنے سے پہلے ثمار کی بیع بیع باطل ہے کہ نہ خریدار کو جائز اور جو آئندہ لوگ اس سے خریدیں نہ ان کو خریدنا جائز ہے میں نے اس کی صورت یہ بیان کی تھی کہ جب پھل آجاوے اور بڑھنا ختم ہو جاوے بائع اور مشتری جمع ہوں اور بائع کہے کہ میں نے اتنی رقم میں تمہارے ہاتھ یہ پھل فروخت کر دیا اور مشتری کہے کہ میں نے خرید لیا اور جتنی رقم پہلے ٹھہری تھی خواہ وہی رکھے مگر زبان سے اب یہ الفاظ دونوں آدمی کہہ دیں اس سے آئندہ بھی لوگوں کو اس پھل کا خریدنا جائز

ہو جاوے گا اور بیع باطل نہ رہے گی۔ لیکن ایسی کم ہمتی ہے کہ اتنا بھی نہیں ہو سکتا بس ان لوگوں کا مقصد تو یہ ہے کہ ہم تو اپنا طرز عمل نہ بدلیں ہاں شریعت ہمارے موافق ہو جاوے۔

شریعت موم کی ناک نہیں

تو صاحبو! شریعت موم کی ناک نہیں کہ جدھر جی چاہو موڑ و تم خود اگر اپنی فلاح دنیوی و اخروی چاہتے ہو تو اتباع کرو' غرض جب عزت کے مقابلہ میں دین کی پرواہ کی تو کیا عزت ہے ہاں یہ بھیڑیئے کی سی عزت ہے ابھی اگر بھیڑیا آ جاوے تو سب کھڑے ہو جاویں خواہ وہ یہ سمجھے کہ میری تعظیم کو کھڑے ہوئے واللہ ان امراء اور ظالموں کی ایسی ہی عزت ہے کہ لوگ اپنے بچاؤ کی وجہ سے ان سے ڈرتے ہیں ورنہ دل سے تو کوستے اور گالیاں ہی دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس کو غارت کرے' تباہ کرے۔ عزت ہے اللہ والوں کی کہ ان کے لئے جان تک فدا کرنے کے واسطے لوگ حاضر ہیں پس حقیقی عزت یہ ہے کہ دلوں پر قبضہ کرے اور دلوں پر سکہ جمائے سو ایسی عزت اللہ والوں کی ہے یہ بیان تو مردوں کے متعلق تھا۔

تمام رسوم کا مغز

عورتیں بھی اس بلا میں مبتلا ہیں کہ وہ بھی عزت و آبرو کے خیال میں ایسی منہمک ہیں کہ دین کی پرواہ نہیں چنانچہ تقریبات کی تمام رسوم کا مغز یہی ہے کہ کہیں ہماری آبرو میں فرق نہ آ جاوے اور مرد بھی ان رسوم میں ان کے لئے ایسے تابع ہو جاتے ہیں کہ کوئی کام بغیر ان کی اجازت اور مرضی کے نہیں کرتے کان پور میں ایک شخص کے یہاں بارات آئی اب اس کو ٹھہراتے نہیں گھر سے جب فتویٰ آیا کہ ٹھہرا دو اس وقت ٹھہرائی اور ہر امر میں دروازہ پر جا کر کہتے ہیں کہ فلاں کی اماں یہ بات کیوں کر ہوا کرتی ہے ان تقریبات میں فضول روپیہ الگ برباد ہوتا ہے۔

فضول خرچی کا انجام

ان رسوم کی بدولت قرض ہو جاتا ہے جائیدادیں نیلام ہو جاتی ہیں بہت سے گھر مسلمانوں کے اسی میں برباد ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ سود بڑھتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ جائیداد گھر نیلام ہو جاتی ہیں اگر ایسا بھی کیا کریں کہ جائیداد بیچ کر قرض ادا کر دیں اور سود نہ بڑھاویں تو اس صورت میں جتنی جائیداد باقی ہے وہ تو سالم رہے لیکن پھر ریاست کہاں رہے۔ قرض تو اب لوازم ریاست سے ہو گیا ہے۔ میرے ایک دوست ہیں انہوں نے سترہ سو روپیہ قرض لئے تھے آمدنی بھی ان کی اچھی

تھی، چھیانوے ہزار روپیہ سالانہ کا ان کے یہاں کاغذ بنتا تھا تو سترہ سو کی کچھ حقیقت نہ تھی لیکن ادا کرنے میں تساہل کیا اور اس تساہل کی وجہ یہ ہوئی کہ اپنی زور آوری ریاست کے دبدبہ میں دیتے نہیں اور بنئے بھی مانگتے نہیں ان کا تو بڑھتا ہے بلکہ اگر دیتے بھی ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ شیخ صاحب ابھی جلدی کیا ہے آجائے گا۔ آخر نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ بڑے بڑے خاندانی رئیسوں کی اولاد ان ہی مہاجنوں کے یہاں چار چار روپیہ کی خدمت گاری کرتے ہیں دیکھو یہ نہ دینا کہاں تک نوبت پہنچا دیتا ہے اور غضب یہ ہے کہ اس نہ دینے کو فخر بھی سمجھتے ہیں اور تعجب زیادہ یہ ہے کہ شادی بیاہ میں تو فخر کرتے ہی ہیں موت میں بھی تو فخر کرتے ہیں کہ چہلم ایسا کرو کہ لوگوں میں نام ہو جاوے۔ بات یہ ہے کہ ہمارے دن فلاح کے گزر گئے ہیں اور تباہی کے دن آئے ہیں اور دوسری قوموں کی یہ حالت یہ ہے کہ خرچ کرنے میں بڑے منتظم ہیں اپنا روپیہ فضول برباد نہیں کرتے بلکہ فضول تو کیا ضرورت میں بھی خرچ نہیں کرتے ہیں۔ میں بنارس گیا تھا دل میں آیا کہ ذرا بنارس کی سیر کریں ایک یکہ کرایہ کیا راہ میں یکہ والے سے باتیں ہونے لگیں۔ اس یکہ والے نے بیان کیا کہ یہاں بنارس میں کروڑ پتی بنئے ہیں۔ مگر کھانا ایک وقت کھاتے ہیں اور دوسرے وقت چبینہ چباتے ہیں خیر اتنی کنجوسی تو بری ہے لیکن اسراف سے تو بچنا چاہئے۔ غرض اس سترہ سو کے چالیس ہزار ہو گئے۔ اب یہ حالت ہے کہ تجارت کا کارخانہ بند ہے گھر میں فاقے گزر رہے ہیں اور جو شخص ہمیشہ تنعم میں رہا ہو اور پھر اس کی یہ حالت ہو جائے ایسے شخص کو بڑی مشکل ہے۔ مقاصد حسنہ میں ایک حدیث لکھی ہے **ارحموا ثلثه عزیز قوم ذل امیر قوم افتقر و عالم یلعب به الجهال (الفقیه و المتفقه للخطیب البغدادی ۱ : ۴۳)** ۔یعنی تین آدمی رحم کے قابل ہیں ایک کسی قوم کا معزز آدمی جو ذلیل ہو جائے دوسرے کسی قوم کا امیر جو فقیر ہو جائے تیسرے وہ عالم جس کے ساتھ جہلا تمسخر کریں۔ امیری کے بعد جو جو مسکنت ہوتی ہے وہ سخت تکلیف کا باعث ہوتی ہے یہ سب فضول خرچی کا نتیجہ ہے ہمارے ماموں صاحب کا شعر ہے۔

ہے شرافت تو کہاں بس شر و آفت ہے فقط ست ریاست سے گیا صرف ریا باقی ہے

مکار فقیہ کی حکایت

واقعی اب تو دکھاوا ہی رہ گیا ہے، خول رہ گیا مغز ل نکل گیا اس کی مثال میں ایک مکار فقیہ کی حکایت یاد آ گئی جو مثنوی میں مذکور ہے کہ وہ ایک بڑا بھاری عمامہ باندھ کر نکلا ایک چور نے دیکھا اس کو طمع ہوئی پیچھے ہولیا۔ موقع کا منتظر تھا کہیں تنہا گلی ملے تو لے کر بھاگوں بہت دیر کے بعد ایسا موقع ملا اور اچک کر

بھاگا فقیہ نے کہا کہ میں تجھ سے واپس نہیں مانگتا تو ذرا اس کو کھول کر دیکھ۔ لے کھولا تو اندر سے چیتھڑے گدڑے نکلے کہنے لگا کہ لعنت خدا کی تجھ سے مجھے تو یہ لالچ ہوا کہ تیرے عمامہ کا تمام کپڑا ایسا ہی ہوگا جیسی اوپر کی تہہ ناحق ہی اتنا وقت صرف ہوا پس ہماری ریاستیں اور تمول بھی ایسا ہی رہ گیا ہے۔ لیکن ہم کو اب بھی ہوش نہیں آتا ہمارے یہاں ایک نواب بے ملک تھے ایک وقت ہم نے ان کا یہ دیکھا ہے کہ پانچ روپے نوکر کو دیئے کہ جلیبیاں لے آؤ جب وہ سامنے آئیں تو ناپسند ہوئیں حکم دیا کہ ڈال دو بیلو کے سامنے اور دس روپے اور دیئے کہ ان کی اور عمدہ لے آؤ غرض اسی طرح سب اڑا دیا۔ بھیک مانگنے لگے میں نے ان کی دو حالتیں دیکھی ہیں۔ غرض یہ سب تباہیاں رسموں میں فضول خرچی کی وجہ سے ہیں جو کبھی تحصیل عزت کے لئے کبھی حظ نفس کے لئے کی جاتی ہیں۔

تقریبات میں مستورات کا بے جا اسراف

اور دوسرا طریقہ عورتوں کے نزدیک عزت حاصل کرنے کا یہ ہے کہ تقریبات میں جہاں جاویں گی بن ٹھن کر جاویں گی اگر اپنے پاس نہ ہوگا تو زیور دوسرے سے مانگ کر پہنے گی یہ ممکن نہیں کہ جس حیثیت سے گھر میں رہتی ہیں اسی طرح چلی جاویں میں کہتا ہوں کہ جب آپس میں ایک کو دوسرے کا پورا حال معلوم ہے کہ اس حیثیت کی ہے تو اس دکھاوے سے کیا فائدہ ہے۔ پھر ایک دوسرے کو دیکھ کر حرص پیدا ہوتی ہے اور آ کر اپنے خاوندوں سے فرمائش کرتی ہیں کہ دیکھو فلاں شخص غریب ہے اس کی بیوی کے پاس اتنا زیور ہے اور تم باوجود یکہ امیر ہو میرے لئے زیور نہیں بنواتے میں اسی واسطے کہا کرتا ہوں کہ عورتوں کو بلا ضرورت شدیدہ جمع ہی نہ ہونے دیں گو عورتیں میری اس رائے اور مشورہ سے خفا تو ہوں گی لیکن جب اس پر عمل کریں گی تو اس وقت قدر کریں گی نشتر جب لگتا ہے اور مسہل دیا جاتا ہے تو تکلیف تو بہت ہوتی ہے لیکن بغیر اس کے مادہ نہیں نکلتا اور بلا ضرورت کے معنے یہ ہیں کہ تقریبات میں جمع نہ ہوں اور ضرورت وہ ہے جس کو شریعت ضرورت قرار دے جیسے وعظ کی مجلس یا اپنے عزیزوں سے ملنا اور اس بلا ضرورت جمع ہونے کے مفاسد کھلی آنکھوں نظر آتے ہیں، نمازیں برباد ہوتی ہیں بے پردگی وہاں ہوتی ہے ایک دوسرے کو دیکھ کر حرص اور طمع کے مرض میں مبتلا ہوتی ہیں کیونکہ ہر عورت ہر عورت کا سراپا سب زیور اور سب لباس ایک نگاہ سے دیکھنا ضروری سمجھتی ہے عورتوں کو اس بارہ میں بڑا کمال ہے۔ بس ایک نظر کسی کو دیکھ لیں پھر اس کا کچہ چٹھہ پوچھ لیجئے فوراً پٹ پٹ بتلا دیں گی کہ پاجامہ ایسا تھا گلے میں

فلاں زیور تھا ہاتھوں میں یہ تھا' غرض کہیں جا کر چین سے نہیں بیٹھتیں بلکہ ایک دوسرے کو تاکتی ہیں کہ دیکھیں اس کے پاس زیور زیادہ ہے یا میرے پاس' میں بڑی ہوں یا یہ اگر کسی کے پاس کوئی زیور زائد دیکھا اور اپنے پاس وہ نہیں مثلاً کرن پھول دیکھ لئے بس آ کر خاوند سے فرمائش کر دی کہ ہم کو بھی ایسے ہی بنوا کر دو میاں بھی ایسے ہی کاٹھ کے الو ہیں کہ جس طرح بی صاحبہ نچاتی ہیں ناچتے ہیں۔ چنانچہ رشوت کر کے' ظلم کر کے روپیہ جمع کر کے بیگم صاحبہ کی فرمائش پوری کرتے ہیں اس لئے کہ حلال آمدنی اتنی کہاں ہے جو ایسے لغو اور بے ہودہ فرمائشوں کو پورا کریں اس لئے میری رائے تو بلاشک وشبہ قطعی طور سے یہ ہے کہ ان کو ایک جگہ جمع ہی نہ ہونے دیں اور کسی ایسی ضرورت کے لئے جمع ہوں کہ شارع نے بھی اس کو ضرورت قرار دیا ہے تو مضائقہ نہیں مگر اس میں بھی خاوندوں کو چاہئے کہ عورتوں کو اس پر مجبور کریں کہ کپڑے بدل کر مت جاؤ جس طرح اور جس حالت سے باورچی خانہ میں بیٹھی ہو چلی جاؤ بلکہ تقریبات میں بھی جانے کے انسداد کا بھی سہل طریقہ یہی ہے کہ جانے کو اگر منع نہ کریں مگر اس پر مجبور کریں کہ کپڑے زیور وغیرہ کچھ نہ پہنیں جس حیثیت سے اپنے گھر رہتی ہیں اسی طرح چلی جاویں خود جانا بند ہو جاوے گا۔

زینت خاوند کا حق ہے

اے بیبیوں یاد رکھو زینت خاوند کا حق ہے اس کی کیا وجہ ہے کہ خالہ پھوپھی کے یہاں اور شادیوں میں تو بن ٹھن کر جاؤ اور خاوند کے سامنے میلی کچلی رہو۔ اگر کہو کہ یہ عزت کی بات ہے۔ یاد رکھو عزت اس سے نہیں ہوتی' ہمارے یہاں ایک رئیس تھے ان کی بی بی جب کسی کے یہاں جاتی تھیں بالکل سادہ جاتی تھیں کہ بجز ہاتھ کی چوڑیاں کے ان کے بدن پر کچھ زیور نہ ہوتا تھا۔ مگر ان کے اس قدر عزت ہوتی تھی کہ کسی عورت کی ایسی عزت نہیں اس لئے کہ سب جانتی تھیں کہ یہ فلانے کی بی بی ہیں۔ بلکہ زیادہ بننا ٹھننا بڑے آدمیوں کے لئے چھچھورا پن سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس بننے کا تو یہ مطلب ہے کہ ہماری عزت پھٹی پرانی ہے اس لئے اس کو گانٹھ گانٹھ کر درست کیا ہے تو وہ عزت تمہاری نہ ہوئی بلکہ لباس وزیور کی ہوئی' اگر تمہاری عزت ہوتی تو ہر طرح ہوتی۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ تشریف لے گئے اس وقت شکستہ حالت میں تھے لوگوں نے ذلیل سمجھ کر نکال دیا پھر کہیں سے کرائے کے کپڑے لئے اور وہ کپڑے پہن کر گئے تو بڑی مدارات ہوئی کھانا جب آیا تو ایک لقمہ منہ میں ایک آستین میں' کسی نے پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے فرمایا کہ اس کی ہی

بدولت مجھ کو کھانا ملا ہے اس لئے اس کو بھی کھلاتا ہوں' ہاں اتنا ضرور ہونا چاہئے کہ اگر کسی جگہ جاوے تو صاف ہو کر جاوے مگر سادگی کے ساتھ تحصیلدار جیسے اجلاس میں معزز ہے اسی طرح گھر میں اگر لنگی باندھے ہوئے ہے وہاں بھی اس کی وہی عزت ہے۔ پس تم کو جب سب جانتے ہیں تو اس تکلف سے تمہاری عزت بڑھے گی نہیں بلکہ الٹا چھچھور پن سمجھا جاوے گا اخلاق اور تواریخ میں جو بڑے لوگوں کی خوبیاں لکھی ہیں ان خوبیوں میں کہیں اس کو شمار نہیں کیا کہ فلاں شخص جوڑا لاکھ روپیہ کا پہنتا تھا یہ چیزیں بہت ہی بے حقیقت ہیں عقلاء کے خیال میں بھی نہیں آتیں اور جو اس میں منہمک ہے وہ اہل عقل کے نزدیک مجنون اور مالیخولیا میں مبتلا کہا جاتا ہے۔

عزت حاصل کرنے کا سچا طریقہ

غرض یہ نمونہ کے طور پر ان طریقوں کا بیان تھا جو لوگوں نے عزت حاصل کرنے کے لئے تجویز کر رکھے ہیں' اب سنئے کہ سچا طریقہ کہ جس سے مقصود کا کبھی تخلف نہ ہو وہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے سامنے ہم چھوٹے ہو کر رہیں اور اخلاق حمیدہ اپنے اندر پیدا کریں اور اخلاق ذمیمہ کو زائل کریں۔ شریعت کا اتباع کریں' اگر کہو کہ بہت سے مسلمان ذلیل وخوار ہیں اگر اطاعت سبب عزت کا ہوتی تو یہ کیوں معزز نہ ہوتے میں کہتا ہوں کہ ذلیل وخوار بھی اسی وجہ سے ہیں کہ شریعت کو چھوڑ دیا ہے چنانچہ اس وقت اہل الرائے نے تسلیم کر لیا ہے کہ مسلمانوں کی تباہی کا سبب مذہب کو چھوڑنا ہوا ہے اور کہتے ہیں کہ ترک جو بگڑے ہیں تقلید یورپ سے بگڑے اور اس کی اصلاح صرف مذہب کا اتباع ہے اللہ تعالیٰ نے خود سب کے منہ سے کہلوا دیا ہے اور دول یورپ نے سنوسیہ کی سلطنت کا یہی راز تسلیم کر لیا ہے اسی سلطنت سنوسیہ سے بھی اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایک زندہ سبق دیا ہے کہ ترک جیسی بہادر اور دلیر قوم تو اٹلی سے مغلوب اور چند بدوی بے دست وپا کہ نہ ریل ان کے یہاں ہے نہ گولہ بارود کا سامان فراہم نہ قوانین حرب سے واقفیت ایسے لوگ غالب تو اس کا سبب کیا ہے کہ وہ لوگ خدا اور رسول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع ہیں اور ترکوں نے اطاعت چھوڑ دی آزادی اختیار کر لی صورت سے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ مسلمان ہے یا عیسائی ہے اس لئے کہ صورت یکساں وردی تمام یورپ کی ایک طرح کی ایک ڈاڑھی کا امتیاز تھا اس کا بھی صفایا کر دیا۔

عزت اتباع شریعت سے ہوتی ہے

غرض یہ دعویٰ بالکل سچا ہے کہ جب کبھی عزت ہوتی ہے اتباع شریعت سے ہوتی ہے اور جب

ذلت ہوگی احکام الٰہیہ کو چھوڑنے سے ہوگی اور روپیہ پیسہ کپڑا مکان جائیداد نسب حسب یہ چیزیں عزت کا اصلی سبب نہیں ہیں اور نہ غریب ہونا ذلت ہے دیکھو غریب آدمی اگر دیندار ہوتا ہے تو اس کی بھی عزت ہوتی ہے اگر کوئی کہے کہ اگر کوئی جلاہا حافظ یا مولوی ہوتا ہے تو جلاہا ہونے کی وجہ سے ہماری نظروں میں تو اس کی عزت ہوتی میں اس اشکال کو حل کرتا ہوں اول دو مقدمہ بیان کرتا ہوں ایک مقدمہ تو یہ ہے للاکثر حکم الکل عقلاً شرعاً عرفاً یہ قاعدہ مسلم ہے یعنی اکثر کا اعتبار ہوتا ہے اقل کا اعتبار نہیں اگر کسی قوم میں امیر زیادہ ہوں اور غریب کم تو اس قوم کو امیر کہا جاوے گا اور اگر غریب زیادہ ہوں تو اس قوم کو غریب کہا جاوے گا گیہوں کے ڈھیر میں اگر چنے کے بھی دو چار دانے ہوں تو اس کو گیہوں ہی کہا جاوے گا۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ یہ امر قابل گفتگو ہے کہ عزت کس کی نظر میں معتبر ہے عزت وہ ہے جو اپنی قوم میں ہو غیر قوم کا اعتبار نہیں اس لئے کہ دوسری قوم کو کیا خبر ہے کہ اس شخص میں کیا خوبی ہے اس کی قوم تو گویا شاہد ہے اب اس کے بعد دیکھو قوم کس کا نام ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر قوم کے اندر غریب زیادہ ہیں امیر کم ہیں تو قوم نام غرباء کا ہوا انگریز بظاہر سب امیر معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کے اصلی ملکوں میں جا کر دیکھو کہ ان میں بھی زیادہ غریب ہی ہیں یہاں چونکہ عہدوں اور بڑی بڑی ملازمتوں پر آتے ہیں اس لئے امیر معلوم ہوتے ہیں اور کوٹ پتلون پہننے سے امیر نہیں ہوتے یہ تو ان کے ملک کا لباس ہی ہے۔

ایک جنٹل مین کی حکایت

بعضے احمق ہندوستانی بھی باوجود اس کے کہ مفلس ہیں لیکن انگریزوں کے ہم شکل بننے کے لئے کوٹ پتلون پہنتے ہیں ایک شخص بیان کرتے تھے کہ ریل میں ایک شخص بیٹھے تھے جاڑوں کے دن تھے اور حالت آپ کی یہ تھی کہ گبرون کا کوٹ اور گاڑھے کی پتلون پہنے ہوئے تھے اور جاڑے میں اکڑ رہے تھے تکلیف اٹھانا منظور تھا لیکن فیشن اور تشبہ میں کیا مجال ہے کہ فرق آ جاوے جب گاڑی کسی اسٹیشن پر پہنچی تو گاڑی سے ایک انگریز نے اتر کر برف پی یہ دیکھ کر آپ بھی اترے اور آپ نے بھی برف پی جاڑے کا موسم تھا اکڑ گئے بے وقوف نے یہ نہ سمجھا کہ یہ لوگ تو سرد ملکوں کے رہنے والے ہیں ان کے مزاج اور طبیعتیں اسی قسم کی ہیں یعنی گرم ہیں لیکن یہ سوچتے تو صاحب بہادر کس طرح بنتے جب گاڑی میں آئے سردی کی وجہ سے برا حال تھا وہ شخص بیان کرتے تھے کہ میں نے اپنی رضائی ان کو دی جب ہوش درست ہوئے۔ ایک مولوی صاحب پروفیسر کالج

بہاولپور بیان کرتے تھے کہ میں بہاولپور سے ریل میں سوار ہو کر وطن آ رہا تھا میں نے پانی پینے کے لئے ایک صراحی بھی رکھ لی تھی ایک جنٹلمین بھی گاڑی میں تھے، صراحی کو دیکھ کر کہنے لگے یہ کیا واہیات بھنگیوں کی سی صراحی آپ نے لی ہے۔ میں سن کر چپ ہو گیا وہاں کے اسٹیشنوں پر پانی کم ملتا ہے۔ جب جنٹلمین صاحب کو پیاس لگی تو مجھ سے تو مانگ سکتے نہ تھے جب میں لیٹ رہا اور وہ یہ سمجھے کہ یہ سو رہے ہیں چپکے سے آ کر صراحی میں سے پانی پینے لگے جب خوب سیراب ہو گئے میں نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کیوں صاحب بھنگیوں کی صراحی میں سے پانی آپ نے کیوں پیا، معذرت کرنے لگے پھر میں نے ان کو خوب آڑے ہاتھوں لیا جب ان کو معلوم ہوا کہ یہ کالج کے پروفیسر ہیں تو بہت ہی معذرت کی۔ غرض یہ ہے کہ اس لباس سے کوئی امیر نہیں ہو جاتا انگلستان میں سب کا لباس ایسا ہی ہے اور وہاں بھی غریب بہت ہیں یہ بات اور ہے کہ وہاں کے غرباء اور طرح کے ہیں مگر غرباء تعداد میں زیادہ ہیں پس معلوم ہوا کہ دنیا میں غریب زیادہ ہیں۔ خصوصاً مسلمانوں میں کہ ان میں تو امیر بہت ہی کم ہیں پس قوم مسلمان غریبوں کا نام ہوا اور امراء غریبوں کے تابع ہوئے جیسے گیہوں کے انبار میں چنے اور جو کے دانے پس ان دونوں مقدموں کے ملانے سے یہ بات ثابت ہوئی کہ عزت وہ معتبر ہے جو غرباء کی نظروں میں ہو۔ اب میں مشاہدہ کراتا ہوں کہ اگر ایک شخص نافرمان ہے اور نواب ہے اور ایک جولاہا ہے وہ اللہ کا فرمانبردار ہے خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو عزت اس جولاہے کی ☐ دیندار کے نزدیک ہوگی وہ اس نواب کی نہ ہوگی اس نواب کی عزت ایسی ہی ہے جیسے شیر اور بھیڑیے کی۔

مصنوعی عزت

بقسم کہتا ہوں کہ ہم لوگوں کی حس باطل ہو گئی ہے کہ ہم اس عزت کو عزت سمجھتے ہیں یہ تو ایسی ہی عزت ہے جیسی ایک حکایت ہے ایک جاہل ولایتی کی کہ وہ ہندوستان کی سیر کو آیا حلوائی کی دکان پر پہنچا اور کہا کہ ہم کو حلوا کھلاؤ اس نے کہا کہ دام لاؤ کہا دام تو ہمارے پاس نہیں ہیں۔ حلوائی نے کہا کہ بغیر داموں کے تو حلوا نہ ملے گا۔ ولایتی صاحب نے خوان پر ایک ہاتھ مارا اور حلوا کھا گئے اس حلوائی نے ان کو پولیس کے حوالہ کر دیا، ولایتی آدمی سے سب ڈرتے ہیں، پولیس والوں نے کہا کہ یہ سزا کافی ہے کہ ان کو گدھے پر چڑھا کر اور منہ کالا کر کے اور ڈھول بجاتے اور لڑکے تالیاں پیٹتے ہوئے اس کو تمام شہر میں پھرا کر نکال دو جب آغا سیر کر کے ولایت پہنچے تو کسی نے پوچھا کہ آغا ہندوستان رفتہ بودی ہندوستان چہ طور است۔ کہا ہندوستان خوب ملک است،

حلوا خوردن مفت ست فوج طفلاں مفت سواری خر مفت ست ڈم ڈم مفت ست پس جسے اس ولایتی نے اس تذلیل کو اعزاز سمجھا تھا ایسے ہی ہم اس عزت کو عزت سمجھ رہے ہیں یاد رکھو عزت ہمیشہ مطیع کو ہوتی ہے اور جتنی اطاعت میں کمی ہوگی عزت میں بھی کمی ہوگی۔

دعائے خیر

پس مجھ کو عزت کے متعلق یہ ضروری مضمون بیان کرنا تھا میں بیان کر چکا ہوں۔ اس کو سن کر چاہئے کہ آج ہی سے اپنا طرز عمل بدل دیں کہ جو عزت کے طرق ہم لوگوں نے تجویز کر رکھے ہیں ان کو چھوڑ دیں اور جو صحیح اور حقیقی طریقہ سچی اور اعلیٰ عزت کے حاصل کرنے کا ہے اس کو اختیار کریں۔ اب اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ توفیق عمل کی عطا فرماویں اور ہم کو ذلت نافرمانی سے نجات دے کر اپنی فرمانبرداری کی عزت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

دعاء

یہ وعظ ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ بمقام موتمر الانصار میرٹھ میں ارشاد فرمایا جسے آغا رفیق صاحب بلند شہری نے قلمبند فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ.

اَمَّا بَعْدُ: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

(۱) نظام الاوقات میں اس وقت میرے ذمہ دعا اور شکریہ ہے اگرچہ میرا وقت کچھ بعد کو ہے، لیکن ناظم صاحب کا ارشاد ہے کہ میں اپنا فرض قبل از وقت ہی ادا کردوں۔

شکر باللسان

شکر باللسان کہتے ہیں کسی کے احسان پر تعریف کرنے کو لیکن ناظم صاحب نے نظام الاوقات میں لفظ شکریہ لکھا ہے جو عرفاً شکر کا مرادف ہے مگر اتنا فرق ہے کہ مخلوق کے شکر کو شکریہ کہتے ہیں اور خالق کے شکر کو شکر۔ پس ناظم صاحب نے خدا جانے شکریہ کی خدمت میرے متعلق کیوں کی ہے۔

سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ مولویوں سے طلب شکر کیا معنے۔ اس جلسہ میں جو لوگ آئے ہیں ان کا شکریہ مولوی کیوں ادا کریں مولویوں پر ان کے آنے کا کیا احسان ہے یہ آئے اپنے فائدہ کے لئے بھلا یہ کس طرح سے ہوسکتا ہے کہ فائدہ اٹھانے والے تو شکریہ ادا نہ کریں اور فائدہ پہنچانے والے شکر ادا کریں اس کی مثال تو ایسی ہوگی کہ ایک مریض کو حکیم صاحب نے نسخہ لکھ کر دیا مریض کو اس سے فائدہ ہوا۔ اب مریض حکیم صاحب سے کہے کہ حکیم صاحب تم ہمارا شکر ادا کرو کیونکہ ہم نے تمہارے علاج سے شفا پائی ہے۔

ذاتی تاویل

نظام الاوقات میں شکریہ سے مراد دعا ہو اور عطف کو عطف تفسیری کہا جاوے چنانچہ نظام

الاوقات کے بعض نسخوں میں شکریہ دعا بلا عطف کے بھی پایا جاتا ہے۔ اگر یہ لفظ صحیح ہیں تو بنا بر توجیہ بدلیت شکریہ بمعنی دعا کرنا صحیح ہے اور اگر شکریہ اور دعا ہی ہو تو بھی عطف تفسیری کے لحاظ سے معنی وہی ہوں گے جیسا کہ اوپر بیان ہوا یہ میری ذاتی تاویل ہے اگرچہ ناظم صاحب کا مطلب یہ نہیں ہے۔ خیر کچھ ہی ہو شکریہ نہ ہوگا دعا ہوگی اس لئے آپ لوگ بددل نہ ہوں کیونکہ شکر نہ سہی دعا سہی آپ لوگ شکر ادا کریں اور میں دعا کروں گا۔

شکریہ ادا کرنا کس کے ذمہ ہے

میں اس امر کا ہی شکر ادا کرتا ہوں کہ شکر اور شکریہ میں فرق کیا جاتا ہے یعنی شکریہ کو جو کہ شکر سے باعتبار ہیئت ترکیبیہ کے کم درجہ ہے مخلوق کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ یہ خیال کریں کہ شکر ادا کرنے کی اس وجہ سے ضرورت ہے کہ لوگوں نے چندہ دیا ہے اس اعانت کا شکر ادا کرنا ضروری ہے سو چندہ ہمارے کسی فائدہ کے لئے نہیں دیا دین کی خدمت ان کے ذمہ واجب تھی وہ خود کرتے ہم نے ان کو توجہ دلا کر ان کے کام کو خود انجام دیا اس حیثیت سے بھی ہمارا شکریہ ادا کرنا چاہئے نہ کہ ہم ان کا شکر ادا کریں پھر یہ کہ آپ کو خطاب کر کے شکر کرنا آپ کے لئے گو مفید شے نہیں شکر ادا کر دینے سے آپ لوگ کیا لے جائیں گے محض یہ کہ خوش ہو کر جائیں دعا کرنی چاہئے۔ جس سے فائدہ ہو خصوصاً جہاں اتنے مسلمان جمع ہوں وہاں دعا کرنا اقرب الی الاجابت ہے کیونکہ مجمع میں خدا جانے کون مقبول ہوگا اور یہ احتمال امراء میں بھی ہے۔ سو اس مجمع میں غریب اور امیر ہر قسم کے آدمی ہیں مجموعہ کی دعائیں یقیناً قبول ہوں گی۔

غربا کی برکت

(۲) بعضے آج کل امیر آدمیوں کو اس وجہ سے حقارت سے دیکھتے ہیں کہ وہ دنیا دار سمجھے جاتے ہیں سو یہ علی الاطلاق غلط ہے۔ سب ایک سے نہیں ہوتے بہت سے امیر سچ مچ دیندار ہوتے ہیں اور بہت سے غریب دنیا دار ہوتے ہیں۔ اس لئے امیر لوگوں کو ذلیل نہیں سمجھنا چاہئے اگرچہ یہ بات بالکل درست ہے کہ دین کے کاموں میں غریب آدمی زیادہ حصہ لیتے ہیں اور ابتداء سے بھی غریب گروہ دین کی خدمت کرتا رہا ہے غربا ہی کی یہ برکت ہے کہ ان کی وجہ سے امراء نیکی کی طرف متوجہ ہوئے اور دینی خدمت کرنے لگے اکثر مدارس عربیہ میں بھی عموماً غربا ہی حصہ لیتے رہے ہیں۔ دیوبند کے مدرسہ میں بھی اول اول غربا ہی شریک ہوئے

اور ہر کام میں ابتداء غرباء ہی شریک ہوتے ہیں بعد میں امراء کو توجہ ہوتی ہے اور امراء بھی شریک ہونے لگتے ہیں اصلی برکت غرباء کی ہوتی ہے اگر غربا کسی کام میں شریک نہ ہوں تو اس میں زیادہ برکت نہیں ہوتی۔ اس غرباء کے تھوڑے سے چندہ پر بھی ہنسنا نہ چاہئے۔

غرباء کا چندہ موجب خیر و برکت ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَ هُمْ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ جیسا یہ معاملہ کرتے ہیں ہمارے اچھے بندوں سے ایسا ہی ہم ان سے معاملہ کریں گے یعنی بعضے امراء جو ہمارے نیک بندوں پر ہنستے اور تمسخر اڑاتے ہیں ہم امراء سے ایسا ہی سلوک کریں گے اور اس آیت میں خداوند تبارک وتعالیٰ نے یَسْخَرُوْنَ (مذاق اڑاتے ہیں) کے جواب میں سَخِرَ اللّٰهُ فرمایا ہے جس سے صاف طور پر غرباء کی طرف داری معلوم ہوتی ہے۔ باری تعالیٰ کو امراء کے استہزاء پر غصہ آیا ہے کہ وہ غرباء پر کیوں تمسخر اڑاتے ہیں اور اگر امراء کو اس غضب وغصہ سے بھی حس نہ ہو اور وہ اپنی روش نہ بدلیں اور اسی طرح غرباء پر تمسخر اڑاتے رہیں تو ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ان کے لئے ایسے تمسخر اور استہزاء کا بدلہ خدا کی طرف سے دردناک عذاب ہوگا۔ غرباء کا چندہ موجب خیر و برکت ہے۔

(۳) اگرچہ میں نے آج تک چندہ کی تحریک میں کبھی حصہ نہیں لیا ہے اور نہ میں اس کا طریقہ جانتا ہوں اور یہ پہلا موقع ہے کہ میں اس میں مبتلا ہوتا ہوں خدا معاف فرمائے اس لئے عرض ہے کہ لوگ اعانت کریں لیکن خوشی سے اکراہ سے نہیں۔ غرباء اگر ایک پیسہ چار آدمی مل کر دیں گے تو نہایت خوشی سے لیا جائے گا۔ اگر کسی کے پاس اس وقت کچھ موجود نہ ہو اور یا دینے میں کچھ تکلیف ہو تو وہ اس وقت نیت کر لیں اور ظہر وعصر تک اپنی نیت کو پورا کر دیں مگر یہ یاد رکھئے کہ خوشی سے ایک پیسہ دیا ہوا بہتر ہے خوشی سے دیئے ہوئے ایک پیسہ میں وہ برکت ہوگی جو ہزار روپیہ میں نہیں ہو سکتی خوشی اور اطمینان قلب سے دینا اور حیثیت کے موافق دینا بہت کچھ موجب برکت ہے۔ مجھے امراء پر زیادہ رحم آتا ہے کہ وہ تھوڑا دیتے ہوئے شرماتے ہیں اور زیادہ دینے کی طاقت نہیں ہر شخص امراء کی طرف دیکھتا ہے اور امداد واعانت کا خواستگار ہوتا ہے۔ لیکن بے چارے امراء کی حالت نہیں دیکھی جاتی۔ امراء کی آمدنی پر سب کی نظر ہوتی ہے مگر مصارف پر کوئی خیال نہیں کرتا امراء کے مصارف آمدنی سے زیادہ ہوتے ہیں

اس لئے وہ بے چارے بہت پریشان رہتے ہیں اور ایسے عام جلسوں میں وہ چندہ کا اعلان نہیں کر سکتے لیکن لوگوں کی نظریں انہیں کی طرف ہوتی ہیں اس لئے میری رائے میں ایسے لوگوں کے لئے جو اپنی ذاتی حیثیت ووجاہت کے موافق دے نہیں سکتے اور تھوڑا دیتے ہوئے شرم دامنگیر ہوجاتی ہے۔ اگر ناظم صاحب ایک مقفل صندوق بنا کر باہر رکھ دیں تو بہت زیادہ مناسب ہوگا۔ کیونکہ اس قسم کے تمام حضرات بلاخوف وخطر جو کچھ دینا ہوگا بکس میں ڈال دیں گے۔ جو اصحاب روپیہ میرے ہاتھ میں دیتے ہیں انہیں واضح ہوجانا چاہئے کہ روپیہ میرے ہاتھ میں آنے سے پہلے خدا کے ہاتھ میں پہنچے گا۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کو اپنے یمین (داہنے ہاتھ) میں لیتے ہیں و کلتایدیه یمین (اتحاف السادة المتقين ۲: ۱۱۰) (اور خدا کے دونوں ہاتھ یمین ہیں)۔

آیت میں اطلاق سے مراد

خداوند تعالیٰ پھر اس کو بڑھاتے رہتے ہیں حدیث کے الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس طرح بڑھاتے ہیں جس طرح کہ تم اپنے بچھڑے کی پرورش کرتے ہو اس موقع پر بچھیڑے کی تخصیص اس واسطے کی گئی ہے کہ عرب میں سب سے زیادہ مرغوب ومحبوب شے گھوڑے تھے۔ عرب کے لوگ فخر کیا کرتے تھے کہ ہم اپنی عورتوں کے دامن سے گھوڑوں کا چہرہ صاف کرتے ہیں تو مطلب اس سے یہ ہوا کہ جس طرح عرب کے لوگ گھوڑوں اور بچھیڑوں کی پرورش کرتے اور اپنی عزیز چیزوں کو ان کی پرورش میں خرچ کر دیتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ ثواب کو بڑھاتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ایک خرما احد پہاڑ سے بڑا ہوجاتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ جس سے سات سو گنا ثواب کا بڑھنا معلوم ہوتا ہے اور یضاعف سے چودہ سو تک سمجھا جاتا ہے۔ مراد اس سے یہ عدد خاص نہیں ہے کیونکہ خرما اور کوہ احد میں تو اس سے بہت زیادہ تفاوت ہے۔ پس میں جو سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ آیت میں یضاعف سے مراد اطلاق ہے کوئی حصر نہیں۔

جب آیت میں اطلاق پایا جاتا ہے اور حصر نہیں ہے تو سات سو یا چودہ سو تک محدود کرنا ٹھیک نہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کیوں محدود کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے محدود نہیں کرنا چاہئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک گنوار اس طرح دعا کر رہا تھا کہ اللهم ارحمني و محمدا ولا تشرك فی رحمتنا احدا یعنی اے اللہ تو مجھ پر اور محمد (صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم) پر رحم فرما اور اس رحمت میں

کسی کو شریک نہ کر یہ کمال عقیدت و محبت کی بات تھی کہ وہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے کسی کی شرکت خدا کی رحمت کے لئے گوارا نہ کرتا تھا وہ کہتا تھا کہ یا اللہ ہمارے حصہ میں کسی کو شریک نہ کرو ورنہ ہمارے پاس کیا رہے گا۔ وہ اس کی ایسی مثال سمجھتا کہ ایک شخص کے پاس دس لڈو تھے اور اس میں کوئی شریک نہ تھا لیکن نو شریک اور پیدا ہو گئے اور اس کے پاس ایک ہی رہے گا اور سبب اس غلطی کا قیاس الغائب علی المشاہد تھا جو آج کل بھی طبائع ہیں۔ بہت غالب ہے سو وہ خدا کی رحمت کو محدود سمجھا لیکن چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال محبت تھی آپ کی شرکت کو گوارا کر لیا۔ اسی طرح واعظوں نے ثواب کے مقدار میں اعداد کی قید لگائی اور سات سو تک اس کو محدود کر دیا۔

خلوص کے مطابق ثواب

حالانکہ خود قرآن پاک ہی میں آگے فرما دیا گیا ہے کہ واللہ واسع علیم (اور اللہ تعالیٰ وسعت والے جاننے والے ہیں) اشارہ ہے بقدر خلوص تضاعف ہوتا ہے۔ غرض تجدید ثواب ٹھیک نہیں جس قدر خلوص ہوگا اسی قدر ثواب ملے گا۔ بعضے الزام اتارنے کو کچھ دے دلا دیتے ہیں سو یہ کسی شمار میں نہیں کسی نے خوب کہا ہے

زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریب اند حق رابسجودے ونبی را بہ درودے

(تم ان لوگوں میں سے ہرگز نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کو ایک سجدہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک درود سے دھوکہ دیتے ہیں)

آج کل کا شیوہ

(۴) آج کل کا شیوہ یہ ہو گیا ہے کہ نکمی چیز اللہ تعالیٰ کے نام پر خیرات کر دیتے ہیں کھانا سڑ گیا کپڑا پھٹ گیا اللہ تعالیٰ کے نام پر دے دو یہ طریقہ عام ہو گیا ہے۔ چنانچہ مولوی عبدالرب صاحب ایک اچھے اور ظریف واعظ تھے۔ ان کا بیان ہے کہ شب برات میں حلوہ تین قسم کا ہوتا ہے۔

(۱) اب کا (۲) جب کا (۳) تب کا۔

اب کا وہ حلوہ ہے جو گڑ کا بنایا جائے اور اللہ کے نام پر خیرات میں دیا جائے۔ جب کا شکر کا حلوہ ہے جو خالہ اماں اور پھوپھی اماں کے گھر بھیجنے کے واسطے مستعمل ہوتا ہے۔ تب کا مصری اور قند کا حلوہ ہے جو نہایت عمدہ بنا کر رکھا جاتا ہے اور رمضان شریف میں افطاری کے وقت استعمال کیا جاتا ہے۔ غرض اس تمثیل سے یہ ہے کہ اچھی

چیز ہمیشہ اپنے واسطے رکھی جاتی ہے اور بری چیز اللہ کے نام پر دی جاتی ہے۔ میرے ایک بزرگ عزیز نے مجھ سے ایک حکایت بیان کی کہ ایک عورت نے ایک مرتبہ کھیر پکائی اور اس کو کابی میں جمانے کے لئے بھری اس میں کتا منہ ڈال گیا اس نے دوسرے برتن میں خالی کر کے مسجد کے ملا کو بھیج دی اس نے حرص کے مارے فوراً ہاتھ مارا اور منہ میں رکھ گیا۔

موذن اور طلباء کے حرص کا سبب

جملہ معترضہ کے طور پر یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ آج کل کے موذن اور طلباء آپ کی وجہ سے حریص ہوئے ہیں۔ اگر آپ ان کو حریص نہ بناتے تو ان کی حالت ایسی نہ ہوتی آپ کو چاہئے تھا کہ طالب علموں اور موذنوں کو اپنی اولاد کے برابر سمجھتے۔ اگر آپ کے تین بچے ہوتے تو چار کا کھانا پکاتے اور ان لوگوں کا حصہ اس میں لگاتے اور کپڑا بھی چار کے لئے خرید کر لاتے تا کہ ان کی طبیعت حریص نہ ہوتی ان غریب بے چاروں کو کہیں آٹھویں روز جمعرات کے دن کچھ عمدہ چیز ملتی ہے۔ ایسی حالت میں اگر وہ حریص بن جائیں تو کیا قصور ہے۔ ہفتہ بھر تک بے چارے بھوکے مرتے ہیں اس لئے ہفتہ بھر کی کسر جمعرات کو نکال لیتے ہیں۔

دہلی میں ایک طالب علم تھے جن کو ہفتہ بھر تک بہت معمولی مقدار کھانا ملتا تھا، جمعرات کو بہت سی روٹیاں ملتی تھیں وہ آٹھ روز کی کسر اس روز جی بھر کر خوب نکال لیتے تھے کچھ بعد مغرب کھاتے کچھ بعد عشاء اور کچھ تہجد کے بعد اور کہا کرتے کہ خدا روزی می دہد مگر بے ترتیب می دہد۔ میں کہتا ہوں کہ بظاہر اس میں سوء ادب ہے اس لئے اس قول میں مضاف مقدر ہے یعنی بندہ خدا روزی می دہد مگر بے ترتیب می دہد۔

ایک اور واقعہ ہے ایک طالب علم جو بڑے بزرگ آدمی تھے قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی کی خدمت میں علم قراءت و تجوید حاصل کرنے گئے کھانے کا کہیں انتظام نہ ہوا۔ اتفاق سے ایک شخص آیا جس کے ہاں کوئی مر گیا تھا اور قاری صاحب سے کہنے لگا کہ میرے ہاں چالیس روز کے واسطے ایک شخص کو مقرر کر دیجئے کہ وہ کھانا وہاں کھا لیا کرے۔ قاری صاحب نے انہیں (طالب علم) کو بتلا دیا کہ ان کو لے جاؤ وہ بے چارے بہت خوش ہوئے کہ چلو چالیس روز کا تو انتظام ہوا چالیس روز تک اطمینان اور بے فکری سے بسر ہوں گے یہ مدت ختم نہ ہوئی تھی کہ محلہ میں ایک اور صاحب رخصت ہو گئے اور وہاں کھانے کا انتظام ہو گیا۔ غرض چند واقعات متواتر

ایسے پیش آئے کہ ایک کی مدت ختم ہونے سے پہلے دوسرا لڑک گیا۔ یہ چلہ ختم ہوا کہ ایک اور چل بسا قاری صاحب نے جب یہ حالت دیکھی تو فرمانے لگے کہ بھئی اس کی (طالب علم کی) روٹی مقرر کراؤ ورنہ یہ تو سب محلّہ کو کھا جاوے گا۔

ایک بھانڈ کہتا تھا کہ دنیا میں سب سے منحوس قوم ملانے اور سب سے اچھی قوم بھانڈ اس لئے کہ بھانڈ ہر وقت اور ہمیشہ دل سے خوشی اور خورمی کی دعا کرتے رہتے ہیں اور ملانے ہمیشہ مرنا مناتے ہیں کہ اسی موقع پر ان کی دعوتیں ہوتی ہیں اور ایک حد تک یہ صحیح بھی ہے۔ چنانچہ طاعون کے زمانہ میں ہمارے قصبہ میں کسی نے ایک اچارج سے پوچھا کہ کہو بھئی کیا حال ہے۔ اچارج نے کہا کہ گھرے ہیں اور ایک نے اپنے قرض خواہ سے کہا تھا پرسوں تمہارا روپیہ دیدوں گا ایک مہاجن بیمار پڑا ہے پرسوں تک اس کا مال ملے گا۔ یہ لوگ بڑے قاسی القلب ہو جاتے ہیں جن کی روزی اسی پر ہے کہ کوئی مرے اور ہمیں کچھ ملے لیکن اس کا سارا الزام ان ہی لوگوں پر نہیں بلکہ قوم پر ہے غرض ان کا انتخاب ایسا برا ہے جس کی برائی اظہر من الشمس ہے اچھی چیز ہمیشہ اپنے لئے رکھی جاتی ہے اور بری مسجد کے لئے۔ اکثر مسجد کے موذن ذلیل وخوار سمجھے جاتے ہیں جس کا الزام سراسر قوم پر ہے وہ بے چارے گوشت بھی لائیں' گھر کا پانی بھی حافظ جی ہی بھریں' چھت پر مٹی بھی ڈالیں تو حافظ جی ہی۔ بھلا یہ بھی کوئی انصاف ہے۔ غرض ملانے جو کھانا شروع کیا تو لڑکے نے کہا کہ ملا جی ادھر سے مت کھانا کتا منہ ڈال گیا ہے۔ ملا جی یہ سنتے ہی غصہ میں بھر گئے اور رکابی دیوار پر کھینچ ماری۔ لڑکا رونے لگا اور کہا ملا جی یہ رکابی گوہ اٹھانے کی تھی میری ماں مارے گی۔ سبحان اللہ ظرف کیسا خوبصورت اور مظروف کتنا نفیس۔ لیکن اس کا تھوڑا سا الزام ملانوں پر بھی ہے۔ یہ لوگ بھی دین کی پروانہ کر کے جھوٹی خوشامد و چاپلوسی میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اپنی عزت وآبرو کا خیال بھی نہیں رکھتے۔ چنانچہ ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک گاؤں میں ابراہیم' موسیٰ' عیسیٰ تین مالدار زمیندار تھے۔ ایک ملا جی بھی اسی گاؤں کی کسی مسجد میں رہتے تھے۔ ایک روز نماز میں سورۃ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى الذی (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے پروردگار عالی شان کی تسبیح کیجئے) پڑھتے ہوئے جب اخیر پر پہنچے اور پڑھا صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى (حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفے) تو عیسیٰ زمیندار کو ناگوار گزرا کہ میرا نام کیوں نہیں لیا گیا۔ چنانچہ جب ملا جی سے کہا گیا تو اس نے عیسیٰ شامل کر کے اس طرح پڑھنا شروع کیا کہ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى۔ ان تمام خرافات کا سبب احتیاج ہے یہی احتیاج سب پر غالب آجاتی ہے۔

آنکہ شیراں راکند روبہ مزاج احتیاج ست احتیاج ست احتیاج

(جو چیز شیروں کو لومڑی مزاج بنا دیتی ہے وہ احتیاج ہے احتیاج ہے احتیاج)

لیکن اللہ کے بندے وہ بھی ہیں کہ احتیاج میں بھی شیر رہتے ہیں اور بزبان حال کہتے ہیں۔

شیر نر کے می شود روبہ مزاج می زند برکفش خود صد احتیاج

(نر شیر کب لومڑی مزاج بن سکتا ہے، وہ سینکڑوں ضرورتوں کو اپنے جوتے پر مارتا ہے)

ہمارا اعتراض تو زیادہ تر معترضین پر ہے کہ وہ اپنے طرز عمل پر سب سے بری چیز خدا کے نام پر دینے کے عادی ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی تو ملاں اور طلبہ آج ایسے حریص نظر نہ آتے۔

مدار برکت خلوص چندہ پر ہے

جس وقت خداوند تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (تم برکامل کو اس وقت نہیں پہنچ سکتے یہاں تک کہ وہ چیز خرچ نہ کرو جسے تم پسند کرتے ہو) تو ایک صحابی نے اپنا محبوب ترین باغ بیرحا دے دیا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سب سے زیادہ قیمتی مال یہی ہے جس کو میں پیش کرتا ہوں یہ آپ سب قبول فرما لیجئے اور چاہے جس کو دے دیجئے سو دینے والے تو ایسے ہونے چاہئیں اور لینے والے ایسے ہوں کہ ہر چیز نہ لے لیا کریں کہ یہ طریقہ بھی سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس سے چندہ لیا کرتے تھے اس کی حیثیت کے موافق لیا کرتے تھے۔ اس لئے چندہ لینے والوں کو چاہئے کہ چندہ حیثیت کے موافق لیا کریں رضامندی سے برکت ہوتی ہے اور برکت رضاء حق سے ہے اور رضاء حق سنت پر عمل کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لئے چندہ لینے میں سنت کے موافق کام کیا کریں زیادہ اچھا اور موجب برکت ہے لیکن آج کل عجیب معاملہ ہے کوئی غریب اگر اپنی حیثیت سے زیادہ دیتا ہے تو اس کی بہت تعریف کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسا چندہ لوٹا دیا کرتے تھے۔ پس ہم کو بھی چاہئے کہ حیثیت سے زیادہ نہ لیں مدار برکت خلوص پر ہے گو قلیل ہو ورنہ کثیر میں بھی نہ ہوگی۔ صاحبو جو حضرات دے چکے ہیں اگر اس وقت ریاء سے دیا ہو اب توبہ کر لو ان شاء اللہ تعالیٰ خلوص کا ثواب مل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ الا من تاب وامن وعمل عملاً صالحا فاؤلئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات (مگر جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے پس اللہ تعالیٰ ایسوں کی

برائیوں کو نیکیوں میں بدل دے گا) اس لئے میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر اس جلسہ میں کسی نے زیادہ چندہ دیا ہو اور وہ اب توبہ کر لے تو خلوص حاصل ہو جائے گا۔ اور اس تبدیل میں تعجب نہ کیجئے گا کہ کیمیا گر تو کیمیا بنا سکیں اور خداوند تعالیٰ ریا کو خلوص نہ بنا سکے۔

چندہ دہندگان کے لئے دعائے خیر

(۵) کلام اس میں تھا کہ شکریہ ادا کیا جائے چندہ دینے والے کہتے ہوں گے کہ ہم نے چندہ دیا ہے ہمارا شکر ادا کیا جائے ہم ان کا شکریہ کیوں ادا کریں ان کا ہم پر اس چندہ دینے سے کیا۔ احسان ہوا' خداوند تعالیٰ کا حق اور دین کی خدمت سب کے ذمہ تھی ہم نے ان کی طرف سے ادا کر دی خواہ مخواہ کی حفاظت کا بار اپنے سر لیا اور کمی بیشی میں باز پرس کا وبال مول لیا مناسب ہے کہ چندہ دینے والے ہمارا شکر ادا کریں مناسب یہ ہے کہ شکریہ کی جگہ دعاء ہونی چاہئے اور شکریہ کی تفسیر بھی دعاء ہی کی جاوے کیونکہ ناظم صاحب مولف نظام الاوقات بھی یہ تفسیر نہ سمجھے ہوں۔

مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ متنبی کی ایک غزل کے مشہور مشکل شعر

ولا فضل فينا للسماحة والندى وفضل الفنى لولا لقاء الشعوب

کے معنی بیان فرمائے اور عجیب وغریب معنی بیان فرمائے فرمانے لگے کہ متنبی کا مطلب یہ ہے کہ اگر موت نہ ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اب موجود ہوتے اور اسی طرح حضرت امام اعظم اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف فرما ہوتے۔ پس آپ کی موجودگی میں ہمارا علم وفضل کیا چیز ہوتا۔ حضرت عمرؓ کی زندگی میں ہمارے انصاف اور حضرت امامنا امام اعظم کی موجودگی میں ہمارا فقہ کون پوچھتا' موت نے ہمارے علم وفضل اور انصاف کو رونق دی ورنہ کچھ بھی نہ ہوتا' اور یہ بھی فرمایا کہ مطلب تو متنبی کے شعر کا یہی ہے اگرچہ متنبی بھی نہ سمجھا ہو اسی طرح اگر میں شکریہ کے معنی دعا کرتا ہوں تو ایک لطیف معنی پیدا کرتا ہوں اگرچہ مولوی عبید اللہ صاحب کی طبیعت میں بھی یہ معنی پیدا نہ ہوئے ہوں گے۔

(۶) امراء کو قیمتی لباسوں میں دیکھ کر دنیادار نہ کہو بلکہ ان کی طرف نیک خیال رکھو کیونکہ بہت سے امراء دیندار اور نیک ہوتے ہیں۔ **ملوک علی الاسرة** حدیث میں آیا ہے بہت سے امراء کے قلوب محبت خداوندی سے رنگین ہوتے ہیں۔ سلطان صلاح الدین (ایوبی) عمر بن عبدالعزیز وغیرہ بزرگان دین کی حکایتیں پڑھو معلوم ہو جائے گا کہ امراء میں کتنے آدمی

نیک اور نہ صرف نیک بلکہ مجسم دیندار ہوتے ہیں اس لئے بعض امراء کی شرکت بھی موجب قبول دعاء ہے۔ غرض آپ سب لوگ مل کر دعا کیجئے اس جلسہ میں کوئی نہ کوئی ایسا مقبول بندہ نکل ہی آئے گا جس کی دعا قبول ہوگی اور اس کی قبولیت ہماری دعا کی مقبولیت کے لئے ایک ذریعہ بن جائے گی اور سب کی دعائیں مقبول ہو جائیں گی بعض مقبولین کی نسبت ارشاد ہے بی یبطش بی یسمع ایسے نیک انسانوں کا دعا کرنا خدا ہی کا حکم کرنا ہے ارشاد ہے۔

چوں خدا از خود سوال وکدکند پس دعاء خویشتن چوں ردکند

جب حاکم مضمون خود بتاتا ہے تو عرضی کبھی رد نہیں ہوتی اس لئے چاہئے قرآن و حدیث کی دعائیں کریں۔ حدیث کی دعائیں بھی خدا ہی کی بتلائی ہوئی دعائیں ہیں اور وہ بھی اثر رکھتی ہیں جو خداوند کے کلام کی دعائیں۔

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند انچہ استاد ازل گفت بگوی گویم

(آئینہ کے پیچھے مجھے طوطی کی طرح رکھا ہے جو کچھ استاذ ازل نے کہا تھا وہی میں کہہ رہا ہوں)۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(ان کا فرمان اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اگر چہ از حلقوم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم کے منہ سے نکلا ہے)

اولیاء اللہ کی بڑی شان

اولیاء اللہ کی بڑی شان ہے ان کی شرکت سے جب دعائیں ہوں گی اور ان کی دعاؤں کے ساتھ جائیں گی تو رد نہ ہوں گی۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہئے کہ ایک حلوائی کی دکان سے مٹھائی خرید کی حلوائی نے مٹھائی دونے میں کر کے دے دی دونا مٹھائی کے ساتھ اور جب تک مٹھائی رہے گی دونا برابر اس کے ساتھ رہے گا مٹھائی کے ساتھ دونا گھر تک ساتھ آئے گا اور جس قدر مٹھائی کی عزت و حفاظت کی جائے گی اور اسی طرح دونے کی حفاظت ہوگی اور مٹھائی کے ساتھ دونے کی بھی قدر ہوگی۔ مصری کے کوزہ میں لکڑیاں ہوتی ہیں جن کی عزت و وقعت مصری کے ساتھ ساتھ ہے۔ جس قیمت پر مصری فروخت ہوگی وہ تنکے بھی اسی کے ساتھ فروخت ہوں گے اور وزن میں شمار کیے جاویں گے اسی طرح نیک بندوں کی دعاؤں کے ساتھ بروں کی بھی قبول ہو جائیں گی۔ پس ان وجوہ سے میں شکر کے مقابلہ میں دعا تجویز کرتا ہوں۔ صاحبو! دیر بہت ہوگئی مگر آپ کی کشش مضامین کی آمد کر رہی

ہے۔ حضرت پیرومرشد کا قول ہے کہ سامعین مثل بچوں کے ہوتے ہیں جس وقت بچہ دودھ پینے کے لئے منہ لگاتا ہے دودھ کھنچ آتا ہے اگر سامعین واعظ کے بیان کو غور وتوجہ سے سنتے ہیں تو متکلم کے قلب وزبان پر ایسے ایسے لطیف نکات اور مضامین آتے ہیں کہ کبھی نہ سنے ہوں۔ بعض کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ علماء کے اتباع سے عمل ہوسکتا ہے مگر علماء میں خود بڑا اختلاف ہے۔ کوئی بدعتی ہے کوئی کسی کو کافر وہابی کہتا ہے یہ کیا شوروشغب ہے اور اس حالت میں کس کا اتباع کیا جائے۔

ایں چہ شوریست کہ دردور میں قمری بینم ہمہ افاق پراز فتنہ و شرمی بینم

(یہ کیا شور ہے کہ میں دور قمر دیکھ رہا ہوں پوری دنیا کو فتنہ اور شر میں مبتلا دیکھ رہا ہوں)

ایک حدیث میں ہے یوشک یاتی علی الناس زمان لایبقی من الاسلام الا اسمہ ولا یبقی من القران الا رسمہ مساجد ھم عامرۃ وھی خراب علماء ھم شر من تحت ادیم السماء (مشکوۃ المصابیح ۲۷۶، کنز العمال: ۳۱۱۳۶) (لوگوں پر عنقریب ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام سوائے نام کے باقی نہ رہے گا اور قرآن سوائے رسم کے باقی نہ رہے گا ان کی مساجد بظاہر مزین ہوں گی لیکن درحقیقت بے آباد ان کے علماء زیر آسمان لوگوں میں سب سے بدترین ہوں گے۔) ان احادیث سے علماء کے شرور اور کمزوریوں کا شبہ قوی ہوگیا ہے لیکن حدیث سچی ہے حدیث کے سچے ہونے میں کلام نہیں مگر یہ سمجھ لو کہ دنیا میں طبیب کتنے ہیں۔ ایک شہر میں کس قدر حکیم ہوتے ہیں دہلی میں حجام صاحب بھی حکیم جی عطار بھی حکیم جی پنساری بھی حکیم جی بنے ہوئے ہیں۔ غرض ایک ایک شہر میں سینکڑوں طبیب ہیں تو کیا یہ اختلاف مانع ہو جائے گا۔ حاذق کے معالجہ سے دہلی کے مشہور حکیم صادق علی صاحب سے ایک شخص نے پوچھا کہ آپ میں اور فلاں پنساری میں کیا فرق ہے وہ بھی حکیم اور آپ بھی حکیم اس کے ہاتھ سے بھی مرتے اور اچھے ہوتے ہیں اور آپ کے ہاتھ سے بھی حکیم صاحب نے کیا اچھا جواب دیا کہ فرق یہ ہے کہ قیامت میں اس سے باز پرس ہوگی اور مجھ سے نہیں کیونکہ وہ فن سے بے بہرہ ہے اور خواص اشیاء سے ناواقف ہو کر علاج کرتا ہے اور میں فن سے واقف ہوں اور خواص اشیاء کے موافق علاج کرتا ہوں۔ حکیم صاحب کے زمانہ میں لوگوں کو ایسی جرات تھی کہ حکیم جی بن بیٹھے تھے اور آج تو آزادی کا زمانہ ہے۔

آج کل کے زمانہ کی حالت

بالخصوص آج کل تو زمانہ کی عجیب حالت ہے کہ کبھی عمر بھر میں ایک مکان بنا نہ سکے مگر سب اور

رسیئر مشہور ہیں۔ قانون جانتے نہیں وکیل بنے ہوئے ہیں' ویدیا نہیں مگر پنڈت جی کہلاتے ہیں۔
اسی طرح فقہ کا ایک مسئلہ معلوم نہیں مگر مولوی صاحب مشہور' کانپور میں ایک صاحب جارہے تھے'
راستے میں ایک دوسرے صاحب سے ملاقات ہوئی' فرمانے لگے کہ مولوی صاحب کے ہاں آج
ناچ ہے بھلا مولوی صاحب اور ناچ سبحان اللہ کیا جوڑ ہے تو وہ مولوی صاحب وکیل تھے۔ عدالت
کے ایک پنڈت جی وکیل سے مجسٹریٹ نے دریافت کیا کہ آپ کیسے پنڈت جی ہیں۔ پنڈت جی
نے کہا کہ جس طرح یہ صاحب (ایک مسلمان وکیل کی طرف اشارہ کر کے) مولوی صاحب مگر
باوجود اس خلط مبحث کے کسی طالب علم نے اپنے مطلوب کو کبھی چھوڑا ہے تو علماء کے باب میں کیوں
آپ عذر کرتے ہیں کہ معلوم نہیں کون صاحب حق پر ہیں اور کون نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ
اطباء کے باب میں یہ بتلا سکتے ہیں کہ آپ میں ان کی معرفت کی قوت ممیزہ ہے یا نہیں جس سے
آپ صاحب کمال کو پہچان سکیں جس طرح ان میں انتخاب کرتے ہیں علماء میں بھی کیجئے۔

سارے کام طلب سے ہوتے ہیں

اصل یہ ہے کہ سارے کام طلب سے ہوتے ہیں طلب نہیں پائی جاتی اور عذر لنگ قائم کر
دیئے جاتے ہیں جس شخص کو دین حق کی طلب ہوگی وہ بھی ایسے عذر نہ کرے گا بلکہ علماء میں قوت
ممیزہ کے ذریعہ سے انتخاب کرے گا۔ مگر آج کل علماء کو چھوڑ کر رائے پر عمل کیا جاتا ہے اور تعجب تو
اس امر پر ہے کہ بیوی جی کا نسخہ مسہل حکیم جی سے لکھا کر لائیں اور دین کے مسائل خود گھڑ لیں۔

عوام الناس کی دینی ابتری

کانپور کا ایک قصہ ہے کہ ایک عورت نے ایک ناقص بکری کے جواز قربانی کا فتویٰ شوہر کو دے دیا
تھا لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ مسئلہ کہاں ہے' شوہر نے کہا کہ شرح وقایہ اردو میں لکھا ہے۔ لوگوں
نے کہا کہ ذرا نکال کر دیجئے وہ گھر میں گئے اور بیوی صاحبہ سے کہنے لگے کہ وہ مسئلہ کہاں ہے ذرا
شرح وقایہ میں نشانی لگا کر دیدو بیوی نے شرح وقایہ اردو میں نشانی لگا کر دے دی۔ اللہ اکبر دین کے
مسائل ایسے ہو گئے کہ ان کے دریافت کرنے کی بھی علماء سے ضرورت نہ رہی اردو کی کتابوں میں
دیکھ کر کام نکالا جاتا ہے۔ لیکن طب کی کتابیں پاس موجود ہیں مطب پیش نظر ہیں' بیوی کا نسخہ کتابیں
دیکھ کر نہیں لکھ لیا جاتا کہ مولویوں کی طرح حکیموں کی بھی ضرورت نہ رہے کیوں اس لئے کہ نسخہ خود لکھ
لیتے ہیں جان کا ضرر ہے جو پیاری ہے اور دین میں خود رائی سے صرف ان کا ضرر ہے جو پیارا نہیں۔

معاملات میں رائے کی باریکیاں نکالی جاتی ہیں تحقیقات ہوتی ہیں مشورے لئے جاتے ہیں مگر دین کے کاموں میں مولویوں سے دریافت کرنے کی بھی ضرورت نہیں اپنی رائے اور عقل کافی ہے ہم تو جب جانیں کہ اب جس طرح دین میں کسی سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے اسی طرح اپنے دنیاوی معاملات اور بیوی وغیرہ کے علاج میں کسی کی طرف رجوع نہ کریں۔

مولویوں کے اختلاف کی مثال

(۹) مولویوں کے اختلاف کا عذر تو پیش کیا جاتا ہے لیکن وکلاء اور اطباء کے اختلاف پر نظر نہیں ڈالی جاتی۔ بہتر اور مناسب تو یہ ہے کہ جب مولویوں کا اختلاف ناگوار معلوم ہوتا ہے تو اطباء اور وکلاء کے اختلاف کو بھی برا سمجھو اور اٹھا دو یا علاج اور تدبیر مقدمات چھوڑ دو۔

ایک جج نے کسی معاملہ میں فیصلہ دیا ہائیکورٹ میں جا کر اس کے خلاف فیصلہ کیا گیا اس اختلاف کے کیا معنے کیا قانون مختلف ہے یا عدالتوں کی سماعت میں کچھ فرق ہے۔ لیکن اس اختلاف کا کوئی اثر نہیں نہ حاکم ماتحت پر اس کا کچھ اثر پڑتا ہے اور نہ قانون حکومت پر۔ اس قسم کے اختلافات خیال میں نہیں لائے جاتے وجہ یہ کہ ان سے کام پڑتا رہتا ہے ان کا اختلاف بھی قانون کے موافق اور عین قانون ہے لیکن دین کا اختلاف ناگوار ہے کیونکہ اس سے کام لینا مقصود نہیں اس لئے ترک کے لئے حیلہ چاہئے۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

(اس راہ میں تفاوت کو دیکھو کہ کہاں سے کہاں تک ہے)

حال میں ایک صاحب نے کوشش شروع کی ہے کہ مذاہب عالم کو ایک نقطہ پر لا کر اتحاد قائم کیا جائے تا کہ مذاہب عالم متحد ہو کر ایک نقطہ پر کام کر سکیں۔ چنانچہ اس امر پر اتفاق تجویز کیا گیا ہے کہ خدا کی وحدانیت کو فقط اصل مذہب مانا جائے اور رسالت کے مسئلہ کو فرعی مسئلہ سمجھا جائے۔ اور یہ ایک ایسا نقطہ ہے جس پر تمام مذاہب متحد رہ سکتے ہیں۔

دین کی طلب کی ضرورت

بات اصل یہ ہے کہ دین کی طلب نہیں ہے اور بہانہ اختلاف کا ہے اگر دین کی طلب ہوتی تو کبھی یہ نہ کہا جاتا کہ مولویوں میں تو اختلاف عظیم ہے ہم کس کا اتباع کریں۔ اگر سب کا اتباع

کرتے ہیں تو اجتماع نقیضین ہے اور ایسا اتباع ناممکن اگر ایک کا اتباع کرتے ہیں تو دوسرے کو چھوڑنے کی کوئی وجہ نہیں پاتے اور ترجیح بلا مرجح ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ سب کو چھوڑ دیا جائے۔

ترکت اللات والعزیٰ جمیعا کذلک یفعل الرجل البصیر

(میں نے لات اور عزیٰ کو چھوڑا' دانشمند آدمی ایسا ہی کرتے ہیں)

جب دو بیبیوں میں لڑائی جھگڑا ہو تو دونوں کو طلاق اسی طرح مولویوں کے اختلاف سے تنگ آ کر تمام مولویوں کو طلاق۔ مگر نظائر مذکورہ سے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ علماء کے باہمی اختلافات کا عذر نہ کرنا چاہئے اور اپنی اصلاح یا اتباع کے انتخاب کے لئے بہترین طریقہ یہ ہے کہ کم از کم چالیس روز علماء کی خدمت میں رہ کر انتخاب کرے۔ انتخاب کا معیار تو آپ کے پاس کیا ہوگا لیکن ایک ذریعہ میں بتلاتا ہوں کہ جو مولوی علم و عمل اور اتباع سنت میں کامل نظر آئے اس کا اتباع کیا جائے اور نیز جس کے صحبت یافتہ زیادہ دیندار ہوں یہ تجربہ اس عالم کے قابل اتباع ہونے کا شاہد ہوگا۔ کیونکہ دلیل کے بعد تجربہ انتخاب کا بہترین ذریعہ ہوتا ہے جس وکیل کے مقدمات زیادہ اچھے ہوں اور جس طبیب کی تشخیص عمدہ اور علاج مفید ثابت ہو وہی ترجیح کے قابل ہوتے ہیں۔ اسی طرح جو مولوی علم و عمل اور اتباع سنت و شفائے اصحاب میں کامل پائے جائیں ان کا اتباع بہتر ہے اور جب تک ایسا انتخاب نہ ہو اس وقت تک برابر علماء کی خدمت میں رہنا چاہئے۔ چالیس چالیس روز رہنے کی معیاد کچھ زیادہ نہیں لیکن یہ واضح رہے کہ علماء کی خدمت میں رہنے سے دعوتیں کھانا مطلوب نہ ہو بلکہ روٹیاں گھر سے کھاوے اور تجربہ حاصل کرے۔ پس جو روحانی طبیب (مولوی) مرض کا ازالہ کر دے وہی طبیب کامل ہے اور اسی کا اتباع لازم ہے مرض سے مراد مرض ظاہری نہیں ہے بلکہ مراد مرض باطنی اخلاق سیئہ وغیرہ ہیں۔

اخلاق صرف ظاہری نرمی کا نام نہیں

(۱۰) یہ بات خوب غور سے سن لو کہ عقائد کی پختگی کے بعد اعمال و اخلاق کو لو اور اخلاق صرف ظاہری نرمی کا نام نہیں ہے جیسا لوگ تواضع وغیرہ کے یہی معنی سمجھتے ہیں جیسا کہ ایک حکایت میں ہے۔ کہ ایک گاڑی بان اپنے بچپنے میں کسی مکتب میں پڑھنے گیا۔ کریما پڑھا کرتا تھا' تواضع کا بیان پڑھ رہا تھا۔ ایک روز میاں جی نے پوچھا کہ تواضع کسے کہتے ہیں کہنے لگا کہ اجی یہی کہ اگر کوئی آدمی آوے جاوے تو حقہ بھر کر پلانا تمبا کو پان کھلانا اور کیا میاں جی نے یہ

سن کر خوب مارا گاڑی بان اس روز سے جو بھاگے ہیں تو آج تک پڑھنے نہ گئے اور اب گاڑی جوت رہے ہیں۔ اکثر لوگ تواضع کے یہی معنی سمجھتے ہیں سو نرم نرم باتوں کا نام اخلاق نہیں ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک مشہور شخص جن کا ایک سادہ لوح لڑکا وارث تھا مرنے لگے جب نزع کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بے وقوف بیٹے کو چار نصیحت کی باتیں کیں۔

(۱) اگر کوئی شخص ملنے آئے تو اس کو اونچی جگہ پر بٹھانا۔

(۲) بھاری لباس پہن کر اس سے ملنا۔

(۳) اس کو قیمتی کھانا کھلانا۔

(۴) اس سے نرم و شریں باتیں کرنا۔

مرنے کے بعد ایک شخص کم بختی کے مارے آ پہنچے۔ صاحبزادے صاحب نے بڑے تپاک سے لیا اور مکان میں لے جا کر نوکروں سے کہا کہ آپ کو مچان پر بٹھاؤ۔ چنانچہ وہ مکان پر بٹھادیئے گئے اور سیڑھی ہٹالی گئی اور خود مکان میں چلے گئے تھوڑی دیر میں آپ کھڑ بڑ کھڑ بڑ کرتے آرہے ہیں اور ہیئت یہ ہے کہ قالین اور بہت سے فرش و فروش جاجم وغیرہ آپ پر لدے ہوئے ہیں خیر مہمان صاحب کے پاس اس ہیئت سے آ کر بیٹھے باتیں شروع ہوئیں۔ مہمان صاحب کہنے لگے کہ آپ کے والد ماجد عجیب وغریب آدمی تھے ان کے انتقال کا بڑا صدمہ ہوا صاحبزادہ صاحب نے کہا کہ "روئی" مہمان صاحب فرمانے لگے کہ اچھے اچھے لوگ اٹھتے جاتے ہیں۔ صاحبزادہ فرمانے لگے "گڑ" غرض ایک بات کے جواب میں روئی اور دوسرے کے جواب میں "گڑ" اس کے بجز اور کچھ نہ کہتے۔ مہمان سخت پریشان تھے کہ یا اللہ یہ کیا معاملہ ہے میں کس مصیبت میں مبتلا ہوا۔

خیر کھانے کا وقت آیا دستر خوان بچھایا گیا کھانا چنا گیا اور مہمان و میزبان کھانے میں مشغول ہوئے۔ گوشت گلا نہ تھا مہمان نے کہا کہ آپ نے جلدی کیوں کی گوشت گلا نہیں ذرا اور پک جاتا میزبان صاحب فرمانے لگے واہ صاحب آپ کے لئے پچاس روپیہ کا کتا ذبح کر ڈالا اور آپ کو مزہ نہ آیا۔ اب تو مہمان بہت گھبرائے اور آخر پریشان ہو کر دریافت فرمانے لگے کہ بھئی یہ قصہ کیا ہے خدا کے لئے اس اسرار کا انکشاف تو کرو۔ صاحبزادہ فرمانے لگے کہ میرے والد نے مرتے وقت چار نصیحتیں فرمائی تھیں۔ ایک تو یہ کہ اگر کوئی مہمان آئے تو اونچی جگہ بٹھانا سو میرے یہاں اس مچان سے جس پر آپ کو بٹھایا گیا تھا کوئی اور اونچی جگہ نہیں دوسرے یہ کہ بھاری لباس

پہننا میرے گھر اس وقت یہی لباس بھاری موجود تھا جس کو میں نے پہن لیا اگر آپ کی تشریف آوری کی خبر پہلے سے مل جاتی تو کچھ اور قالین وغیرہ محلّہ سے لاکر پہنتا۔ تیسرے یہ کہ نرم اور شیریں باتیں کرنا۔ ''روئی'' سے زیادہ نرم کوئی چیز نہیں اور گڑ سے زیادہ شیریں جو تمام میٹھی چیزوں کی اصل ہے کوئی دوسری چیز شیریں نہیں۔ اس لئے یہی دونوں چیزیں باتوں میں استعمال کی گئیں۔ چوتھے یہ کہ قیمتی کھانا کھلانا سو پچاس روپیہ قیمت کا میرے پاس یہی ایک کتا تھا جو آپ کے لئے پکا گیا۔ گائے، بھینس، بکری اور مرغ وغیرہ بھی تھے مگر ان میں سے کوئی پانچ کا کوئی دس کا کوئی بیس کا کوئی تیس کا چالیس کا تھا پچاس روپیہ قیمت کا صرف یہ کتا ہی تھا۔

مہمان صاحب رخصت ہو کر چلے گئے اور پھر کبھی ادھر آنے کا نام نہ لیا تو اخلاق اس نرم و شیریں باتوں کا نام نہیں۔

اخلاق کا مفہوم

بلکہ اخلاق کہتے ہیں خشیۃ، توکل، حق پسندی، قناعت، صبر اور اخلاص فی العبادۃ کو یہ چیزیں اپنے میں پیدا کرنی چاہئیں تب کہیں اخلاق حاصل ہو سکتے ہیں۔

تقلید شخصی

(۱۱) علماء میں کیت علم کو چھوڑ کر یہ بات دیکھو کہ شفا کس کے ہاتھ سے زیادہ ہوتی ہے اور یہ بات اس وقت حاصل ہو سکتی ہے کہ جب علماء کی خدمت میں رہا جائے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ کم از کم چالیس روز علماء کی صحبت میں رہو یا کم از کم علماء کے پاس بیٹھنے والوں کو دیکھو۔ پھر انتخاب کے بعد ایک کو لے لو۔ ''یک در گیر محکم گیر''۔ (ایک کو لو نہایت مضبوطی سے تھامو) جب تک اطمینان و استقلال سے ایک کا اتباع نہ کیا جائے گا۔ کامیابی نہیں ہو سکتی۔ یہی راز ہے بیعت اور تقلید شخصی کا کہتے ہیں تقلید شخص کے لئے کوئی آیت نہیں اتری کیا بتلایا جا سکتا ہے کہ ایک ہی حکیم سے علاج کرانے کے لئے کون سی وحی اتری ہے۔ یہ تمام حالات تجربہ سے معلوم ہوتے ہیں اور ہوئے ہیں کہ فلاں چیز نافع اور فلاں شے ضار ہے تقلید کی ضرورت بھی تجربہ سے معلوم ہوئی ہے کیونکہ تاوقت کہ تقلید شخصی نہ ہوگی دین کا نظام قائم نہ رہ سکے گا ہر شخص جہاں اور جس طرف اپنا فائدہ خیال کرے گا چلا جائے گا کبھی اس طرف اور کبھی اس طرف مثال میں شفع کا مسئلہ لیجئے کہ ایک شخص نے اپنا مکان فروخت کیا قریب کے مکان والے نے

جو حق شفع رکھتا ہے۔ حق شفع جتلا کر خود خرید کر لیا اور دوسرے کی بیع فسخ کرادی اس وقت تو حنفی رہے اور خود جو ایسی ضرورت پیش آئی تو امام شافع کے مقلد بن گئے اور کہہ دیا کہ ہمارے یہاں حق شفع نہیں ہے۔ اس مثال کی بناء پر تقلید شخصی نہ ہونے سے ہر شخص فائدہ کو پسند کرے گا اور فائدہ کی طرف رغبت کرے گا جو نظام دین کے لئے مخل ہوگا۔

''تقلید شخصی'' کا ضروریات دین کی وجہ سے اگر علماء نے التزام کیا ہے تو اس کے لئے حدیث ڈھونڈھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

دین میں عقلی فتویٰ معتبر نہیں

(۱۲) آج کل لیکچروں میں اتفاق واتحاد پر زور دیا جاتا ہے رفع اختلاف کی صورت یہ پیدا کی جاتی ہے کہ جواز وعدم جواز کو چھوڑ دیا جائے اور اتحادی صورتوں پر عمل کیا جائے لیکن یہ نہیں دیکھا جاتا کہ دنیا کے اختلافات پر دین کے اختلاف کس طرح قیاس کئے جاسکتے ہیں۔ دنیا کا اختلاف جدا نوعیت رکھتا ہے اور دین کا اختلاف دوسرا پہلو رکھتا ہے۔ دنیا کے اختلافات پر دین کے اختلاف قیاس نہیں کئے جاسکتے کہ جس طرح دنیا کے اختلافات کو کھینچ تان کر عقلی ڈھکوسلوں سے دور کر دیا اسی طرح دین میں بھی ہوسکے دین میں عقلی فتویٰ معتبر نہیں۔

کچہری میں وکلاء کا اتفاق کیجئے۔ مدعی مدعا علیہ میں اتحاد پیدا کیجئے قانون عدالت کی رو سے دونوں مجرموں کو سزا دلوائیے کہ کیوں اختلاف کیا۔ جب اس کا انتظام ہوگا دین میں بھی آپ کچھ کرنے کی امید رکھ سکیں گے۔

آزادی اور مطلق العنانی

(۱۳) آزادی اور مطلق العنانی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ جو کام کیا جائے چاہتے ہیں کہ اس میں تغیر نہ ہو اور اس کا ثبوت دین سے ہو جاوے پس کریں ہم اور ثبوت دیں بے چارے مولوی صاحب کو افسوس یہ کیا غضب اور کیسا اندھیرا ہے۔ سود کے جواز کے فتوے ہو رہے ہیں اصرار کیا جا رہا ہے اور مولویوں کو مجبور بنایا جا رہا ہے کہ حلت سود کے دلائل بتلاؤ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حرام مطلق چیزوں کو مولوی تمہاری خاطر سے حلال قرار دیدیں ایک صاحب نے رسالہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو فرماتے ہیں۔ احل اللہ البیع و حرم الربوا (اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام قرار دیا)۔ اس میں سود کا ذکر نہیں ہے یہ لفظ ربوا نہیں ہے بلکہ ربا ہے جیسے دلربا قرآن شریف

میں پہلے اعراب تو تھے نہیں اب مولویوں نے ربا کو ربوا اعراب لگا کر بنالیا ہے۔آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیع حلال فرمائی ہے اور اچک لینا حرام فرمادیا ہے سود کا کہیں ذکر بھی نہیں اس طرح کا کام مولویوں سے لینا چاہتے ہیں کہ ہماری ہر خرافات کو شریعت پر منطبق کر دیں۔

ایک رئیس کا واقعہ یاد آیا کہ ایک رئیس تھے لسان اور شیخی باز انہوں نے ایک شخص کو اس بات پر نوکر رکھا تھا کہ جو بات ہم کہا کریں اس کو ثابت کر دیا کرو۔ایک مجلس کا واقعہ ہے چند لوگ بیٹھے ہوئے تھے رئیس صاحب فرمانے لگے کہ آج ہم شکار کھیلنے گئے تھے ایک ہرن پر جو فائر کیا تو گولی اس کے سم کو توڑ کر اور پیشانی کو پھوڑ کر نکل گئی۔لوگوں نے ہنسنا شروع کیا کہ کجا سم اور کہاں پیشانی رئیس صاحب کے نوکر نے کہا بجا درست ہے ہرن اس وقت سر کھجلا رہا تھا۔سو لوگ چاہتے ہیں مولویوں سے ایسا کام لینا مگر مولوی بھی اس کام کے نہیں ہیں کہ جو بات آپ کہیں وہ اس کے ثابت کرنے کے درپے ہوں۔

(۱۴) کل بے چارے مولوی محمد ابراہیم صاحب دہلوی نے وعظ میں علی گڑھ کے مدرسوں کو دیوبند کے مقابلہ میں رکھ کر بیان کیا تھا۔لوگ اسی سے ناخوش ہو گئے اور مولوی صاحب موصوف کی نسبت براظن رکھنے لگے حالانکہ مولوی صاحب نے دین کا مسئلہ بیان کیا تھا کسی کی مخالفت و موافقت نہیں کی تھی اب اس کا کیا علاج ہے۔

برا کام ہمیشہ حرام سمجھ کر کیا جائے

(۱۵) جو لوگ خلاف شریعت کام کرتے ہیں ان کو چاہئے کہ اصرار کریں اور اس کے جواز کا فتویٰ بھی دے دیں۔برا کام ہمیشہ حرام سمجھ کر کیا جائے۔خداوند تعالیٰ کبھی بچنے کی بھی توفیق عطا فرمائے گا۔

علماء کو ضرورت دلداری

(۱۶) مولویوں کو بھی اتنی سختی نہیں چاہئے کہ خلاف شریعت کام کرنے والوں سے نفرت کرتے رہیں اور ان کی صورت سے بے زار ہو جائیں' دلداری سے کام لو اور دلداری سیکھو تا کہ لوگوں کے دل نہ ٹوٹیں ممکن ہے کہ کبھی وہ راہ راست پر آ جائیں اور خدا انہیں نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔اگر سختی کی جائے گی تو دل شکستہ ہو جائیں گے اور پھر ٹوٹے ہوئے دل ہمارے کس کام کے رہیں گے۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ ادھر تو وہ لوگ جو برا کام ہو اس کو خلاف شرع سمجھ کر کریں' برائی پر اصرار نہ کریں' خدا انہیں نیکی کی توفیق عطا فرمائے گا اور ادھر علماء کو چاہئے کہ نرمی خلق اور دلداری

سے احکام دین سکھائیں آہستہ آہستہ بتدریج راہ راست پر لائیں۔ اس طریقہ سے یقین ہے کہ بہت جلد اصلاح ہو جائے گی اور مسلمانوں کی کمزوریاں جلد سے جلد دور ہو جائیں گی۔

جلسہ میں کھانے کا انتظام تکلیف دہ ہے

(۱۷) اب میں اپنا بیان ختم کرتا ہوں اور چند باتیں جلسہ کے متعلق عرض کرتا ہوں۔ جلسہ میں تجربہ سے کھانے کا دینا تکلیف و دقت کا موجب ثابت ہوا ہے میری رائے ہے کہ اب آئندہ جلسہ جہاں کہیں ہو کھانے کا انتظام نہ ہو کیونکہ ایسے کھانے میں بہت سے مستحق رہ جاتے ہیں اور غیر مستحق کھا جاتے ہیں علاوہ ازیں روپیہ بھی بہت خرچ ہوتا ہے اگر یہ روپیہ جمعیت یا مدرسہ عالیہ کے دوسرے کاموں میں خرچ کیا جائے تو خوشی کا موجب ہے۔ ان وجوہ سے مناسب یہ ہے کہ آئندہ کے لئے اعلان کر دیا جائے کہ جلسہ میں کھانا نہ دیا جائے گا' البتہ جلسہ گاہ کے قریب ہر قسم کی دکانیں مہیا کی جایا کریں گی جن سے مہمانوں کو بہت آرام ملے گا اور کھانا آسانی سے میسر ہو گا۔ اگر اس صورت میں یہ خیال ہو کہ میزبان یہ سمجھیں گے کہ یہ امر مناسب نہیں ہے کہ ہم اپنے گھر کھائیں اور مہمان بازار میں کھاتے پھریں تو اس کے جواب میں حضرت مولانا محمود حسن صاحب قبلہ قدس سرہ' العالی کا یہ فرمانا ٹھیک ہے کہ تین روز تک میزبان بھی بازار میں کھا لیا کریں۔ تاکہ خیال ہی پیدا نہ ہو' سرائے میر کے جلسہ میں یہی انتظام دیکھا ہے کہ جلسہ گاہ کے قریب کھانے کی دکانیں لگائی گئی تھیں۔ جس سے بہت آرام ملا البتہ دس بیس مہمانوں کا جن سے خود اپنے کھانے کا انتظام نہ ہو سکے انتظام کر لیا جائے تو موجب حرج و تنگی نہیں ہے۔

دعائے خیر

اب ہم کو دعا کرنی چاہئے کہ خداوند تعالیٰ ہمیں اسلامی خدمتوں پر قائم رکھے۔ رضا حق کے طریقوں پر مستقیم رکھے اور خالص دینی خدمت کرنے کی سمجھ دے مگر ایسی خدمت نہ ہو جیسی کہ ایک ریچھ نے اپنے مالک کی خدمت مگس رانی کی تھی کہ مکھیوں سے تنگ آ کر مکھیاں اڑانے کی نیت سے مالک کے منہ پر پتھر مارا تھا۔

اذا کان الغراب دلیل قوم سیھدیھم طریق الھالکینا

(جب کسی قوم کا رہنما کوا ہو وہ انہیں ہلاک کرنے والوں کے راستہ پر لے جائے گا۔

ایسی خدمت کی توفیق خداوند تعالیٰ نہ دے کہ جس کی خدمت کی جائے اسی کی بیخ کنی ہو جائے۔

(۱۸) دنیا کی خدمت آپ لوگوں پر ہے یعنی مولویوں کا مدد کرنا مولویوں کو دینی خدمت کے لئے روپیہ دینا اور دین کی خدمت ہم پر ہے۔

علماء کو معاملات چندہ میں پڑنے سے گریز کی ضرورت

(۱۹) میں مولویوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ روپیہ کا نام زبان پر نہ لادیں اور روپیہ مانگنے سے قطعی احتراز رکھیں۔ امراء روپیہ خود دیں گے اور علماء اس سے دین کی خدمت کریں گے جس قدر روپیہ سے بے زاری کی جائے گی اسی قدر روپیہ ہمارے لئے موجود ہوگا۔

(۲۰) خداوند تعالیٰ کی درگاہ میں یہ دعا بھی فرمائیے کہ جن لوگوں نے اعانت کی ہے یا اس جلسہ میں آئے ہیں۔ خداوند تعالیٰ انہیں اپنی امان میں رکھے اور رحمت کی نظروں سے انہیں کامیاب بنائے۔ مسلمانوں کے باہمی اختلافات دور ہو جائیں۔ اور تمام مسلمان اتحاد و یکجہتی سے دین کی خدمت کریں۔ خداوند تعالیٰ ہم کو اور تمام مسلمانوں کو سلف صالحین کے اتباع کی توفیق رفیق عطا فرمائے اور دین مستقیم پر قائم رکھے۔ آمین ثم آمین۔

انفاق المحبوب

انفاق کی عادت ڈالنے کے متعلق خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون جامع مسجد میں ۲۷ ذی قعد ۱۳۴۱ھ بعد نماز جمعہ ۲ گھنٹہ چالیس منٹ ارشاد فرمایا جسے مولانا ظفر احمد صاحب نے قلمبند فرمایا۔ سامعین کی تعداد ۵۰ تھی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلِّمۡ.
اَمَّا بَعۡدُ: اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ. بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.
لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ط وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ۔ (آل عمران آیت نمبر ۹۲)

ترجمہ: تم خیر کامل کو نہ حاصل کرو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے اور جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں۔ پارہ ۴ رکوع ۱

جس آیت کی میں نے تلاوت کی ہے اس کے متعلق جمعہ گزشتہ کو بیان کا قصد تھا کیونکہ ایک دوست کی درخواست تھی کہ کچھ بیان کر دیا جائے۔ چونکہ عادت یہ ہے کہ میں مضمون میں تکلف نہیں کرتا بلکہ ضرورت کے موافق جو مضمون سمجھ میں آ گیا بیان کر دیا اس لئے میں نے یہ کہہ دیا کہ اگر کوئی مضمون وقت پر سمجھ میں آ گیا تو بیان کر دوں گا پھر اتفاق سے اس جمعہ کو نیند کی کمی کی وجہ سے طبیعت اچھی نہ رہی اور وعدہ اس پر بھی معلق تھا کہ طبیعت بھی اچھی رہی تو ان شاء اللہ بیان کر دوں گا۔ مضمون تو اسی جمعہ کو ذہن میں آ گیا تھا مگر دوسری شرط نہ پائی گئی یعنی طبیعت اچھی نہ رہی اس لئے بیان نہ ہوا اب بحمد للہ طبیعت بھی اچھی ہے اس لئے بیان کرتا ہوں۔

سلوک کا مدار نفس کو شہوت سے روکنا ہے

یہ آیت میرے قلب پر بے ساختہ نہیں آئی بلکہ ضرورت کی وجہ سے اس کو منتخب کیا تھا ایک ضرورت تو یہ تھی کہ بڑی بلا ہمارے اندر یہ ہے کہ ہم شہوات کے پابند ہیں اور اس کا علاج ترک

شہوات کے سوا کچھ نہیں اس لئے ہم سب کو ترک شہوات کی ضرورت ہے۔ خصوصاً سالکین کو کیونکہ سلوک کا تو مدار اسی پر ہے کہ نفس کو شہوات سے روکا جاوے جس میں معاصی سے تو بالکلیہ ہی روکنا ضروری ہے اور مباحات کی بھی تقلیل ضروری ہے یہی مجاہدہ ہے مثلاً راستہ میں کسی عورت یا مرد کو آتا ہوا دیکھا اور جی میں آیا کہ اس کو گھوروا اس وقت اکثر لوگ نفس کو شہوت سے نہیں روکتے بس جی میں دیکھنے کا خیال آیا اور فوراً دیکھ لیا خواہ دیکھنے کے بعد نفرت ہی ہو جائے کیونکہ سب حسین ہی نہیں ہوتے مگر اس سے بدون دیکھے نہیں رہا جاتا۔

احتمال خطرہ عظیم

اس پر میرے ایک دوست کو یہ شبہ ہوا کہ چونکہ بعض دفعہ سامنے سے آئی ہوئی عورت قریب آ کر بری معلوم ہوتی ہے اور اس کو اچھی طرح دیکھ لینے سے دل میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس صورت میں تو نفرت پیدا کرنے کے لئے اس کو اچھی طرح دیکھ لینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اجمالی نظر پر اکتفا کر لینے سے قلب میں یہ خیال رہتا ہے کہ شاید حسین ہو اور دیر تک قلب مشوش رہتا ہے اگر تفصیلی نظر سے دیکھ لیا جاتا تو تشویش نہ رہتی بلکہ نفرت پیدا ہو جاتی میں نے کہا کہ یہ بات تو تفصیلی نظر کے بعد معلوم ہوگی کہ یہ قابل نفرت ہے پہلے سے اس کا یقین کیونکر ہو سکتا ہے کہ یہ نفرت ہی کے قابل ہے بلکہ پہلے تو دونوں احتمال ہیں کہ شاید قابل نفرت ہو یا قابل رغبت ہو پھر اس خطرہ کی حالت میں نظر تفصیلی کی کیوں کر اجازت ہو سکتی ہے ممکن ہے کہ بعد میں وہ ایسی ظاہر نہ ہو اور اگر بعد میں وہ قابل نفرت نہ نکلی بلکہ قابل محبت نکلی تو اب تشویش اس سے زیادہ ہوگی۔ جو اجمالی نظر پر اکتفا کر لینے سے ہوتی ہے اگر چہ اس وقت ممکن ہے کچھ لذت حاصل ہو مگر وہ بلا ہوگی کیونکہ ہر لذیذ چیز حاصل تو نہیں ہو جاتی اور اگر حاصل بھی ہو جائے تو کیا ہوگا پھر بھی مصیبت کا سامنا ہے۔ عذاب آخرت تو ہے ہی جو نا قابل برداشت ہے دنیا میں بھی اس سے کلفت ہوتی ہے کیونکہ ایسی لذتیں جن میں صرف نفس کا شائبہ ہو اور دین بالکل نہ ہو دوام نہیں رکھتیں الاشاذ و نادر اور جب دوام نہ ہوا تو سخت کوفت و قلق ہوگا کیونکہ ایک بار حصول لذت سے محبت قلب میں جاگزیں ہو چکی ہے جس سے بعد اشتراق کے سخت تکلیف ہوتی ہے جو بعض دفعہ موت تک مفضی ہو جاتی ہے اس اعتبار سے یہ کلفت عذاب جہنم کے مشابہ بلکہ ایک اعتبار سے اس سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ وہاں کے عذاب سے موت تو نہ آئے گی اور اس عذاب سے تو موت آ جاتی ہے اور جو عذاب موت تک

پہنچاوے وہ اس سے اشد ہے جس سے موت نہ آئے یہ ایک خاص پہلو کے اعتبار سے ایک لطیفہ ہے ورنہ حقیقت میں عذاب آخرت کا ہی بڑھا ہوا ہے اور یہ فرق کہ یہاں کی بعض کلفتیں موت تک مفضی ہو جاتی ہیں اور وہاں کا عذاب مفضی الی الموت نہیں اس وجہ سے ہے کہ یہ عالم دائم نہیں اور وہ عالم دائم ہے اگر وہ عالم بھی فانی ہوتا تو عذاب جہنم سے نہ معلوم کتنی دفعہ موت آیا کرتی غرض جس نظر میں اتنے بڑے خطرہ کا احتمال ہو شریعت اس کی کب اجازت دے سکتی ہے اور عقل بھی اس کو گوارا نہیں کر سکتی کہ محض اس احتمال پر کہ شاید یہ قابل نفرت ہو دیکھ لیا جائے چاہے بعد میں انجام کچھ ہی ہو اگر بعد میں وہ قابل محبت ہوئی اور وصال نہ ہوا یا وصال ہوا اور دوام نہ ہوا تو اس ایک نظر کی لذت ساری لذتوں کو برباد کر دے گی اور اگر وصال کے بعد افتراق بھی نہ ہو تب بھی تعلق حرام میں وہ لذت نہیں ہوتی جو تعلق حلال میں ہے کیونکہ تعلق حرام میں گو اسباب استمرار کے موجود ہو جائیں لیکن چونکہ وہ علاقہ باضابطہ نہیں اس لئے اس میں سکون قلب حاصل نہیں ہوتا اس سے تمتع چوری چھپے ہوتا ہے کہ کوئی آ نہ جاوے کوئی دیکھ نہ لے یہ کھٹکا ساری لذت کو برباد کر دیتا ہے بس گدھے اور کتوں کی طرح لذت اٹھاتا ہے اور اگر کبھی عین تمتع کے وقت کسی کی آہٹ محسوس ہو گئی پھر تو ہوش اڑ جاتے ہیں اور تعلق حلال میں یہ بات نہیں وہاں سکون واطمینان سے تمتع ہوتا ہے اور نشاط کامل کے ساتھ ہوتا ہے اور اگر کبھی اتفاق سے تعلق حلال میں افتراق بھی ہو جائے تو بے چینی نہیں ہوتی کیونکہ تعلق باضابطہ ہے اس میں یہ اطمینان رہتا ہے کہ جب دل چاہے گا مل لیں گے اور اگر کسی کا اندیشہ بھی نہ ہو تو خود اس محبوب سے یہ اندیشہ رہتا ہے کہ معلوم نہیں کب برداشتہ خاطر ہو جاوے اور باضابطہ اس پر اختیار تو ہے نہیں کہ اس احتمال کا قاطع ہو جاوے۔

گناہ بے لذت

دوسرے تعلق حرام میں اس عقلی قلق کے علاوہ ایک شرعی قلق بھی ہوتا ہے وہ یہ کہ مسلمان کو گناہ کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کا خوف ضرور ہوتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوں گے اور آخرت میں عذاب ہوگا یہ خیال ساری لذت کو مکدر کر دیتا ہے اس لئے مسلمان کا گناہ کرنا تو محض حماقت ہی ہے گناہ کرے تو کافر کرے جس کو یہ خدشہ نہ ہو کیونکہ وہ آخرت کا قائل ہی نہیں تو اس کو لذت تو آئے گی اور مسلمان کا گناہ تو بے لذت ہے پھر گناہ بے لذت میں کیا نفع اور ایک بات اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ مسلمان کو دنیا میں بھی گناہ کر کے سخت تکلیف پہنچتی ہے کیونکہ گناہ کی خاصیت ہے کہ اس سے قلب میں ظلمت پیدا ہوتی ہے جس سے ایک وحشت اور بے چینی دل پر غالب ہو جاتی ہے انشراح

اور اطمینان کی کیفیت زائل ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ گنہگار کے دل کو مطیع و متقی کی برابر راحت نہیں ہوتی نیز گنہگار کا دل اس ظلمت و وحشت کی وجہ سے کمزور بھی ہو جاتا ہے جس کا تجربہ نزول حوادث کے وقت ہوتا ہے کہ متقی اس وقت مستقل مزاج رہتا ہے اور گنہگار کے حواس باختہ ہو جاتے ہیں اور اگر کسی کو گناہ کر کے ظلمت محسوس نہ ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو نور ہی کا احساس نہیں ہوا باقی جس کو بالکل ہی نور کا احساس نہ ہوا ایسا تو کافر ہی ہو سکتا ہے۔ مومن کو ایمان کی وجہ سے نور ضرور حاصل ہوتا ہے اور جو شے حاصل ہے اس کا احساس بھی ضرور ہے گو اس کی طرف التفات نہ ہو جیسے ہماری آنکھ آفتاب کی روشنی ہی میں کام کرتی ہے مگر اس کی طرف التفات کبھی نہیں ہوتا چنانچہ ہم بارہا خط دیکھتے اور کتاب لکھتے ہیں مگر کبھی اس کا دھیان بھی نہیں آتا کہ ہماری آنکھ کی روشنی کے ساتھ ایک اور روشنی بھی ہے اور ہم اس سے یہ کام کر رہے ہیں ہاں رات کو اندھیرے میں اس طرف التفات ہوتا ہے کہ ہماری آنکھ کی روشنی آفتاب کی روشنی سے مل کر ابصار کا سبب تھی اس لئے اس وقت قندیل کی ضرورت پڑتی ہے اسی طرح مسلمان کو گناہ کر کے معلوم ہوتا ہے کہ میرے اندر ایک نور تھا جو اس وقت گل ہو گیا۔ پھر ادراک نور سے ادراک ظلمت اس میں بھی درجے ہیں۔ بعض لوگوں کو ہر وقت نور سے تلبس رہتا ہے ان کو ظلمت کا ادراک بھی اس قدر قوی ہوتا ہے کہ ظلمت سے بے حد وحشت ہوتی ہے چنانچہ بعض لوگ جو قندیل روشن کر کے سوتے ہیں ان کو اندھیرے سے اس قدر وحشت ہوتی ہے کہ اندھیرے میں اس کو نیند بھی نہیں آتی اکبر شاہ کا ایک قصہ یاد آیا وہ ایک بار رات کو اٹھے تو سارے قندیل گل تھے بہت گھبرائے اور چونکہ آخر مسلمان تھے اس لئے ظلمت قبر یاد آئی کہ جب تھوڑی دیر کی ظلمت سے اتنی وحشت اور پریشانی ہے تو قبر میں کیا حال ہوگا جہاں کسی وقت بھی روشنی کا گزر نہ ہوگا اس کو یاد کر کے ان پر بڑا اثر درد اور غم سوار ہو گیا وزراء کو اس حال کی اطلاع کی سب نے تسلی کی مگر کسی طرح تسلی نہ ہوئی بیربل گو ہندو تھا مگر عاقل تھا اس نے کہا حضور آپ بالکل بے فکر رہیں آپ کی قبر میں ہرگز ظلمت نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں صرف تریسٹھ سال زندہ رہے اور آپ کے نور سے تمام عالم منور ہو گیا۔ جس کا اثر اب تک باقی ہے پھر آپ جب سے زیر زمین تشریف لے گئے ہیں وہ نور اب زیر زمین ہے جس سے وہ حصہ منور ہے لہٰذا مسلمانوں کی سب قبریں آپ کے اس نور سے منور ہیں اس بات سے اکبر کی تسلی ہو گئی گو یہ بات بیربل نے لطیفہ کے طور پر کہی تھی کہ آپ کے زیر زمین جانے سے وہ حصہ بھی منور ہو گیا ہے مگر اس میں اس کا تو اعتراف ہو گیا کہ آپ کی تریسٹھ سالہ زندگی سے تمام عالم منور ہو گیا ہے۔

والفضل ما شهدت به الا عدآء

(اور فضیلت دراصل یہ ہے کہ دشمن بھی اس کی شہادت دیں)

نعمت عظمہ

اور علماء کے اقوال سے ایک بات ایسی معلوم ہوتی ہے کہ جس سے بیربل کا یہ قول محض لطیفہ ہی نہیں رہتا بلکہ حقیقت کے قریب ہے جس کی تائید اقوال علماء سے ہورہی ہے وہ یہ کہ حدیث میں ہے کہ قبر میں منکر نکیر مردہ سے کہیں گے ماتقول فی ھذا الرجل تم اس شخص کے بارہ میں کیا کہتے ہو یہ لفظ منکر بفتح الکاف ہے بکسر الکاف نہیں عام لوگ منکر الکاف کہتے ہیں یہ غلط ہے وہاں منکر کوئی نہ ہوگا بلکہ دنیا کے منکر بھی وہاں جا کر مقر ہوجائیں گے صحیح لفظ منکر ہے جس کے معنی ناآشنا کے ہیں اور یہی معنی نکیر کے ہیں اور حکمت ان کاموں کے اختیار کرنے میں یہ ہے تاکہ سنتے ہی فکر ہوجائے کہ وہاں ایسے لوگوں سے سابقہ پڑے گا جو ناآشنا ہوں گے غرض وہ مردے سے اس طرح سوال کریں گے ماتقول فی ھذا الرجل اس میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ بوجہ شہرت وعظمت کے نام نہ لیا ہو اور اشارہ کو کافی سمجھا ہو کیونکہ مشہور آدمی کی طرف قرائن سے غائبانہ بھی اشارہ کر دیا کرتے ہیں۔ جیسے شہر میں کوئی مشہور بزرگ آجائیں جن کے استقبال کو ہزاروں آدمی جارہے ہوں تو اس وقت بعضے آدمی پوچھا کرتے ہیں کہ بھائی یہ کون صاحب ہیں یعنی آنے والے حالانکہ سوال کے وقت نہ ان کی طرف اشارہ حسیہ ہے نہ نام لیا گیا مگر پھر بھی اسم اشارہ سے سوال کرتا ہے تو یہ اشارہ معہود ذہنی کی طرف سے ہے کیونکہ اس مشہور آدمی کا سب کو آنا معلوم ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اشارہ اپنی حقیقت پر ہو یعنی مشار الیہ محسوس ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میت کو منکشف ہوجائیں بعض علماء نے اسی دوسرے احتمال کو اختیار کیا ہے۔ وانا عند ظن عبدی بی (مسند احمد ۲:۳۱۵، الترغیب والترہیب ۲:۳۹۳) (میں بندہ کے گمان کے قریب ہوں جیسا وہ میرے بارے میں گمان رکھتا ہے) اگر کوئی یہی گمان رکھے تو امید ہے کہ ان شاء اللہ اس کے لئے حضور منکشف ہی ہوجائیں گے یہ بڑی دولت ہے۔ بہت لوگ اس کی حسرت میں ہیں پس تم یہی گمان رکھو کہ ان شاء اللہ قبر میں زیارت ہوگی کیا عجب ہے کہ حسرت پوری ہوجائے بعض لوگ اس کی ترکیبیں پوچھا کرتے ہیں کہ کوئی وظیفہ یا درود ایسا بتلا دو جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں ہوجائے۔ گو بزرگوں نے اس کے طریقے بھی لکھے ہیں مگر حقیقت میں یہ محض ہیبت ہے اختیاری چیز نہیں اسی لئے اگر خواب میں کسی کو زیارت ہوجائے تو یہ کچھ کمال مامور بہ نہیں (گو نعمت عظیمہ ہے)۔

کمال ونقص کا مدار امور اختیاریہ ہیں

اور اگر کسی کو عمر بھر زیارت نہ ہو تو یہ کچھ نقص منہی عنہ نہیں کیونکہ ایسے کمال ونقص کا مدار تو امور اختیاریہ ہیں غیر اختیاری امور کے نہ ہونے سے نقص لازم نہیں آتا اور خواب میں دیکھ لینا امر غیر اختیاری ہے تو نہ کچھ کمال ہے اور نہ اس کی ضد کچھ نقص ہے بلکہ خود بیداری میں اختیار سے دیکھ لینا گو فضیلت ہے مگر نہ دیکھنا کوئی ایسا نقص نہیں جس میں کوئی دینی نقص ہو بلکہ بعض حالتوں میں دیکھنے پر نہ دیکھنے کو ترجیح ہو جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت زندگی بعض ایسے لوگوں نے بھی دیکھا ہے جو مرتکب کبائر تھے گو کفار نے بھی دیکھا مگر ان کا دیکھنا تو نہ دیکھنے کے حکم میں ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَتَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (اور آپ ان کو اپنی طرف نظر کرتا ہوا دیکھیں گے حالانکہ وہ کچھ نہیں دیکھتے ۱۲) کفار کے دیکھنے کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص کسی حسین جمیل محبوب کی صورت خوردبین کے آئینہ میں کو دیکھے جس میں چھوٹی شے بہت بڑی معلوم ہوتی ہے اب اس کو محبوب کا قد شہتیر سے بھی بڑا نظر آئے گا اور ناک ہاتھی کی۔ دیکھئے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو باوجودیکہ زیارت نہیں ہوئی مگر ان کی وہ فضیلت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ اگر تم اویس سے ملو تو ان سے اپنے واسطے دعا کرانا وہ بڑے مستجاب الدعوات ہیں ان کی شفاعت سے مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت بخشی جائے گی اور ان کے نہ دیکھنے پر اس لئے ترجیح تھی کہ وہ خود سرکار کے روکے ہوئے تھے ان کی والدہ بہت بوڑھی اور ضعیف تھیں اور خدمت کرنے والا ان کے سوا کوئی دوسرا نہ تھا اس وقت ان کے لئے خدمت والدہ سفر مدینہ سے زیادہ اہم تھی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو نہ آ سکے کیا ان کا دل نہ تڑپتا ہو گا ضرور تڑپتا ہو گا آج ہم لوگ دیدار نبوی کی حسرت میں ہیں حالانکہ کوئی صورت متوقع نہیں اور حضرت اویسؓ نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا زمانہ پایا ہے جس میں زیارت متوقع تھی مگر وہ اس واسطے نہ جا سکے کہ۔

ارید وصالہ ویرید ھجری فاترک ما ارید لما یرید

میل من سوے وصال نہ میل او سوے فراق ترک کام خود گرفتم تا بر آید کام دوست

(میں تو اس کے وصال کا خواہاں ہوں اور وہ میری جدائی کے درپے ہے۔ پس میں اپنی خواہش کو اس کی مرضی کے تابع کرتے ہوئے ترک کرتا ہوں)

وہ تو آنا چاہتے تھے مگر خدا اور رسول کا حکم یہی تھا کہ ماں کی خدمت کے لئے اپنے گھر ہی پر رہو اور اطاعت واجب تھی اور زیارت مستحب۔

دلیل حقانیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اور حضرت اویسؒ سے بڑھ کر حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے یہ حالت کفر میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل تھے بعد میں اسلام لے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے آپ نے ان سے فرمایا هل تستطیع ان تغیب وجهک عنی (الصحیح للبخاری ۱۲۹:۵) اے وحشی! کیا تم اپنا چہرہ مجھ سے غائب رکھ سکتے ہو۔ یعنی ایسا ہو سکتا ہے کہ تم عمر بھر میرے سامنے نہ آؤ۔ واللہ! یہ واقعہ تنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کے لئے کافی ہے کہ آپ کو قاتل حمزہ کی صورت دیکھنے سے طبعاً ملال و کوفت ہوتا تھا بے تکلف آپ نے اس طبعی اثر کو ظاہر فرما دیا کوئی دوسرا ہوتا تو ضرور بناوٹ کرتا اور اپنے رنج کو چھپاتا کہ ایسی بات کیا کہوں جس سے دوسروں کو یہ خیال ہوگا کہ معافی کے بعد بھی ان کے دل میں غبار ہے اور یوں کہے گا کہ اسلام سے خدا تعالیٰ نے تو پہلے گناہوں کو معاف فرما دیا اور ان کے دل میں ابھی تک پہلی باتوں کا اثر باقی ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی مطلق پرواہ نہ تھی کہ کوئی معتقد رہے گا یا نہیں اس لئے صاف صاف فرما دیا کہ اے وحشی اگر تم عمر بھر کے لئے مجھ سے اپنا منہ چھپا لو تو اچھا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس طریق میں تکدر قلب شیخ مانع و حاجب ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے سامنے آنے سے روک دیا کہ روز روز دیکھ کر انقباض ہوگا اور میرے انقباض سے ان کو ضرر ہوگا کہ فیوض و برکات سے حرمان ہو جائے گا اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنی ہی راحت کا سامان نہیں کیا بلکہ ان کی راحت کا بھی سامان تھا کہ ان کو بعد ہی میں ترقی ہو سکتی ہے قرب میں نہ ہوگی۔ اسی لئے صوفیہ نے تصریح کی ہے کہ بعض مریدوں کے لئے شیخ سے بعد ہی مفید ہے ان کو قرب میں زیادہ نفع نہیں ہوتا۔

جذبات بشریہ کی رعایت

دوسرے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بھی اس قسم کے امور طبعیہ اور جذبات بشریہ کی رعایت و موافقت کی اجازت دے دی اور بتلا دیا کہ مجرم کی خطا معاف کر دینا اور ہے اور دل کھل جانا اور ہے یہ ضرور نہیں کہ خطا معاف کر دینے کے ساتھ فوراً ہی دل بھی کھل جائے اس واقعہ میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سے جو خطا ہوئی تھی یعنی قتل حمزہ وہ اسلام سے پہلے ہوئی تھی اور اسلام لانے سے گزشتہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو یقیناً ان کی خطا معاف کر دی گئی تھی مگر خطا معاف کر دینے سے وہ طبعی اثر معاً کیوں کر دل سے زائل ہو جاتا کہ صورت دیکھ کر قاتل ہونے کا بھی خیال نہ آتا اس لئے آپ

نے حضرت وحشی کو اپنے سامنے آنے سے منع فرمادیا۔ لوگ اس میں بہت غلطی کرتے ہیں کہ خطا کی معافی اور دل کی صفائی کو لازم وملزوم سمجھتے ہیں یہ غلطی ہے خطا معاف کردینے سے فوراً دل صاف نہیں ہوجاتا دیکھو اگر تم کسی کے نشتر چبھادو پھر معافی چاہو اور وہ اسی وقت معاف بھی کردے تو کیا معاف کردینے سے زخم بھی فوراً اچھا ہوجائے گا ہرگز نہیں بلکہ اس کا علاج معالجہ مہینوں ہفتوں کرو گے تب کہیں اچھا ہوگا یہی حال دل کے زخم کا ہے کہ خطا معاف کردینے سے وہ معاً مندمل نہیں ہوجاتا بلکہ دیر میں اچھا ہوتا ہے اور کبھی خطا کار کے بار بار سامنے آنے سے دل کا زخم چھلنے لگتا ہے تو اس وقت اس کی اجازت ہے کہ اس کو اپنے سامنے آنے سے منع کردو تاکہ دل کا زخم زیادہ نہ بڑھے اور جلدی اچھا ہو جائے مگر بعض لوگ اس حالت کے ظاہر کرنے سے شرماتے ہیں کہ لوگ یوں کہیں گے کہ ان کے دل میں معافی کے بعد بھی غبار ہے یہ محض تصنع ہے اور بعضے اس سے تو نہیں شرماتے مگر دوسرے شخص کی دل شکنی کے خیال سے اس کو سامنے آنے سے منع نہیں کرتے اور اپنے دل پر جبر کئے رہتے ہیں کہ یہ عزیمت ہے مگر کبھی اس رخصت پر بھی عمل کرنا چاہئے جس پر حضرت وحشی کے واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا ہے اگر رخصت شرعیہ سے ہم انتفاع نہ کریں گے تو کیا فرشتے انتفاع کریں گے اور میرے نزدیک اس کا معیار یہ ہونا چاہئے کہ جس شخص کے سامنے آنے سے کلفت قابل برداشت ہوتی ہو وہاں عزیمت پر عمل کرلے اور جہاں کلفت ناقابل برداشت ہوتی ہو وہاں رخصت پر عمل کرے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت لوگوں نے ایذا دی مگر چونکہ وہ ایذائیں آپ کی ذات تک محدود تھیں اس لئے ان کو آپ بہت جلد دل سے بھلادیتے تھے اور ان ایذا دینے والوں کے اسلام کے بعد ان کی پہلی ایذا کا آپ کو خیال بھی نہ رہتا تھا اور حضرت وحشی کی ایذا کا اثر آپ کی ذات ہی تک نہ تھا بلکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو قتل کیا تھا اور بری طرح قتل کیا تھا جس کا صدمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اور حضرت حمزہ کے سب عزیزوں کو بہت تھا جس کی وجہ سے حضرت وحشی کی صورت دیکھنے کا آپ کو تحمل نہ تھا اس لئے یہاں آپ نے رخصت پر عمل فرمایا ۱۲)

بلاوجہ رخصت شرعیہ پر عمل کرنا مذموم ہے

لیکن بعض لوگوں کو ہر حالت میں عزیمت ہی پر عمل کرنے کا شوق ہوتا ہے یہ کوئی کمال نہیں چنانچہ بعض لوگ عمدہ غذائیں بھی نہیں کھاتے اگر معالجہ کے طور پر ایسا کیا جائے تو اور بات ہے مثلاً کسی کو عمدہ غذاؤں سے ضرر ہوتا ہو باقی بلاوجہ رخصت شرعیہ ونعم الٰہیہ سے باوجود ضرورت کے بھی کام

نہ لینا خدا تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ حدیث میں ہے ان اللہ یحب ان یؤتی رخصہ کما یحب ان یؤتی عزائمہ (مسند احمد ۲: ۱۰۸، کنز العمال ۵۳۳۴) (بے شک اللہ تعالیٰ ضرورت کے وقت رخصتوں پر عمل کرنے کو اتنا پسند کرتے ہیں جتنا عزائم پر عمل کرنے کو) دیکھئے اگر کبھی کبھی ہم اپنے بچے کے لئے آم لاویں یا کوئی مٹھائی لاویں اور وہ نہ کھاوے تو کیا ہم کو ناگوار نہ ہوگا۔ ضرور ناگوار ہوگا کہ اس نے ہماری محبت کی قدر نہ کی اسی طرح اگر حق تعالیٰ اپنے بندہ کو آم اور مٹھائی کھلانا چاہئیں اور وہ نخرے کرے کہ نہیں میں تو روٹی ہی کھاؤں گا تو یہ بھی بے ادبی ہے۔ جب وہ حلال طریقہ سے عمدہ نعمتیں بھیجیں تو ان کو عطائے حق سمجھ کر استعمال کرنا چاہئے بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحشی کو اپنے سامنے سے غائب ہونے کو فرمایا اور ان اللہ کے بندے نے اس کو خوشی سے منظور کیا اور عمر بھر کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا منہ چھپالیا کبھی سامنے نہ آئے۔ اللہ اللہ ان کے دل پر کیسے سانپ لوٹتے ہوں گے۔ حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے تو ایک دفعہ بھی آپ کو نہ دیکھا تھا ان کا صبر پھر سہل تھا مگر حضرت وحشی کا حضور کو دیکھنے کے بعد پھر سامنے نہ آسکنا بہت سخت ہے۔ کسی نے اپنے معشوق کو دیکھا ہی نہ ہو اس کا فراق اتنا شدید نہیں جتنا اس کا فراق اشد ہے۔ جس نے ایک نظر دیکھ لیا پھر عمر بھر ترستا رہا تو دیکھئے باوجودیکہ حضرت اویس رضی اللہ عنہ اور حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کو تو زیارت سے روک دیا گیا مگر کیا ان کے فضائل میں کچھ خلل رہ گیا۔

خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مدار کمال نہیں

جب زیارت فی الحیات میں بھی یہ بات ہے کہ عدم زیارت موجب نقص نہیں تو خواب کی زیارت پر کمال کا مدار کیونکر ہو سکتا ہے اور اس کا نہ ہونا موجب نقص کیسے ہوگا۔ اس لئے اس کو مقصود نہ سمجھنا چاہئے بلکہ مقصود وہ اعمال ہیں جن کا بندہ کو مکلف کیا گیا ہے جو اس کے اختیار میں ہیں پس اگر ایک شخص اعمال میں پختہ ہو گو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اسے کبھی نہ ہوئی ہو وہ اس شخص سے اکمل ہے جس کو زیارت نبوی خواب میں بہت ہوتی ہے مگر اعمال اختیاریہ میں کوتاہی کرتا ہے۔ خوب سمجھ لو یہ تو بیچ میں ایک غلطی کا رفع تھا لیکن اس میں کیا شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بڑی محبوب اور لذیذ چیز ہے جس کی حسرت ہر مسلمان کے دل میں ہے تو اگر بعض علماء کے قول پر یہ امید رکھی جائے کہ ہم کو قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم زیارت ہوگی تو کیا عجب ہے کہ یہ امید پوری ہو جائے اور انا عند ظن عبدی بی

کے وعدہ پر نظر کر کے تو بہت ہی قریب امید ہے کہ ان شاء اللہ اس گمان والے کو ضرور زیارت ہوگی۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کا راز فرماتے تھے کہ حق تو یہ تھا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جان دیتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے جنازے کی نماز پڑھتے مگر یہ تو مقدر نہ تھا جس میں ایک حکمت یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انا فرط لکم کہ میں تمہارے لئے پیش خیمہ بن کر جا رہا ہوں پہلے جا کر تمہارے لئے راحت کا سامان کروں گا۔ اے صاحبو! تم بے فکر رہو اور خوش رہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے سامان کر رہے ہیں تو حق تعالیٰ نے اس کے بجائے یہ کر دیا کہ بعد مرنے کے قبر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے گی اس کے بعد یہ شعر پڑھتے تھے۔

کششے کہ عشق دارد نگذاردت بدیں ساں بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

(عشق کی کشش تجھ کو اس طرح نہ چھوڑے گی اگر تو جنازہ پر نہ آئے تو مزار پر ضرور آئے گا)

اور جب قبر میں مومن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوگی تو پھر وہاں ظلمت کا کیا کام وہ قبر تو ان شاء اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سے منور ہو جائے گی یہ مضمون اکبر شاہ کی حکایت پر چلا تھا کہ ان کو ایک رات قندیلوں کے گل ہونے سے سخت وحشت ہوئی اور قبر کی ظلمت یاد آ کر بہت فکر ہوئی جس پر بیربل نے ایک لطیفہ سے تسلی کی میں نے کہا تھا کہ یہ بات محض لطیفہ ہی نہیں بلکہ اقوال علماء سے موید ہے گو قائم کو اس کی خبر بھی نہ ہو بہر حال جن لوگوں کو نور سے زیادہ تلبس ہوتا ہے ان کو ظلمت سے زیادہ وحشت ہوتی ہے پس چونکہ ہر مومن میں نور ایمان ضرور ہے۔ اس لئے گناہوں کی ظلمت سے ہر مسلمان کو وحشت ضرور ہوتی ہے مومن بے نور نہیں ہوتا گو ضعیف النور ہو سکتا ہے اور اس ضعف نور ہی کی وجہ سے بعض کو ظلمت معصیت سے وحشت کم ہوتی ہے اگر ان کا نور کامل ہوتا تو گناہوں سے بہت زیادہ وحشت ہوتی اس لئے مسلمان کو گناہ کر کے عذاب آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی عذاب ہوتا ہے کہ اس کا نور باطن مبدل بہ ظلمت اور انشراح قلب مبدل بہ وحشت ہو جاتا ہے پس مسلمان تو خواہ مخواہ ہی گناہ کرتا ہے پس گناہ کا علاج کرنا ہر اعتبار سے ضروری ہوا اور علاج ہوتا ہے بالضد اور گناہ کا منشا شہوت ہے اور اس کی ضد مجاہدہ پس گناہ کا علاج مجاہدہ ہوا جس کا حاصل نفس کو شہوت سے روکنا ہے اور شہوات مختلف ہیں اس لئے ان کا علاج یعنی مجاہدات بھی مختلف ہیں چونکہ آج کل اس سے بہت غفلت ہے جس آیت کو میں نے اختیار کیا ہے اس میں بھی ایک خاص قسم کی شہوت کا علاج یعنی ایک خاص قسم کا مجاہدہ مذکور

ہے جس کو عام طور سے مجاہدہ ہی نہیں سمجھا جاتا اسی لئے اس کو اختیار نہیں کیا جاتا کیونکہ ہم لوگوں میں بھی ایک مرض ہے کہ عبادات و مجاہدات میں بھی انہی کو اختیار کرتے ہیں جسے شہرت حاصل ہو چنانچہ نماز روزہ اور ذکر و شغل بہت لوگ کرتے ہیں مگر جن عبادات سے شہرت نہ ہو جیسے نگاہ کا روکنا دل کو شہوات سے بچانا ایسے کام بہت کم لوگ کرتے ہیں کیونکہ ان سے شہرت نہیں ہوتی۔

شہوت کا علاج

اسی طرح ایک خاص عبادات اور مجاہدہ ہے جس کو ہم نے بالکل چھوڑ دیا ہے جو کہ ایک شہوت کا علاج ہے اور وہ طاعت انفاق ہے۔ بہت لوگوں کے کچھ معمولات نماز روزہ اور ذکر و تلاوت وغیرہ میں مقرر ہیں مگر طاعت انفاق کا کوئی معمول کسی نے مقرر نہیں کیا۔ اسی طرح اس انفاق کی ایک خاص فرد کو کہ امر بالمعروف ہے جس کا ایک خاص معنی کہ انفاق کی فرد ہونا عنقریب مذکور ہوتا ہے۔ لوگوں نے بالکل چھوڑ دیا ہے اس کے متعلق بھی کسی نے کچھ معمول مقرر نہیں کیا بلکہ لوگوں نے اس کے متعلق تو یہ سبق یاد کر لیا ہے "عیسیٰ بدین خود و موسیٰ بدین خود"۔

نظر کا قصور

حالانکہ یہ مثل خود ہی غلط ہے کیونکہ اس سے حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے دین الگ ہونا اور ان دونوں صاحبوں کا باہم مفترق فی الدین ہونا لازم آتا ہے حالانکہ آیۃ قرآنیہ سے دونوں کے دین کا ایک ہونا اور دونوں میں باہم افتراق نہ ہونا منصوص ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ۔ (اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کا ہم ابراہیم موسیٰ عیسیٰ علیہم السلام کو مع ان سب کے اتباع کے حکم دیا تھا اور ان کی امتوں کو یہ کہا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا (پارہ ۲۵ رکوع ۲) اس سے معلوم ہوا کہ سب انبیاء علیہم السلام کو ایک ہی دین کے قائم کرنے کا حکم تھا اور اس میں تفرق سے ممانعت تھی مگر اس مثل میں دونوں کے درمیان افتراق بیان کیا گیا ہے اس کا منشاء قصور نظر ہے بھینگے کو ایک چیز دو ہی نظر آیا کرتی ہیں چنانچہ مولانا ایک یہودی بادشاہ کے بابت جو عیسائیوں کا دشمن تھا فرماتے ہیں۔

شاہ احول کرد در راہ خدا آں دود مساز خدائی راجداد

(یعنی وہ بادشاہ احول تھا اس لئے اس نے نہ دومسازوں کو جدا کر دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کے دین کو موسیٰ علیہ السلام کے دین سے الگ سمجھنے لگا اس کے بعد مولانا نے ایک احول کی حکایت لکھی ہے کہ ایک استاد نے اپنے شاگرد سے جو بھینگا تھا کہا کہ فلاں طاق میں ایک بوتل رکھی ہوئی ہے اس کو لے آ ؤ وہ جو پہنچا تو اس کو دو دو بوتلیں نظر آ ئیں کہنے لگا یہاں تو دو بوتلیں ہیں کونسی لاؤں استاد نے کہا ارے احمق ایک ہی ہے تجھ کو بھینگے پن سے دو نظر آتی ہیں تو اس نے کہا نہیں بلکہ واقعی ہی میں دو ہیں استاد نے کہا اچھا ایک کو توڑ دے اور دوسری کو لے آ اس نے ایک کو جو توڑا تو دوسری بھی غائب اب معلوم ہوا کہ واقعی میری ہی نظر کا قصور تھا اسی طرح جو شخص انبیاء علیہم السلام میں تفریق کر کے ایک سے عداوت کرتا ہے وہ دونوں سے منقطع ہو جاتا ہے غرض یہ مثل "عیسیٰ بدین خود موسیٰ بدین خود" باطل ہے کسی شاعر نے گھڑی ہے۔

بعض شعراء کی بے ڈھنگی باتیں

شعراء ایسے ہی بے ڈھنگی باتیں سنایا کرتے ہیں پس اس مثل پر عمل کرنا سخت غلطی ہے مگر آج کل عام طور پر یہی مذاق غالب ہے اسی لئے صوفیوں سے لوگ خوش ہیں کیونکہ ان کے یہاں روک ٹوک بالکل نہیں ہوتی بس کسی کو باوا بنالیا کسی کو بیٹا بنالیا اور علماء سے لوگ ناخوش ہیں کیونکہ وہ یجوز ولا یجوز (جائز اور ناجائز ہونا) کے فتویٰ دیتے رہے ہیں مگر جو صوفیہ محقق ہیں۔

اعمال باطنہ پر گرفت

ان سے تو لوگ علماء سے بھی زیادہ ناخوش ہیں کیونکہ وہ اعمال ظاہرہ کے علاوہ اعمال باطنہ پر بھی گرفت کرتے ہیں۔ بعضے صوفی اپنے مسلک پر اس آیت سے استدلال کیا کرتے ہیں۔ لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ط إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ (ہم نے ہر امت کے واسطے ذبح کرنے کا طریق مقرر کیا ہے کہ وہ اسی طریق پر ذبح کیا کرتے تھے۔ سو ان لوگوں کو چاہئے کہ اس امر میں آپ سے جھگڑا نہ کریں اور آپ اپنے رب کی طرف بلاتے رہیے۔ آپ یقیناً صحیح راستہ پر ہیں) الہ آباد میں ایک شاہ صاحب تھے انہوں نے مجھ سے اس آیت کا مطلب پوچھا میں سمجھ گیا کہ ان کا مقصود کیا ہے اور وہ مقصود علماء پر اعتراض کرنا تھا کہ

حق تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ہر ایک کے لئے ایک راستہ بنا دیا ہے جس پر وہ چل رہے ہیں تو کسی سے نزاع نہ کرو اور یہ مولوی خواہ مخواہ کسی کسی پر اعتراض کرتے رہتے ہیں۔ میں نے کہا شاہ صاحب اس میں حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نزاع سے منع نہیں فرمایا کہ آپ نزاع نہ کریں بلکہ کفار کو روکا ہے کہ وہ آپ سے نزاع نہ کریں کیونکہ آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں۔ چنانچہ اس آیت کے اخیر میں اس کی تصریح ہے۔ وَادْعُ اِلٰی رَبِّکَ ط اِنَّکَ لَعَلٰی ھُدًی مُّسْتَقِیْمٍ (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی طرف بلاتے رہیے بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم صراط مستقیم پر ہیں) اسی لئے تنازعھم فی الْاَمْرِ نہیں فرمایا بلکہ یُنَازِعُنَّکَ فِی الْاَمْرِ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر میں جھگڑا نہ کریں) فرمایا ہے اس کا تو حاصل یہ ہوا کہ اہل باطل کو اہل حق سے نزاع کا حق نہیں یہ کہاں معلوم ہوا کہ اہل حق کو بھی اہل باطل سے نزاع کا حق نہیں اس جواب میں شاہ صاحب لاجواب ہو گئے مگر ناراض نہیں ہوئے اور یہ چونکہ یہ بات اس آیت کے متعلق میرے ذہن میں اسی وقت آئی تھی اس سے پہلے ذہن میں نہ تھی اس لئے مجھے فکر ہوئی کہ تفاسیر میں بھی دیکھنا چاہئے کہ کانپور واپس آ کر میں نے جلالین دیکھی تو اس میں یہ تفسیر نہ تھی بلکہ مجاز پر محمول کر کے یُنَازِعُنَّکَ فِی الْاَمْرِ کے معنی لا تنازعھم فی الامر (وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نزاع نہ کریں) بیان کئے ہیں اگر کہیں شاہ صاحب کو جلالین یاد ہوتی تو وہ جیت جاتے مگر اس وقت میں یہ کہتا کہ یہ صاحب جلالین کی رائے ہے حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجاز مراد لینا خلاف اصل ہے لہذا قرآن سے تو استدلال نہیں ہو سکتا بہت سے بہت صاحب جلالین کے قول سے استدلال ہوگا اور ہم پر حجت نہیں کیونکہ ہم ان کے مقابلہ میں دوسرے بزرگوں کے اقوال پیش کر دیں گے جیسے امام غزالیؒ وغیرہ اور اگر صاحب جلالین کی تفسیر کو مان بھی لیا جائے پھر بھی جواب ہو سکتا ہے کہ یہاں تو حق تعالیٰ نے نزاع سے منع فرمایا ہے اور امر بالمعروف نزاع نہیں تو امر بالمعروف سے کہاں ممانعت ہوئی۔

امر بالمعروف کے حدود و شرائط

بلکہ دوسری آیتوں میں تو اس کا صریح حکم ہے وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْکَرِ (بھلائی کا حکم کرتے رہیئے اور برائی سے روکتے رہیئے) لیکن یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس فریضہ کے کچھ حدود و شرائط ہیں ہر شخص کو اس کی اجازت نہیں کیونکہ اگر ہر شخص کو امر بالمعروف کی اجازت دی جائے تو واقعی ہر روز فوجداری ہوا کرے گی آپ چلے جا رہے ہیں راستہ میں کوئی

ہندو ملا آپ نے اس سے کہا مسلمان ہو جاوہ کہے گا ہندو ہو جا۔ بس اسی پر لڑائی شروع ہو جائے گی۔ یا کسی کو بری طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس سے کہا کہ نماز لوٹا صحیح نہیں ہوئی وہ کہے گا تیرے باپ کا کچھ اجارہ ہے نہیں لوٹاتے۔ آپ کہیں گے ہاں ہمارا اجارہ ہے۔ بس یہیں سے فوجداری شروع ہو گئی۔ اب یہاں سوال ہوسکتا ہے کہ صاحب اگر امر بالمعروف کریں تو دنیا میں فوجداری اور امر بالمعروف نہ کریں تو آخرت میں فوجداری تو اس مسئلہ میں یہ بڑا اشکال ہوا اس کا جواب الحمد للہ مجھے القا ہوا وہ یہ کہ حق تعالیٰ نے جو امر بالمعروف کا امر فرمایا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ حکم کو سنتے ہی امر بالمعروف شروع کر دو بلکہ یہ حکم ایسا ہی ہے جیسے اقیموا الصلوۃ (نماز کو قائم رکھو) وغیرہ کہ اس کو سن کر فوراً نماز شروع نہیں کی جاتی خواہ نماز پڑھنا آتا ہی نہ ہو بلکہ اول سیکھنے کی فکر ہوتی ہے پھر نماز پڑھتے ہیں اسی طرح یہاں بھی اول طریقہ سیکھو پھر امر بالمعروف کرو بدون سیکھے امر بالمعروف کرنے کی اجازت نہیں البتہ سیکھنا فرض ہے جیسا کہ نماز کا سیکھنا فرض ہے اب بعضے لوگ خط سے طریقہ دریافت کرنا چاہتے ہیں یہ نہایت حماقت ہے بھلا کہیں خط سے بھی کسی کام کا طریقہ معلوم ہوسکتا ہے ہم تو جب جانیں کہ کتاب دیکھ کر بدون کسی نمازی کو دیکھے ہوئے کوئی نماز تو پڑھ لے ہرگز نہیں پڑھ سکتا ضرور غلطی کرے گا۔

مناسک حج سیکھنے کی ضرورت

مولانا رحمت اللہ صاحب نے ایک عالم کی حکایت بیان کی جنھوں نے مناسک (یعنی احکام حج) میں بھی ایک کتاب لکھی تھی اس کے بعد حج کے لئے مکہ معظمہ حاضر ہوئے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کسی کو مطوف بنائیں گے یا نہیں کہا ہم کو مطوف کی کیا ضرورت ہے ہم احکام حج کو ان سے زیادہ جانتے ہیں۔ (کیونکہ اس باب میں کتاب تصنیف کر چکے تھے ۱۲) مگر پھر جو تنہا افعال حج شروع کئے تو ان میں متواتر دو غلطیاں کیں جس پر ایک مطوف لڑکے نے متنبہ کیا آخر کار اس بچہ ہی کو مطوف بنایا جب کام چلا اس لئے میں کہتا ہوں کہ خط سے ترکیب افعال کی نہیں معلوم ہوسکتی۔

امر بالمعروف کی حکایت

ایک صاحب نے خط کے ذریعہ مجھ سے یہ بات دریافت کی کہ امر بالمعروف کو کس کی اجازت ہے اور کس کو نہیں میں نے لکھا کہ اس کے جواب میں تو رسالہ لکھنے کی ضرورت ہے اور مجھے اس کی فرصت نہیں احیاء العلوم اور نصاب الاحتساب وغیرہ کا مطالعہ کرلو۔ یہ تو الزامی جواب تھا اور حقیقی جواب یہ ہے کہ کسی محقق کے پاس رہ کر طریقہ سیکھو پھر جس کو وہ اجازت دے دے اس کو امر

بالمعروف کرنے کی اجازت ہے اور جس کو وہ اجازت نہ دے اس کو اجازت نہیں کیونکہ پورا طریقہ سیکھنے ہی سے آتا ہے حضرات صحابہ میں آخر کیا بات تھی جس کے سبب ان کے مرتکب کبائر بھی غوث اعظم سے افضل ہیں یہی تو بات تھی کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ کر دین سیکھا تھا اور تم کتابوں سے سیکھتے ہو حضرات صحابہ نے درسیات کس دن پڑھی تھیں۔ دوسرے کتاب میں آدمی تمام باتیں کہاں تک لکھ سکتا ہے اس پر عمل کرنے کے لئے بھی گھر کی عقل ہونا چاہئے ورنہ وہی قصہ ہوگا جیسے ایک شخص نے اپنے ملازم کو ایک پرچہ لکھ کر دیا تھا جس میں کاموں کی تفصیل تھی کہ تیرے ذمہ اتنے کام ہیں۔ ایک دفعہ آقا اور ملازم کہیں سفر میں چلے آقا گھوڑے پر سوار تھا ملازم پیچھے پیچھے تھا ایک جگہ منزل پر پہنچے تو آقا کی چادر غائب تھی اس نے ملازم سے پوچھا کہ چادر کہاں گئی آپ بہت صفائی سے کہتے ہیں کہ وہ تو راستہ میں گر پڑی تھی کہا تو نے گرتے ہوئے دیکھا کہا جی ہاں پوچھا کہ پھر تو نے اٹھایا کیوں نہیں اس نے کاغذ سامنے کر دیا کہ یہ کام اس میں لکھا ہوا نہیں ہے وہ بہت جھلایا اور کاغذ میں اتنا اور بڑھا دیا کہ راستہ چلتے ہوئے اگر کوئی چیز گر جاوے تو اس کو اٹھا لیا کرو۔ اس کے بعد پھر چلے تو جب اگلی منزل پر پہنچے تو ملازم صاحب نے ایک بڑا پوٹلہ لا کر سامنے رکھ دیا پوچھا یہ کیا ہے۔ کہا گھوڑے کی لید ہے کہا یہ کیوں جمع کی گئی نوکر نے کہا کہ آپ نے ہی تو لکھا تھا کہ جو چیز راستہ میں چلتے ہوئے گرے اس کو اٹھا لیا کرو یہ لید گرتی جا رہی تھی میں نے اس کو جمع کر لیا۔ آقا نے کہا بھائی میں تم کو سلام کرتا ہوں تم میرا پیچھا چھوڑو سو واقعی جسے گھر کی عقل نہ ہو اسے کچھ لکھ کر دینا محض فضول ہے وہ نہ معلوم کیا کیا گڑ بڑ کرے گا۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ ہر کام کے لئے صحبت محقق کی ضرورت ہے کیونکہ پاس رہنے سے کچھ عرصہ میں عقل بھی درست ہو جاتی ہے اور اگر پھر بھی درست نہ ہوگی تو ایسے کو اجازت ہی نہ دے گا۔

امر بالمعروف میں سختی مناسب نہیں

اب جو لوگ کتابیں ہی دیکھ کر امر بالمعروف کرتے ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ ہر جگہ سختی سے کام لیتے ہیں جس سے بجائے اصلاح کے فساد ہوتا ہے یاد رکھو ہر شخص کو ہر جگہ سختی جائز نہیں بلکہ جہاں اپنی حکومت ہو وہیں سختی کا موقعہ ہے اور جہاں حکومت نہ ہو وہاں نرمی ہی مناسب ہے امام صاحب نے اس راز کو خوب سمجھا ہے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کا طنبور یا مزامیر (یعنی گانے بجانے کے آلات) توڑ دے تو اس پر ضمان لازم آئے گا اور صاحبین فرماتے ہیں کہ ضمان نہ آئے گا کیونکہ اس نے ازالہ منکر کیا ہے اور حدیث میں ازالہ منکر کا ہاتھ سے بھی حکم ہے امام صاحب اس

کا جواب دیتے ہیں کہ ہاتھ سے ازالہ منکر کرنے کا اختیار حکام کو ہے عوام کو اس کا اختیار نہیں امام صاحب کے قول کا راز یہ ہے کہ عوام کی دست اندازی سے فساد ہوگا اور شریعت کا مقصود امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے اصلاح ہے نہ کہ فساد لہٰذا ہاتھ سے امر بالمعروف کرنے کا حکم عام نہیں بلکہ اہل حکومت کے ساتھ خاص ہے لیکن حکومت کے درجے ہیں باپ کو بیٹے پر اور شوہر کو بیوی پر استاد کو شاگرد پر فی الجملہ حکومت ہوتی ہے لہٰذا ان کو اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہاتھ سے بھی امر بالمعروف کا حکم ہے لیکن غیروں کے ساتھ ایسا نہ چاہئے وہاں صرف زبان سے کام لیں اور وہ بھی نرمی سے نیز امر بالمعروف بزرگوں کو بھی کہا جاتا ہے مگر وہاں نرمی کے ساتھ ادب کی بھی ضرورت ہے۔

حکایت حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک بار حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک مضمون لکھ کر نقل کے واسطے مولانا کو دیا اس میں ایک جگہ املا کی غلطی تھی اور وہ غلطی اتفاقاً ہوگئی تھی مگر مولانا کا ادب دیکھئے کہ اس میں خود اصلاح نہیں دی بلکہ اس لفظ کی جگہ چھوڑ دی بعد میں حاجی صاحب سے آ کر عرض کیا کہ اس مضمون میں ایک لفظ سمجھ میں نہیں آیا اس کو دوبارہ بتلایا جاوے۔ حاجی صاحب نے جو اس کو دیکھا تو قلم لے کر فوراً کاٹ دیا اور صحیح طور پر لکھ دیا اور فرمایا کہ یہاں مجھ سے املا میں غلطی ہوگئی اس کے بعد حاجی صاحب بار بار اس واقعہ کو بیان فرماتے تھے اور مولانا کی بہت تعریف فرماتے تھے کہ سبحان اللہ مولانا میں ادب کا بہت ہی بڑا حصہ ہے کہ باوجود بڑے عالم ہونے کے خود غلطی کو درست نہ کیا بلکہ اول دکھلایا جب میں نے ہی درست کر دیا بعد میں صحیح نقل کیا۔ دیکھئے مولانا نے اس موقعہ پر نہ تو غلو فی الاعتقاد سے کام لیا کہ پیر کی غلطی کو غلطی بھی نہ سمجھتے اور نہ بے ادبی کی کہ خود اصلاح دے کر پیر سے کہہ دیتے کہ یہاں آپ نے غلطی کی تھی میں نے اس کو صحیح کر دیا ہے بلکہ لطیف طریقہ سے شیخ کو مطلع کر دیا جب انہوں نے خود غلطی کی اصلاح کر دی اس کے بعد صحیح لفظ لکھا اسی کو کہتے ہیں۔

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق ہر ہوسنا کے نداند جام و سندان باختن

جاہل تو اس موقعہ پر پریشان ہو کر یوں کہہ اٹھے گا۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ بازی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

کہ ادھر تو پیر کے ادب کا حکم ہے اور ادھر امر بالمعروف کا حکم ہے دونوں کو کیوں کر جمع کریں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے دونوں کو جمع کر کے دکھلا دیا۔

انفاق کا معیار

غرض ہم لوگوں نے طاعات میں بھی انتخاب کر کے انہی کو اختیار کیا ہے جن میں مشقت اور مجاہدہ تو کچھ نہ ہو اور شہرت زیادہ ہو اور جن طاعات میں شہرت نہیں ان کو بالکل اختیار نہیں کرتے یا ان میں بھی آسان کام کو لیتے ہیں جن سے نفس پر گرانی اور مشقت نہ ہو اور اس کی لذت و شہوت فوت نہ ہو چنانچہ انفاق میں یہی عمل کیا ہے جس کا اس آیت میں امر ہے خواہ انفاق مالی ہو یا انفاق علمی جس کی ایک فرد امر بالمعروف بھی ہے اس کو بھی ہم نے اس واسطے چھوڑ رکھا ہے کہ اس میں نفس پر مجاہدہ ہے حالانکہ میں کہہ چکا ہوں کہ ہمارے امراض کی جڑ شہوت ہے اور وہ بدون مجاہدہ کے اصلاح پذیر نہیں ہو سکتی اس لئے ہم کو انفاق کا بھی اہتمام کرنا چاہئے جس میں ایک تو انفاق مالی ہے اس سے شہوت مال اور حب دنیا کا ازالہ ہوتا ہے مگر اس انفاق کے بھی درجے ہیں ایک درجہ تو یہ ہے کہ لاکھ روپے والا پانچ روپے دیدے ایسے انفاق کو تو اسلام ہے اس کی تو وہی مثال ہے جیسے ایک عاشق اپنے محبوب کے پیچھے کوٹھے پر سے کود پڑا تھا گرنے کے بعد اٹھا نہ گیا زخمی ہو کر بے ہوش پڑا رہا لوگ جمع ہو گئے۔ شیخ سعدی بھی وہاں سے گزرے پوچھا یہ کیوں پڑا ہے لوگوں نے کہا کہ یہ اپنے محبوب کو جاتا ہوا دیکھ کر کوٹھے پر سے کود پڑا تھا وہاں نزدیک ہی ایک زینہ بھی تھا شیخ سعدی کو ظرافت سوجھی اور زینہ کی ایک سیڑھی چڑھ کر وہم سے کود پڑے اور فرمایا کہ ہم بھی عشاق ہیں مگر عشق سعدی تا بزانو ہمارا عشق تو اتنا ہی ہے کہ ایک سیڑھی سے کود جائیں تو جیسے شیخ سعدی نے کودنے کا نام کیا تھا اسی طرح یہ حضرت بھی لاکھ روپے میں سے پانچ روپیہ دے کر انفاق کا نام کرتے ہیں سو یہ انفاق معتبر نہیں کیونکہ اس میں مجاہدہ کچھ نہیں بلکہ معیار اس کا یہ ہے کہ اتنا خرچ کرے جس سے دل دکھے کیونکہ بدون اس کے بخل زائل نہیں ہوتا اگر کوئی کہے کہ میرا دل تو ایسا ذہین ہے کہ لاکھ میں سے پانچ روپے دینے سے بھی دکھتا ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ خود یہ دکھنا ہی معتبر نہیں تمہاری رائے غلط ہے تم ایک کمیٹی مقرر کرو اور احباب سے مشورہ کرو کہ مجھے کتنا خرچ کرنا چاہئے۔

انفاق معتبر

غرض انفاق معتبر وہی ہے جس سے دل پر معتد بہ اثر اور کچھ دکھن محسوس ہو پھر رفتہ رفتہ خرچ کی عادت ہو جائے گی۔ جیسے اسخیاء کو عادت ہو جاتی ہے اور بخل جاتا رہے گا پھر کوئی وقت ایسا بھی آتا ہے کہ سخی کو بھی ہاتھ روکنا پڑتا ہے۔ کیونکہ بعض مواقع پر شریعت و عقل اس کو حکم دیتے ہیں کہ اب ہاتھ روک لو خیر یہ تو بعد کا درجہ ہے ابھی تو ہم کو انفاق کی عادت ڈالنا چاہئے مگر افسوس

ہے کہ ہم نے طاعات میں سے بھی ان کو انتخاب کیا ہے جن میں کچھ خرچ نہ ہو جیسے ایک کھانے والے نے آیات میں سے انتخاب کیا تھا اس سے کسی نے پوچھا کہ تم کو قرآن میں کون سی آیت زیادہ پسند ہے کہا ہاں ایک آیت احکام میں سے اور ایک آیت دعاؤں میں سے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا (کھاؤ اور پیو) تو حکم اور رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ (اے ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے دستر خوان اپنی نعمتوں کا نازل فرما) دعا اور جیسے گلستان میں حکایت ہے کہ ایک بخیل کا لڑکا بیمار ہوا تو لوگوں نے کہا قرآن کا ختم ہونا چاہئے یا ایک بکرا ذبح کرنا چاہئے۔ بخیل نے کہا ختم قرآن سب سے بہتر ہے بس ایک قرآن ختم کر دیا کسی حکیم نے یہ بات سنی تو کہا اس کو ختم اس لئے آسان تھا کہ قرآن تو زبان پر ہے اور مال جان سے پیوستہ ہے یاد رکھو اس طرح سے اصلاح کامل نہیں ہو سکتی نہ شہوت و حرص زائل ہو سکتی ہے۔

انفاق کا معمول

صاحبو! ہم کو انفاق کا بھی معمول کچھ ضرور مقرر کرنا چاہئے ایک معمول تو حق تعالیٰ کا بتلایا ہوا ہے یعنی چالیسواں حصہ اس سے کم تو کیا ہو مگر بعض لوگ اس میں بھی کوتاہی کرتے ہیں جب تک مال تھوڑا رہتا ہے اس وقت تک تو بہت لوگ زکوٰۃ دیتے ہیں اور جب بڑھ جاتا ہے تو پھر بہت کم زکوٰۃ دیتے ہیں لوگوں کو چالیس میں سے ایک دے دینا یا سو میں ڈھائی نکال دینا تو آسان ہے مگر چالیس لاکھ میں سے ایک لاکھ دینا مشکل ہوتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ زکوٰۃ نکال کر بقیہ کو نہیں دیکھتے خود زکوٰۃ کی رقم کو دیکھتے ہیں اگر وہ قلیل ہوئی تو دینا آسان ہوتا ہے اور اگر زیادہ ہوئی تو دینا مشکل ہوتا ہے حالانکہ جہاں زیادہ ہے وہاں بقیہ کس قدر زیادہ ہے اس کو دیکھو تو نفس خوش ہو جاوے کہ نکال کر بھی اتنا بچ گیا پھر دینا مشکل نہ ہوا اور بقیہ کو نہ دیکھنا نہایت بے انصافی ہے تو اس بے انصافی کی کیا وجہ باقی کو کیوں نہیں دیکھتے اگر اس کو دیکھو وہ تو اتنا ہے کہ اس کے ورق کی روٹیاں بنا کر کھایا کرو تب بھی عمر بھر کے لئے کافی ہو جاوے۔

زکوٰۃ مستحقین میں تقسیم کرنے کی ضرورت

بعض اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جو زیادہ مال میں سے بھی زکوٰۃ نکالتے ہیں مگر وہ موقعہ پر صرف نہیں کرتے کہیں اسکول میں دے دیتے ہیں کہیں کسی شاہ صاحب کو دے دیتے ہیں گو

وہ مالدار ہی ہوں غرباء کو تلاش کر کے نہیں دیتے بعضے قومی چندوں میں دے دیتے ہیں جہاں تملیک وغیرہ کی بھی رعایت نہیں ہوتی۔ اگر امراء اپنی زکوٰۃ موقع پر صرف کیا کریں تو مسلمانوں میں افلاس بہت کچھ کم ہو جاوے زکوٰۃ کا قانون شرعی یہ ہے کہ پہلے اپنے غریب عزیزوں کو دی جائے ان سے فاضل ہو تو اور غرباء کو دی جائے اس لئے اس کی بہت ضرورت ہے کہ امراء زکوٰۃ کے معاملہ میں علماء سے مشورہ کر لیا کریں گو زکوٰۃ کا روپیہ ان کے ہاتھ میں نہ دیا جائے مگر مشورہ ضرور کر لیا جائے تا کہ زکوٰۃ موقع پر صرف ہو بعضے مدعیان علم و عمل ایسے بھی ہیں کہ ان کو زکوٰۃ کا روپیہ دیا جائے گا تو وہ اپنے گھر ہی میں دھر لیں گے۔

دھوکہ دہی اور تلعب

چنانچہ ایک بد مذہب بادشاہ نے اپنے مقتدا کو زکوٰۃ کا روپیہ دیا تھا کہ اس کو مستحقین میں صرف کر دیا جائے مقتدا صاحب نے گھر آ کر اپنی باندی کو ایک کوٹھری میں بند کر دیا تین دن بعد نکال کر سب روپیہ اسے دے دیا پھر اس سے لے کر بادشاہ کو لکھ دیا کہ واللہ ایسے آدمی کو وہ روپیہ دیا گیا جو تین دن کے فاقہ سے تھا بے چارہ تھا سچا آدمی کہ جھوٹ سے بچنے کے لئے باندی کو فاقہ سے مار دیا مگر جھوٹ سے بچنے کا اتنا اہتمام اور دھوکہ دہی اور تلبیس سے یہ بے پروائی قابل دید ہے ۱۲ جامع) بعض بزرگوں کا معمول ربع کا ہے بقول بعض علماء یہ پہلی امتوں کے لئے حکم تھا بعض کا معمول نصف مال خرچ کرنے کا ہے یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے اور حضرت ابوبکر کی سنت کل مال صرف کرنے کی ہے وہ ضرورت سے زیادہ کچھ نہیں رکھتے تھے۔

ہر گلے را رنگ و بوے دیگر ست

(ہر پھول کا رنگ اور خوشبو جدا ہے)

محققین سے مشورہ کی ضرورت

جو معمول بھی مقرر ہو جائے اچھا ہے مگر اس کی ضرورت ہے کہ اپنے لئے خود کوئی معمول مقرر نہ کرو کیونکہ اپنے واسطے اپنا ہی مقرر کیا ہوا معمول مفید نہیں ہوتا اپنے مقرر کردہ معمول میں نفس اپنی خواہش کی رعایت ضرور رکھتا ہے تو اس سے پورا مجاہدہ نہ ہوگا بلکہ دوسرے کے مشورہ سے معمول مقرر کرنا چاہئے مگر وہ دوسرا شخص جس سے مشورہ لیا جائے ایسا ہو جو اپنے واسطے حصہ نہ لگاتا ہے اپنے شخص

سے مشورہ کرنا چاہیے جو اپنے لئے کچھ نہ مانگے ورنہ بعضے ایسے بھی ہیں جو یوں کہیں گے کہ تم آدھا یا تہائی مال خرچ کرو اور ہمارے پاس لے آؤ ہم مستحق کو دے دیں گے مگر وہ اپنے نزدیک خود ہی سب سے زیادہ مستحق ہوں گے جیسے ایک واعظ صاحب نے صدقہ کی ترغیب میں وعظ کہا اور اس کے بہت فضائل بیان کئے ان کی بیوی بھی وعظ میں تھی اس نے سارا زیور خیرات کر دیا اب واعظ صاحب گھر میں آئے بیوی کو زیور سے ننگا دیکھا پوچھا زیور کا کیا ہوا کہا میں نے خیرات کر دیا کیونکہ تم نے وعظ میں صدقہ کے فضائل بہت بیان کئے تھے کہا میں نے اس لئے تھوڑا ہی وعظ کہا تھا کہ ہم دوسروں کو دیں بلکہ اس لئے کہا تھا کہ دوسرے ہم کو دیں سو ایسے بزرگوں سے مشورہ نہ کیا جائے ورنہ وہ تو یہ کہیں گے کہ سارا مال لاکر ہم ہی کو دو بلکہ محقق بے غرض سے مشورہ کرو اور ساتھ میں اتنا اور کہہ دینے کی ضرورت ہے کہ پاس حلال مال اتنا ہے اور حرام مال اتنا ہے تاکہ وہ دونوں کا الگ الگ حکم بتلاوے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حرام مال میں زکوٰۃ نہیں یہ علی الاطلاق صحیح نہیں بلکہ یہ حکم اپنے مال حرام کا ہے جو یقیناً حرام ہو اور حلال سے مخلوط نہ ہوا ہو اگر مخلوط ہو گیا ہو تو پھر سارے کی زکوٰۃ واجب ہے اور وہ حرام مال اس کے ذمہ میں واجب ہو گیا اصل مالکوں کو پہلے اس کے ذمہ ہے ۱۲۔

نفس کی استادی

یہ نفس بڑا استاد ہے اس کی مثال شتر مرغ جیسی ہے کہ اگر اس سے بوجھ اٹھاؤ تو کہتا ہے کہ میں تو پرندہ ہوں اور پرندے بوجھ میں نہیں لادے جاتے اور کہو اڑ تو کہتا ہے میں تو اونٹ ہوں اونٹ کب اڑتا ہے اسی طرح بعضے سود خوار تاجر کہ اگر ان سے کہا جائے سود کیوں لیتے ہو تو کہتے ہیں ہندوستان دار الحرب ہے اور اس میں سود لینا جائز ہے اور اگر کہو زکوٰۃ دو تو کہتے ہیں حرام مال میں زکوٰۃ کہاں۔ تماشا ہے لینے کے وقت تو وہ حلال تھا دینے کے وقت حرام ہو گیا۔ غرض یہ نفس ہر جگہ اپنا الو رکھتا ہے مگر یاد رکھو ایک دن وہ بھی آنے والا ہے جس میں فرمایا جائے گا اَوَ لَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَ جَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ط فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ اور کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کرے اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی تو آیا تھا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفا اور بعض روایات میں آیا ہے وجاء کم النذیر ای الشیب ستون سنۃ کہ یہاں نذیر سے مراد بڑھاپا ہے یعنی ساٹھ سال کی عمر اس کو نذیر اس لئے کہا گیا کہ وہ موت سے ڈرانے والا ہے کیونکہ بڑھاپے کے بعد

موت تو ہی ہے اس کے بعد زندگی کا کونسا درجہ ہے کوئی بھی نہیں۔ صاحبو! وہاں یہ چالاکیاں نہ چل سکیں گی اس لئے ضروری ہے کہ اس وقت سے پہلے ہی کچھ کرلیا جائے جس کا طریقہ میں نے بتلا دیا ہے کہ علماء محققین سے مشورہ کر کے انفاق کا معمول مقرر کرنا چاہئے اور بہتر یہ ہے کہ جہاں کا مریض ہو وہیں کا طبیب ہو کیونکہ بہ نسبت دوسروں کے اپنے شہر کے مریضوں کی حالت سے زیادہ واقف ہوگا لوگوں کی یہ سخت نادانی ہے کہ ہر شخص اپنی اصلاح خود کرنا چاہتا ہے۔

محققین شریعت کو خوب سمجھتے ہیں

میں بقسم کہتا ہوں کہ غیر عالم کی اصلاح بدون محقق عالم کے نہیں ہوسکتی جس طرح شعراء زبان کو خوب سمجھتے ہیں اسی طرح محققین شریعت کو خوب سمجھتے ہیں حالانکہ زبان ایسی چیز ہے کہ ہر زباندان اس کو سمجھ سکتا ہے مگر پھر بھی اس کی حقیقت کو شعراء ہی زیادہ سمجھتے ہیں ہر شخص نہیں سمجھ سکتا چنانچہ ایک شاعر آشفتہ نے ایک شعر کہا تھا۔

حال آشفتہ چہ دانی بے خبر درخیال زلف عنبر بوے تو

استاد نے اس میں اصلاح کی کہ یوں کہنا چاہئے۔

(آشفتہ کا حال بے خبر کیا جانے' وہ تیرے زلف عنبر کی خوشبو کے خیال میں ہے)

حال آشفتہ پریشان تر شدہ در خیال زلف عنبر بوے تو

(آشفتہ کا حال تیرے زلف عنبر کی خوشبو سے زیادہ ہے پریشان)

غالب نے سن کر کہا کہ شاگرد صاحب حال ہے اور استاد صاحب قال ہے واقعی خوب سمجھا چہ دانی بے خبر دل کی حالت کا پتہ دے رہا ہے اس جملہ نے تڑپا دیا ہے گو پریشاں شدہ میں رعایت صنعت زیادہ ہے مگر اس میں وہ بات کہاں جو چہ دانی بے خبر میں ہے اب زبان کو بھی ہر زباندان نہیں سمجھ سکتا تو شریعت کو جس میں زیادہ تر معانی وحقائق ہیں ہر کس کیوں کر سمجھ سکتا ہے اس لئے خود اپنی اصلاح کرنا سخت حماقت ہے کسی عالم محقق سے اپنی اصلاح کرانا چاہئے۔ اب اگر کوئی اپنے کو عالم سمجھے اسے یہ خیال مبارک ہو اور اگر غیر عالم سمجھتا ہے تو وہ بھی اسی کلیہ میں داخل ہے یہ کلیہ بہت بڑا ہے اس میں بہت جزئیات سماجاتے ہیں غرض اس کو بھی کسی دوسرے عالم سے مشورہ کرنا چاہئے اور اگر وہ اپنے کو عالم ہی سمجھتا رہے جب بھی اس کو اپنی اصلاح خود نہ کرنا چاہئے کیونکہ قاعدہ ہے رای العلیل علیل (بیمار کی رائے بھی بیمار ہوتی ہے) طبیب مریض ہو تو اپنا

علاج خود نہیں کر سکتا بلکہ دوسرے طبیب سے علاج کراتا ہے اسی طرح وکیل کو اپنا مقدمہ کرنا ہو تو کسی دوسرے کو وکیل بناتا ہے اسی طرح علماء کو چاہئے کہ اپنے معاملات میں دیگر علماء سے رجوع کیا کریں اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ بزرگوں نے بھی اپنے چھوٹوں سے مشورے لئے ہیں خیر حضور کا مشورہ کرنا تو محض صحابہ کی تطییب خاطر کے لئے تھا مگر بزرگوں کا اپنے چھوٹوں سے مشورہ کرنا واقعی مشورہ ہی کے لئے تھا چنانچہ بعض دفعہ چھوٹے ایسے مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں بڑے نہیں پہنچے یہ آج کل کے چھوٹے کیسے کھوٹے ہیں کہ یہ اپنے بڑوں سے بھی مشورہ نہیں کرتے بڑوں کے ہوتے ہوئے ان سے مستغنی ہو گئے۔

امراض کی جڑ

یہاں تک کہ میں نے اس آیت کے متعلق دو مضمون بیان کئے ہیں ایک یہ کہ ہمارے امراض کی جڑ شہوت ہے اس کا علاج کرنا چاہئے جو کہ مجاہدہ ہے دوسرے یہ کہ ہم کو نوافل واذکار کے ساتھ انفاق کا بھی معمول مقرر کرنا چاہئے۔ تیسرا مضمون اسی آیت سے مجھے یہ بیان کرنا ہے کہ ہم لوگوں میں یہ بھی بڑا مرض ہے کہ ہر شخص اپنی فکر میں لگا ہوا ہے دوسروں کو نفع پہنچانے کی اصلا فکر نہیں ہمارے اندر قومی ہمدردی بالکل نہیں ہے تو ہم کو اس کا بھی معمول مقرر کرنا چاہئے۔ اس کا ارتباط آیت سے عنقریب ذکر کردوں گا اس کے قبل مضمون سابق کا کچھ بقیہ عرض کرنا مناسب ہے اور وہ بعض آداب ہیں انفاق کے چنانچہ اس آیت میں بھی مذکور یعنی **لن تنا لوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون** کہ تم بر کامل کو ہرگز نہ پہنچ سکو گے جب تک اپنی چیز نہ خرچ کرو جس کو تم چاہتے ہو اس میں انفاق کا ادب بتلایا گیا ہے کہ خدا کے راستہ میں عمدہ چیز دینی چاہئے۔

خبیث مال کون سا ہے

اور دوسری آیت میں بھی ارشاد ہے **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ** اے مسلمانو! تم اپنی کمائی ہوئی چیزوں میں سے اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے زمین سے نکالی ہیں پاکیزہ اشیاء کو خرچ کرو۔ پھر کیا رحمت ہے کہ اس کے بعد فرماتے ہیں **وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ** کہ قصد کر کے خبیث مت دو اس میں یہ بتلا دیا کہ اگر کسی کے پاس سارا سامان ردی ہی ہو تو اس کو اس میں سے خرچ کرنے کی اجازت ہے کیونکہ وہ قصد کر کے خبیث نہیں دے رہا بلکہ جو اس کے پاس موجود تھا وہی دے رہا ہے ممانعت اس کی ہے کہ ایک شخص کے پاس عمدہ

مال بھی ہے اور خراب بھی اور وہ صدقہ کے لئے خراب اور ردی مال کو انتخاب کرے آگے اس کا معیار بتلاتے ہیں کہ خبیث کس کو کہنا چاہئے وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ جس کو تم خود نہ لے سکو وہ ردی ہے اس پر شبہ ہوتا ہے کہ ہم تو بعض دفعہ خراب اور ردی مال کو بھی لے لیتے ہیں واپس نہیں کرتے کہ واپس سے دینے والے کا دل ٹوٹے گا تو فرماتے ہیں اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ یعنی تم اس کو خود نہیں لے سکتے ہاں شرماشرمی لے لو تو اور بات ہے سو ایسا لینا معتبر نہیں واقعی کیا چور پکڑا ہے۔ حقیقت میں خدا تعالیٰ کے سوا انسان کے امراض خفیہ کو کون سمجھ سکتا ہے یہی تو باتیں ہیں جن سے مخالفین نے بھی گردنیں جھکا دیں اور اقرار کر لیا کہ یہ کلام بشر نہیں پھر اس پر یہ تنبہ ہوتا ہے کہ عمدہ مال خرچ کرنے میں رقم بھی تو بہت لگتی ہے جو نفس پر گراں ہوتی ہے اس کا کیا علاج تو فرماتے ہیں اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (یعنی یہ شیطانی دھوکہ ہے) شیطان تم کو انفاق میں فقر سے ڈراتا ہے (کہ عمدہ مال خرچ کر کے فقیر ہو جاؤ گے) اور بے حیائی (یعنی بخل) کا امر کرتا ہے (واقعی یہ کتنی بڑی بے حیائی ہے کہ خدا ہی کی چیز کو خدا کے نام پر دینے سے روکتا ہے۔ اس میں اس شبہ کا ایک جواب تو یہ ہو گیا کہ عمدہ مال خرچ کرنے میں جو نفس پر گرانی ہے اس کا منشاء بے حیائی ہے تم اس کو اپنا مال سمجھتے ہو اس لئے دینا گراں ہے اگر خدا کا مال سمجھنے لگو تو پھر گرانی نہ ہوگی آگے دو جواب اور مذکور ہیں اور اللہ تعالیٰ تم سے مغفرت کا وعدہ فرماتے ہیں اور یقیناً مغفرت بہت قیمتی شے جس کے برابر کوئی مال نہیں ہو سکتا۔ متاع جان جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے اور قاعدہ ہے کہ ایک قیمتی شے کے بدلہ میں اس سے بھی زیادہ قیمتی شے ملتی ہو تو پھر گرانی نہیں ہوا کرتی پس انفاق طیبات میں تم مغفرت و ثواب کا استحضار کیا کرو اس سے گرانی رفع ہو جائے گی او فَضْلًا اور حق تعالیٰ فضل کا وعدہ فرماتے ہیں جو اپنے عموم سے فضل دنیوی کو بھی شامل ہے اس میں یہ وعدہ ہے کہ صدقہ سے مال کم نہ ہوگا بلکہ بڑھے گا احادیث میں اس کی بہت زیادہ تصریح ہے اس کے بعد وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ میں بھی اسی شبہ کا جواب ہے یعنی ان کو مغفرت و فضل دینا کیا مشکل ہے ان کے یہاں بڑی وسعت ہے مگر اس کے ساتھ ہی مستحق کی صلاحیت و نیت کو بھی جانتے ہیں اس لئے علیم فرمایا آگے ایک خاص فائدہ کے لئے جو عنقریب مذکور ہوگا فرماتے ہیں يُّؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں علم و فہم عطا فرماتے ہیں اور جس جس کو علم دیا گیا اس کو بڑی خیر دی گئی اور نصیحت کو اہل عقل ہی قبول کرتے ہیں حقیقت میں جس کو علم مل گیا ہے اس کو اتنی خیر مل گئی

ہے کہ اس کے سامنے ساری دولتیں اور مال ہیچ ہیں اور یہ محض زبانی ہی دعویٰ نہیں بلکہ جن کو یہ دولت مل گئی ہے ان کے دل سے پوچھو حضرت علی رضی اللہ عنہ جوش میں آ کر فرماتے ہیں۔

رضینا قسمة الجبار فینا لنا علم وللجهال مال

فان المال یفنیٰ عن قریب وان العلم باق لایزال

(ہم اپنے مولیٰ کی تقسیم پر راضی ہیں ہمارے پاس علم ہے اور جاہلوں کے پاس مال پس مال عنقریب فنا ہو جائے گا اور علم ہمیشہ باقی رہے گا اس کو زوال نہیں)

وہ بہت خوشی سے اس تقسیم پر راضی ہیں کہ ان کو علم دیا گیا اور جاہلوں کو مال اسی طرح ایک بزرگ ایک شہر میں تشریف لے گئے دیکھا کہ دن میں شہر پناہ بند ہے اس کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ بادشاہ کا باز اڑ گیا ہے اس نے اس خیال سے شہر پناہ بند کرائی ہے کہ کہیں دروازہ میں سے نہ نکل جائے یہ بزرگ بہت ہنسے اور کہا آسمان کی طرف منہ کر کے ناز میں آ کر حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ اچھے احمق کو بادشاہی دی اور ہم اتنے بڑے عاقل اور ہمارا الباس بھی درست نہیں وہاں سے الہام ہوا کہ بہت اچھا کیا تم اس پر راضی ہو کہ بادشاہ کی حماقت مع بادشاہی کے تم کو دیدی جائے اور تمہاری معرفت مع فقر کے اس کو دیدی جائے یہ سن کو وہ بزرگ لرز گئے اور فوراً سجدہ میں گر پڑے کہ میں اپنی معرفت کے دینے پر راضی نہیں چاہیے اس سے بھی زیادہ فقر کیوں نہ ہو آخر ان کے پاس کوئی تو دولت تھی جسے بادشاہی سے بدلنے پر راضی نہ ہوئے وہ دولت یہ تھی۔

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روے بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز وہائے ہوئے

(اور یہ وہ دولت تھی جس کو حضرت غوث اعظم ملک سنجر کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں)

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد دردل اگر بود ہوس ملک سنجرم

زانگہ کہ یافتم خبراز ملک نیم شب من ملک نیمروز بیک جونمی خرم

(ان کو توجہ میں حق تعالیٰ سے جیسا قرب حاصل ہوتا ہے اس وقت کسی بادشاہ کی ان کے سامنے کچھ ہستی ہوتی اسی کو عارف فرماتے ہیں۔

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند واندراں ظلمت شب آبحیاتم دادند

اور فرماتے ہیں

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں کہ ناز برفلک و حکم برستارہ کنم

اسی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

رضینا قسمة الجبار فینا لنا علم وللجھال مال

علم سے مراد معرفت حق ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر ضروریات میں ان کو تنگی پیش آئے تو اس سے کلفت نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کلفت پر راضی ہوتے ہیں ان کو اس میں لذت آتی ہے پس حقیقت میں جس کو علم مل گیا اس کو خیر کثیر مل گئی۔ اب یہاں یہ سوال ہوتا ہے اور وہ فائدہ موعودہ یہی ہے کہ اس آیت کو ماقبل سے کیا ربط ہے اوپر تو انفاق کا ذکر تھا یہاں علم کا ذکر کیوں کر ہونے لگا سو اس کا ایک ربط تو یہ بیان کیا گیا ہے یہاں علم کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ اس کو سہولت انفاق میں دخل ہے کیونکہ جس کو علم حاصل ہوگا یعنی معرفت حق وہ یہ سمجھے گا کہ میں محبوب کے حضور میں مال پیش کر رہا ہوں تو اسے خرچ میں تنگی نہ ہوگی اس لئے فرماتے ہیں کہ جس کو علم دیا اس کو خیر کثیر دی گئی۔ دوسرا ربط میرے ذہن میں یہ آیا ہے کہ قرآن میں مال کو خیر سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہاں علم کو خیر کثیر کہا گیا ہے میں اس طرح اشارہ ہے کہ جب خیر ادنیٰ کے انفاق کا اس قدر اہتمام ہے تو علم کے انفاق کا کیا کچھ اہتمام ہونا چاہئے جو خیریت میں اس سے اعلیٰ بھی ہے اور اہل علم کو مال سے زیادہ محبوب بھی ہے اور قاعدہ یہ ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ پس اہل علم کو اپنے علم کی اشاعت وانفاق کرنا چاہئے اس کے بعد فرماتے ہیں انفاق کے درجات فرماتے ہیں وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ مشہور تفسیر میں تو یہ آیت پہلی آیت کی تائید ہے مطلب یہ ہے کہ محبوب چیز کو خرچ کرو آگے تاکید ہے کہ ضرور خرچ کرو کیونکہ جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں تو اس پر جزا دیں گے مگر میرے ذوق میں یہ آتا تھا کہ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ میں پہلی آیت کے مقابل کی شق مذکور ہے اور مطلب یہ ہے کہ بر کامل کو تو اسی وقت پہنچو گے جب محبوب کو خرچ کرو گے اور باقی اگر بر کامل کی کسی کو توفیق نہ ہو تو یوں جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ خدا کو معلوم ہی ہے کچھ نہ کچھ ثواب دے ہی دیں گے مگر مجھے اس کے متعلق دعوے تفسیر کی جرات نہ ہوتی تھی لیکن میں نے بیضاوی کو جو منگا کر دیکھا تو اس میں لکھا تھا وما تنفقوا من شیء محبوب او غیر محبوب فان اللہ بہ علیم تو میں نے کہا الحمد للہ میں اس تفسیر میں متفرد نہیں ہوں علماء سلف بھی اس طرف گئے ہیں سو ایک انفاق یہ ہوا یعنی انفاق علمی اب ایک تیسرا انفاق رہا یعنی انفاق دعائی سو جو لوگ مال اور علم دونوں سے محروم ہوں وہ دعا سے نفع پہنچائیں پس یہ کام یعنی دعا تو سب کے کرنے کا ہے یعنی اہل مال و اہل علم بھی دعا سے غافل نہ ہوں سب کو مسلمانوں کے لئے دعا کرنا چاہئے اس سے بھی مسلمان کو بہت نفع ہوتا ہے بشرطیکہ دل سے دعا کی جائے یہ سب اقسام ہیں نفع کے جو انفاق کے افراد ہیں بعض حقیقتاً بعض حکماً یعنی نظائر چنانچہ عنقریب واضح ہوگا۔

خلاصہ مضمون

خلاصہ یہ کہ اس وقت میں نے تین مضمون بیان کیئے ہیں ایک ترک شہوات اور دوسرے انفاق مال تیسرے ایصال نفع اب میں تینوں کا مدلول نص ہونا بتلاتا ہوں۔ انفاق مال تو صراحۃً مدلول نص ہے لیکن ترک شہوات وایصال نفع (علمی ودعائی) کو میں نے اس کے ساتھ اس لئے بیان کردیا اور یہی تقریر ہے ارتباط موعود کی کہ ان میں انفاق کی حقیقت کا ایک ایک جزو موجود ہے۔ کیونکہ انفاق کا تعلق دو شخصوں سے ہے منفق سے اور منفق علیہ سے اور ہر اک کے اعتبار سے اس میں ایک ایک جزو ہے منفق کے اعتبار سے انفاق کا ایک جزو مجاہدہ ہے کیونکہ اس میں نفس کو کلفت ہوتی ہے اور ترک شہوات میں بھی کلفت ہے تو مجاہدہ ہونے میں ترک شہوات انفاق کا شریک ہے، اور منفق علیہ کے اعتبار سے انفاق کا دوسرا جزو ایصال نفع ہے ایصال نفع علمی ودعائی اس جزو میں انفاق کا شریک ہے گو اس صورت میں مال تو دوسرے کے پاس نہیں پہنچتا مگر خیر تو پہنچی دوسرے کو نفع تو ہوا اور انفاق مال کی فضیلت ایصال نفع ہی کی وجہ سے ہے اس لئے یہ بھی انفاق کے حکم میں ہے مگر ان دونوں چیزوں کو انفاق میں داخل کرنا قیاس نظری کے طور پر ہے یہ مطلب نہیں کہ اس نص میں جو لفظ انفاق وارد ہے وہ ان سب کو مشتمل ہے اور یہ سب اس سے مراد ہیں کیونکہ اس صورت میں جمع بین الحقیقۃ والمجاز لازم آئے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہاں تو انفاق مال ہی کا ذکر ہے لیکن قیاساً ترک شہوات وایصال نفع علمی بھی اسکے حکم میں ہیں لہذا علت جامعہ کی وجہ سے ان دونوں کا بھی مامور بہ ہونا لازم آگیا اور نصوص واحادیث میں غور کرنے سے اس قیاس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ ایصال نفع علمی کا بحکم انفاق مال ہونا تو اوپر آیت **یوتی الحکمۃ من یشاء** کے دوسرے ربط میں معلوم ہو چکا ہے جہاں مادہ خیر کے اشتراک سے استدلال کیا ہے اور ترک شہوات کا بحکم انفاق ہونا اسی جگہ آیت **لن تنالوا البر** کے ربط سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس آیت کا ارتباط آیت سابقہ سے تو ظاہر ہے مگر آیت لاحقہ سے ظاہر نہیں اس سے پہلے تو یہ آیت ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّلَوِ افْتَدٰی بِہٖ ط اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ (بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور وہ مر بھی گئے حالت کفر میں ہی ہے ان میں سے کسی کا زمین بھر سونا بھی نہ لیا جائے گا اگر چہ وہ معاوضہ میں اس کا دینا بھی چاہے۔ ان لوگوں کو دردناک سزا ہوگی اور ان کے کوئی حامی بھی نہ ہوں گے پارہ ۳ بالکل آخر رکوع کا آخری آیت) اس میں کفار کا حال مذکور ہے کہ اگر وہ آخرت میں زمین بھر سونا دے کر بھی عذاب سے بچنا چاہیں تو یہ فدیہ مالیہ قبول نہ ہوگا جس کا حاصل یہ ہوا کہ آخرت

میں انفاق نہ ہوگا آگے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ میں یہ بتلایا ہے کہ دنیا میں خرچ کرنا البتہ نافع ہے اس کے بعد یہ آیت ہے كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ (بنی اسرائیل کے واسطے کل کھانے حلال تھے) اس کے ربط میں کلام ہے کہ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ سے اس کو کیا تعلق ہے بعض علماء نے تو اس کا ربط دور سے لیا ہے کہ اوپر سے یہود کے ساتھ محاجہ ہو رہا ہے كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا (ہر کھانا حلال تھا) کو بھی اسی محاسبہ سے ربط ہے اور ایک ربط میرے ذہن میں آیا ہے اس کے موافق لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ ہی سو ربط ہو سکتا ہے وہ یہ کہ انفاق مشتمل ہے مجاہدہ وایصال نفع پر پس آیت آئندہ کو اس آیت سے یوں ارتباط ہوگا لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ (تم خیر کامل کو نہ حاصل کر سکو گے) انفاق کا حکم ہے جو مجاہدہ کو مشتمل ہے۔

ربط آیات

اشتمال کی تقریر اوپر آ چکی ہے اور كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ (ہر کھانا بنی اسرائیل پر حلال تھا سوائے اس کے جس کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے نفس پر حرام کر لیا تھا) میں یعقوب علیہ السلام کا واقعہ مذکور ہے کہ انہوں نے بعض لذائذ کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اور یہ بھی مجاہدہ تھا تو دونوں آیتوں میں مابہ الارتباط ذکر مجاہدہ ہے اور یعقوب علیہ السلام کے واقعہ میں تو شہوات مباحہ کا ترک تھا اس سے شہوات غیر مباحہ کا ترک بدرجہ اولیٰ ضروری ہو گیا تو اب اس آیت سے بواسطہ و بلاواسطہ تینوں مضامین کا حکم مفہوم ہو گیا پس مالداروں کو چاہئے کہ مال خرچ کریں اور فقراء کو مالی نفع پہنچائیں اور اہل عیش کو چاہئے کہ معاصی سے باز آئیں اور اہل سلوک کو چاہئے کہ شہوات ولذات مباحہ میں انہماک سے باز آئیں کیونکہ شہوت ہی تمام امراض کی جڑ ہے اور دیکھئے یہاں مِمَّا تُحِبُّوْنَ فرمایا ہے جس میں من تبعیضیہ ہے یہ بھی رحمت ہے کہ سارے مال محبوب کے انفاق پر بر کامل کے حصول کو موقوف نہیں فرمایا بلکہ بعض محبوبات کے انفاق سے بھی بر کامل حاصل ہو سکتی ہے لیکن اس سے مراد وہ بعض ہے جس کو عرفاً حصہ تو کہہ سکیں اور وہ موقوف ہے اس کے معتد بہ ہونے پر اب میں ختم کرتا ہوں دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو عمل کی توفیق دیں اور فہم سلیم عطا فرمائیں آمین۔

ادب الاسلام

عبادات اسلامی کی تحریض اور تشبیہ بالکفار کی تردید پر قصبہ شاہ پور جامع مسجد میں ۲۵ صفر ۱۳۳۵ھ بروز جمعہ ایک گھنٹہ ۱۸ منٹ بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔ جسے محمد مصطفیٰ صاحب میرٹھی نے قلمبند فرمایا سامعین کی تعداد ۱۰۰ تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تمہید

حضرت والا نے بغرض تبدیل آب وہوا واستراحت گورکھپور کی طرف ماہ صفر ۱۳۴۵ھ میں سفر کیا اور اپنے بھائی منشی اکبر علی صاحب منیجر ریاست مجھولی ضلع گورکھپور کے پاس دورہ میں تشریف لے گئے دو تین دن مختلف مقامات پر قیام رہا کیونکہ منشی صاحب دورہ میں تھے۔ اسی دورہ میں منشی صاحب نے قصبہ شاہپور ضلع گورکھپور کا کوچ کیا حضرت والا بھی اسی مقام پر پہنچے اتفاقاً جمعہ کا دن اسی مقام پر آ گیا قیام حضرت والا کا قصبہ سے قریب ایک میل کے فاصلہ پر تھا جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے قصبہ میں تشریف لے چلے۔ جب بنگلہ سے جمعہ کی نماز کو چلے تھے تو راستہ میں منشی اکبر علی صاحب نے احقر سے پوچھا کہ آج بعد نماز جمعہ وعظ ہوگا یا نہیں میں نے عرض کیا کہ میں کیا کہہ سکتا ہوں حضرت کی رائے پر ہے ہاں اتنا مجھے معلوم ہے کہ اب تک کہیں وعظ نہیں فرمایا ہے۔ گورکھپور میں بھی درخواست کی گئی تھی تو یہی جواب دیا تھا کہ میں نے یہ سفر استراحت کے لئے کیا ہے۔ طبیعت ضعیف ہے وعظ کے تعب کی متحمل نہیں بیان کرنے سے سفر کی غایت ہی فوت ہو جاوے گی۔ یہ سن کر منشی اکبر علی صاحب خاموش ہو گئے۔ بعد نماز جمعہ قاضی صاحب امام جامع مسجد کھڑے ہوئے اور پکار کر کہا کہ آپ لوگوں کو اگر شوق وعظ کا ہو تو مولانا صاحب سے عرض کیا جاوے اس پر چند آدمیوں نے یکے بعد دیگرے شوق ظاہر کیا اور رفتہ رفتہ سب نمازیوں نے اتفاق کیا کہ ہاں وعظ ضرور ہونا چاہئے۔ قاضی صاحب نے کہا حضرت کچھ بیان فرما دیجئے۔ فرمایا میں اس سے معذور ہوں کیونکہ تھوڑے بیان سے لوگوں کی سیری نہ ہوگی اور زیادہ بیان کا میں متحمل نہیں ہوں۔ قاضی صاحب نے کہا کہ ہم یہ اطمینان دلاتے ہیں کہ تھوڑے سے تھوڑا بیان بھی ہماری تسلی کے لئے کافی ہے۔ دیکھئے قرآن شریف میں بڑی سورتیں بھی ہیں اور قل ھو اللہ بھی ہے۔ فرمایا بس قل ھو اللہ پڑھ دوں تو آپ کافی سمجھیں گے۔ کہا ہاں چاہے آپ صرف قل ھو اللہ ہی پڑھ دیں اور اس کا ترجمہ بھی نہ کریں اور یہ بات ہم صاف اور سچے دل سے کہتے ہیں۔ اس پر حضرت والا بیان پر آمادہ ہو گئے اور

بیان سے پہلے فرمایا کہ میرا ارادہ اس سفر میں بیان کا بالکل نہ تھا مگر اس وقت ایسے پیرایہ سے فرمائش
کی گئی ہے جس کا مجھ پر بڑا اثر ہوا ایسا کہ اصرار کرنے سے ہرگز نہ ہوتا وہ یہ کہ وعظ کی مقدار کو میری
رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے یہ ترک اصرار میرے اوپر اصرار سے زیادہ موثر ہوا لہذا بیان کرتا ہوں۔ احقر
اس سے تعجب کر رہا تھا کہ قاضی صاحب نے درخواست کی اور اول دو چار آدمیوں نے اس سے
اتفاق کیا پھر تمام مجمع نے اس ترتیب سے مترشح ہوتا تھا کہ باہمی متفق تجویز سے ایسا ہوا ہے۔ چنانچہ
بعد میں معلوم ہوا کہ جناب منشی اکبر علی صاحب کی سکھائی ہوئی یہ تدبیر تھی کہ اس طرح درخواست اور
تائید کرنا اور کوئی اسرار نہ کرنا نہ مطلق وعظ پر نہ وعظ کی مقدار پر سو یہ تدبیر کارگر ہوگئی اور وعظ ہوا۔

خطبہ ماثورہ:۔ **اَمَّا بَعْدُ: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.**
وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَاتَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو۔ (الروم آیت نمبر ۳۱)

خلاصہ آیت متلوہ

یہ ایک آیت کا ٹکڑا ہے اس میں اللہ جل شانہ وعم نوالہ نے ایک بات کا حکم کیا ہے اور ایک بات سے
منع کیا ہے میں یہ بیان کرتا ہوں کہ کس بات سے منع کیا ہے اور کس بات کا حکم کیا ہے اور دونوں باتوں
میں تعلق کیا ہے اس سے ایک بڑی بات نکلے گی کہ وہ ایک دستور العمل ہوگا اور تمام اعمال میں اس کا
خیال نہایت نافع ہوگا۔ یہ حاصل ہے میرے اس وقت کے تمام بیان کا۔ ترجمہ نماز کو قائم کرو اور
مشرکین میں سے مت ہو۔ قائم کرنے کے معنی ہیں درست کرنا اور سیدھے سیدھے پڑھنا اور پابندی
کے ساتھ پڑھنا اس کے لئے دوسرا لفظ یہ ہے کہ نماز کے حقوق پورے پورے ادا کرو اور ظاہر ہے کہ کسی
چیز کی درستی اسی وقت ہوتی ہے جبکہ اس کے تمام اجزاء ٹھیک ہوں اور جو نسبت باہم ان اجزاء میں ہو وہ
بھی قائم رہے اور اگر ایسا نہ کیا جاوے تو اس کو درست کرنا نہیں کہتے مثلاً کوئی کھانا پکائے تو کھانا اچھا
جب ہی کہا جائے گا کہ جب سارے اجزاء اس کے ڈالے گئے ہوں اور ان اجزاء کی باہمی نسبت بھی
ٹھیک ہو حتیٰ کہ اگر نمک بھی زیادہ کر دیا گیا تو یہ نہیں کہا جاوے گا کہ کھانا ٹھیک پکایا۔

اقامت صلوۃ کا مفہوم

اسی طرح اس حکم کی تعمیل کہ نماز کو درست کرو۔ جب ہی ہوگی جبکہ اس کے پورے حقوق ادا کئے جائیں
اس وقت کہا جائے گا کہ نماز کو درست کیا۔ درست کرنے کا ترجمہ عربی میں اقامت ہے اور اگر ایسا نہ کیا اس
کے اجزاء پورے ادا نہ کئے یا ان اجزاء کے تناسب کو قائم نہ رکھا تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ نماز کو درست کیا بلکہ یہ

کہیں گے کہ نماز کو بگاڑا اور خراب کیا تو اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کے یہ معنے ہوئے کہ نماز پڑھو اور اس طرح پڑھو کہ پورے حقوق ادا ہوں نہ کہ ایسی نماز کہ فقط نام نماز کا لگ جاوے اس کو نماز ہی نہ کہا جائے گا۔

ہماری نماز کی مثال

دیکھو موٹی سی بات ہے کہ ایک حاکم یا آپ کا ایک دوست کہے کہ ایک نوکر ہم کو لا دو اور آپ اس کے اس حکم کی تعمیل یہ کریں کہ چارپائی پر ڈال کر ایک آدمی لنجا اپاہج بیمار جو کسی کام کا نہ ہو فقط جان اس میں ہو لے جا کر پیش کریں اور وہ پوچھے کہ یہ کیا ہے آپ جواب دیں کہ آپ کے حکم کی تعمیل کی ہے آدمی لایا ہوں تو اس پر وہ حاکم کیا برتاؤ کرے گا یا وہ دوست آپ کا اس فرمائش کی تعمیل سے خوش ہوگا اور کیا جب وہ کہے کہ یہ کیسا آدمی لائے ہو تو یہ جواب معقول ہوگا کہ آپ نے آدمی مانگا تھا۔ آدمی آدم کی اولاد کو کہتے ہیں یہ اولاد آدم ہے اور جاندار ہے کون کہہ سکتا ہے کہ یہ آدمی نہیں ہے آپ کے حکم کی تعمیل پوری کر دی گئی وہ اس کے جواب میں کہے کہ تم اس کو آدمی کہہ لو ہم نے نام کا آدمی نہیں مانگا تھا کام کا آدمی مانگا تھا ہم کو تو اس سے خدمت لینی تھی اور یہ الٹا خود خدمت کا محتاج ہے۔ صاحبو یہ بات اس کی ٹھیک ہے یا وہ ضابطہ کا جواب کہ آپ نے آدمی مانگا تھا آدمی لا دیا بالکل ظاہر ہے کہ ٹھیک بات اسی کی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جس چیز کی فرمائش ہو اس میں ایک نام کا درجہ ہوتا ہے اور ایک کام کا نام کا درجہ کوئی منظور نہیں کرتا۔ ہر شخص کی غرض یہی ہوتی ہے کہ کام کی چیز ملے دیکھئے پنساری سے آپ بادام مانگیں اور وہ نام کے بادام دیدے یعنی ایسے بادام دے جن کے اندر مغز نہ ہو تو آپ واپس کریں گے یا نہیں اگر وہ آپ کو کہے کہ بادام مانگے تھے میں نے بادام دیدیئے تو آپ یہی کہیں گے کہ اصلی مقصود تو کام ہے اور وہ مغز سے نکلتا ہے نام کے بادام کس کام آویں گے اے صاحبو ذرا ہم کو شرم کرنی چاہئے کہ اپنے معاملات میں تو درجہ کام کا چاہتے ہیں اور خدا کے معاملات میں نام کے درجہ کو کافی سمجھتے ہیں اور اس پر اطمینان کر لیتے ہیں کہ ہم نے خدا تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کر دی اور اس پر ثواب اور جزا کی امید لگائے بیٹھے ہیں۔

نماز کی کوتاہیاں

نماز ایسی پڑھتے ہیں کہ نہ طہارت کی خبر نہ کپڑے کی خبر بعض لوگ ایسا چھوٹا کپڑا باندھتے ہیں کہ رکوع اور سجدہ میں ستر کھل جاتا ہے۔ اگر چوتھائی گھٹنا بھی کھل گیا تو نماز نہیں ہوئی مگر اس کی کچھ پرواہ نہیں نہ سجدہ ٹھیک نہ رکوع نہ دو سجدوں میں فصل بعض لوگ سجدہ میں سے اتنا سر نہیں اٹھاتے جو فاصل بین السجدتین ہو جائے کتابوں میں لکھا ہے ایسے دونوں سجدے ایک ہی سجدہ کے حکم میں ہیں تو اس صورت میں ایک سجدہ ہوا جب دوسرا سجدہ ہی نہیں ہوا تو نماز کیسی ایک سجدہ کر لینے کے بعد

چاہئے کہ سیدھا بیٹھ جائے اور سب اعضاء ٹھیر جائیں تب دوسرا سجدہ کرے اگر اتنا وقفہ بھی نہ ہو تو اتنا ضرور ہے کہ اتنا سر اٹھایا جائے کہ اقرب الی القعود ہو جائے گو ایسی نماز مکروہ ہو گی اور ایک اور نئی ایجاد ہوئی ہے نماز میں کہ بہت لوگوں نے عادت کر لی ہے کہ قومہ بالکل ہی ندارد کر دیتے ہیں۔

قومہ اور اس کا وجوب

قومہ کہتے ہیں رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونے کو یہ نماز میں واجب ہے بلا اس کے نماز نہیں ہوتی اور یہ مسئلہ سب نماز پڑھنے والوں کو معلوم ہے۔ گو بعض کو اس کا وجوب نہ معلوم ہو تب بھی یہ تو ضرور معلوم ہے کہ رکوع کے بعد **سمع اللہ لمن حمدہ** (جس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی اللہ تعالیٰ نے اسے سن لیا) یا **ربنا لک الحمد** (اے ہمارے پروردگار حمد وثنا صرف آپ کے لئے ہے) کہا جاتا ہے معلوم نہیں جن لوگوں نے قومہ اڑا دیا ہے یہ دونوں لفظ وہ کس وقت کہتے ہوں گے شاید رکوع میں کہتے ہوں مگر رکوع بھی ان کا لمبا نہیں دیکھا جاتا بس سوائے اس کے کیا کہا جاوے کہ نماز کا ایک جزو اڑا ہی دیا یہ تو خدا کی بتائی ہوئی نماز میں ترمیم ہے جب نماز پڑھتے ہی ہو تو اس سے کیا فائدہ کہ پڑھی پڑھائی کو غارت کرو اگر اعلیٰ درجہ کی نہیں ہو سکتی تو ادنے درجہ کی تو ہو جائے اس کے اجزاء ضرور یہ تو ادا ہو جائیں جس سے کسی درجہ میں تو کہا جا سکے کہ نماز ہے نماز کی صورت تو درست ہو جائے حقیقت نہ سہی مگر ہم نے تو صورت کی بھی یہ گت بنائی ہے روح تو الگ رہی ہماری اس نماز کی مثال تو وہ بھی صحیح نہیں رہی جو ابھی میں نے بیان کی تھی کہ پنساری کے یہاں جائیں اور بادام مانگیں اور وہ نرے چھلکے مغز سے خالی دیدے یا کوئی آدمی منگائے اور ایک اپاہج بیمار کو اس کے سامنے پیش کر دیں۔ اب یہ مثالیں بھی ہماری نماز کی نہ رہیں بلکہ ہماری اس نماز کی مثال اب تو یہ ہو گئی کہ کسی سے بادام مانگیں اور وہ بادام کے کوئلے ہاتھ میں رکھ دے یا آدمی مانگا جائے اور وہ مرگھٹ میں سے ایک مردہ لا کر پیش کر دے صاحبو یہ کیا بے ہودگی ہے کیا ایسی نماز سے ہمارا پیچھا چھوٹ سکتا ہے ذرا تو ہم کو خیال چاہئے یہ کیا غضب ہے کہ اپنی فرمائش پر تو نام کی چیز ملنے سے بھی ناراض اور خدا تعالیٰ کی فرمائش پر نام کی چیز بھی نہیں مہیا کی جاتی حالانکہ حق تو یہ تھا کہ حق تعالیٰ کی فرمائش پر وہ چیز پیش کی جاتی جو کام کی بلکہ اعلیٰ سے اعلیٰ ہوتی اگر یہ بھی نہ ہو تو علی سبیل التنزل کہا جاتا ہے کہ ایسی چیز تو ہوتی جو اپنی فرمائش پر پیش کی جا سکے کام کی چیز تو وہ ہوتی ہے جس میں روح ہو نماز کی روح کیا چیز ہے۔

نماز کی روح

اس کا بیان آیت میں اس طرح ہے وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ یعنی نماز کو درست کرو میری

یاد کے واسطے خدا تعالیٰ کا تصور قلب میں اور اس کو یاد رکھنا نماز کی روح ہے اس سے تو ہم کوسوں دور ہیں کام کی نماز تو یہی ہے جس میں حق تعالیٰ ہی کی طرف دھیان ہو تا یہ اگر میسر نہیں تو کاش نام ہی کی نماز ہوتی کہ رحمت خدا کیا عجب ہے اسی وقت قبول کر لیتی مگر جبکہ اس کے اجزاء ضروریہ ہی ندارد ہیں تو اس پر تو نماز کا نام بھی نہیں لگ سکتا۔

صورت عمل کی قدر و منزلت

صاحبو عمل کی صورت تو درست کر لو بڑوں کے یہاں کبھی محض صورت بھی قبول ہو جاتی ہے بلکہ بعض اوقات حقیقت سے زیادہ صورت کی قدر کی جاتی ہے جیسے مٹی کے خربوزے ککڑی بنا کر رئیسوں کے یہاں لے جاتے ہیں تو اس پر انعام ملتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ نقل تو ہو انعام اسی بات کا ملتا ہے کہ اس نے ہو بہو نقل اتار دی۔ یہاں تو نقل بھی نہیں نماز کی صرف شکل بھی اگر بنائی جائے تو امید ہے کہ اس زمانہ میں قبول ہو جائے اس کا ثبوت حدیث میں ہے کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے کہ تمہارا وہ زمانہ ہے کہ اگر کوئی دسواں حصہ ماموربہ میں کمی کرے تو ہلاک ہو جاوے قبول نہیں اور ایک زمانہ وہ آئے گا کہ اگر کوئی دسواں حصہ عمل کا بھی کر لے گا یعنی کیفاً تو نجات پا جاوے گا تو ہم لوگوں کے واسطے تو بہت ہی آسان ہے مگر شاباش ہماری غفلت کو کہ ہم سے آسان کام بھی نہیں ہو سکتا ہم کو تو اس انعام کی بہت قدر کرنی چاہئے اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ زمانہ وہ ہو گا کہ اس میں اعمال کے حقوق کی رعایت میں کمی ہو جائے گی اور یہی راز ہے معمولی عمل کے کافی ہو جانے کا کیونکہ جب کسی شے کی کمی ہو جاتی ہے تو تھوڑی چیز بھی غنیمت سمجھی جاتی ہے ہم لوگ تو اس قدر آسانی میں ہیں کہ ذرا سی توجہ سے اور ہاتھ پیر ہلانے سے بڑے بڑوں کے برابر حصہ پا سکتے ہیں ہمارے واسطے مشقت تو رہی ہی نہیں صحابہ نے ایسی مشقتیں اٹھائی ہیں کہ ہمارا کیا حوصلہ ہے مگر اللہ اکبر ان کا استقلال کہ جب جس نے بھی عمل کیا تو عزیمت کے اوپر کیا رخصت پر بھی عمل نہ کیا بدون کسی عذر یا مصلحت کے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ

حضرت ابوذر غفاریؓ ایک صحابی ہیں۔ انہوں نے اسلام کا چرچا سنا تو اپنے گاؤں سے اپنے بھائی کو مکہ مکرمہ بھیجا تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی تفتیش کریں تا کہ حق کی تحقیق ہو جائے۔ انہوں نے واپس جا کر کچھ حالات بیان کئے مگر ان سے ان کو تسلی نہ ہوئی آخر خود مکہ مکرمہ آئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مل نہ سکے کیونکہ اس وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنا مشکل تھا بچہ بچہ اسلام کا اور مسلمانوں کا دشمن تھا یہ پردیسی آدمی کوئی ان کا ٹھکانا بھی مکہ مکرمہ میں

نہ تھا جہاں ٹھہرتے اور کھانے پینے کا آرام ہوتا مگر زمزم شریف عجیب دولت ہے انہوں نے ایک مہینے تک اسی پر گذر کی جب بھوک لگتی تو اسی کو پی لیتے جب پیاس لگتی تو اسی کو پی لیتے ایک روایت میں ہے کہ ابوذرؓ ایسے موٹے ہو گئے کہ پیٹ میں بٹ پڑ گئے مدت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا تم یہاں کیسے ٹھہرے ہو انہوں نے اپنا سارا قصہ ان سے کہہ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ چلو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک تمہیں میں پہنچادوں مگر زمانہ خوف کا ہے اس طرح چلو کہ کوئی یہ نہ پہچانے کہ تم میرے ساتھ چل رہے ہو میں آگے آگے تھوڑے فاصلے پر چلوں گا اور تم میرے پیچھے آنا اور اس پر بھی اگر کوئی شخص مل گیا تو میں پیشاب کرنے کے بہانے سے راستہ کے کنارے بیٹھ جاؤں گا تم گزرتے چلے جانا کسی طرح یہ ثابت نہ ہو کہ تم میرے ساتھ ہو ورنہ تمہارے واسطے بھی برا ہوگا اور میرے واسطے بھی یہ وہ وقت تھا کہ مسلمان کے ساتھ ہونا بھی جرم تھا۔ دیکھئے کس قدر خطرناک وقت تھا کہ مسلمان کے ساتھ ہونا بھی جرم تھا مگر دل کی لگی اس کو کہتے ہیں کہ اسی ترکیب سے سیدھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور اول ہی جلسہ میں مسلمان ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت تم اپنے گاؤں کو چلے جاؤ ہمیں امید ہے کہ ہجرت کی اجازت ہو جاوے گی۔ تب وہاں آجانا اور اپنے اسلام کو یہاں ظاہر نہ کرنا ابوذرؓ نے عرض کیا کہ حضرت کفر کو تو ہمیشہ ظاہر کیا اسلام کو کیا چھپاؤں گا۔ یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ مخالفت امر نہیں ہے کیونکہ اظہار سے نہی شفقۃً تھی اس خیال سے کہ مبادا کوئی مخالف ایذا پہنچاوے اس صورت میں تعمیل امر نہ کرنا مخالفت نہیں ہے بلکہ عمل علی العزیمت ہے (اور اسی لئے یہ قصہ بیان کیا گیا ہے) غرض انہوں نے گوارا نہ کیا کہ اخفاء اسلام کریں اور اظہار کے لئے بھی یہ غضب کیا کہ وہ صورت اختیار کی جس میں جان کا خطرہ تھا۔ مسجد حرام میں پہنچے وہیں کفار کی بیٹھک تھی جس کا نام دارالندوہ تھا جواب حرم شریف کا جزو ہے وہاں سب کفار جمع تھے آپ نے کیا کیا کہ اپنے ایمان کی اذان دیدی۔ اذان بالمعنی المصطلح نہیں بلکہ بمعنی اعلان ایمان کے ہے یعنی سب کے سامنے کھڑے ہو کر علی الاعلان کلمہ شہادت پڑھا پھر کیا تھا کفار تو مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے سب لپٹ پڑے اور بہت مارا۔

بجرم عشق تو ام میکشند وغوغائیست تو نیز برسر بام آکہ خوش تماشائیست

(تیرے عشق کے جرم میں مجھے کھینچے لئے جاتے ہیں اور بھیڑ لگی ہوئی ہے تو بھی تو کوٹھے پر آکر دیکھ لے کہ کتنا اچھا تماشہ ہو رہا ہے)

اور اس سے کچھ تعجب نہ کیجئے کہ ایک شخص دین کے واسطے اتنی ہمت کرے کیونکہ ایک مخلوق کی محبت میں دیکھا ہوگا کہ کیا کیا ہو جاتا ہے۔ ایک بازاری عورت کے پیچھے لوگوں کی بعض دفعہ

کیا کیا گتیں بنتی ہیں اس مار کی قدر وہی شخص جان سکتا ہے جس کو عشق کا مزہ آ چکا ہو۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے نہ غل مچایا نہ کچھ ان کی خوشامد درآمد کی بلکہ چپ چاپ کھڑے پٹتے رہے عجب نہ تھا کہ کفار مار ہی ڈالتے مگر قدرت خدا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آ گئے یہ بڑے رحمدل تھے اور بڑے قوی تھے ان کی آواز بارہ میل جاتی تھی اور کیوں نہ ہو ہاشمی تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت جسمانی

خاندان بنی ہاشم تھا ہی بہت قوی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تیس آدمیوں کی قوت تھی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پہلوان کو پچھاڑا تھا ان کا نام رکانہ تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے اور کہا تھا کہ اگر آپ مجھے پچھاڑ دیں تو میں مسلمان ہو جاؤں آپ نے ان کو پچھاڑ دیا انہوں نے کہا کہ یہ اتفاقی بات تھی کہ میں پچھڑ گیا۔ اب کے پچھاڑے تو جانوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان کو اٹھا کر پھینک دیا یہ صاف ثبوت ہے اس بات کا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں قوت بدنی بھی بہت تھی۔ غرض یہ بات ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تیس آدمیوں کی قوت تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازواج میں حکمت

یہاں سے ملحدوں کے تعدد ازواج پر اعتراض کا جواب بھی نکلتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تیس آدمیوں کے برابر قوت تھی اور ایک آدمی کو ایک بیوی رکھنے کی اجازت تمام دنیا دیتی ہے تو اس حساب سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تیس بیویاں رکھنے کی گنجائش تھی تیس کی جگہ اگر نو ہی رکھی تو اس تعدد ازواج پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت کمی کی حساب سے ایک تہائی سے بھی کم پر بس کیا' ذرا انصاف سے کام لینا چاہئے اور یوں کوئی بک بک کرتا پھرے تو اس کا کیا علاج اور یہ تعدد ازواج بھی بطور نفس پروری نہ تھا کیونکہ اس کے خلاف پر بہت سے قرائن ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ملکۃ العرب سے نکاح کا سبب

دیکھئے سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سب بیواؤں سے عقد کیا اور سب سے اول جو شادی کی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس برس کی تھی یہ وقت عین شباب کا تھا اس وقت میں تو کنواری سے کرنا تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کیا ان کی عمر اس وقت چالیس برس کی تھی اور بیوہ تھیں دیکھئے یہ نفس پروری ہے یا نفس کشی اور جب تک وہ زندہ

رہیں ان کے سامنے اور کوئی نکاح نہیں کیا۔ یہاں سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوہ عورتوں سے اس واسطے عقد کیے کہ کنواری ملتی کہاں آپ کوئی گھر کے امیر نہ تھے اور شبہ اس طرح رفع ہوا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ملکۃ العرب کہلاتی تھیں انہوں نے خود اپنی خواہش سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت لوگوں کے دلوں میں یہ تھی کہ ملکۃ العرب نے خود خواہش کی تو غریب غربا کنواریوں کا ملنا کیا مشکل تھا۔

قرآن شریف کی دلربائی

نیز دوسری دلیل اس بے ہودہ بکواس کی تردید کی کہ کنواری لڑکیاں مل کہاں سکتی تھیں۔ سورہ حٰم سجدہ کے پڑھ کر سنانے کا واقعہ ہے وہ اس طرح ہے کہ کفار نے ایک دفعہ اکٹھے ہو کر مشورہ کیا ان میں ابوجہل بھی تھا کہ یہ شخص جو دعوے نبوت کرتے ہیں اس کے فرو کرنے کے واسطے بجائے مخالفت کے تدبیر سے کام لیا جائے تو بہتر ہے وہ یہ ہے کہ ان سے پوچھنا چاہیے کہ یہ دعویٰ کس غرض سے کرتے ہیں۔ اگر وہ غرض بلا اسی دعوے کے پوری کر دی جاوے تو غالباً یہ دعوے آپ چھوڑ دیں گے اس طرح بہت سہولت کے ساتھ ہم کو کامیابی ہو جائے گی۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے جو بہت فصیح اور بلیغ تھا اس کام کا بیڑا اٹھایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ آپ یہ بتلا دیجئے کہ آپ کو اس دعوے سے کیا مقصود ہے اگر حسین لڑکیوں کی خواہش ہے تو وہ جتنی آپ کہیں بہم پہنچا دی جاویں اور اگر مال مقصود ہے تو جتنا آپ کہیں ہم مال جمع کر دیں اور اگر عمارت اور سرداری منظور ہے تو ہم سب آج سے آپ کو اپنا سردار مان لیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی باتوں کو خاموشی کے ساتھ سنتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جواب میں جلدی نہ کرتے تھے اول پوری بات سن لیتے تھے تب جواب دیتے تھے۔ جب وہ جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہہ چکے اب جواب سنو اور سورہ حٰم سجدہ کے شروع کی آیتیں شروع کیں۔ حٰمٓ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ آگے تک جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت پر پہنچے فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نہیں مانو گے تو میں ڈراتا ہوں کہ اس عذاب سے جو عاد اور ثمود پر آیا تھا۔ اس آیت کو سن کر وہ کہتا ہے خدا کے لئے بس کیجئے اور وہاں سے بھاگا اور نہایت بدحواسی کے ساتھ اسی مجمع میں پہنچا ابوجہل

وہاں موجود تھا ہی اس نے دور سے اس کو دیکھ کر کہا کہ یہ گیا تھا اور چہرہ لے کر اور آ رہا ہے اور چہرہ لے کر' ابوجہل فراست اور دانائی اور عقلمندی میں مشہور تھا وہ بشرہ سے یہ سمجھ گیا کہ اس پر بھی کچھ اثر ہو گیا کیونکہ قرآن شریف کی دلربائی کفار بھی جانتے تھے حتیٰ کہ یہ تجویز ہوا کرتی تھی کہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف پڑھا کریں۔ اس وقت گڑ بڑ کیا کرو اور غل مچایا کرو تا کہ کوئی سننے نہ پاوے کیونکہ سننے کے بعد ممکن نہیں کہ قرآن کی طرف کشش نہ ہو اس کا ذکر اس آیت میں ہے وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (اور کافروں نے یوں کہا کہ قرآن مت سنو اور شور مچاؤ تا کہ تم غالب آ جاؤ) اور یہاں سے خدا کی قدرت بھی نظر آتی ہے کہ عقل مندوں کو ایسے گڑھوں میں گراتا ہے کہ قرآن کے اس قدر قائل اور فراست اور دانائی اور عقل مندی میں مشہور مگر ایمان نہ لاتے تھے۔ سچ یہ ہے کہ ہدایت بلا توفیق خداوندی کے نہیں ہو سکتی دیکھئے عقلاء یورپ موجود ہیں ایسے صنائع کے جن کی ایجادوں سے حیرت ہے۔ جس قدر عقل مندی میں اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں اسی قدر ان میں دہریت ہے اور خدا کے منکر ہیں دنیا میں تو کوئی فعل بلا فاعل کے نہ ہو سکے اور اتنے بڑے عالم کے لئے صانع کی ضرورت تسلیم نہیں کرتے یہ قدرت خدا کا نظارہ ہے۔ غرض ابوجہل نے اسے دور ہی سے دیکھ کر کہا کہ یہ گیا تو تھا اور چہرہ لے کر اور آیا اور چہرہ لے کر جب وہ پہنچا اس نے سارا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ جب انہوں نے یہ آیت پڑھی ہے تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ اب بجلی گرنے کو ہے میں اپنی جان بچا کر بھاگا۔ دیکھئے اس واقعہ سے ثابت ہے کہ عورتیں بھی آپ کے سامنے پیش کی گئیں تو اس کہنے کی گنجائش نہیں رہی کہ بیوہ عورتیں اس واسطے کی تھیں کہ کنواری لڑکیاں مل نہ سکتی تھیں۔ جب کہ آپ نے باوجود کنواریاں مل سکنے کے بیوہ عورتوں سے عقد کیے تو وہ شخص جس کو ذرا سی بھی عقل ہے سمجھ سکتا ہے کہ کسی اور مصلحت پر اس کی بنا تھی ان مصلحتوں کا بیان کرنا یہاں مقصود نہیں بلکہ صرف یہ بتلانا ہے کہ ایسے شخص کو شہوت پرست کہنا دین تو برباد کرنا ہے ہی عقل کے پیچھے بھی لٹھ لے کر پھرنا ہے۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ہر طرح کی قوت تھی اور یہ آپ کا ذاتی کمال تو تھا ہی خاندان سے بھی میراث میں پایا تھا۔ بنی ہاشم سب قوی تھے' حضرت عباس رضی اللہ عنہ انہیں میں سے تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پٹنے کے وقت وہ آ گئے انہوں نے سب کو ہٹایا اس طرح کہ خود ان پر الٹے پڑ گئے ان میں اسلام سے پہلے بھی یہ رحم تھا یہ عالی خاندانی کی دلیل ہے۔

خاندانی اور غیر خاندانی میں فرق

خاندانی اور غیر خاندانی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند تعالیٰ نے ایسے خاندان میں پیدا کیا تا کہ کسی بڑے سے بڑے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرنے میں عار نہ ہو اسی واسطے حق تعالیٰ نے سب انبیاء کو خاندانی بنایا ہے۔ اگر چہ خدائے تعالیٰ کے یہاں نسبت کا چنداں اعتبار نہیں بلکہ کسب کا اعتبار ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ. مگر لوگوں کے مذاق کا اعتبار کیا تا کہ کسی کو بھی اتباع سے عار نہ ہو غرض حضرت عباس نے ان کو اپنی جان پر کھیل کر بچالیا یہ خون سے ایسے رنگین ہو گئے تھے جیسے بت قربانی کے خون سے رنگے جاتے تھے۔ اب یہاں کوئی سننے والا کہہ سکتا ہے کہ آج کی مار سے سب نشہ ان کا اتر گیا ہوگا۔ اور آئندہ ان کو ہمت نہ رہی ہوگی کہ کسی کے سامنے اظہار ایمان کریں مگر

نہ سازد عشق را کنج سلامت خوشتر سوائے کوئے ملامت

(عشق سلامتی کے گوشہ کی موافقت نہیں کرتا اس کو تو ملامت کے کوچہ کی رسوائی بہت اچھی معلوم ہوتی ہے)

اگلے دن پھر اسی مجمع میں پہنچے اور پھر اسی اعلان کے ساتھ کہا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ آج سے بھی زیادہ غیظ و غضب کے ساتھ کفار لپٹ پڑے اور بھی زیادہ مارا خدا کی قدرت کہ پھر حضرت عباس آ گئے۔ پھر انہوں نے اسی طرح ان کو بمشکل بچایا۔ اس کو کہتے ہیں محبت اور یہ ہے اسلام ہمارا کیا منہ ہے کہ ہم بھی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نام لیں، پھر یہ اپنے گاؤں چلے گئے۔ یہاں کوئی یہ شبہ کر سکتا ہے کہ دین تو مشکل اس وقت تھا جیسا کہ ان شواہد سے معلوم ہوا۔

آج کل دین کی گرانی کا سبب

پھر یہ بات کیسے صحیح ہوئی کہ آج کل دین کی گرانی ہے دین کی گرانی تو اس وقت تھی اس کے جواب کے لئے ذرا سی سائنس دانی کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ سائنس کا اصول ہے کہ جب کسی کا محبوب سامنے ہوتا ہے تو اس کو قوت رہتی ہے اور وہ اسی قوت کی وجہ سے بہت سے موانع کو دفع کر سکتا ہے۔ صحابہ کرام کے زمانہ میں یہ بات موجود تھی یہ کتنی بڑی بات تھی کہ ہمارے سر پر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔ اس قوت کی وجہ سے موانع کا اثر کم ہو سکتا تھا تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے قوت تھی اس وجہ سے موانع کا چنداں اثر نہ ہوتا تھا۔

دوسرے اس وقت صرف بیرونی موانع تھے اندرونی موانع نہ تھے اور اس وقت میں قسم قسم کے دواعی شر کے موجود ہیں۔ اغیار تو باعث شر کے ہوتے ہی ہیں اپنے داعی شر ہیں بلکہ کفار سے آج کل صرف ضرر ظاہری ہے اور جو کفار مہذب ہیں ان سے ضرر ظاہری بھی نہیں ہے وہ زبان سے بھی کہتے ہیں کہ مداخلت مذہبی نہ کریں گے اور برتاؤ میں بھی ان کے تہذیب ہے۔ دل آزاری بھی پسند نہیں کرتے وہ کسی طرح بھی مخل فی الدین نہیں ہیں آج کل زیادہ مخل فی الدین وہ لوگ ہیں جو اغیار نہیں سمجھے جاتے۔ وہ اس قدر داعی الی الشر ہیں کہ خدا کی پناہ کسی کو کھلم کھلا وہ شر کی طرف بلاتے نہیں پھرتے مگر کتابیں اس طرح کی تیار کردی ہیں جو کھلم کھلا بلانے سے بہت زیادہ اثر رکھتی ہیں۔ بس وہ اپنا کام کررہی ہیں اس اثر سے عوام کی آج کل وہ حالت ہے کہ صبح کو کچھ شام کو کچھ کسی کو اپنے ایمان پر بھروسہ نہیں رہا۔ **یصبح الرجل مؤمنا ویمسی کافرا** (سنن الترمذی ۲۱۹۵ مسند احمد ۲:۳۹۱) اور سبب اس زہریلے اثر کا دین کی ناواقفی ہے اور دین سے اس ناواقفی کے بہت سے اسباب موجود ہیں مثلاً یہ کہ مسلمان عام طور سے معاش کی تعلیم وغیرہ میں لگے ہوئے ہیں۔ اتنی فرصت ہی نہیں کہ دین کی طرف توجہ کریں پھر مذہب کی کیا خبر ہو اور اس میں بھی چنداں مضائقہ نہ ہوتا۔ اگر ذہن میں یہ بات رہتی کہ ہم دنیا دار ہیں مصیبت تو یہ ہے کہ باوجود دین سے مس نہ رہنے کے اپنے آپ کو دین دار سمجھتے ہیں بلکہ دوسروں کی رہبری کے لئے تیار ہیں۔ اس وقت میں مسلمانوں کو مسلمانوں ہی سے زیادہ ضرر پہنچ رہا ہے۔ یہ لوگ اس قدر آزاد ہیں جن پر مسلمان ہونے کا اطلاق ہونا بھی مشکل ہے ہمارے نواح کے ایک قصبہ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک تعلیم یافتہ شخص ایک بار کہنے لگے کہ میں محمد صاحب کی بہت قدر کرتا ہوں آپ بڑے ریفارمر تھے اور بہت اصلاح قوم کی کی۔ رہی نبوت سو وہ صرف ایک مذہبی خیال ہے۔ مسلمانوں نے خوش عقیدگی کی وجہ سے مان لیا ہے بتائیے ایسے شخص کے کفر میں کیا شبہ ہے یا اسلام ایسی چیز ہے کہ کسی طرح جاہی نہیں سکتا کفر کے عقیدے دل میں رکھو اور کلمات کفر زبان سے بکو اور اسلام ہے کہ اس میں فرق ہی نہیں آتا حضرت اسلام خداوند تعالیٰ سے ایک خاص تعلق کا نام ہے اور خداوند تعالیٰ کی ذات سب سے زیادہ بے نیاز ہے اس کو زبردستی تعلق قائم رکھنے کی ضرورت نہیں دنیا دار جو ذرا سا بھی بڑا ہے وہ کسی کو منہ بھی نہیں لگاتا پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خداوند تعالیٰ سے کوئی تعلق قطع کرے اور خدا تعالیٰ اس سے زبردستی جوڑتے پھریں۔ پھر اگر مرنے کھپنے پر بھی بندہ کے تعلق کو حق تعالیٰ منظور

فرمالیں تو زہے قسمت اور زہے عنایت ہے سوایسے کلمات بکنے سے یقیناً اسلام جاتا رہتا ہے اور غضب یہ ہے کہ اس شخص کے نکاح میں ایک مسلمان عورت ہے نکاح کسی طرح قائم نہیں اور جھڑا جھڑ بچے بے نکاح ہورہے ہیں۔ تعلیم یافتہ ہونے کا نام لگ جانے سے عوام الناس میں ایسے لوگوں کی عزت ہو جاتی ہے اور ان کا اثر پڑتا ہے۔ بتایئے کہ اتنا نقصان مسلمانوں کو غیر قوم سے پہنچ سکتا ہے ہرگز نہیں اب مولوی جو اس تعلیم سے منع کرتے ہیں تو لوگ تعجب سے پوچھتے ہیں کہ صاحب دنیاوی تعلیم میں کیا حرج ہے مگر جو نتائج ظہور میں آرہے ہیں ان کو دیکھئے۔

بریلی میں ایک لڑکا میرے سامنے لایا گیا کہ اس کو ذرا نصیحت کر دیجئے یہ نماز نہیں پڑھتا میں نے اس سے پوچھا کہ بھائی نماز کیوں نہیں پڑھتے اس نے کہا کہ سچ کہہ دوں میں تو خدا تعالیٰ کے وجود ہی کا قائل نہیں یہ کہا اور کہہ کر رویا اور کہنے لگا کہ میرے ماں باپ سے مواخذہ ہوگا کہ مجھے علم دین نہیں پڑھایا اور نہ نیک صحبت کی طرف کبھی توجہ دلائی۔ یہ لڑکا ایک اسلامی کالج میں پڑھتا تھا۔ اب دیکھئے اس کی کیا حالت ہے میں نے ان لوگوں سے کہا کہ اس کو اس کالج سے نکال کر گورنمنٹ کالج میں بھیجئے وہاں یہ اتنا خراب نہ ہوگا جتنا کہ یہاں ہوا کیا انتہا ہے کہ گورنمنٹ کالج کو ترجیح دینی پڑی۔ اس کالج پر جو مسلمانوں کا کالج کہلاتا ہے اور جس پر لوگ ہم سے لڑتے مرتے ہیں کہ اس کالج کو علماء برا کہتے ہیں دیکھئے یہ اثر آپ کے نزدیک برا ہے یا نہیں۔ گورنمنٹ کالج میں یہ اثر نہیں ہوتا وجہ یہ کہ اس میں ہندو بھی ہوتے ہیں جب دو قوم اجنبی ایک جگہ رہتی ہیں تو دونوں میں مقابلہ رہتا ہے۔ اس مقابلہ میں مذہبی پختگی بڑھ جاتی ہے اور وہاں ایک قوم ہے کوئی ایک دوسرے کا مقابل نہیں اس لئے خوب آزادی ہے اور مذہبی امور کی طرف کسی کو توجہ ہے نہیں حمیت پیدا نہیں ہوتی اور وہاں اس قدر خرافاتیں ہوتی ہیں کہ بات بات میں کفر کی نوبت آتی ہے۔

داعیان الی الشر

ایک دفعہ چند شریر لڑکے اکٹھے ہوئے داڑھی منڈواتے تو سب ہی ہیں۔ مگر جہل کو مرکب بنایا اور معصیت کو کفر تک پہنچایا۔ اس طرح کہ ایک لڑکا داڑھی نہیں منڈاتا تھا اس کو کہہ سن کر داڑھی منڈانے پر راضی کیا اور ایک بکرا منگایا پھر لڑکوں میں اعلان کیا کہ آج فلاں کمرہ میں عقیقہ ہوگا۔ جب سب جمع ہو گئے تو ایک باپ بنا اور اس لڑکے کو بیٹا بنایا اور اس کو سب کے بیچ میں بٹھا کر داڑھی منڈوا دی اور اس پر خوب قہقہے اڑے اور بکرا ذبح کر کے کھانا کھلایا گیا۔ یہ ایک بہت ہی ادنیٰ حرکت ہے مگر اس کی حقیقت

یوں معلوم ہو سکتی ہے کہ گورنمنٹ کے کسی حکم کے ساتھ اس کا نصف معاملہ کر کے دیکھو بغاوت ہوتی ہے یا نہیں پھر حق تعالیٰ کے احکام کے ساتھ یہ بغاوت کیسے نہیں ہے اس بغاوت ہی کو شریعت کی اصطلاح میں کفر کہتے ہیں عدالت میں اگر کوئی حاکم حکم سنادے اس پر ذرا ہنس دیجئے کوئی کلمہ بھی منہ سے نہ نکالئے مگر دیکھئے اسی وقت توہین میں چالان ہوتا ہے یا نہیں حضرات مسلمانوں کی یہ نوبت ہے یہ ہیں وہ مضرتیں جو قوم کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے پہنچ رہی ہیں اور غیر قوموں سے یہ نقصان نہیں پہنچتے غرض وہ لڑکا گورنمنٹ کالج میں داخل ہوا۔ ایک سال کے بعد اس کی حالت یہ ہوئی کہ خدا کا بھی قائل تھا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی قائل تھا اور نماز کا بھی پابند تھا۔ بات یہ ہے کہ لوگ بچوں کو ابتداء سے فکر معاش میں اس طرح ڈالتے ہیں کہ بالکل اسی میں منہمک کر دیتے ہیں اگر کتابی تعلیم دین کی نہیں ہو سکتی تو زبانی تعلیم تو ممکن ہے مگر یہ بھی نہیں کرتے کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ بچوں کو نماز سکھلائی جاوے۔ دین کے ارکان ان کو سنائے جائیں اس میں تو ان کو کچھ محنت نہیں کرنی پڑے گی اور کچھ وقت بھی زیادہ خرچ نہ ہوگا۔ اگر بڑوں کو خیال ہو تو دین کے تمام ضروری اصول و فروع ان کو سکھا سکتے ہیں مگر یہ سب کچھ جب ہی ہو جبکہ دین کی پرواہ ہو اصل یہ ہے کہ دین کی کسی کو پرواہ ہی نہیں چھوٹوں کو یہ عذر ہے کہ بڑوں نے ہم کو اس طرف نہ لگایا اور بڑوں نے یوں دل کو سمجھا لیا ہے کہ علم معاش سے فرصت نہیں ہے' کیوں صاحبو! قانون کی ضروری باتیں بچوں کے کان میں کیسے پڑ جاتی ہیں کسی بچے کو ہم نے یہ نہ دیکھا کہ علم معاش میں منہمک ہو کر اسے یہ معلوم نہ ہوا ہو کہ مارنا پیٹنا جرم ہے اور وہ سر بازار دنگا فساد کرتا پھرتا ہو اگر کسی بچے نے ایسا کیا ہوگا تو اس کے مربی نے فوراً ڈانٹا ہوگا کہ یہ طریقہ شرفا کا نہیں ہے اور قانوناً جرم بھی ہے اس سے جیل خانہ پہنچ جانے کا اندیشہ ہے میں انہیں مربی سے پوچھتا ہوں کہ اسی بچہ نے جب نماز نہیں پڑھی تو کیوں نہیں ٹوکا کیا اس کا ان کے پاس کوئی جواب ہے۔

دین سے بے خبری کا حال

بس اصل یہ ہے کہ دین کی پرواہ نہیں اس کا نتیجہ آنکھ میچنے پر معلوم ہوگا۔ دین کو ایسا چھوڑا ہے کہ نام ہی آنا غضب ہے اس کا نام آیا اور سو حیلے کھڑے ہوئے۔ تعلیم معاش پر ہماری اول تو یہی شکایت تھی کہ اس میں انہماک افراط کے درجہ پر پہنچ گیا ہے جس سے دین سے بے خبر ہوگئی ہے اور دوسری شکایت یہ ہے کہ وہ صرف دین سے غافل کرنے والا ہی نہیں بلکہ دین سے مخالف بنانے والا بھی ہے۔ غرض ہر چہار طرف سے دین سے غفلت ہے اور دین کو بگاڑنے کے سامان جمع ہیں جب

یہ حالت ہے کہ دین کے ممد اسباب تو موجود نہیں اور دین کے مخالف اسباب موجود ہیں تو یہ زمانہ دین کی گرانی کا زمانہ ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ گرانی کے زمانہ میں تھوڑی چیز بھی بہت سمجھی جاتی ہے۔ لہذا اس وقت دین کی قیمت خدائے تعالیٰ کے یہاں بہت ہے۔ یہ مضمون اس حدیث سے نکلتا ہے جس کو میں نے ابھی بیان کیا تھا کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اب زمانہ وہ ہے کہ اگر کوئی مامور بہ میں دسویں حصہ کی بھی کمی کرے تو ہلاک ہو جائے اور ایک زمانہ وہ آئے گا کہ اگر کوئی مامور بہ کا دسواں حصہ بھی بجالاوے گا تو وہ نجات پا جاوے گا۔ اس حدیث کا مضمون کافی طور سے بیان ہو چکا اور اس مضمون کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے وہ یہ ہے ثم یاتی زمان القابض علی الدین کا لقابض علی الجمر او کمال قال دیکھ لیجئے آج کل کوئی شریعت پر عمل چاہتا ہے تو ضرور رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔ عقائد سے تو کوئی ہٹا نہیں سکتا کیونکہ عقیدہ فعل قلب ہے۔ ہاں اعمال میں رکاوٹیں ہیں، خصوصاً معاملات میں کہ پچاس میں ایک بھی معاملات میں عامل بالدین نکلنا مشکل ہے اور معاملات میں رکاوٹیں اعمال سے زیادہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عمل پھر بھی شخص واحد کا فعل ہے آدمی تنہا اپنے اختیار سے کر سکتا ہے اور معاملات وہ اعمال ہیں کہ جن کا تعلق دوسرے سے ہوتا ہے جب تک کہ دونوں باہمت اور پکے نہ ہوں معاملہ کی اصلاح کیسے ہو۔ مذاق عام طور سے بگڑے ہوئے ہیں۔ اگر ایک شخص اصلاح معاملہ کی کوشش کرتا ہے تو دوسرا پکا نہیں ہوتا اور آپڑوس مجھ سی ہو اس کو بھی بگاڑ لیتا ہے بس اسی طرح سے ایک سے دوسرا دوسرے سے تیسرا متاثر ہو کر سب ایک بلائے عام میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ کہ سب کے معاملات بگڑ گئے ہیں اور مسائل شرعیہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ بہت تنگ ہیں۔ حالانکہ تنگی خود کر لی ہے جب ایک بات کا رواج سب مل کر چھوڑ دیں تو اس کے کرنے میں تنگی ہو ہی جائے گی مثلاً اب رواج پڑیہ کا ہو گیا اب لوگ پرانے زمانہ کو یاد کر کے کہتے ہیں کہ پہلے رنگ کی بہت تکلیف تھی کسم بھگویا جاتا تھا اور کئی کئی روز تک ٹپکایا جاتا تھا اور بڑے اہتمام کرنے پڑتے تھے جب کپڑے رنگے جاتے تھے اب ان کو اس طریقہ سے رنگنا دشوار نظر آتا ہے مگر اس کی وجہ یہ نہیں کہ واقعی دشوار ہے بلکہ رواج چھوٹ گیا ہے صرف اس وجہ سے دشوار معلوم ہوتا ہے ورنہ پہلے زمانہ میں رنگتے ہی تھے پہلے تو کچھ بھی دشواری نہ معلوم ہوتی تھی غرض جس ایک کام کو عام طور سے آدمی کرنے لگیں وہ کیسا ہی مشکل ہو آسان ہو جاتا ہے اور اگر آسان سے آسان کام کو بھی چھوڑ دیں۔ تو مشکل ہو جاتا ہے اور جس کام کی عادت ڈالیں خواہ وہ کیسا ہی برا ہو اس کی برائی نظر سے چھپ جاتی ہے۔ جیسا ایک بادشاہ کا قصہ ہے کہ وزیر نے پیشین گوئی کی کہ کل کو

ایسی بارش ہوگی کہ جو شخص اس کا پانی پیوے گا وہ پاگل ہو جائے گا۔ بادشاہ نے برتنوں میں پانی بھروا کر رکھ لیا اگلے دن بارش ہوئی تمام لوگوں نے اس کا پانی پیا سب کے سب پاگل ہو گئے۔ بادشاہ اور وزیر نے جو پانی پہلے سے بھروا کر رکھ لیا تھا وہ پیا اس لئے وہ جنون سے محفوظ رہے اب لوگوں میں جلسے ہونے شروع ہوئے کہ بادشاہ اور وزیر پاگل ہو گئے ہیں ان کو معزول کر دینا چاہئے۔ بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ اب کیا کرنا چاہئے وزیر نے کہا کہ تدبیر یہی ہے کہ ہم بھی بارش کا پانی پی لیں۔ غرض بادشاہ اور وزیر نے بھی وہ پانی پی لیا اور جیسے اور پاگل تھے ویسے ہی وہ بھی ہو گئے اب لوگوں میں جلسے ہوئے کہ بادشاہ اور وزیر اچھے ہو گئے اب ان کو معزول کرنے کی ضرورت نہیں تو جیسے ان پاگلوں نے بادشاہ اور وزیر کو اپنی طرف نہ ہونے کی وجہ سے پاگل سمجھا اسی طرح اب بددین لوگ دینداروں پر ہنستے ہیں کیونکہ بددینی کا مذاق غالب ہو گیا ہے اس کی برائی ذہن سے جاتی رہی ہے اور دینداری کم رہ گئی ہے اگر کسی میں وہ ہے بھی تو ایک نئی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ ریل کے معاملات میں بعض دفعہ مشاہدہ ہوا کہ حقوق ادا کرنے والے پر لوگ ہنستے ہیں حالانکہ ادائے حقوق جملہ عقلاء کے نزدیک بھی اور شرعاً بھی مستحسن ہے اور اس کی ضد بالاتفاق قبیح ہے مگر طبائع میں خیانت اور حق تلفی کا مادہ غالب ہو رہا ہے اس واسطے ادائے حقوق پر بھی تعجب ہوتا ہے۔

ایک دیندار ڈپٹی کی حکایت

ایک ڈپٹی صاحب ہیں جو بہت دیندار ہیں وہ اپنے ایک لڑکے کا ٹکٹ آدھا لیتے تھے اور گھر والوں سے اس کی تحقیق کر رہے تھے کہ اس کی عمر کیا ہے۔ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ اس کی اتنی عمر ہے جس پر ٹکٹ پورا لگنا چاہئے۔ آس پاس جو لوگ کھڑے تھے وہ سب ہنس رہے تھے کہ دیکھو اس بچے کے لئے آدھا ٹکٹ بھی کھپ سکتا تھا اگر آدھا ٹکٹ لیتے تب بھی کوئی نہ ٹوکتا یہ خود ہی اپنا پیسہ پھینکتے ہیں۔ ایک اور شخص بی اے ہیں وہ ریل میں سوار ہوئے وقت کم تھا اسباب تلوا نہ سکے جہاں اترے وہاں انہوں نے کہا اسباب تول لو بابو نے دیکھا اور کہا جاؤ لے جاؤ انہوں نے کہا نہیں اسباب زیادہ ہے (خدا جسے نیکی دے وہ ایسے ہی ہوتے ہیں) ان کی وضع قطع سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ یہ انگریزی جانتے ہیں اس لئے اسٹیشن ماسٹر اور وہ بابو انگریزی میں آپس میں گفتگو کرنے لگے۔ ایک نے دوسرے سے کہا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے شراب پی رکھی ہے اس کے نشہ میں ہے۔ انہوں نے کہا جناب میں شراب پیے ہوئے نہیں ہوں میں مسلمان ہوں مذہب اسلام میں حق تلفی جائز نہیں محصول

لے لیجئے۔ بابو نے کہا کہ جاؤ جی ہم کو فرصت نہیں (عجیب بات ہے کہ چھپے ہوئے کو تو پکڑتے ہیں اس کے واسطے چلتی گاڑی میں بھی گشت کرتے ہیں اور یہ محصول دے رہے ہیں اور نہیں لیتے) اب انہیں فکر ہوئی کہ آخر میں کیا کروں میں محصول دے رہا ہوں اور یہ لوگ نہیں لیتے مگر حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا فوراً سمجھ میں آ گیا بس حساب کیا کہ کتنا محصول واجب ہے اتنی رقم کا ایک ٹکٹ کسی اسٹیشن کا لے کر پھاڑ دیا اس طرح کرایہ ادا ہو گیا یہ خدا کا خوف تھا لیکن اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ طبائع میں بالکل انقلاب ماہیت ہو گیا ہے اور یہ اگر چہ ہدلیۃ برا ہے لیکن اس کے عام ہو جانے سے اس کی برائی نظروں سے اٹھ گئی ہے بلکہ بجائے برائی کے رواج عام ہو جانے سے اس کی بھلائی ذہنوں میں آ گئی ہے پھر ایسے فعل پر عمل کیسے ہو جس کے مقابل کی بھلائی ذہنوں میں موجود ہے یہ دشواریاں ہیں جس کی وجہ سے دین پر قائم رہنے والے کو چنگاری کے ہاتھ میں لینے کے ساتھ ساتھ حدیث میں تشبیہ دی گئی ہے لیکن جس طرح عمل اس وقت میں دشوار ہے اسی طرح (میں بشارت سناتا ہوں آپ کو کہ) اس وقت عمل کا ثواب بھی زیادہ ہے۔ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ ایسے وقت میں ایک عمل کرنے والے کو ثواب پچاس آدمیوں کا ملے گا صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا ان کے پچاس کا یا ہم میں کے پچاس کا (ان کے پچاس ہوں گے تو سارے نکمے ہوں گے) جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم میں کے پچاس کا دیکھئے کتنی بڑی بات ہے اس حدیث کے بموجب اس وقت ایک عمل کا ثواب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ کے پچاس عمل کے برابر ملتا ہے کتنی بڑی فضیلت ہے یہ اور بات ہے کہ ان کا ایک ہی حصہ ہمارے پچاس سے کیفاً بڑھا ہوا ہو۔ صحابہ کے اعمال ہم سے ضرور بڑھے ہوئے ہیں ان کا ایک اور ہمارے سو بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ حدیث میں موجود ہے **لو انفق احدکم مثل الاحد ذھبا مابلغ مداحد ھم ولا نصیفہ و کما قال** یعنی اگر کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خیرات کر دے گا تو صحابی کے ایک مد یا اس کے نصف کے برابر بھی نہ ہو گا ہمارے اعمال کیسے بھی ہوں لیکن ان میں وہ چیز نہیں ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے اعمال میں تھی ان میں روح بھری ہوئی تھی اور ہمارے اعمال میں صرف صورت ہے اور کسی کے عمل میں روح ہو بھی تب بھی ان جیسی روح نہیں ہے خیر پچاس تو ہیں گو وہ پچاس ایک کے بھی برابر نہ ہوں ہم صحابہ جیسے تو بن نہیں سکتے تاہم ان کی نقل تو کر سکتے ہیں۔ ہماری نماز نقل بھی ہوتی تو قدر سے دیکھی جاتی مگر کچھ بھی نہیں ہے ہم لوگوں نے نماز کو غارت ہی کر دیا ہے نہ اس میں روح ہے نہ صورت اگر پڑھتے ہیں

تب بھی کسی کام کی نہیں ہوتی چہ جائے کہ پڑھیں بھی نہیں۔ ان ہی حالات کی وجہ سے فرماتے ہیں وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ یعنی نماز کو درست کرو صرف پڑھنے کا حکم نہیں فرمایا بلکہ درست کر کے ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ درست کرنا کیا معنی درست کرنا یہ ہے کہ اس کے حقوق ادا کئے جائیں سو ان حقوق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس پر پابندی ہو میں نے اس واسطے اس بیان کو چھیڑا کہ دیہات میں نماز کی پابندی نہیں ہے۔ اول تو پڑھتے ہی نہیں اور اگر پڑھتے بھی ہیں تو گنڈے دار اور اگر کوئی پابندی بھی ہے تو بہت سے بہت یہ کہ وقت کے اندر ادا کر لیتے ہیں۔ جماعت کی پابندی نہیں کرتے حالانکہ یہ سب ضروری باتیں ہیں اور اگر کوئی اس کا بھی پابند ہے تو صرف اس کی ذات تک وہ پابندی محدود ہے گھر میں دوسروں کو تاکید نہیں کرتے صاحبو! خود بھی پابندی کرو اور عورتوں اور بچوں کو بھی پڑھواؤ۔ ان کا سوال بھی تم سے ہوگا۔ سب سے پابندی کے ساتھ پڑھواؤ کسی کی نماز بھی گنڈے دار نہ ہو۔ ہمارے یہاں ایک مولانا شیخ محمد صاحب تھے ایک دفعہ چاند ہوا گاؤں کے لوگ ان کے سامنے گواہی دینے کے لئے آئے انہوں نے ایک شخص سے پوچھا کہ نماز بھی پڑھتے ہو کہا ایک دفعہ مولویوں نے بہت غل مچایا تھا اور سب لوگوں نے ایکا کر لیا تھا کہ جو کوئی نماز نہ پڑھے گا اس کے جنازے کی نماز نہ پڑھی جائے گی جب تو ہم نے نماز پڑھی تھی پھر تو ہماری توبہ ہے دیہات میں یہی حالت ہے (توبہ توبہ) بعض لوگ نماز کو منحوس سمجھتے ہیں خیر ایسوں نے تو اگر کسی کے دباؤ سے نماز پڑھ بھی لی تو نمازیوں میں ان کا شمار نہیں کیونکہ دل میں نماز کے قائل تک نہیں میرا خطاب اس وقت ان لوگوں سے ہے جو نماز کے قائل ہیں اور اس کو اچھا سمجھتے ہیں ان کو تو چاہئے کہ نماز کو نماز کی طرح پڑھیں یعنی ایک تو یہ کہ پابندی ہونی چاہئے اور ایک یہ کہ وقت کا خیال رہے بعض لوگ عصر کی نماز اس وقت پڑھتے ہیں کہ جب سب کاموں سے نمٹ جائیں سورج ڈوب رہا ہے اور یہ نماز پڑھ رہے ہیں اور اس کی وجہ کچھ تو سستی اور لاپروائی ہے اور کچھ یہ ہے کہ یہ خیال ہوتا ہے کہ ابھی پھر مغرب کی نماز پڑھنا ہے دو دو دفعہ کام کا حرج کون کرے ایک دفعہ ہی نمٹ کر دونوں کو پڑھ لیں گے صاحبو موٹی سی بات ہے کہ دونوں نمازوں میں جتنی دیر لگتی ہے دونوں کو جمع کر کے پڑھو تب اور دونوں کو علیحدہ پڑھو تب ہر حالت میں اتنی ہی دیر لگے گی مثلاً پانچ پانچ منٹ دونوں میں لگتے ہیں تو اگر دونوں کو جمع کر کے پڑھو گے تو بھی دس ہی منٹ کا حرج ہوگا اور اگر دونوں کو الگ الگ اپنے اپنے وقت پر پڑھو تو گو پانچ پانچ منٹ کر کے دو دفعہ حرج ہوگا مگر ہوگا تو وہی دس منٹ کا تو اگر کام کو چھوڑ کر وقت پر نماز پڑھ لو گے تو نماز بھی ٹھیک ہو جائے

گی اور حرج بھی اتنا ہی ہوگا پھر یہ خیال کیسے ٹھیک ہے کہ دو دو دفعہ حرج کون کرے دو دفعہ کرنے میں حرج بھی تو آدھا آدھا ہوتا ہے اسی طرح ایک حق یہ ہے کہ رکوع سجدہ ٹھیک کرو نیز جو تسبیح واذکار نماز میں پڑھی جاتی ہیں وہ سب کسی کو سنالو نیز قرآن شریف بھی صحیح کرو اگر شین قاف نہ نکلے تو زیر زبر کی تو غلطی نکال لو نیز خود بھی پڑھو جورو بچوں کو بھی پڑھاؤ ان کے اوپر حق تعالیٰ نے تم کو حاکم کیا ہے جیسے دنیا کے کام ان کو سکھلاتے ہو دین کے بھی سکھلاؤ ورنہ تم سے باز پرس ہوگی۔ پھر جن پر قدرت ہے ان میں سے جو کوئی نماز نہ پڑھے اس پر سختی کرو کوئی سزا مقرر کرو جرمانہ تو حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں اور طرح سے اس کے ساتھ سختی کرو مثلاً یہ کہ اس کو اپنے ساتھ کھانا نہ کھلاؤ ایک ہی دفعہ میں عقل سیدھی ہو جائے گی اور میں خود اسی شخص سے کہتا ہوں کہ نماز برادری والوں کا یا محلہ والوں کا تو کام نہیں خدا تعالیٰ کا کام ہے اس کا ادا کرنا ضروری ہے جس شخص کی نماز فوت ہوتی ہے اس کو چاہئے کہ خود اپنے اوپر یہ سزا مقرر کرلے کہ جس دن نماز قضا ہو جاوے کھانا نہ کھاوے۔ ایک وقت یا چند وقت ایسا کرے آپ ہوش درست ہو جاویں گے اور نفس قابو میں آجاوے گا اور یہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایک وقت نہ کھانے سے یا چند وقت نہ کھانے سے مرے گا نہیں۔ یہ بات طبعاً ثابت ہے کہ آدمی کئی کئی دن تک فاقہ کرنے سے مر نہیں سکتا۔ غرض ہمت کر کے کام کرو اور بے ہمت تو لقمہ بھی منہ میں نہیں جاتا یہ تو بیان ہو لو اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کا اور اس میں خلاف ارادہ طول ہو گیا خیر اس سے بھی کچھ نفع ہی ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

تارک نماز کے لئے وعید

آگے فرماتے ہیں وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مشرکین میں سے مت ہو اس میں غور کرنے کی یہ بات ہے کہ نماز کے حکم میں اور اسی نہی میں جوڑ کیا ہے۔ اس میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ مشرکین عرب حج کرتے تھے مگر نماز نہ پڑھتے تھے چنانچہ حج کرنے والوں کو نہ روکتے تھے اور نماز پڑھنے والوں کو سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ سو وہ حج کے تو خلاف نہ تھے لیکن نماز کے بالکل خلاف تھے اور یہود و نصاریٰ نماز پڑھتے تھے حج نہ کرتے تھے اس لئے حج نہ کرنے پر حدیث میں یہودی یا نصرانی ہو کر مرنے کی وعید کی گئی ہے اور یہاں آیت میں بے نمازی کو مشرک سے تشبیہ دی گئی اور گویہ دونوں فرقے ہیں کافر لیکن یہود و نصاریٰ سے مشرک اور زیادہ برے ہیں کیونکہ یہود و نصاریٰ موحد تو ہیں گو ان کی توحید کارآمد اور کافی نہیں اور عدم مغفرت میں دونوں برابر ہیں تو نماز کا ترک کرنا دوسرے عبادات کے ترک سے زیادہ برا ہوا پس مطلب یہ ہوا کہ نماز چھوڑ کر مشرکوں کے مشابہ نہ بنو اور اس

عنوان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسا کوئی کام نہ کرنا چاہئے جس میں کفار کے ساتھ مشابہت ہو۔ اب رہا یہ کہ آیت میں وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ پر کیوں نہیں اکتفا کیا تو اس میں نکتہ یہ ہے کہ مسلمان بے نمازی سے نفرت پیدا ہو کیونکہ کوئی ایسا نہیں جس کو شرک سے نفرت نہ ہو کیونکہ توحید ہر شخص کو محبوب ہے اور توحید کی ضد مبغوض ہے۔ جب فرمایا کہ نماز پڑھو اور مشرک نہ بنو تو اس لفظ سے وحشت ہوگی یہ ایسا ہے جیسے کہا جائے کہ اطاعت اختیار کرو اور باغی نہ بنو تو اس کے معنی یہی ہوتے کہ اطاعت اختیار کرو اور باغی نہ بنو تو اس کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ اطاعت اختیار کرنا بغاوت سے بچنا ہے اور ترک اطاعت بغاوت ہے ایسے ہی نماز پڑھنا شرک سے بچنا ہے اور نہ پڑھنا مشرک بننا ہے گو اس کے معنی یہ نہیں کہ نماز نہ پڑھنے سے آدمی کافر و مشرک ہو جاتا ہے کیونکہ یہ عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ یہ عمل مشرکوں کا سا ہے۔ جیسے حدیث میں وارد ہے **من ترک الصلوۃ متعمدا فقد کفر عملاً** (جس نے جان کر نماز چھوڑی پس اس نے کفر کیا) یعنی کام کافروں کا سا کیا جیسے کہتے ہیں کہ فلانا چمار ہو گیا اس کے یہ معنی نہیں کہ واقعی چمار ہو گیا بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ چماروں کے سے کام کرنے لگا تو نماز نہ پڑھنے والے کو مشرک فرمانا بمعنی حقیقی تو نہیں ہے مگر جس معنی میں بھی ہو لفظ نہایت موحش ہے مشرک سے برا کوئی نہیں اس واسطے اللہ تعالیٰ نے نفرت دلانے کے لئے وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کے ساتھ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ بھی بڑھا دیا کیونکہ صرف نماز کے حکم سے اتنی تاکید نہ ہوتی اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مشرک بننا ترک نماز سے بہت زیادہ برا ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک چیز کو دوسری چیز سے تشبیہ دی جاتی ہے تو وجہ شبہ مشبہ بہ میں زیادہ ہوتی ہے خواہ زیادتی کسی حیثیت سے ہو مثلاً کہتے ہیں کہ زید شیر ہے یعنی ایسا بہادر ہے جیسا شیر تو اس میں ضرور ہے کہ بہادری شیر میں زید سے زیادہ ہے ایسے ہی جب ترک نماز کو مشرک بننے کے ساتھ تشبیہ دی گئی تو یہ بات مسلم ہوئی کہ شرک ترک نماز سے بھی زیادہ برا ہے تو شرک کس قدر بری چیز ہوئی۔

عورتوں میں شرک کا اثر

دیہات میں شرک بھی کثرت سے ہے خصوصاً عورتوں میں شرک کا اثر بہت ہے مسلمانوں کے گھروں میں یہ بلا ہے کہ دیوی اور سیتلا کو پوجتی ہیں کسی کے چیچک نکلتی ہے تو اس سے ڈرتی ہیں اور اس کو کوئی متصرف چیز سمجھتی ہیں اور سیتلا کی پوجا کرتی ہیں یہ کیا خرافات ہے جیسے اور مرض ہیں ایسے ہی چیچک بھی ہے اور مرضوں کو کیوں نہیں پوجتے اور مسلمان کے نزدیک تو کوئی باارادہ اور مؤثر چیز بھی خواہ وہ کتنی ہی بڑی باتصرف کیوں نہ ہو پوجنے کے قابل نہیں ہو سکتی مسلمان کے نزدیک تو پوجنے

کے قابل بس ایک خدا ہے۔ اسی کا اس کو خوف ہوسکتا ہے اور اسی سے امداد چاہ سکتا ہے اس کے سوا اور کوئی چیز مسلمان کی نظر میں قابل خوف اور قابل استعانت نہیں تمام دنیا خدا تعالیٰ کے سامنے ایسی ہی بندی ہے جیسے ہم ہیں پھر ہم کو اپنے جیسے عاجزوں کا کیا خوف مگر جہالت نے راہ مار رکھی ہے فرضی چیزوں کی پوجا کرتے ہیں۔ ہندوؤں کے مندروں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور ہیں مسلمان اور شرک کے اور بھی شعبے ہیں۔ مثلاً بعض لوگ کسی دن کو منحوس سمجھتے ہیں یا اور کسی چیز کو منحوس سمجھتے ہیں۔ بعض لوگ شگون لیتے ہیں اور بعض سمجھتے ہیں کہ شہید لپٹتے پھرتے ہیں کوئی بیمار ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ شہید مرد آ گئے اور ان کے چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ پھر ان شہید مرد صاحب سے غیب کی خبریں پوچھتے ہیں اول تو یہی غلط ہے کہ شہید لپٹتے پھرتے ہیں شہیدوں کو نعم آخرت کے سامنے اس کی کیا ضرورت ہے کہ دنیا میں آویں اور آویں بھی کاہے کے لئے لوگوں کو ستانے کے لئے جنہوں نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر گردنیں کٹوادی ہیں وہ اس گناہ کے مرتکب ہوں گے کہ خلق خدا کو ستاتے پھریں یہ تو صریح اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے اور معمولی گناہ نہیں بلکہ بہت سخت گناہ ہے کیونکہ حق العبد ہے جو توبہ کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتا ان کی نسبت یہ خیال جنہوں نے اللہ کے لئے گردنیں کٹوائی ہیں کس قدر لغو خیال ہے اور ان کو عالم الغیب سمجھنا یہ دوسری غلطی ہے کیا شہید ہو جانے سے غیب کا علم ہو جاتا ہے۔ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** شریعت نے ان بتوں کو رد کر دیا ہے شہیدوں کا لپٹنا جس کو کہتے ہیں صرف شیطانی اثر ہے وہ کبھی شہید بنتا ہے اور کبھی کوئی مشہور نام لے دیتا ہے کہ میں شیخ سدو ہوں یا فلانا ہوں مسلمان کو بڑا پکا ہونا چاہئے۔ شیاطین کا کیا ڈر یہ سب شرک کی باتیں ہیں مرد عورت سب اس میں مبتلا ہیں۔ صاحبو ہمارے حالات کس قدر ابتر ہیں۔ دین کا کوئی جزو بھی باقی نہیں عقاید کی تو یہ حالت اور اعمال کو دیکھئے کہ جو فعل اول اعمال ہے یعنی نماز علی العموم وہ بھی متروک ہے مسلمانوں کی بستی ہے اور مشکل سے دو چار نمازی نکلتے ہیں ہر کام میں حکم اکثر پر ہوا کرتا ہے مسلمان آدھے سے زیادہ نمازی ہوئے تو کہا جا سکتا تھا کہ مسلمان نماز پڑھتے ہیں لیکن آدھے سے کم بھی نمازی نہیں فیصدی دو چار بھی مشکل سے نمازی نکلتے ہیں تو یہ قاعدہ مذکورہ یعنی للاکثر حکم الکل یہ کہنا صحیح ہوگا کہ مسلمان بے نماز ہیں نماز کی تو یہ حالت ہوئی ایک عمل روزہ ہے اس کی حالت یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اس کی طرف سے بعض جگہ اس قدر جہالت ہے کہ بعض عورتوں نے سنا بھی نہیں کہ روزہ بھی مسلمانوں کے یہاں کوئی چیز ہے۔ جب ان روزمرہ کے اعمال کی یہ حالت ہے تو ان اعمال اسلام کی نسبت کیا کہا جائے جن کا کوئی معین وقت نہیں جیسے زکوٰۃ اور حج اعمال کی حالت یہ ہوئی۔

جزو معاشرت

اور ایک جزو دین کا معاشرت ہے اس میں تو نہ صرف جہالت ہے بلکہ شرعی معاشرت کے مقابلہ میں ایک دوسری معاشرت کھلم کھلا موجود ہے چوکا دیتے ہیں۔ پیتل کے وہ برتن جو ہندوؤں کے ساتھ مخصوص ہیں مسلمان رکھتے ہیں جیسے لوٹیا وغیرہ۔ عورتیں لہنگا پہنتی ہیں پیٹ اور دوسرے وہ اعضا جو ستر میں داخل ہیں کھلے رہتے ہیں۔ شادی بیاہوں میں ہندوؤں کی رسمیں کرتے ہیں جیسے کنگنا باندھنا وغیرہ تمام معاشرت بالکل ہندوؤں جیسی ہے دھوتی باندھتے ہیں بعض دھوتی باندھنے والے نماز کے وقت دھوتی کو پیچھے سے کھول لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب تو کچھ حرج نہیں رہا۔ میں کہتا ہوں اس سے یہ تو معلوم ہوا کہ باندھنے والے خود بھی دھوتی کو برا جانتے ہیں جب ہی تو نماز کے وقت اس کو کھولنے کو ضروری سمجھتے ہیں ورنہ کھولنے کی کیا ضرورت ہے پھر صاحبو جب برا جانتے ہو تو بجائے دھوتی کے لنگی اور پائجامہ پہنو کھیت کیار کے کام سب ہماری طرف بھی ہوتے ہیں اور ہماری طرف اکثر لوگ لنگی اور پائجامہ ہی پہنتے ہیں دھوتی بہت کم لوگ باندھتے ہیں اس کی جتنی ضرورتیں بتلائی جاتی ہیں وہ سب خیالات ہیں بس صرف رواج اور رسم ہے۔ میں کہتا ہوں بڑے شرم کی بات ہے کہ ہم نے تو کثرت سے ہندوؤں کی رسمیں اختیار کر رکھی ہیں بھلا ہندوؤں نے بھی کوئی رسم ہماری لی ہے قطع نظر گناہ سے غیرت بھی تو کوئی چیز ہے یہ اور بات ہے کہ ہندوؤں میں سے کوئی خاص شخص مسلمانوں کی کوئی عادت اختیار کر لے مگر ساری قوم میں کوئی رسم ہماری نہیں پھیلی اور ہمارے یہاں ان کی رسمیں ساری قوم میں موجود ہیں' حالانکہ مشرکین کی کوئی بات بھی نہیں لینا چاہئے ہمارے اسلام میں اپنی عادات اور تعلیمات بہت کافی اور سب سے اچھی موجود ہیں پھر کیا ضرورت ہے کہ ہم دوسروں کی معاشرت لیتے پھریں اور معاشرت کوئی دین سے الگ چیز نہیں ہے وہ بھی دین کا ایک جزو ہے کیونکہ دین کے پانچ جزو ہیں۔ عقائد' عبادات' معاملات' معاشرت' اخلاق' پانچوں جزو کسی کے اندر پورے ہوں تب اس کو دین دار کہیں گے۔

دیکھئے حسین وہ شخص ہے جس کا چہرہ بھی ٹھیک ہو آنکھیں بھی ٹھیک ہوں قد بھی ٹھیک ہو اگر ایک بات میں بھی کمی ہو اور ذرا سا بھی عیب ہو تو حسین نہ کہا جائے گا۔ مثلاً سارا جسم ٹھیک ہو لیکن نکٹا ہو تو اس کو حسین نہیں کہا جائے گا اور آج کل مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ پانچوں چیزوں میں سے ایک چیز بھی نہیں اور حسین بننے کو تیار ہیں اور اگر بعض افراد میں اجزائے دین ہیں بھی تو سارے اجزاء نہیں ایک

دوکو لے کر باقی کو چھوڑ دیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہم کامل ہو گئے۔ یاد رکھو کامل وہ ہے جو سب اجزاء کو لے کر سب چیز مسلمانوں کی سی ہو کوئی چیز بھی مشابہ کفار نہ ہو حدیث میں آیا ہے کہ میری امت میں تہتر فرقے ہو جائیں گے اور سب دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک کے پوچھا گیا کہ وہ ایک کون سا ہے اشارہ فرمایا وہ وہ ہے کہ جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہو۔ سو یہ لفظ جو ترجمہ ہے ما کا عام ہے کیا مطلب کہ وہ اجزائے خمسہ میں متبع ہو قولاً بھی فعلاً بھی اور اتباع قولی عام ہے خواہ قول جزئی ہو یا قول کلی ہو جس سے کہ قاعدہ کلیہ ثابت ہو پس اجازت کے موقع پر جائز فعل کا کرنا بھی قول کلی کا اتباع ہے۔ میرے اس جملہ سے یہ اعتراض اٹھ گیا جو ممکن ہے کہ کسی کو ہوتا کہ مولوی لوگ بھی پورے متبع نہیں مثلاً اچکن پہنتے ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یا صحابیؓ سے اچکن پہننا ثابت نہیں اصل یہ ہے کہ عادات میں اصل اباحت ہے جو وضع شریعت میں ممنوع نہ ہو (تشبہ بھی ممانعت کی علت ہے) تو اس میں کچھ حرج نہیں تو یہ بھی اتباع ہی ہوا کہ شریعت نے جس چیز کو منع نہ کیا اس کو اختیار کر لیا جائے یعنی شریعت کی حدود سے قدم باہر نہ رکھا جائے مثلاً شریعت نے لنگی یا پاجامہ کی حد مقرر کر دی ہے کہ ٹخنوں سے نیچا نہ ہو تو ٹخنے کھلا پاجامہ خواہ کیسی وضع ہو بشرطیکہ تشبہ بالکفار نہ ہو شریعت جائز رکھتی ہے تو جواز کی حد میں رہنا بھی قولاً اتباع ہے اگر بالکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہو کہ سنن عادیہ میں سے بھی کوئی سنت نہ چھوڑے تو سبحان اللہ مگر ہم میں اتنی ہمت نہیں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جنہوں نے سر مو اتباع سے قدم باہر نہیں رکھا ایک بزرگ نے صرف اس وجہ سے خربوزہ نہیں کھایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت قطع کسی حدیث میں نہیں ملی۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے بے چھنا جو کا آٹا کھایا صرف پھونک مار کر بھوسی ہٹاتے اور گیہوں کا آٹا ہوتا تو اس کی روٹی بے سالن کے کھاتے کیونکہ گیہوں خود سالن ہے۔ خواجہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ خدام سے فرمایا کہ صحابہ رضی اللہ عنہ جو کے آٹے کی روٹی بغیر چھانے ہوئے کھایا کرتے تھے اس سنت پر بھی عمل کرنا چاہئے اب سے اسی طرح روٹی پکائی جائے کہ جو کا آٹا ہو اور اس کو چھانا نہ جائے چنانچہ اسی طرح روٹی پکائی گئی اس کے کھانے سے سب کے پیٹ میں درد ہوا آپ نے فرمایا کہ ہم سے بڑی بے ادبی ہوئی کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری کا دعویٰ کیا ہم کو نیچے کے درجے میں رہنا چاہئے اور رفقاء سے کہا توبہ کرو آٹا چھان کر کھایا کرو بے چھنا آٹا کھانا حالاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری کا دعویٰ ہے کس قدر باریک بات ہے یہ بات ذکر اللہ اور صحبت سے حاصل ہوتی ہے کہ آدمی حق تعالیٰ کے معاملات کو سمجھنے لگتا ہے۔ شیخ نے وسعت بھی اختیار کی تو کس نیت سے پھر وسعت پر عمل کرنے میں سنت کے ادب کو بھی

ملحوظ رکھا ہم جو اگر ہوتے تو کہتے اچھا عمل بالسنّت کیا کہ پیٹ میں درد ہی ہو گیا گویا (نعوذ باللہ) سنت سے وحشت ہو جاتی ہماری حالت یہ ہے کہ جو بات اپنے آپ کو پسند ہوئی اور اتفاق سے شریعت نے بھی اس کا امر کیا تو اس پر تو عمل کر لیا اور شریعت کی تعریف کرنے لگے اور جو بات اپنے آپ کو پسند نہ ہوئی یا اس میں اپنا کچھ نقصان ہوا تو اس کے پاس کو بھی نہ جاویں یہ وہ حالت ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے اس طرح بیان کیا ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ. فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ن اطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ن انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ. خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ط ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ یعنی بعض آدمی وہ ہیں جو حق تعالیٰ کی عبادت کا دم بھرتے ہیں مگر کنارے پر رہتے اگر ان کو کچھ نفع پہنچا تب تو مطمئن ہو گئے اور اگر کوئی تکلیف پہنچی تو بس منہ پھیر کر ہٹ جاتے ہیں۔ انہوں نے دنیا بھی کھوئی اور دین بھی آج کل یہ حالت ہے کہ آ کر فرائض کے مسئلے پوچھتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعی حکم کی طلب ہے حالانکہ مقصود صرف یہی ہوتا ہے کہ ہم کو میراث مل جائے اگر ان کو دور کے رشتہ سے پانچ ہزار میراث کے مل گئے تو کہتے ہیں شریعت کیسا اچھا قانون ہے کسی کا حق نہیں مارتا ہر ایک کا پورا پورا حق دلواتا ہے حق تلفی تو اس قانون میں ہے ہی نہیں اور اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ ہمیں کچھ نہ ملے گا تو کہتے ہیں بس رہنے دیجئے فرائض نکالنے کی ضرورت نہیں ہم سے تو یہ مال گیا حتیٰ کہ بعض لوگوں نے فرائض نکلوائے جب دیکھا کہ ان کا حصہ نہیں ہے تو کہا بس رہنے دو آگے کیوں تکلیف کرتے ہو اب ضرورت نہیں رہی۔ ایک شخص نے مجھ سے ایک فرائض لکھوائی اس سے ان کا حصہ نہ آیا تو پوچھنے لگے کہ میرا حصہ کیوں نہ آیا مجھے تو بڑی امید تھی میں نے کہا کہ فلاں وارث موجود ہے اس کے ہوتے آپ کو نہیں مل سکتا تو کہنے لگے کہ پھر اس وارث کو نہ لکھو سبحان اللہ واقعات میں تراش خراش کرنا اختیار ہو گئی یہ حالت ہے ہم لوگوں کی کہ بس دنیا کے نفع نقصان کو دیکھتے ہیں اگر دین بھی ساتھ میں آ گیا تو خیر ورنہ کچھ اس کی پرواہ نہیں تو ہم لوگ دین کو بھی دین ہونے کی نیت سے نہیں لیتے اور اہل اللہ اگر دنیا بھی لیتے ہیں تو دین کی نیت سے دیکھئے حضرت خواجہ نقشبند نے وسعت بھی اختیار کی تو کس نیت سے ہم لوگ اگر وسعت اختیار کرنے میں بھی نیت کر لیں کہ عزیمت پر عمل کرنے میں تکلیف ہے اور ہم کو اس کے تحمل کی ہمت نہیں تب بھی غنیمت ہے مگر ایک تو حد جواز سے باہر نہ جانا چاہئے۔ دوسرے صرف کسی ایک جزو دین کو منتہی نہ قرار دے لیں بلکہ تمام اجزاء دین میں پورا پورا اتباع کریں کیونکہ ما انا علیہ میں ما کلمہ عموم ہے جو شامل ہے۔ اجزائے خمسہ کو عقائد میں عبادات میں معاملات میں معاشرت میں اخلاق میں سب میں دین کے پابند ہیں

اسلام کھانا پینا سونا اٹھنا بیٹھنا سب اسلام کا سا ہو دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کو عتمہ کہنے سے منع فرمایا حالانکہ یہ بھی ایک لغت تھی مگر چونکہ اہل جاہلیت اس کو بولتے تھے اس واسطے پسند نہیں فرمایا تشبہ کے بارے میں بہت لوگوں کی طبیعتوں میں الجھن ہوتی ہے کہ اس میں کیا حرج ہے مگر میں اس کا پتہ آپ ہی کے برتاؤ میں بتاتا ہوں۔ دیکھئے اگر اس وقت زمانہ حرب میں کوئی جرمنی لباس پہنے بلا ضرورت زبان جرمنی بولے محض اترانے اور تفاخر کے لئے تو حکام کو کیسا ناگوار ہو جبکہ تشبہ کوئی چیز نہیں تو یہ ناگواری کیوں ہوتی ہے پھر شریعت پر کیا اعتراض ہے اگر وہ منکرین اور مخالفین کی مشابہت سے منع کرتی ہے۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ کی بھی اجازت نہیں دیتے جن کو کفار استعمال کرتے تھے اس سے وہ الفاظ گو بالکل حرام نہیں ہو جاتے مگر ان کا استعمال بے ادبی تو ہے بلکہ یہ سن لینے کے بعد کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ممانعت فرمائی ہے پھر حرام اور مکروہ کا سوال کرنا ہی دلیل ہے عدم محبت کی۔ حرام اور مکروہ کی تحقیق کیوں ہے۔ جس کو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا اس سے رک جانا چاہئے۔ آج کل لوگوں نے متکبرانہ انگریزی کے الفاظ ایسے زبان پر چڑھائے ہیں کہ کوئی جملہ ان سے خالی نہیں ہوتا پھر علماء سے پوچھتے ہیں کہ کیا انگریزی کا لفظ بولنا حرام ہے علماء ان کو حرام تو کہیں گے نہیں۔ بس ان کو گنجائش مل جاتی ہے کہ جب حرام نہیں تو پھر ہم پر کیا اعتراض میں کہتا ہوں کبھی کچہری میں جا کر عربی اور فارسی کے پرانے الفاظ بولئے ذرا یہ بھی تو کیجئے یہ بھی تو حرام نہیں اور میں ذمہ لیتا ہوں کہ ان کے بولنے سے آپ پر کچہری میں کوئی مقدمہ بھی قائم نہ ہوگا اور کسی قسم کا خطرہ بھی نہیں بلکہ آپ کی لیاقت کی دلیل ہوگی کہ آپ کو یہ زبانیں بھی آتی ہیں مگر آپ کبھی ایسا نہ کریں گے وجہ کیا ہے کہ حکام اس کو اگرچہ ناجائز اور کوئی جرم نہیں کہتے مگر پسند بھی نہیں کرتے بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ ناپسند بھی نہیں کرتے صرف اتنی بات ہے کہ خود نہیں بولتے بس آپ صرف اس بات سے کہ وہ خود استعمال نہیں کرتے ان الفاظ کو ناپسند کرنے لگے اتباع کے یہ معنی ہیں جس شخص کو اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اسی طرح اس کو بے دین قوم کے الفاظ استعمال نہ کرنے کے لئے یہ وجہ کافی ہے کہ اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خود استعمال نہیں کیا نہ عارض کی وجہ سے ان کو پسند کیا۔ حرام اور مکروہ کیا چیز ہے جیسے عربی و فارسی کے الفاظ حکام کے سامنے اس واسطے نہیں بولے جاتے کہ حکام ان کو خود نہیں بولتے ہیں مگر آج کل اس کا عکس ہے کہ جان جان کر کفار کے الفاظ بولتے ہیں۔ کانپور میں ایک مرتبہ دو لڑکے مسجد میں نماز پڑھنے آئے ان میں سے ایک دوسرے سے انگریزی میں گفتگو کرنے لگا دوسرے نے کہا کہ بھائی مسجد میں تو انگریزی مت بولو اس نے کہا کیوں

کیا مسجد میں انگریزی بولنا گناہ ہے پھر انہوں نے ایک ملازم کو مجھ سے دریافت کرنے کے لئے بھیجا میں نے کہا گناہ تو نہیں مگر ادب کے خلاف ضرور ہے لوگ اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں گو اس پر فتویٰ کوئی نہ لگایا جا سکے مگر آخر ادب بھی تو کوئی چیز ہے۔ دیکھئے بعض آداب کے ترک پر عدالت میں ناخوشی ہوتی ہے میرے ایک ملنے والے کا مقدمہ عدالت میں تھا وہ پیشی کے وقت عطر مل کر گئے مقدمہ سے وہ رہا کر دیئے گئے مگر پھر بلا کر سمجھایا گیا کہ دیکھو یورپین کے سامنے عطر مل کر کبھی مت جانا۔ سو عطر مل کر آنا کوئی جرم نہ تھا چنانچہ عدالت نے بھی اس کو جرم قرار نہیں دیا اس کی وجہ سے کوئی مقدمہ ان پر قائم نہیں ہوا لیکن فہمائش کی گئی اس وقت کسی نے یہ نہ کہا کہ عطر مل کر آنا کیا جرم ہے بلکہ یہی کہا ہوگا کہ بہت اچھا حضور قصور ہوا پھر کیا وجہ ہے کہ خدا کا اور خدا کے گھر کا ادب نہ ہو اور وہاں وہ الفاظ استعمال کئے جائیں جو مخالفین و کفار کے الفاظ ہیں ادب ایک بڑی چیز ہے اور ترک ادب کوئی معمولی بات نہیں حرام اور مکروہ کا تلاش کرنا یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب دل میں ادب نہ ہو اور جب دل میں ادب ہوتا ہے تو حکم سنتے ہی آدمی گردن جھکا لیتا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہی شان تھی صحابہ رضی اللہ عنہم نے کبھی حرام اور مکروہ نہیں پوچھا۔ جب بعد میں اس قسم کے سوالات ہونے لگے تب فقہاء نے احکام کے مراتب کو استنباط کر کے قائم کر دیا۔ غرض اجزاء خمسہ کا بھی یہی برتاؤ رکھئے کہ جس بات کی نسبت معلوم ہو جاوے کہ یہ دین کی بات ہے اس کو اختیار کیجئے اور جس کی نسبت معلوم ہو جائے کہ یہ دین کے خلاف ہے اس سے الگ رہئے یہ ہے اسلام کامل اس پر کار بند کا دوسری چیز کی طرف میلان نہیں ہوتا جس کو اسلامی مذاق حاصل ہے وہ دوسروں کے افعال کی طرف مائل نہ ہوگا بلا ضرورت کوئی چیز بھی غیر قوم کی نہ لیجئے اس وقت مجھ کو بالقصد یہ بیان کرنا تھا وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (مشرکین میں سے نہ ہو) سے یہ مسئلہ بخوبی مستنبط ہو گیا جس چیز میں بھی مشرکین کی مشابہت ہو وہ سب اس میں داخل ہیں سب صاحب رسوم شرکیہ چھوڑ دیں چال ڈھال میں کھانے پینے میں لباس میں شادی بیاہ میں کوئی اور رسم کفار کی نہ رکھیں اور نماز پابندی سے پڑھیں اور خود بھی پڑھیں اور اپنے گھر والوں سے اور اوروں کو بھی پڑھوا دیں۔ اب دعا کریں کہ حق تعالیٰ توفیق دیں۔ آمین ثم آمین

الاخلاص

(حصہ اول)

یہ وعظ اخلاص کے متعلق تھانہ بھون کی جامع مسجد میں جمادی الاخریٰ میں ۱۳۳۹ھ بیٹھ کر ارشاد فرمایا جسے مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی نے قلمبند کیا۔

خطبہ ماثورہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّہۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ہَادِیَ لَہٗ وَنَشۡہَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡہَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ.

اَمَّا بَعۡدُ: اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ. بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.

فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اموالکم ولکن ینظر الی نیاتکم و اعمالکم.

(سنن ابن ماجہ ۴۱۴۳، مشکوۃ المصابیح ۵۳۱۴)

(ترجمہ:۔ حدیث شریف کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کی طرف نظر نہیں فرماتے لیکن تمہاری نیتوں اور اعمال پر نظر فرماتے ہیں)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے طبیب روحانی ہیں

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شے کی تعیین فرمائی ہے جس پر حق تعالیٰ کی نظر ہے گو مخلوق کی نظر نہیں اور اس شے کی بھی تعیین فرما دی جس پر حق تعالیٰ کی نظر نہیں گو مخلوق کی نظر ہے اور صور و اموال کی تخصیص کی وجہ حالانکہ غیر منظور اور اشیاء دنیویہ بھی ہیں یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی امور کو بیان فرماتے ہیں کہ جن کی ضرورت ہے اور جن میں ابتلا ہے اور جو غیر ضروری امور ہیں یا جس میں ابتلاء کبھی نہیں ہوتا ان کو بیان نہیں فرماتے ہیں کیونکہ ایسے امور کے بیان کی ضرورت ہی نہیں چنانچہ یہ کہیں نہیں فرمایا کہ گو برمت کھایا کرو

پیشاب مت پیا کرو اس لئے کہ اکلاً و شرباً ان چیزوں کا استعمال معتاد نہیں ہے۔ البتہ ان میں ابتلاء کی صورۃ یہ ہوسکتی تھی کہ ثوب یا بدن نجاست میں آلودہ ہو جائے سو اس کو تصریحاً بیان فرما دیا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم طبیب ہیں آپ کے تمام خطابات بعینہ ایسے ہی ہیں جیسے کہ ایک طبیب کی مخاطبۃ مریض کے ساتھ طبیب امراض جسمانی کا علاج کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امراض روحانی کے ازالہ کے لئے تشریف لائے ہیں پس طبیب مریض کو ان ہی اشیاء سے منع کرتا ہے کہ جس میں ابتلاء ہو مثلاً انبہ کی فصل میں انبہ سے منع کرے کہ انبہ مت کھانا اور اگر فصل نہ ہوگی منع کرنے کی ضرورت ہی نہیں اس وقت منع کرنا عبث ہے بلکہ ایسے طبیب کی مثال اس بقال کی سی ہو جاوے گی کہ بقال کی تھالی گم ہوگئی تھی تمام جگہ تلاش کی یہاں تک کہ گھڑے میں بھی تلاش کی کسی نے پوچھا کہ گھڑے میں تھالی کیسے آ سکتی ہے بقال نے کہا کہ یہ تو میں بھی جانتا ہوں مگر احتیاطاً دیکھ لینا اچھا ہے۔

قرآن اور حدیث کا اصلی مذاق

شاید اس تقریر سے ایک نہایت کارآمد اور قابل قدر مضمون معلوم ہوا وہ یہ کہ قرآن وحدیث کا اصلی مذاق یہ ہے کہ اس میں انہیں اشیاء سے بحث ہے کہ جس میں ابتلاء واقع ہے جیسا طبیب کا معاملہ مریض کے ساتھ اور یہ مذاق نہیں کہ تمام شکوک محتملہ بعیدہ کو دفع کیا کرے جیسا مدرس کا خطاب طلبہ سے ہوتا ہے کہ عبارت میں جس قدر شکوک ہوتے ہیں سب کو دفع کرتا ہے حتیٰ کہ ایسے شکوک کو بھی دفع کرتا ہے کہ ان کی طرف ذہن بھی بمشکل منتقل ہوتا ہے غرض یہ کہ قرآن وحدیث بمنزلہ کتب طب کے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلہ طبیب کے نہ کہ قرآن وحدیث بمنزلہ کتب درسیہ کے ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلہ مدرس کے اسی لئے جو لوگ منطق وفلسفہ پہلے پڑھتے ہیں اور ان کا مذاق فلسفی ہو جاتا ہے۔

فلسفیانہ مزاج

وہ قرآن وحدیث کو بھی اسی نظر سے دیکھتے ہیں پھر اس میں اشکال پیدا کرتے ہیں اور سمجھنے میں انکو دقت واقع ہوتی ہے کیونکہ مذاق ان کا بدل جاتا ہے جیسے کہ ایک مولوی صاحب معقول پڑھ کر ایک محدث کی خدمت میں پڑھنے گئے ترمذی میں حدیث آئی لایقبل اللہ صلوۃ بغیر طھور (سنن النسائی ۱:۷۸، سنن الدارمی ۱:۱۷۵) (حق تعالیٰ بغیر پاکی کے نماز قبول نہیں فرماتے) تو

ان مولوی صاحب نے شبہ کیا کہ یہ حدیث تو اس کو بھی عام ہے کہ اگر نماز پڑھ کر کوئی وضو کرے تو چاہئے کہ وہ قبول ہو تو وجہ اس لغو شبہ کی یہی ہے کہ ان کا مذاق فلسفہ و منطق سے بدل گیا تھا احتمالات عقلیہ کو گو وہ شرعاً محتمل نہ ہوں حدیث و قرآن میں بھی جاری کرتے تھے حالانکہ شارع کے احکام میں عادات و واقعات پر زیادہ نظر ہے اسی لئے شریعت کو وہ زیادہ سمجھے گا جو عادات ناس سے واقفیت رکھتا ہوگا اس لئے کہ شارع نے ہمارے ان ہی امراض کا جس میں ابتلاء ہے علاج بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ اس حدیث شریف میں بھی ایسے ہی ایک مرض کا جس میں ابتلاء تھا علاج فرمایا ہے اور وہ مرض یہ ہے کہ مخلوق نے مطمح نظر ایک ایسی شئے کو بنا رکھا ہے جس پر خالق کی بالکل نظر نہیں اور مطروح النظر ایسی شئے کو بنا رکھا ہے جس پر خالق کی نظر ہے اس لئے ضروری ہوا کہ اس غلطی پر متنبہ کیا جاوے تاکہ علاج کیا جاوے اور اس وقت اس حدیث کے ہمارے اختیار کرنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس مرض میں عام طور سے ابتلاء ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے زمانہ خیریت نشانہ میں یہ مضمون فرمایا حالانکہ اس وقت غالب خیر تھی تو آئندہ کے لحاظ سے فرمایا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو قیامت تک کے لئے سب کے طبیب ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام تمام واقعات شدنی کے متعلق ہیں چنانچہ قیامت تک کوئی مرض کوئی عمل کوئی قول کوئی فعل ایسا نہیں ہوگا جس کے متعلق شریعت میں حکم موجود نہ ہو۔

شریعت کی وسعت

کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو یہ ہے کہ فرماتے ہیں اوتیت علم الاولین والاخرین (مجھ کو اولین اور آخرین کا علم دیا گیا ہے) اور فرماتے ہیں ادبنی ربی فاحسن تادیبی و علمنی ربی فاحسن تعلیمی (کشف الخفاء للعجلونی ۱:۷۲، کنز العمال ۱۳۹۹۵) (مجھ کو میرے رب نے ادب دیا پس میرا ادب دینا اچھا ہوا مجھ کو میرے رب نے تعلیم دی پس اچھی ہوئی تعلیم میری) اور یہاں سے شریعت کی وسعت معلوم ہوگئی ہوگی کہ شریعت اسلامی کے سوا کوئی قانون ایسا نہیں کہ جس میں تمام واقعات جو قیامت تک ہونے والے ہیں سب کا حکم موجود ہو اگر کوئی کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض مسائل کے متعلق لا ادری (مجھ کو معلوم نہیں) فرمایا ہے تو جواب یہ ہے کہ لا ادری اس وقت تک تھا کہ جب تک شریعت کی تکمیل نہیں ہوئی تھی۔

شریعت کا کوئی حکم غیر مبین نہیں

اور جب آیۃ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (میں نے آج کے دن تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا) نازل ہوئی اور شریعت من کل الوجوہ مکمل ہوگئی پھر کوئی حکم غیر مبین نہیں رہا سب مبین ہوگئے اور مبین ہونے کے یہ معنی نہیں کہ بالتخصیص ہر ہر واقعہ کا حکم بیان فرمایا ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ قواعد کلیہ ایسے فرمائے جن سے تمام واقعات کے احکام مستنبط ہوتے ہیں چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بدن گودنے والے پر جو لعنت فرمائی تو ایک عورت نے دریافت کیا کہ قرآن میں تو یہ حکم ہی نہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تو قرآن پڑھتی تو اس میں یہ حکم پاتی کیا تو نے قرآن میں پڑھا نہیں وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا یعنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دیں (یعنی کسی شے کا امر فرمادیں) اس کو لو اور جس شے سے منع فرماویں اس سے باز رہو۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدن گودنے والے پر لعنت فرمائی ہے پس یہ حکم بھی من اللہ ہوا اسی طرح سے آج کل جو اخباروں میں لکھا جاتا ہے کہ داڑھی رکھنے کا حکم قرآن میں ہی نہیں یہ مولویوں کی گھڑت ہے یہاں سے اس کا جواب بھی معلوم ہوگیا کہ اگرچہ قرآن میں تصریحاً نہیں ہے لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو امر فرمایا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمایا ہوا اللہ تعالیٰ ہی کا فرمایا ہوا ہے۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(ان کا فرمان اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اگرچہ اللہ کے بندہ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ سے نکلا ہے)

آپ کی شان یہ ہے۔

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند آنچہ اوستاد ازل گفت بگو آں گویم

(آئینہ کے پیچھے مجھے طوطی کی طرح رکھا ہے جو کچھ استاد ازل نے کہا تھا وہی میں کہہ رہا ہوں)

پس اس قاعدہ سے داڑھی رکھنے کا حکم بھی قرآن میں مذکور ہوگیا اور یہاں سے ایک اور ضروری بات ثابت ہوئی وہ یہ کہ جب معلوم ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمایا ہوا گویا اللہ تعالیٰ کا فرمایا ہوا ہے۔

اوامر الٰہی سے ہمارا برتاؤ

تو اب ہم کو اپنی حالت میں غور کرنا چاہئے کہ ہمارا معاملہ حق تعالیٰ کے اوامر کے ساتھ کیسا

ہے سو تجربہ سے ایک قاعدہ دیکھا جاتا ہے کہ ہمارے آپس میں اوامر کے ساتھ دو قسم کا برتاؤ ہے ایک یہ کہ بعض امر کا امر سن کر تو ہم اس میں حجت اور حیلہ نکال سکتے ہیں اور بعض مرتبہ صاف انکار بھی کر دیتے ہیں اور بعض آمر کا امر سن کر ہم سرنگوں اور دم بخود رہ جاتے ہیں اور بجز تسلیم وانقیاد کے کچھ چارہ نہیں ہوتا اور ہماری حالت یہ ہوتی ہے جیسا کہ شیخ نظامی نے کہا کہ ہے۔

زباں تازہ کر دن باقرار تو نینگیختن علت از کار تو

(آپ کی ربوبیت کا اقرار کرنا آپ کے کاموں میں علتیں نکالنے کو مانع ہے) پس غور کرنا چاہئے کہ اس فرق کی وجہ کیا ہے کہ کسی آمر کے ساتھ یہ برتاؤ اور کسی کے ساتھ دوسرا تو مابہ الفرق تامل کے بعد عظمت اور عدم عظمت معلوم ہوتا ہے جس آمر کی ہمارے قلب میں عظمت ہوتی ہے اس کے امر کے سامنے ہم سر تسلیم خم کر دیتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا اور جس کے قلب میں عظمت نہیں ہوتی اس کی کچھ پروا نہیں کرتے عظمت وہ شئے ہے کہ زبان پر مہر لگا دیتی ہے بلکہ زبان تو کیا قلب میں بھی اس امر کے متعلق شبہ تک نہیں آتا بلکہ اگر دوسرا کچھ وسوسہ پیش کرتا ہے تو اس کو یوں دفع کیا جاتا ہے کہ میاں یہ ایک جلیل القدر کا امر ہے ضرور ضرور اس میں کچھ مصلحت ہوگی ورنہ ایسا شخص اس کا امر ہی کیوں کرتا گو وہ مصلحت ہماری سمجھ میں نہ آوے مثلاً اسٹام قیمتی ایک روپیہ خرید کر اگر ہم ڈاک خانہ میں چھوڑ دیں اور اس پر ڈاک کا ٹکٹ نہ لگاویں تو وہ بیرنگ ہو جاوے گا اور ایک ٹکہ کا لفافہ بیرنگ نہیں ہوتا حالانکہ اس کی قیمت اور اس کی قیمت میں ساڑھے پندرہ آنے کا فرق ہے سو ظاہراً یہ بالکل خلاف قیاس ہے مگر اس کے متعلق کبھی سوال تک نہیں کیا جاتا ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے بلکہ بلا وسوسہ وشبہ تسلیم کر لیتے ہیں اور شب وروز اس پر عمل درآمد ہے کبھی کسی کی زبان پر تو کیا دل میں بھی شبہ نہیں ہوتا علیٰ ہذا دیگر احکام حکام میں بھی کبھی کوئی شک واعتراض نہیں کرتا اور اگر بالفرض کوئی اسٹام کے متعلق شبہ بھی کسی کے سامنے پیش کرے تو اول تو اس شخص کو پاگل اور احمق سمجھیں گے کہ کیا سوال کرتا ہے اور پھر جواب بھی دیں گے کہ قانون اسی طرح ہے اور اس مجیب کو اس جواب غیر مفصل و غیر مدلل کی وجہ سے یوں نہ کہیں گے کہ جواب سے عاجز ہے بلکہ ہر شخص سمجھے گا کہ جواب کافی ہو گیا تو اس تسلیم وانقیاد کی وجہ بجز عظمت کے کیا ہے چونکہ حکام کی عظمت قلوب میں راسخ و متمکن ہوتی ہے اس نے زبان بلکہ قلب پر مہر لگا دی اور سوائے آرے (ہاں) بلی نعم کے لا (نہیں) اور نہ زبان پر نہیں آسکتا جب یہ قاعدہ ثابت ہو گیا۔

قانون الٰہی کی عظمت

تو اب میں سخت حیرت اور تعجب میں ہوں کہ اللہ اکبر ایک ادنی حاکم مجازی فانی عاجز اپنے ہم جنس کے حکم کے سامنے ایسے مجبور اور جماد محض بن جاتے ہیں اور احکم الحاکمین حاکم حقیقی قادر مطلق (کہ اگر چاہے تو ایک دم میں سب کو برباد ہلاک کر دے) اس کے امر میں لم اور علت اور حکمت پوچھی جاتی ہے افسوس صد افسوس کوئی پوچھتا ہے کہ صاحب عن الفرار فی الطاعون (طاعون میں فرار کرنا) کی کیا وجہ ہے کوئی صاحب تشبہ کے مسئلہ میں گفتگو رتے ہیں حتیٰ کہ روزہ نماز حج وزکوٰۃ مواریث سب احکام میں اپنی رائے کو دخل دیتے ہیں نعوذ باللہ ۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

(دیکھو راستہ میں تفاوت کہاں سے کہاں تک ہے) احکام شرعیہ میں جو بے جا سوالات کئے جاتے ہیں اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان احکام کی دل میں عظمت ہے اور اس سائل سے زیادہ مجیبین زمانہ پر حیرت ہوتی ہے کہ آج کل مجیبین نے یہ شیوہ اختیار کر لیا ہے کہ وہ سائلین کے مذاق کے تابع ہو گئے ہیں جو شخص جس حکم کی حکمت اور علت پوچھتا ہے اس کو کچھ نہ کچھ علت اور حکمت بتلانا ضروری سمجھتے ہیں اور اگر معلوم نہیں ہوتی تو گھڑ کر کچھ بتاتے ہیں یہ جواب کیوں نہیں دیا جاتا کہ یہ قانون الٰہی ہے جیسا کہ حکام مجازی کے حکم کی تعمیل کے متعلق کہا جاتا ہے افسوس معلوم ہوتا ہے کہ احکم الحاکمین کی عظمت کو حاکم مجازی سے بھی کم سمجھ لیا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سائل کے دل میں تو ظاہر ہے عظمت نہیں مجیب صاحب کے قلب میں بھی نہیں ہے کیونکہ عظمت اگر ہوتی تو وہی جواب دیتے جو اسٹام کی مثال میں گزرا کہ بس چپ رہو قانون اسی طرح ہے ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے اور جب حاکم مجازی کے بہت سے احکام کے اسرار اور حکمتیں اور مصلحتیں ہم کو معلوم نہیں اور نہ ہوس ہوتی ہے تو پھر حاکم حقیقی کے احکام کے اسرار معلوم کرنے کے درپے کیوں ہوتے ہیں اور جب ایک ادنی آدمی اپنے نوکروں کو اپنے خانگی معاملات کے اسرار نہیں بتاتا تو حق تعالیٰ جل وعلا شانہ بایں ہمہ عظمت اپنے مخلوق ومملوک کو کیوں اسرار بتادیں اس لئے عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

حدیث از مطرب و مے گو از دہر کمتر جو   کہ کس نکشود نکشاید بحکمت ایں معمارا

(مطرب و مے یعنی عشق ومحبت کی باتیں کر و زمانہ کے بھید اور اسرار کی ٹوہ میں مت لگو کیونکہ یہ عقدہ حکمت سے نہ کسی نے حل کیا نہ کوئی حل کر سکے گا)

اسرار مخلوق میں ہمیں دسترس نہیں

اس زمانہ میں بہت لوگ علل اور حکم کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں بہت غور وخوض کے بعد اگر کوئی بات کسی حکم کے متعلق سمجھ میں آ گئی تو اس پر بے انتہا اتراتے ہیں فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ (جو علم ان کو حاصل ہے اس پر وہ خوش ہیں) حالانکہ وہ حقیقی اسرار کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں۔

بحریست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست آنجا جز اینکہ جاں بسپارند چارہ نیست

(بحر عشق ایسا بحر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں اس میں بجز جان دے چارہ نہیں ہے)

خود اہل سائنس میں جو وسیع النظر ہیں معترف ہیں کہ دریائے سائنس میں سے ابھی ایک قطرہ پر بھی ہم کو دسترس نہیں جب اسرار مخلوق پر ان لوگوں کو ابھی تک عبور نہیں ہوا تو خالق کے اسرار اور علل کیسے سمجھ سکتے ہیں اور اگر غور وخوض کے بعد کوئی علت کسی کی سمجھ میں بھی آ گئی تو ظاہر ہے کہ منصوص تو نہیں ہے کیونکہ ان کی ہی طبع زاد ہے پس وہ خود ظنی اور تخمینی ہوگی پس اگر احتمالاً کوئی شخص منکران کی علت مخترعہ کو باطل کر دے تو چونکہ اس مجیب نے اس کی علۃ اور مدار حکم ہونے کا اعتراف کرلیا ہے پس اس کے انہدام سے وہ حکم شرعی بھی منعدم ہوگیا پس ان بزرگوں نے علل مخترعہ نکال کر اوران کو مدار حکم ٹھہرا کر تمام شریعت ہی کو اصل سے منہدم کردیا سچ ہے

دوستی بخرد چوں دشمنی است

(نادان کی دوستی مانند دشمنی کے ہے)

ایسے ہی محققین من الحقہ کی بدولت اسلام پر انواع انواع کے اعتراض ہو رہے ہیں تو حضرت اسلام آپ کی ایسی ہمدردی سے مستغنی ہے اسلام خود ایسا روشن اور ثابت ہے کہ اس کو ایسے تخمینات سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

فی طلعة الشمس مایغنیک عن زحل

آفتاب جس کے سامنے ہو وہ زحل کو لے کر کیا کرے گا

آفتاب آمد دلیل آفتاب

(آفتاب کا نکلنا ہی آفتاب کی دلیل ہے)

پس جب کوئی تم سے پوچھے کہ فلاں حکم کی کیا علۃ ہے بے تکلف کہہ دو کہ ہم نہیں جانتے کیا علت اور حکمت ہے پس حکم خدائے تعالیٰ کا ہے جیسا کہ فرشتوں نے عرض کیا تھا سُبْحٰنَکَ لَاعِلْمَ

لَنَآ اِلَّامَا عَلَّمْتَنَا ط اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ یعنی تو پاک ذات ہے ہم کو کچھ علم نہیں مگر وہ جو آپ نے ہم کو سکھا دیا بے شک آپ ہی باخبر اور حکمت والے ہیں ۔ یہی طریق ہم کو اختیار کرنا چاہئے کیونکہ ظاہر ہے کہ ہمارا علم ناقص فرشتوں کے علم سے تو زیادہ نہیں جب انہوں نے تفویض محض سے کام لیا اور اپنی رائے کو دخل نہیں دیا تو ہم کون ہیں دخل در معقولات دیں بس یہ جواب کافی ہے حضرات صحابہ باایں ہمہ فضل وکمال مناظرہ کفار میں جو بات معلوم نہ ہوتی صاف فرمادیتے کہ ہم نہیں جانتے ہم اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر بتادیں گے اور بھی خوبی کی بات ہے بلکہ اس میں احکام کی زیادہ عظمت ظاہر ہوتی ہے ایک حکایت یاد آئی ایک آریہ نے دعویٰ کیا کہ ہم اپنے مذہب کے ہر جز کی بنا عقل سے بتلا سکتے ہیں اور مسلمان ایسا نہیں کرسکتے میرے ایک عزیز نے جواب دیا کہ بس اسی سے معلوم ہوا کہ تمہارا مذہب کسی مخلوق کا بنایا ہوا ہے کہ دوسرا مخلوق اس کے اسرار تک پہنچ سکتا ہے اگر خالق کا فرمایا ہوا ہوتا مخلوق کہیں تو ادراک اسرار سے عاجز ہوتا۔

آج کل ہر شخص مدعی اجتہاد ہے

آج کل ایسے لوگ زیادہ ہیں کہ علم تو خاک نہیں مگر مناظرہ اور مباحثہ میں قدم رکھتے ہیں اور بعض آریوں سے بعض شیعوں سے بعض عیسائیوں سے مناظرہ شروع کر دیتے ہیں اور جب ان کے ایسے سوالات کے جواب میں خود احکام کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تو علماء سے پوچھتے پھرتے ہیں مگر یہ نہیں کہا جاتا کہ ہم نہیں جانتے علماء سے پوچھ لو سو دین کو ایسا ارزاں بنا رکھا ہے کہ اس کے جاننے کا ہر شخص مدعی ہے اور فنون میں تو یہ کہتے ہوئے شرم اور عار نہیں آتی کہ ہم اس بات کو نہیں جانتے مگر دین ایسا ہو گیا کہ ہر شخص مدعی ہے کہ میں بھی مجتہد ہوں اور بے خبری کے اقرار سے عار ہے حاصل یہ کہ اسرار کی تفتیش دلیل اس کی ہے کہ حق تعالیٰ کی عظمت پیش نظر نہیں ہے اگر عظمت پیش نظر ہوتی تو احکام میں کاوش اور ان کا علل سے سوال کرنا تو کیا اس کا وسوسہ تک بھی نہ گزرتا چنانچہ جن کے دل میں عظمت ہوتی ہے ان کے دل میں ہرگز وسوسہ نہیں آتا یعنی ایسا وسوسہ جو عقیدہ کے مرتبہ میں ہو۔

علامت ایمان

اور جو محض خطرہ کے مرتبہ میں ہو وہ منافی عظمت کے نہیں بلکہ وہ تو علامت کمال ایمان کی ہے چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایسے وساوس آجاتے تھے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

جب آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ایسے خطرات گزرتے ہیں کہ ہم جل کر خاک سیاہ ہو جاویں تو اس کی تکلم سے اس کو بہت جانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اووجدتموہ فذاک صریح الایمان** (الصحیح لمسلم کتاب الایمان رقم ۲۰۹، کنز العمال ۱۲۵۷) یعنی کیا تم ایسے خطرات کو اپنے قلوب میں پاتے ہو یہ تو صریح ایمان ہے اور یہ فرمایا **الحمدللہ الذی رد کیدہ الی الوسوسہ** (سنن ابی داؤد ۵۱۲۵، مسند احمد ۱: ۲۳۵) یعنی اللہ کا شکر ہے کہ شیطان کے مکر کو وسوسہ کی طرف پھیر دیا اعمال اور عقائد تک اس کو دسترس نہیں ہوئی۔

وساوس کا علاج

اہل سلوک کو بھی بعض مرتبہ ایسے وساوس آتے ہیں کہ خودکشی کرنی آسان معلوم ہوتی ہے چنانچہ جو ان میں جاہل ہیں وہ خودکشی کر بھی لیتے ہیں اور جو واقف ہیں وہ صبر کرتے ہیں اور راز اور علت وسوسہ کی یہ ہے کہ جب سالک اللہ کی راہ میں قدم رکھتا ہے تو شیطان کو بڑا رنج ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو ضرر پہنچاؤں اول نماز روزہ فرائض واجبات کے ترک کی کوشش میں لگتا ہے کہ دینی ضرر ہے جب جانتا ہے کہ اس میں مجھ کو کامیابی نہ ہوگی اس وقت جسمانی ضرر اور پریشانیوں کو غنیمت سمجھ کر اس کے گوش قلب میں برے برے وسوسہ پھونکتا ہے سالک اس سے پریشان ہوتا ہے اور رنج کرتا ہے کہ اللہ اکبر میرے تو ایمان ہی میں نقص ہے کہ مجھ کو ایسے خطرات گزرتے ہیں حالانکہ ان وسوسوں کا آنا اس کو مطلق مضر نہیں ہاں موجب پریشانی کا ہے اور پریشانی کا موجب بھی اس سبب سے کہ اس میں ایک غلطی ہوتی ہے وہ یہ کہ سالک سمجھتا ہے کہ یہ وسوسے میرے قلب سے پیدا ہوتے ہیں منشاء ان کا میرا قلب ہے حالانکہ یہ غلط ہے منشاء اس کا شیطان ہے کیونکہ وہی قلب میں پھونکتا ہے قلب محض محل اور گزرگاہ وسوسہ ہے اس راز کے سمجھنے اور ذہن نشین ہونے کے بعد ان شاء اللہ مطلق پریشانی نہ ہوگی بلکہ وسوسہ ہی کی جڑ کٹ جاوے گی کیونکہ شیطان وسوسہ اس کے پریشان کرنے کے لئے ڈالتا ہے جب وہ پریشان ہی نہ ہوگا وہ وسوسہ ڈالنا چھوڑ دے گا تو یہ علمی علاج ہے کہ جب وسوسہ آوے اعوذ باللہ پڑھے کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ فعل شیطان ہے اور نعوذ سے بلکہ مطلق ذکر سے شیطان دفع ہوتا ہے و نیز جب ذکر کی طرف خوب متوجہ ہو گیا اور کامل توجہ دو طرف ہوتی ہیں تو وسوسہ کی طرف التفات نہ رہے گا اور بالفرض اگر اس پر بھی وسوسہ آویں اور دفع نہ ہوں اور بالاضطرار پریشانی ہو تو

یہ بھی ایک مجاہدہ ہے تب بھی نفع ہی ہو اس لئے رنج نہ کرے اور جو شخص اسی فکر میں لگا ہے کہ وسوسہ دفع ہوں اور عبادت و ذکر اللہ میں مزا آوے جیسا کہ آج کل اکثر اہل سلوک کا حال ہے تو سمجھنا چاہئے کہ یہ شخص اپنے مزے کے لے ذکر کرتا ہے رضائے حق کے لئے نہیں کرتا۔

بس زبون وسوسہ باشی ولا گر طرب راباز دانی از بلا

(تم بالکل مغلوب وساوس سمجھے جاؤ گے اگر محبوب کے طرب و بلا میں فرق سمجھو گے)

گر مرادت را مذاق شکر است بے مرادی نے مراد دلبراست

(مراد کا مزہ شیریں ہے تو کیا بے مرادی دلبر کی مراد نہیں ہے)

دوسرا علاج وسوسہ کا مطلق ذکر اللہ ہے جیسا اوپر بھی اشارہ ہوا سو جب وسوسہ آوے ذکر اللہ شروع کردے۔ حدیث میں ہے اذا ذکر اللہ خنس یعنی جب مومن ذکر اللہ کرتا ہے تو شیطان ہٹ جاتا ہے۔ و اذا غفل وسوس (جب غافل ہوتا ہے تو وسوسہ ڈالتا ہے) اوپر اس کے عقلی لم بھی مذکور ہوئی ہے اور وسوسہ آنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے سالک کا امتحان ہے اس کی عبادت حظ نفس کے لئے تھی یا یہ کہ اس کشاکشی اور بے لطفی میں بھی عبادت کرتا ہے اور یہ کہ یہ وسوسہ کے وقت کس طرف متوجہ ہوتا ہے بعض تو جب شیطان وسوسہ ڈالتا ہے اس سے مناظرہ میں مشغول ہو جاتے ہیں سو ایسا شخص عارف نہیں ہے اگر عارف ہوتا تو اس طرف ہرگز متوجہ نہ ہوتا جیسا کہ شیخ علیہ الرحمہ نے حکایت نقل فرمائی۔

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو چو بگذشت بر عارف جنگجو

گرایں مدعی دوست بشناختے بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

(بہلول مبارک خصلت نے کیا اچھی بات کہی جب کہ وہ ایک عارف جنگ جو پر گذرے اگر اس مدعی کو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی تو دشمن کے ساتھ لڑائی میں مشغول نہ ہوتا)

لہذا ان وسوسوں سے ہرگز پریشان نہ ہو اور کام میں لگا رہے آج کل یہ بھی اہل سلوک کو خبط ہو گیا ہے کہ مزہ کے طالب ہیں یہ چاہتے ہیں کہ ذکر میں کوئی وسوسہ نہ آوے اور مزہ آوے طالب صادق کی ہرگز یہ شان نہیں صادق وہی ہے مزہ آوے یا نہ آوے کلفت ہو یا راحت ہو ہر حالت میں طالب رضا کا ہو مولانا فرماتے ہیں۔

روز ہا گر رفت گو باک نیست تو بماں اے آنکہ چوں تو پاک نیست

(یعنی ایام تلف ہونے پر حسرت نہ کرنا چاہئے اگر گئے بلا سے گئے عشق جو اصلی دولت ہے اور سب خرابیوں سے پاک ہے اس کا رہنا کافی ہے)

واردات اور کیفیات کو اصطلاح صوفیہ میں روز بھی کہتے ہیں فرماتے ہیں کہ اگر واردات اور کیفیات جاتی رہیں کہہ دو جاؤ کچھ حرج نہیں اے پاک ذات تو رہ کہ تیرے مثل کوئی پاک نہیں ہے یعنی تیری رضا مطلوب ہے وہ فوت نہ ہونی چاہئے لہذا اصل مقصود کیفیت اور مزہ کو نہ بنانا چاہئے رضا کو مقصود بناوے سرمد کیا خوب فرماتے ہیں۔

سرمد گلہ اختصاری باید کرد یک کار ازیں دو کاری باید کرد

یاتن برضائے دوست می باید کرد یا قطع نظر زیاری باید کرد

(اے سرمد شکوہ شکایت مختصر کر اور دو کاموں میں سے ایک کام کر یا تو تن کو دوست کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وقف کر یا دوست سے قطع نظر کرلے)

اور محبّ کی یہ شان ہونی چاہئے

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو

دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

(زندہ کریں آپ کی عطا ہے اور قتل کریں آپ پر فدا ہوں دل آپ پر فدا ہے جو کچھ کریں اس پر میں راضی ہوں)

بعضوں کی تربیت کا طریق

بس جس حالت کو وہ سالک کے لئے پسند فرماویں اس پر راضی رہے کیونکہ حق تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے اور اپنے بندوں کے حال سے خوب واقف ہیں۔ بعضوں کی تربیت کا یہی طریقہ ہے کہ ان کو ہمیشہ پریشانی انقباض رنج میں مبتلا رکھیں سب کو تو ہر امر میں محبوب کی رضا جوئی کرنا چاہئے مثلاً اگر کوئی محبوب محبّ سے یہ کہے کہ اگر تم کو ہماری رضا مطلوب ہے تو باہر دروازہ پر بیٹھے رہا کرو اور ہم کو مت دیکھا کرو جناب اگر سچا محبّ ہے تو دل و جان سے امتثال کرے گا اور اگر ہوسناک ہے تو صبر نہ آوے گا اور مبتلائے ناراضی محبوب ہوگا غرض یہ ہے کہ سالک کو مختلف حالتیں پیش آتی ہیں کبھی جمعیت ہے کبھی پریشانی کبھی غیبت ہے نہ بمعنے نسیان بلکہ بمعنے عدم دلچسپی اور کبھی حضور ہے اور یہ جملہ حالات محمود ہیں اس لئے کہ گو یہ بظاہر غیبت ہے مگر فی الواقع یہ بھی حضور کی ایک ہیئت ہے پس رضائے محبوب اس میں بھی ہے اور یہی مطلوب ہے اور اگر حضور اصطلاحی ہوا اور رضا نہ ہو تو وہ بظاہر

حضور ہے لیکن حقیقۃ غیبت ہے الحاصل کبھی حضور برنگ غیبت ہوتا ہے کبھی غیبت برنگ حضور ہوتا ہے کبھی قرب بصورۃ بعد ہوتا ہے کبھی بعد بصورۃ قرب ہوتا ہے اس کی مثال ہمارے معاملات دنیوی میں ایسی ہے کہ ایک شخص تو وہ ہے جو بادشاہ وقت سے دور ہے مگر بادشاہ نے اس کو کسی عہدہ جلیل القدر اور خطابات اعزاز سے نوازا ہے اور شب و روز شاہی الطاف و عنایات اس پر متوجہ ہیں تو گویہ شخص صورۃ بادشاہ سے بعید ہے مگر فی الحقیقۃ قریب ہے اور ایک وہ شخص ہے جو جرائم شاہی کا مرتکب ہے جس کی وجہ سے بادشاہ اس سے سخت ناراض ہے اور حکم ہے کہ جہاں اس کو پاؤ گرفتار کرلو چنانچہ حسب الحکم شاہی وہ بادشاہ کے روبرو حاضر کیا گیا پس یہ شخص گو ظاہراً قریب ہے مگر واقع میں یہ بعید اور مردود ہے حاصل یہ کہ ایسے وسوسوں سے پریشان نہ ہو کہ یہ قرب کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہ شخص مقرب ہے اور واقع میں یہ وساوس بھی باطن قلب کے اندر نہیں ہوتے گو متوہم ایسا ہی ہوتا ہے مگر حقیقت میں بیرون قلب ہوتے ہیں جیسے کہ آئینہ کے باہر مکھی بیٹھ جاوے تو دیکھنے والے کو تو یہ معلوم ہوگا کہ یہ مکھی آئینہ کے اندر بیٹھی ہے حالانکہ وہ باہر ہے اسی طرح وسوسہ قلب کے باہر ہے قلب کے اندر جہاں ذکر اللہ ہو ان کی گنجائش نہیں ہے ایسے مومن کا قلب بالفعل محفوظ ہے

عذل العواذل حول قلبی التائہ وھوی الاحبة منہ فی سودائہ

(ملامت گروں کی ملامت قلب کے اردگرد ہے اور احباب کی محبت سوداء قلب میں ہے)

اسی طرح قلب ذاکر میں وساوس کا گزر نہیں اور وہ جو اس کو معلوم ہوتا ہے وہ عکس وساوس کا ہے ایک بزرگ اس کے علاج میں فرماتے ہیں کہ جب وسوسے آویں خوب خوش ہونا چاہئے کیونکہ یہ علامت ہے ایمان کی لقولہ علیہ السلام ذاک صریح الایمان (الصحیح لمسلم کتاب الایمان ۶۰، رقم ۲۰۹، کنز العمال ۱۲۵۷) (یہ صریح ایمان ہے) چور گھر میں جب ہی آتا ہے جبکہ گھر میں مال ہو اسی وجہ سے وساوس صالحین ہی کو آتے ہیں اور جو فسق و فجور میں مبتلا ہیں ان کو کبھی وسوسہ نہیں آتا اور مصلحت اس خوش ہونے میں یہ ہے کہ اس سے وسوسہ قطع ہو جاوے گا کیونکہ شیطان کا مقصود تو وسوسہ ڈالنے سے یہ ہے کہ یہ غم و حزن میں مبتلا ہو اور جب کہ یہ برعکس خوش ہوتا ہے۔

حضرات صوفیاء و فقہاء کا کمال علمی

تو وسوسہ ڈالنا چھوڑ دے گا سبحان اللہ کیا علاج ہے یہاں سے حضرات صوفیہ و فقہاء کا کمال علمی معلوم ہوتا ہے کہ فلاسفہ سے یہ حضرات بدرجہا زیادہ ہیں اس لے کہ فلاسفرا کثر اعیان اور محسوسات

کے حقائق سے بحث کرتے اور یہ کوئی مشکل نہیں جو شئے ہمارے سامنے موجود ہے اس کو ہم کسرا و قطعاً و تحلیلاً و ترکیباً ہر طرح تحقیق کر سکتے ہیں اور جہاں معانی سے بحث کی ہے وہاں ٹھوکریں کھائی ہیں اور حضرات فقہاء و صوفیہ معانی سے جو کہ غیر محسوس ہیں بحث کرتے ہیں اور ان کے علل و اسرار بیان کرتے ہیں اور آثار و نتائج سے صحیح ثابت ہوتے ہیں یہ نہایت مشکل ہے حاصل یہ ہے کہ ایسے وسوسوں کا آنا عظمت الٰہی کے خلاف نہیں ہے گفتگو ان وسوسوں میں ہے جن پر مدار کار رکھے اور وہ مرتبہ عقیدہ میں ہو جاویں ایسے وسوسہ اسی کے دل میں آویں گے جس کے دل میں عظمت نہ ہو جب مابہ الفرق عظمت ہو پس عظمت حق تعالیٰ کی اور اس کے احکام کی دل میں پیدا کرنا چاہئے تا کہ یہ شبہات کہ وساوس مذمومہ ہیں۔ قطع ہوں اور مراد احکام الٰہیہ سے خاص قرآن نہیں بلکہ حدیث و فقہ بھی اس میں داخل ہے پس جس طرح عظمت اللہ تعالیٰ کے احکام کی ضروری ہے اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی بھی عظمت ضروری ہے اس لئے کہ آپ کے احکام حقیقت میں خداوند تعالیٰ ہی کے احکام ہیں اور اسی طرح احکام فقہیہ کی عظمت بھی لازم ہے اس لئے کہ وہ سب احکام قرآن و حدیث ہی سے مستنبط ہیں اس لئے کہ جزئیات تابع کلیات کے ہوتے ہیں یہ نہ کہیں گے کہ اس جزئی خاص کا حکم بالتصریح مذکور نہیں ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ پارلیمنٹ میں ایک قانون پاس ہوا اور وہ قانون ہندوستان میں آیا اب جب بھی کوئی شخص اس قانون کا خلاف کرے گا اس کو وہی سزا دی جائے گی جو پاس ہو چکی ہے یہ ہرگز نہ کہا جاوے گا کہ خاص اس شخص کا واقعہ تو تعزیرات میں درج نہیں ہے کیونکہ یہ واقعہ بھی تو جزئی اسی کلی کے ہے۔

قیاس بھی حجت ہے

اسی طرح فقہاء کتاب وسنت سے ایک علت سمجھ کر ایک کلیہ حاصل کرتے ہیں پھر اس کو تمام جزئیات کی طرف متعدی کرتے ہیں پس خواہ وہ حکم کتاب اللہ سے ثابت ہو یا سنت سے یا اجماع و قیاس سے سب حکم الٰہی ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش ۔ من انداز قدت را می شناسم

(خواہ کسی ہی رنگ کا لباس پہن لو میں قد کے انداز سے پہچان لوں گا)

اسی واسطے فقہاء نے کہا ہے القیاس مظہر لا مثبت (قیاس حکم شرعی کو ظاہر کرنے والا ہے نہ ثابت کرنے والا) پس جب تمام احکام فقیہ کا احکام الٰہی ہونا معلوم ہو چکا اب اس میں بھی

چون و چرا کرنا اور اس کی علت دریافت کرنا نہایت بے ادبی ہے ہاں طالب علم اگر مستفیدانہ علت سے سوال کرے تو کچھ حرج نہیں مثلاً طبیب نے مریض کو ایک نسخہ لکھ کر دیا اگر مریض دریافت کرنے لگے کہ جناب آپ نے گل بنفشہ کا وزن ۵ ماشہ کیوں لکھا ہے طبیب غصہ ہوگا اور اس کو کان پکڑ کر نکال دے گا اور اگر کوئی طالب علم جو اس فن کو حاصل کرنے آیا ہے سوال کرے اس کے سوال کرنے سے خوش ہوگا اور بیان کرے گا پس عوام الناس کا علل و اسرار سے سوال کرنا ایک بے ہودہ حرکت ہے اور اگر معاندانہ سوال کرے تو سخت بے ادبی اور قریب بکفر ہے۔

آج کل کے روشن خیال حضرات

افسوس ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بیان احکام میں کیسی مشقتیں اٹھائیں انواع انواع کی تکالیف برداشت کیں اور ہماری خیر خواہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہمارے روشن خیال بھائیوں نے اس کی یہ قدر کی کہ ان احکام پر بجائے عمل کرنے کے ان میں اپنی رائے کو دخل دینے لگے کہ فلاں حکم عقل کے خلاف ہے فلاں موافق ہے چاہئے تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شکر گزار ہوتے اور جب کوئی حکم ملتا سر آنکھوں پر رکھ کر عمل شروع کر دیتے پھر دیکھئے کہ وہ کیا نتیجہ دیتا غرض آپ کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا چاہئے جیسا مریض ایک مشفق اور صادق طبیب سے کرتا ہے کہ اس کی ہر تجویز کو بلا چون و چرا اپنی مصلحت پر محمول کرتا ہے اور ممنون ہو کر عمل کرتا ہے سو اس حدیث میں بھی ہماری ضرورۃ و حالت موجودہ پر نظر فرما کر ارشاد فرمایا گیا ہے کیونکہ ہم اس بلاء میں مبتلا ہو رہے ہیں اور یہی وجہ ہے اس حدیث کے اختیار کرنے کی سو یہ مرض جو حدیث میں بیان کیا گیا ہے ہم لوگوں میں آج کل رچ رہا ہے یعنی جس شئے پر ہم لوگوں کی نظر ہے اس پر ہماری نظر نہیں لوگوں کا مطمح نظر تو صور اور اموال ہیں اور حق تعالیٰ کی اس پر نظر نہیں اور حق تعالیٰ کی نظر نیات اور اعمال پر ہے اس پر مخلوق کی نظر نہیں ہے اور یہ صریح مقابلہ ہے حق تعالیٰ کے ساتھ نعوذ باللہ من ذلک۔

تزین میں ضرورت اعتدال

صورۃ پر نظر تو یہ ہے کہ شب و روز یہ کوشش ہے کہ ہماری صورۃ ہمارا لباس ہماری وضع ہمارا طرز و انداز لوگوں کی نظر میں بھلا معلوم ہو ہر شخص کم و بیش اسی دھن میں ہے اور رات دن سوائے بناؤ سنگار کے کوئی مشغلہ نہیں میں یہ نہیں کہتا کہ تزین ممنوع ہے تزین مباح ہے مگر جب تک کہ اس میں تجاوز عن الحدود اور انہماک نہ ہو اور جب انہماک ہوا تو وہ غفلت کا سبب ہو جاتا ہے اور تجاوز کا حکم تو ظاہر

ہے غرض تزین کو منظور الیہ قرار دینا نہ چاہئے اسی واسطے حدیث میں آیا ہے **نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن الترجل الاغبا** (سنن الترمذی ۱۷۵۶، سنن ابی داؤد ۴۱۵۹) (ایک دن چھوڑ کر کنگھی کرنے کے علاوہ روزمرہ کنگھی کرنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے) اور یہ بھی تجربہ ہے کہ جو لوگ شب و روز تزین میں مشغول رہتے ہیں کمال سے عاری ہوتے ہیں اس لئے کہ اگر ان میں کمال ہوتا تو اس میں مشغول ہونے سے اس طرف توجہ نہ ہوتی غرض ایسا تزین جس میں شب و روز مشغول ہونے سے اس طرف توجہ نہ ہوتی غرض ایسا تزین جس میں شب و روز مشغولی ہو منہی عنہ ہے اگرچہ ہیئت مباحہ سے بھی ہوتا اور مباحہ سے آگے بڑھ کر اوضاع منہی عنہا میں مبتلا ہو گئے ہیں غیر اقوام کے لباس کو پسند کرتے ہیں داڑھی کے دشمن ہیں اور قطع نظر جواز ناجواز سے اسلامی غیرت بھی تو اس کو مقتضی تھی کہ ہم اپنی وضع کو محفوظ رکھتے جیسے اور قومیں اپنی اپنی وضع کے پابند ہیں اور ہم کو دوسری قوموں سے امتیاز ہوتا مگر اب وہ غیرت اسلامی بھی اڑ گئی ما بہ الامتیاز افعال اور ہیئت سو افعال کا امتیاز تو مدت ہوئی جاتا ہی رہا تھا الا ماشاء اللہ صرف امتیاز ہیئت کا باقی تھا سو افسوس ہے کہ اب وہ بھی رخصت ہوا شاید کوئی کہے کہ ہمارا ٹوپی سے امتیاز ہے جواب یہ ہے کہ اول تو یہ ٹوپی پنجاب میں ہندو بھی استعمال کرنے لگے ہیں اس لئے اس سے کچھ بھی امتیاز نہ رہا دوسرے یہ کہ اگر ٹوپی کسی وقت سر پر نہ ہو (جیسا کہ اکثر تعلیم یافتہ لوگوں کا شعار ہے) تو پھر امتیاز کس چیز سے ہوگا اس کو ضروری کہا جاوے گا کہ ہر وقت ٹوپی سر پر ہے جیسے مجھ کو ایک حکایت یاد آئی میرے یہاں ایک مہمان آئے میں نے اپنے ایک بھولے دوست سے کہا کہ دیکھو ان کو پہچان لو میں مکان سے ان کا کھانا بھیجوں گا کھلا دینا اس کے بعد مکان سے کھانا آیا تو وہ مہمان میرے پاس بیٹھے تھے وہ دوست آ کر کہنے لگے کہ کھانا تو آ گیا مگر وہ معلوم نہیں کہاں ہیں میں نے کہا کہ یہ سامنے کیا بیٹھے ہیں تو کہتے ہیں کہ ان کے پاس چادر تو ہے نہیں میں نے مزاحاً ان مہمان سے کہا کہ آج سے یاد رکھئے آپ چادر ہر وقت اوڑھے رہئے ورنہ کھانا نہ ملا کرے گا تو کیا چادر کی طرح ہر وقت ٹوپی سر پر رکھنا لازم ہوگا۔ غرض ٹوپی کوئی علامت نہیں ہے ذات کے اندر کسی علامت کا ہونا ضروری ہے سو وہ داڑھی ہے اور دوسری علامت خارجی لباس اور بغیر ان دونوں علامتوں کے امتیاز نہیں ہو سکتا نہ تو صرف داڑھی کافی ہے اس لئے کہ لڑکوں کی داڑھی نہیں ہوتی اگر صرف داڑھی کو ما بہ الفرق کہا جاوے تو لڑکوں کا امتیاز کس چیز سے ہوگا اور نیز بہت سی غیر قومیں بھی داڑھی رکھتی ہیں ان سے امتیاز بجز لباس کے کسی چیز سے نہیں ہو سکتا اور نہ صرف لباس کافی ہے وہذا ظاہر۔

چار اصول شرعیہ

غرض حمیت کا مقتضا یہ ہے کہ ہم اپنی وضع اسلامی کو محفوظ رکھیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ داڑھی رکھنے کا مسئلہ قران میں دکھاؤ سو پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ جو احکام احادیث سے ثابت ہو چکے ہیں وہ سب احکام الٰہی ہیں کیونکہ اتباع حدیث کا حکم خود قرآن میں ہے پس اس طور پر تمام احکام حدیث قرآن میں ہیں مگر آج کل عام طور پر یہ خبط ہے کہ کوئی کہتا ہے کہ قرآن سے دلیل لاؤ کوئی کہتا ہے حدیث سے دلیل لاؤ سخت افسوس ہے کہ اپنے اصول کو چھوڑ دیا خوب سمجھ لو کہ اصول شرعیہ چار ہیں کتاب و سنت اجماع و قیاس ان کا دلائل ہونا دلائل عقلیہ و سمعیہ سے جب طے ہو چکا ہے پھر خایہ معنے ہوں گے **ھذا الحکم ثابت اما بالقران و السنة والا جماع او القیاس** (یہ حکم قرآن سے یا حدیث یا اجماع امت سے یا قیاس سے ثابت ہے) پھر ان ادلہ اربعہ میں سے جس دلیل سے ہم ثابت کر دیں گے حکم شرعی ہونا اس حکم کا ثابت ہو جاوے گا سائل کا یہ منصب نہیں کہ یہ کہے کہ صرف قرآن اور حدیث سے ثابت کرو اور ایسا سائل در پے مدعی اس امر کا ہے کہ قرآن و حدیث کے سوا اور کوئی دلیل حجۃ نہیں ہے جیسے کوئی شخص ہزار روپیہ کا دعویٰ عدالت میں دائر کرے اور گواہ پیش کرے تو مدعا علیہ کو یہ منصب نہیں ہے کہ کہے کہ میں ان گواہوں کی گواہی نہیں تسلیم کرتا جب تک فلاں فلاں گواہی نہ دیں گے میرے نزدیک حکم ثابت نہ ہوگا۔ عدالت سے سوال ہوگا کہ ان گواہوں میں تمہارے نزدیک کوئی جرح ہے مدعا علیہ کہے کہ جرح کچھ نہیں معتبر ہیں مگر میں تو فلاں فلاں کی گواہی تسلیم کروں گا اس کی یہ بکواس ہر گز معتبر نہ ہوگی اور عدالت سے ان ہی گواہوں پر فیصلہ ہوگا تاوقت کہ کوئی جرح ثابت نہ کیا جاوے۔

اصول صحیحہ سے جواب

پس شریعت میں جب چار گواہ تسلیم کر لئے گئے تو ہم حکم کو جس گواہ سے چاہیں گے ثابت کر دیں گے ہاں اگر گواہ میں یعنی ان دلائل کی صحت میں کوئی کلام ہو تو اس کو طے کر لینا چاہئے اور اس سے زیادہ محبین پر افسوس ہے کہ قرآن و حدیث سے اگر دلیل طلب کی جاتی ہے تو وہ اس کی فکر میں پڑ جاتے ہیں کہ قرآن و حدیث سے اس مسئلہ کو ثابت کریں اور نہیں ملتا تو پریشان ہوتے ہیں حالانکہ اس قید کے ساتھ جواب کا ضروری ہونا خود اصول کے خلاف ہے مگر جہل کا ایسا غلبہ ہو گیا ہے کہ حقیقی اور اصلی جواب پسند نہیں آتا اور جو اصول صحیحہ سے جواب دے وہ احمق گنا جاتا ہے اور جو خلاف اصول جواب دے وہ عاقل اور ہوشیار سمجھا جاتا ہے اس کے علاج کے لئے علم

دین کی سخت ضرورت ہے سو بعض ہیئات تزین کا ناجائز ہونا یقیناً شرع سے ثابت ہے مگر وضع اسلامی کے ایسے دشمن ہوتے ہیں کہ اس میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرتے ہیں۔

تشبہ کی ممانعت

بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ من تشبہ بقوم فھو منھم (سنن ابی داؤد ۴۰۳۱، مشکوۃ المصابیح ۴۳۴۷) (جس نے جس قوم کا تشبہ اختیار کیا وہ اسی میں سے شمار کیا جائے گا) حدیث ضعیف ہے سبحان اللہ اچھے اچھے محققین پیدا ہوئے ہیں۔ حدیث کے ضعف اور قوۃ پہچاننے والے بھی آپ ہیں خیر اگر تمہارے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہی ہے تو دوسری احادیث قویہ بھی تو موجود ہیں تشبہ کا منہی عنہ ہونا تو شروع میں متواتر المعنی ہو گیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی شکل بنائیں اور ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو مردوں کی شکل بنائیں جبکہ عورتوں کے ساتھ تشبہ غیر جائز ہے حالانکہ ہمارے میں اور عورتوں میں اسلامی شرکت ہے تو جہاں اسلامی شرکت بھی نہ ہو جیسے کفار اور ان کی وضع بنانا تو کیسے جائز ہوگا جو صاحب تشبہ کے مسئلہ میں گفتگو کرتے ہیں ان سے ہماری ایک التجا ہے اگر اس کو انہوں نے پورا کر دیا تو ہم آج ہی سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ہرگز ان سے تشبہ کے مسئلہ میں گفتگو نہ کریں گے آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنا لباس اتار دیجئے اور اندر دولت خانہ میں جا کر بیگم صاحبہ مکرمہ معظمہ کا کمخواب کا پاجامہ اور سرخ ریشمی کامدار کرتہ اور بنارسی دوپٹہ اور ہاتھوں میں چوڑیاں اور پاؤں میں پازیب اور گلے میں ہار اور تمام زیوروں سے آراستہ پیراستہ ہو کر اور جہاں آپ کے دوست ہم چشم اور آپ کے بڑے چھوٹے بیٹھے ہوں وہاں تشریف لا کر تھوڑی دیر کے لئے ذرا کرسی پر اجلاس فرمالیجئے اگر آپ نے یہ حرکت کرلی تو ہم آپ کے تشبہ کے مسئلہ میں کبھی گفتگو نہ کریں گے مگر مجھے امید نہیں کہ کوئی صاحب اس پر راضی ہو جاویں بلکہ اگر ان کو ہزار روپیہ بھی دیں تب بھی راضی نہ ہوں گے اور عار سمجھیں گے تو بتلائیے یہاں انقباض اور ناگواری کا مبنی بجز تشبہ بالنساء کے کچھ اور بھی ہے افسوس ہے کہ عورتوں کی وضع بنانا تو عار ہے اور اعداء اللہ کی وضع بنانا گوارا ہے بعض لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ اگر سب کفار مسلمان ہو جائیں تو کیا اس وقت بھی تشبہ ممنوع ہوگا جواب یہ ہے کہ اس وقت وہ تشبہ ہی نہ ہوگا کیونکہ وہ وضع اب وضع الکفار نہ رہی غرض یہ سب شعبے ہیں صورۃ آرائی کے یہ تو اپنی صورۃ پر نظر ہوئی اور دوسرے کی صورۃ پر نظر یہ ہوتی ہے کہ دوسرے کو دیکھتے ہیں کہ امیر ہے یا غریب کالا ہے یا گورا اچھا لباس پہنے ہوئے ہے یا برا لباس اور پھر معاملہ اس سے مختلف کرتے ہیں جو عمدہ لباس پہنے ہوئے ہو اس کی تعظیم بھی ہوتی ہے وقعت بھی ہوتی

ہے اگرچہ وہ کمال سے بالکل خالی ہو اور جو خستہ حالت میں ہے اگرچہ باکمال ہو اس کی پوچھ تک نہیں ہوتی اسی طرح امراء کی بہت تعظیم ہوتی ہے غرباء کو پاس تک نہیں آنے دیتے اور میں اہل کبیر کی ظاہری تعظیم سے مطلقاً منع نہیں کرتا بلکہ اس میں تفصیل ہے کہ تعظیم اگر دفعہ مضرت کے لئے ہو یا محض تالیف قلب کے لئے ہو تو جائز ہے اور اگر دنیا کے نفع کے لئے امراء کے سامنے جبہہ سائی کرے تو یہ ممنوع ہے حاصل یہ کہ آج کل الناس باللباس (لوگ لباس سے پہچانے جاتے ہیں) پر عمل ہے اس لئے اہل علم کی قدر نہیں کیونکہ یہ بے چارے خستہ حالت میں رہتے ہیں لباس اور وضع کے اعتبار سے بھی مال کے اعتبار سے بھی غرض ہر طرح ظاہراً پستی کی حالت میں ہیں اسی لئے اہل دنیا کی نظر میں پست خیال تاریک خیال سمجھے جاتے ہیں لیکن بخدا اگر ان اہل علم کو دین کا ذرا چسکا لگ جاوے تو یہ بھی دنیا اور اہل دنیا کی طرف تھوکیں بھی نہیں اور ان کی یہ کیفیت ہو جاوے۔

ہمہ شہر پر زخوباں منم و خیال ماہے چہ کنم کہ چشم بدخو نہ کند بہ کس نگاہے

(تمام شہر حسینوں سے بھرا ہوا ہے میں ایک چاند ہی کے خیال میں محو ہوں کیا کروں کہ چشم بدخو کسی کی طرف نہیں دیکھتی)

جامۂ انسانیت

اور یہی وجہ ہے جو علماء باعمل اور دیندار ہیں وہ دنیا کی طرف رخ بھی نہیں کرتے اور نہ ان کو اپنی موجودہ حالت قلت دنیا پر حسرت ہوتی ہے کہ ہم نے یہ علم کیوں پڑھا تھا جس سے یہ پستی نصیب ہوئی مگر شرط یہی ہے کہ چسکا لگ جاوے غرض نہ ان کو حرمان عن الدنیا پر افسوس ہے اور نہ وہ تحصیل دنیا کی تدبیر میں لگتے ہیں اور ہم نے بعضے دنیا داروں کو جو کہ دنیا کا علم پڑھتے ہیں دیکھا ہے کہ دین کی طرف آتے ہیں اور علوم دنیویہ چھوڑ چھوڑ کر علم دین پڑھتے ہیں اور جو پڑھ چکے ہیں ان میں بہت لوگ جو کہ بڑے بڑے عہدوں پر ہیں پچھتاتے ہوئے اور علم دین حاصل نہ کرنے پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے دیکھے گئے ہیں ایک لطیفہ یاد آیا ایک طالب علم انگریزی چھوڑ کر علم دین پڑھنے کے لئے آئے ان سے کسی نے پوچھا کہ تم نے انگریزی کیوں چھوڑ دی کہا کہ میں نے چاہا کہ میں بھی جامہ انسانیت پہن لوں سائل نے پوچھا کہ کیا اب تک تم جامہ انسانیت پہنے ہوئے نہیں تھے کہا نہیں کیونکہ الناس باللباس (لوگ لباس کو دیکھتے ہیں) مشہور مقولہ ہے اور لباس کی تعیین خدائے تعالیٰ نے فرمائی ہے ولباس التقوی ذالک خیر (تقویٰ اچھا لباس ہے) پس بدون تقویٰ کے جامہ انسانیت میسر نہیں ہوتا پس دنیا سے بہتوں کا دین کی طرف آنا اور دین سے دنیا کی طرف ایک کا بھی

نہ جانا کیا یہ دلیل نہیں ہے دین کے علو اور دنیا کی پستی کی مگر فاسد المذاق لوگوں نے حالت دینیہ کو پستی اور حالت غیر دینیہ کو علو قرار دیا ہے اور بالکل لباس پر نظر ہے اور غربا بے چارے خواہ باکمال ہوں یا بے کمال ان کو نظر انداز کر رکھا ہے اور اس پر عجب یہ کہ ہمدردی کا دعویٰ ہے افسوس دیکھئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غرباء کے ساتھ کس طور پر عنایت رحم دلی سے پیش آتے تھے۔

مزاح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اس مقام پر ایک حکایت یاد آئی حضرت زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی ہیں گاؤں میں رہا کرتے تھے۔ کبھی کبھی مدینہ طیبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور گاؤں کی چیزیں ہدیۃً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو شہر کی چیزیں مرحمت فرمایا کرتے اور یہ فرمایا کرتے کہ زاہر ہمارا گاؤں ہے اور ہم زاہر کے شہر ہیں ایک مرتبہ حضرت زاہر رضی اللہ عنہ بازار میں چلے جاتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آ کر پیچھے سے ان کو آغوش میں پکڑ کر دبالیا آنکھوں پر ہاتھ نہیں رکھا جیسا آج کل کرتے ہیں کیونکہ اس سے تو ایذا اور وحشت ہوتی ہے حضرت زاہر رضی اللہ عنہ بولے یہ کون ہے چھوڑ دو پھر جب معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پھر تو انہوں نے غنیمت سمجھا کہ آج کا دن پھر کہاں نصیب اپنی پیٹھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر سے خوب ملنا شروع کر دیا اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاحاً فرمایا کہ کوئی ہے جو اس غلام کو خریدے حضرت زاہر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا گاہک کون ہے میں تو کم قیمت ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ کے نزدیک تو کم قیمت نہیں ہو دیکھئے آپ ان کے ساتھ کس طرح پیش آئے اور ان کے خوش کرنے کو مزاح بھی فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی مصلحت کے لئے گاہ گاہ مزاح بھی فرمایا کرتے تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں حکمت

ایک یورپ کے بادشاہ کو میں نے خواب میں دیکھا اس نے یہ اعتراض کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر مجھے صرف ایک شبہ ہے اور کچھ نہیں وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے مزاح فرمایا کرتے تھے اور مزاح وقار کے خلاف ہے اور وقار لوازم نبوۃ سے ہے میں نے جواب دیا کہ مطلق مزاح وقار کے خلاف نہیں بلکہ خلاف وہ ہے جس میں کوئی معتد بہ مصلحت نہ ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں مصلحت و حکمت تھی وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کو حق تعالیٰ نے ہیبت اور رعب ایسا عطا فرمایا تھا کہ بڑے بڑے شان وشوکت اور جرات والے آپ کے روبرو ابتداء کلام نہ کر سکتے تھے جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے پس اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے ایسی بے تکلفی کا برتاؤ نہ فرماتے تو صحابہ کو جرات نہ ہوتی کہ آپ سے کچھ دریافت کریں اور ہیبت اور رعب کی وجہ سے الگ الگ رہتے اور اس حالت میں ہدایت کا ایک بڑا باب جو کہ استفسار ہے بند ہو جاتا اور تعلیم وتعلم کا بڑا حصہ مسدود ہو جاتا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مزاح فرماتے تھے تاکہ بے تکلفی سے جو چاہیں پوچھیں پھر مزاح بھی تین قسم کا ہوتا ہے ایک مزاح وہ جو ہلکے پن اور چھچھورپن پر دلالت کرے اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پاک ہیں اور ایک مزاح وہ جس سے کسی کو تکلیف پہنچے اور تیسرے وہ کہ وقار اور متانت سے ہو کذب اور خلاف حق اس میں نہ ہو چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح اسی قسم کا ہوتا تھا جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے غرض کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ غرباء کے ساتھ یہ تھا۔

سچی قومی ہمدردی

آج کل بہت لوگ قومی ہمدردی کے مدعی ہیں مگر حالت یہ ہے کہ قوم سے ان کو نہ مناسبت ہے نہ موانست ہے بنگلوں میں آبادی سے باہر رہتے ہیں اور دو وقت گوشت بھنا ہوا اور چائے اور بیضہ اور بسکٹ قسم قسم کی ان کی غذا ہے اور ان کے غریب بھائی شہر میں بھوکے ننگے پھرتے ہیں اور ان کو خبر تک نہیں اگر کسی کے لئے کچھ خیر خواہی وغیرہ کرتے بھی ہیں تو وہ امراء کے لئے سو اس کو قومی ہمدردی نہیں کہتے اس لئے کہ قوم نام ہے مجموعہ آحاد کا اور مجموعہ میں ہمیشہ غالب کا اعتبار ہوتا ہے اور اکثر افراد قوم میں غرباء ہیں اور امراء تو بالکل اقل قلیل ہیں پس اس اعتبار سے قوم گویا غرباء کا نام ہوا پس قومی ہمدردی کے معنے یہ ہوں گے کہ غرباء کے ساتھ ہمدردی کی جاوے سو وہ لوگ غرباء کی کیا ہمدردی کریں گے جن کے یہاں غریبی وافلاس خود جرائم کی فہرست میں درج ہو البتہ قومی ہمدردی شریعت نے سکھلائی ہے دیکھئے حدیث شریف میں ہے **المسلمون کجسد واحد اذا اشتکی عضو تداعی له سائر الجسد او کما قال** (اتحاف السادۃ المتقین ۹: ۵۴۳۲، کنز العمال ۷۵۹) (مسلمان مثل ایک جسم کے ہیں جب کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے) اسی حدیث کا ترجمہ شیخ علیہ الرحمہ نے کیا ہے۔

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار دگر عضو ہا انماند قرار

(بنی آدم مثل اعضاء کے ہیں کہ پیدائش میں ایک ذات کے ہیں جب کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو دوسرے اعضاء کو قرار نہیں رہتا)

اور افلاس کو جرم جب قرار دیا جاوے کہ جب یہ ہمیشہ بے تدبیری کا نتیجہ ہو یہ تو محض منجانب اللہ ہے اَللّٰہُ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ وَیَقۡدِرُ (اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کی روزی چاہیں کشادہ کردیں جس کی چاہے تنگ کردیں) اور اس میں حق تعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں چنانچہ جو لوگ افلاس وفقر وفاقہ میں مبتلا ہیں ان کے لئے بھی حکمۃ الٰہی ہے اور جو غنی ہیں ان کے لئے اسی میں حکمت ہے کوئی ایک دوسرے کو حقیر نہ جانے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی حالت سے خوب واقف ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ایک حدیث قدسی نقل کی ہے کہ بہت سے مسلمان ایسے ہیں کہ ان کا ایمان افلاس سے ہی باقی ہے اگر اللہ تعالیٰ ان کو غنی کردیں تو وہ اس قدر طغیان اختیار کریں کہ کفر تک پہنچ جاویں اور بہت سے ایسے ہیں کہ ان کا ایمان ان کی غنا کی وجہ سے محفوظ ہے اگر ان پر افلاس آجاوے تو کفر والحاد میں مبتلا ہو جاویں بہت سے مریض ایسے ہیں کہ ان کا دین مرض کی وجہ سے سالم ہے اگر تندرست ہو جاویں تو دنیا میں لگ کر خدائے تعالیٰ کو بھول جاویں اور بہت سے تندرست ایسے ہیں کہ ان کا دین صحت کی وجہ سے ہے غرض جو جس حالت میں ہے اس کے لئے وہی مصلحت اور پسندیدہ ہے کسی نے خوب لکھا ہے ؎

خاکساران جہاں رابحقارت منگر تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

(خاکسار لوگوں کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو ممکن ہے کہ ان میں کوئی اہل دل صاحب حال ہو)

حکایت حضرت شیخ احمد رفاعیؒ

غرض ہمدردی کا سبق آج کل بہت گایا جا رہا ہے لیکن فی الحقیقت سچی ہمدردی وہی کرسکتا ہے جو مطیع ہو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیونکہ آپ کے برابر کسی نے ہمدردی کے اصول نہیں سکھلائے حتی کہ آپ نے جانوروں تک کے ساتھ ہمدردی کے احکام فرمائے ہیں اور سچے مطیعین نے اس پر عمل کیا ہے چنانچہ خود حضرت احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک خارشی کتا نہایت تکلیف میں ہے اور تمام بدن اس کا خارش سے مجروح ہو گیا اور ہر شخص اس سے نفرت کرتا ہے اور اس کے ابنائے جنس بھی اس کو پاس آنے نہیں دیتے ان کو اس پر رحم آیا اور اس کو گھر لائے اور اپنے ہاتھ سے دوا ملا کرتے تھے حتی کہ وہ تندرست ہو گیا۔ حضرت بایزید کو کسی نے بعد وفات کے خواب میں دیکھا پوچھا کہ حق تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا

معاملہ کیا فرمایا کہ میرے تمام اعمال میں سے یہ عمل پسند آیا کہ ایک روز میں چلا جاتا تھا اور جاڑے کا موسم تھا میں نے دیکھا کہ ایک بلی کا بچہ سردی میں اکڑ رہا ہے۔ مجھ کو رحم آیا اور اپنے لحاف میں اس کو لے کر سویا یہ عمل میرا پسند آیا اور حکم ہوا کہ اس عمل کی وجہ سے ہم نے تم کو بخش دیا۔

حکایت حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مجھ کو اس وقت حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ یعنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے والد ماجد قدس سرہ کی حکایت یاد آئی کہ ایک بار انہوں نے ایک کتے کا بچہ کیچڑ میں پڑا دیکھا سردی سے اس کا برا حال تھا کوئی حمام تھا وہاں لے جا کر اس کو غسل دلایا اس کے ایک مدت بعد یہ اتفاق ہوا کہ وہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے ایک چھوٹا راستہ ملا جس کو پگ ڈنڈی اور بٹیہ کہا جاتا ہے اور وہ راستہ اس قدر تنگ تھا کہ تکلیف سے ایک آدمی اس پر سے چل سکتا تھا اور دونوں طرف اس کے کیچڑ اور نجاست تھی اور سامنے سے ایک کتا آ گیا دونوں رک گئے۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اے کتے تو نیچے اتر تاکہ میں نکل جاؤں ان کو مکشوف ہوا کہ کتے نے کہا کہ کیا تعجب ہے آج کل کے درویشوں نے اختیار کی عادت کر لی ہے اور پہلے بزرگوں کا طریقہ ایثار ہوتا تھا آپ نے فرمایا کہ یہ بات نہیں بلکہ وجہ اس کی یہ ہے کہ میں مکلف ہوں اگر میں نجاست میں آلودہ ہو گیا تو بے دھوئے نماز کیسے پڑھوں گا اور دھونے سے مشقت میں مبتلا ہوں گا اور تو غیر مکلف ہے تو اگر نجس ہو گیا تو تیرا کچھ حرج نہیں سوکھ کر پھر ویسا ہو جاوے گا اس نے کہا کہ حضرت یہ سچ ہے لیکن یہ سمجھ لو کہ اگر آپ اتر گئے اور نجاست ظاہری میں آلودہ ہو گئے تو یہ نجاست ایک لوٹے سے دھل جائے گی اور اگر میں نیچے اتر گیا اور تم پاک صاف چلے گئے تو یاد رکھنا کہ تمہارے قلب میں وہ نجاست یعنی عجب پندار پیدا ہو گا کہ وہ ہفت قلزم سے بھی نہ جائے گا۔ اب آپ مختار ہیں اس سے حضرت شاہ صاحب پر ایک کیفیت طاری ہوئی اور نیچے کود پڑے اور کتا نکل گیا اس کے بعد الہام ہوا کہ اے عبدالرحیم تم کو معلوم ہوا کہ یہ کیا واقعہ ہے بات یہ ہے کہ اس کے ہم جنس پر تم نے ایک مرتبہ احسان کیا تھا ہم نے احسان کیا تھا ہم نے نہ چاہا کہ اس پر تمہارا احسان رہے اس کے بنی نوع سے اس کے بدلہ میں اتنا بڑا علم دلایا۔

بزرگوں کی شان

سبحان اللہ بزرگوں کی کیا شان ہے اور کیسے کیسے معاملات ان کو حق تعالیٰ کی جانب سے پیش آتے ہیں صاحبو ہمدردی اس کا نام ہے جو ان حضرات میں تھی جن کو بدنام کرتے ہیں کہا جاتا ہے کہ

ان میں سختی بہت ہے اور بڑے متعصب و متشدد ہیں بات بات میں بگڑتے ہیں حضرت آپ کو تعصب کے معنے ہی کی آج تک خبر نہیں ہے جو دین کے لئے جوش ہو وہ تعصب نہیں ہے اس کا نام حمیت اور غیرت ہے تعصب کہتے ہیں ناحق کی حمایت کرنے کو سو جو شخص ان کو متعصب کہے وہ اول اس بات کو ثابت کرے کہ جس چیز پر ان کو جوش آیا وہ ناحق تھی میں نے ایک روشن دماغ سے کہا کہ اگر کوئی کسی سے آکر کہے کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کی اماں جان بازار میں بیٹھا کرتی تھیں تو وہ سن کر بگڑے گا یا نہیں اور اس شخص کے بے اختیار دھول رسید کرے گا یا نہیں کہ نالائق ہماری اہانت کرتا ہے مجھ کو تو یہ امید نہیں کہ وہ نہایت نرمی سے دلائل سے اس کا جواب دیں تو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اس کو آپ کیا کہیں گے آیا یہ غیرت وحمیت کہلائے گی یا تعصب اس کو جس طرح ماں کے لئے جوش آیا اسی طرح جو دین کے شیدائی ہیں اور دین کی حرمت پر اپنی عزت وحرمت کو نثار کر چکے ہیں ان کو دین کے لئے جوش ہوتا ہے ان کے سامنے جب کوئی بد دین ایسا کلمہ بکتا ہے جس سے دین پر دھبہ آوے خصوصاً جبکہ بدتہذیبی و تمسخر وطعن سے کہے تو ان کو غیظ وغضب آ جاتا ہے اور اگر نہ آوے تو وہ دیندار نہیں ہے بے غیرت ہے سو یہ تو اور بات ہوئی اس میں رحمت وشفقت کے خلاف کیا بات ہوئی یہ حضرات تو اس درجہ رحیم کریم ہوتے ہیں کہ جس کا کوئی حد وحساب نہیں ہے ایک بزرگ نے اپنے مرید سے کہا کہ اگر تم کو کوئی ستائے تو نہ صبر کیجیو اور نہ بدلہ لیجیو بدلہ تو اس لئے نہ لینا جیسے تم کو تکلیف ہوئی ہے ایسی ہی تمہارے بھائی کو تکلیف ہوگی اور صبر اس لئے نہ کرنا کہ یہ صبر اس پر پڑے گا اور پھر اس پر کوئی بلا آوے گی یہ بھی گوارا نہ ہونا چاہیئے اس نے پوچھا کہ پھر کیا کریں فرمایا ذرا بھلا برا کہہ کر دل کا بخار نکال لیا کرو سبحان اللہ اصلی ہمدردی یہ ہے۔

شفقت میں ضرورت اعتدال

ایک اور بزرگ کی حکایت ہے کہ انہوں نے بازار سے شکر خریدی اور خوب مضبوط کپڑے میں باندھ لی کئی منزل پر گھر تھا گھر جا کر جو کھولا تو دیکھا کہ اس میں ایک چیونٹی ہے پریشان ہو گئے پھر اسی جگہ واپس تشریف لے گئے اور اس چیونٹی کو اس کے ٹھکانے پر چھوڑ آئے البتہ ترحم وہمدردی میں بھی اعتدال واجب ہے پس گاؤکشی یا گوسفند کشی خلاف ترحم وہمدردی نہیں کیونکہ وہ امتثال ہے خالق تعالیٰ شانہ کے حکم کا (جو کہ مالک ہے تمام اشیاء کا) حق تعالیٰ نے اس کو ہمارے لئے حلال فرمایا ہے اس لئے ایسی ہمدردی کے ہم مامور نہیں ہیں ایسی ہمدردی کریں

گے تو معتوب ہوں گے کیونکہ گائے بھینس بکری خالق تعالیٰ شانہ کے حکم کے سامنے کوئی چیز نہیں ہے اگر ہم ان کی رعایت کریں اوران کو ذبح نہ کریں تو خالق تعالیٰ کے حکم کے خلاف کرنا لازم آتا ہے۔ مولانا نے اس مضمون کی ایک حکایت لکھی ہے کہ سلطان محمود نے ایک مرتبہ ایاز کی آزمائش کی ایک موتی نہایت بیش بہا تھا اس کی نسبت وزیر اعظم سے کہا کہ اس کو توڑ ڈالو وزیر نے عرض کیا کہ حضور ایسا نادر موتی نایاب کہاں ملے گا پھر اور وزراء امراء سے کہا غرض کسی کی ہمت نہ ہوئی ایاز کا نمبر آیا ایاز سے کہا کہ ایاز یہ موتی توڑ ڈالو ایاز نے فوراً توڑ ڈالا پھر محمود نے عتاب کے لہجہ میں پوچھا یہ کیا حرکت کی کہا کہ حضور خطا ہوئی وزراء نے ایاز کو ملامت کی کہ تو نے ایسا موتی توڑ ڈالا ایاز نے کہا بیوقوفو تم نے تو شاہی حکم توڑا اور میں نے موتی جس کی حکم شاہی کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں وہ توڑا مولانا الٰہی بخش فرماتے ہیں۔

نقض امر از کسر در دشوار تر لاجرم بستم با مراد کمر

(حکم عدولی موتی توڑنے سے زیادہ دشوار ہے ناچار میں نے اس کے حکم کے موافق عمل کرنے پر کمر باندھی)

تو حضرت ہماری تو ہمت نہیں کہ اللہ تعالیٰ تو فرماوے اذبحوا بقرہ (گائے کی قربانی کرو) اور ہم کہیں لا تذبحوا بقرہ (ہم گائے کی قربانی نہیں کرتے) دوسرے اگر ہم رحم کھا کر گائے کو چھوڑ دیں تو یہ معنی ہوں گے کہ ہم خدا سے زیادہ رحیم ہیں حالانکہ صفات واجب تعالیٰ شانہ جملہ کامل اکمل ہیں اور صفات ممکنات سب اس کی ظل ہیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىُ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (یعنی زنا کار عورت اور زنا کار مرد ہر ایک کے سو سو درے لگاؤ اور تم کو ان پر اللہ کے دین کے بارہ میں (یعنی اس حکم کے اجراء میں رحم نہ آجاوے اگر تم مومن ہو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں طمع خواہد زمن سلطان دین خاک برفرق قناعت بعد ازیں

(جب شاہ دین مجھ سے طمع کرنے کا خواہاں ہو تو اس کے بعد قناعت کو ترک کردونگا)

پس ہم کو تو حکم کا بندہ بننا چاہئے جہاں جو حکم ہو وہاں اسی پر عمل کریں اور حقیقت میں ایسے موقع پر بے رحمی بھی نہیں ہے بلکہ انسان پر رحم کرنے کے لئے اس کے منع میں اس کے مصالح فوت ہوتے ہیں ادنیٰ کو انسان پر فدا کر دیا ہے اور خود اس کو جو ظاہراً تکلیف ہوتی ہے وہ موت طبعی کی تکلیف سے بہت کم ہے اور اس تقریر سے ذبح کا مسئلہ خوب حل ہو گیا یہ تھی تحقیق ہمدردی

کے مسئلہ کی جس کی مدعیان ہمدردی کو ہوا بھی نہیں لگی جو صورت آرائی میں مشغول رہ کر غرباء کو ان کی ظاہری حالت شکستگی و بے سروسامانی پر حقیر سمجھتے ہیں یہاں تک بیان صورۃ کے متعلق تھا۔

دنیاداروں کی حکایت

اب مال کو لیجئے اس وقت اکثر نے مال کو بھی قبلہ و کعبہ بنالیا ہے حالانکہ مال کے بارے میں سوچنا چاہئے کہ مال قارون کے پاس کس قدر تھا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ بھی نہ تھا اگر مال کا ہونا کوئی شرف ہوتا تو امر بالعکس ہوتا لیکن اب مال ہی کو کمال سمجھتے ہیں اور اس کے لئے دین بھی برباد کرتے ہیں اب تو اس پر نظر ہے کہ جس طرح ہو سکے مال ہاتھ آنا چاہئے خواہ جائز ہو یا ناجائز کسی پر ظلم ہو یا رحم ہو ایک شخص مدعی علم سود لیتے تھے ان پر کسی نے اعتراض کیا کہ میاں تم سود لیتے ہو حالانکہ وہ حرام ہے تو وہ صاحب فرماتے ہیں کہ میاں چپ رہو کس کا حلال کس کا حرام یہ وہ وقت ہے کہ مسلمانوں کو مال جس طرح ہاتھ لگے چھوڑنا نہ چاہئے میں ان سے اور جو صاحب ان کے ہم رنگ ہوں کہتا ہوں کہ جب آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ مال جس طرح ہاتھ آوے لے لو سو مال ڈکیتی اور چوری سے بھی ہاتھ آتا ہے یہ بھی شروع کردو احکام شرعیہ کو چھوڑا ہے احکام سلطنت کو بھی چھوڑ دو دیکھو پھر کیا ہوتا ہے تو اس کو سب مہذبین مستثنیٰ کریں گے تو ان کے اقرار ہی سے یہ ثابت ہوا کہ یہ عام مخصوص البعض ہے اور وہ بعض مستثنیٰ اور مخصوص ہیں جو کہ حکام کے خلاف ہوں افسوس صد افسوس کہ حاکم مجازی ظاہری کے خلاف تو جیل خانہ کے خوف سے مستثنیٰ کیا جاوے اور حاکم حقیقی کی مخالفت پر دلیری کی جاوے اور اس کے خلاف حکم کو اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ کیا جاوے بعض اہل حیلہ کہتے ہیں کہ ہم تو دنیا کے لئے کماتے ہیں اگر دنیا نہ ہوگی تو دین کی بھی درستی نہ ہوگی مگر یہ کہنا ان کا اس وقت صحیح ہوتا جبکہ ہم یہ دیکھتے کہ دنیا کی ترقی کے ساتھ وہ دین کی بھی ترقی کر رہے ہیں ہم تو روز روشن کی طرح یہ دیکھ رہے ہیں کہ جس قدر دنیا بڑھتی جاتی ہے اسی قدر دین میں کمی آتی جاتی ہے۔

حضرات یہ دنیا کچھ کام نہ آوے گی اور آخرت میں کام نہ آنا تو ظاہر ہی ہے ہم تو اس کا کام میں نہ آنا اور اس کی تحصیل پر حسرت ہونا یہاں ہی مشاہدہ کر رہے ہیں جب کوئی دنیا پرست مرنے لگے مرتے وقت پوچھنا چاہئے کہ دنیا طلبی کے بارہ میں اس وقت تمہاری کیا رائے ہے آیا تمہاری اب بھی وہی تحقیق ہے یا بدل گئی میں بقسم کہتا ہوں کہ وہ ضرور پہلی تحقیق سے رجوع

کریں گے کیونکہ جس بازار میں وہ اب جارہے ہیں وہاں یہ سکہ نہیں چلتا جوانہوں نے عمر بھر جمع کیا ہے اور جو سکہ وہاں چلتا ہے وہ ان کے پاس ہے نہیں کیونکہ وہ اس کے جمع کرنے کو عمر بھر بے سود بتایا کرتے تھے وہاں تو وہ سکہ چلتا ہے جو ظاہر میں تم کو کالا معلوم ہوتا ہے اور واقع میں وہ خالص چاندی ہے اور جو جمع کیا ہے وہ بظاہر چاندی اور واقع میں وہ لوہا ہے مگر اس وقت آنکھیں بند ہیں لیکن عنقریب کھل جاوے گی اور حقیقت نظر آ جاوے گی۔

فسوف تری اذا انکشف الغبار افرس تحت رجلک ام حمار

(غبار ہٹ جائے عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ تم گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے یعنی مرنے کے بعد پتہ چل جائے گا کہ ہم نے اچھا کیا ہے یا برا)

اس وقت تو خواب کا سا قصہ ہو رہا ہے جب آنکھ کھلے گی اس وقت معلوم ہوگا کہ ہم سراسر خسارہ میں تھے۔

دنیا کی مثال

حال دنیا راپر سیدم من از فرزانہ گفت یا خوابے است یا بادلیست یا افسانہ
باز گفتم حال آنکس گو کہ دل دروے بہ بست گفت یا غویست یا دیوے است یا دیوانہ

(ایک عقلمند سے میں نے دنیا کا حال دریافت کیا اس نے کہا یا تو خواب ہے یا ہوا یا افسانہ ہے پھر میں نے کہا اس شخص کا حال بیان کرو جس نے اس میں دل لگا لیا جواب دیا کہ وہ بھتنا ہے یا شیطان یا دیوانہ ہے)

حکایت حضرت خواجہ عبید اللہ صاحب احرار رحمۃ اللہ علیہ

بعض لوگ شبہ کیا کرتے ہیں کہ یہ علما اوروں کو تو ترک دینا کی ترغیب دیتے ہیں اور خود مال دنیا جمع کرتے ہیں ہم تو جب جانتے کہ خود چھوڑ بیٹھتے اور اگر دنیا آتی تو رد کر دیتے جواب یہ ہے کہ ہم مذمت اس دنیا کی کرتے ہیں جو سبب غفلت ہو جاوے اور ان دنیاداروں کی مذمت کرتے ہیں جو دنیا میں ایسے منہمک ہیں کہ دین کو بھی برباد کر دیتے ہیں اور جائز و ناجائز کا بھی امتیاز نہیں کرتے جو اس کے مصداق ہیں۔

مباد ادل آں فرو مایہ شاد کہ از بہر دنیا دہد دیں بباد

(اس کمینہ کے دل کو خوشی نصیب نہ ہو کہ دنیا کے واسطے دین کو برباد کرتا ہے)

اور جو دنیا بقدر ضرورت ہو یا ضرورت سے زائد ہو مگر غفلت میں نہ ڈالے وہ مذموم نہیں بلکہ بقدر ضروری کے تحصیل ضروری ہے ملا جامی جب پیر کی تلاش میں خواجہ عبیداللہ احرار کے یہاں پہنچے تو خواجہ صاحب کے یہاں بڑا اٹھاٹ تھا ہر طرح کی نعمتیں دنیا کی موجود تھیں ملا جامی آ کر بہت پچھتائے اور جوش میں خواجہ صاحب کے سامنے ہی بے اختیار منہ سے نکلا

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد

اور یہ کہہ کر بہت حسرت افسوس کے ساتھ کسی مسجد میں جا کر لیٹ رہے خواب میں دیکھا کہ میدان حشر قائم ہے اور ملا صاحب کسی قرض خواہ کے تقاضے سے سخت پریشان ہیں کہ ایک جانب سے حضرت خواجہ صاحبؒ با تزک و احتشام تشریف لائے اور فرمایا کہ درویش کو کیوں پریشان کیا ہم نے جو خزانہ یہاں جمع کیا ہے اس میں سے دلوادو اس کے بعد آنکھ کھل گئی اس وقت خواجہ صاحب اسی مسجد میں آ رہے تھے فوراً حاضر ہو کر پاؤں پر سر رکھ دیا اور عرض کیا کہ میری گستاخی معاف فرما دیجئے انہوں نے فرمایا کہ وہ مصرعہ آپ نے کس طرح پڑھا انہوں نے عرض کیا حضرت وہ تو حماقت تھی خواجہ صاحب نے فرمایا کہ نہیں ہم اس کو سننا چاہتے ہیں ملا جامی نے فرمایا کہ میرے منہ سے یہاں کے سامان کو دیکھ کر یہ نکلا تھا

نہ مرداست آنکہ دنیا دوست دارد

(وہ مرد خدا نہیں جو دنیا کو دوست رکھے)

فرمایا کہ یہ صحیح ہے مگر ناتمام ہے اس کے ساتھ یہ مصرعہ اور ملا دو

اگر دارد برائے دوست دارد

(اگر رکھتا ہے تو محبوب حقیقی کے لئے رکھتا ہے)

خلاصہ وعظ

خلاصہ یہ ہے کہ اگر مال دنیا بھی دین کے لئے ہو تو سبحان اللہ ایسا مال دنیا نہیں بلکہ وہ سب دین ہے مال کی مثال پانی کی ہے اور قلب کی مثال کشتی کی سی ہے اگر پانی کشتی کے اندر آ گیا تو اس کو غرق کر دیتا ہے اور اگر باہر رہے تو اس کے لئے امداد کا سبب بن جاتا ہے اسی طرح مال اگر قلب کے اندر ہو یعنی اس کی محبت قلب میں متمکن ہو جاوے تو وہ باعث ہلاکت ہے اور اگر باہر رہے تو کچھ مضر نہیں۔

آب در کشتی ہلاک کشتی است آب اندر زیر کشتی پشتی است
مال راگر بہر دیں باشی حمول نعم مال صالح گفتہ رسولؐ

(پانی اگر کشتی میں بھر جائے تو کشتی کی بربادی ہے اور اگر کشتی کے نیچے (باہر) رہے تو اس کی رفتار میں معین ہے مال کو اگر دین کے لئے اپنے پاس رکھو تو اس کے حق میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **نعم المال للرجل الصالح** (مسند احمد ۴: ۱۹۷، المغنی عن حمل الأسفار ۴، ۱۰۱) نیک آدمی کے لئے نیک مال اچھی چیز ہے)

غرض کہ قدر ضرورت مال تو بہت ضروری ہے ورنہ پریشانی ہوتی ہے اور پھر وہی حالت ہوتی ہے

شب چو عقد نماز بر بندم چہ خورد بامداد فرزندم

(رات کو جب نماز کی نیت کرتا ہوں تو خیال ہوتا ہے کہ صبح کو میرے بال بچے کیا کھائیں گے)

ایک فارسی داں نے اس شعر کے معنے عجیب وغریب بیان کئے اور بعد سننے کے واقعی معلوم ہوتا ہے کہ ذوق لسانی کے موافق یہی معنی ہیں وہ یہ ہے کہ

شب چو عقد نماز بربندم بجائے تکبیر تحریمہ میگویم چہ خورد

(رات کو جب نماز کی نیت کرتا ہوں تو بجائے تکبیر تحریمہ کے کہتا ہوں کہ صبح کو میرے بال بچے کیا کھائیں گے)

یعنی میری حالت پریشانی کی یہاں تک پہنچی ہے کہ ہر وقت اسی کا خیال رہتا ہے حتیٰ کہ یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ منہ سے کیا نکل رہا ہے چنانچہ بجائے تکبیر تحریمہ کے یہی کہہ کر نیت باندھ لیتا ہوں چہ خورد بامداد فرزندم یہ معنے اس شعر کے نہایت لطیف ہیں اور اس میں مبالغہ بھی بہت ہے غرض کہ ایسے مال کے طلب سے نہی نہیں ہے گفتگو اس مال میں ہے جو سبب غفلت کا ہو اور دوسرے غریب بھائیوں کی اہانت اور تحقیر کا ذریعہ ہو آگے فرماتے ہیں **ولكن ينظر الى اعمالكم ونياتكم** (سنن ابن ماجة: ۴۱۴۳، مشكوة المصابيح ۵۳۱۴) یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال اور نیات کو دیکھتے ہیں جبکہ ثابت ہوگیا کہ حق تعالیٰ کی نظر اعمال اور نیت پر ہے اور صور اور اموال پر نہیں تو صاحبو! آپ اپنی نیت اور اعمال سنوارنے کی فکر کرو ماشاء اللہ بقدر ضرورت اس حدیث شریف کے پہلے ہر دو جز کی تفصیل ہوگئی ہے اور باقی دو جز کی تفصیل باقی ہے ان شاء اللہ وہ پھر کسی وقت ہو جائے گی۔ فقط

الاخلاص

حصہ دوم

یہ وعظ ۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ جامع مسجد تھانہ بھون میں بیٹھ کر ارشاد فرمایا جسے مولوی عبداللہ صاحب گنگوہی نے قلمبند فرمایا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ.
اَمَّا بَعْدُ: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.
فقد قال النبی صلی اللہ علیه وسلم ان اللہ لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی اعمالکم و نیاتکم ۔ (سنن ابن ماجة ۴۱۴۳، مشکوۃ المصابیح ۵۳۱۴)

ترجمہ:۔(اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کونہیں دیکھتے تمہارے اعمال اورنیتوں کو دیکھتے ہیں)

نفس کا ایک کید خفی

اس حدیث کے اول دو جز کا بیان جمعہ گزشتہ کو بالتفصیل ہو چکا ہے اخیر کے دو جز باقی ہیں حسب وعدہ آج ان کو بیان کرتا ہوں۔اس حدیث کے اختیار کرنے کی وجہ پہلے بیان کر چکا ہوں کہ ہر زمانہ میں ابنائے زمان مختلف امراض میں مبتلا ہوتے ہیں اس کے امراض میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہماری نظر ہمہ تن دنیا پر ہے(جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعنوان صورۃ و مال تعبیر فرمایا)اور جو اصل چیز ہے جس پر مدار فلاح کا ہے یعنی دین(جس کو عمل اور نیت سے تعبیر فرمایا ہے)اس پر بالکل نظر نہیں ہے۔عوام دنیا دار تو اس مرض میں مبتلا ہیں یہی ہم دیکھتے ہیں کہ جو دیندار ہیں یعنی اپنے کو دیندار کہتے ہیں یہ مرض ان میں بھی موجود ہے دنیا دار کی جس قدر وقعت ان کے نزدیک ہے اس قدر دیندار کی نہیں مثلاً ان کے پاس ایک دنیا دار آوے اور ایک دیندار اس دیندار کو نہ جاہ حاصل ہو اور نہ وہ شیخ اور بزرگ ہو نہ اس کے پاس مال ہو نہ کوئی کمال اس کا مشہور ہو نہ وہ عالم اصطلاحی ہو بلکہ بقدر

ضرورت دین کا علم بغیر پڑھے لکھے حاصل کر لیا ہو جیسا کہ اکثر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تھا چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم روحی فداہ وصلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں فرمایا نحن امة امية لا نكتب و لا نحسب (مسند احمد ۲:۱۲۲) (ہم ان پڑھ لوگ ہیں نہ لکھنا جانتے ہیں نہ حساب جانتے ہیں) کیونکہ پڑھنا لکھنا مقصود بالذات تو ہے ہی نہیں اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اس کی ضرورت تھی ہر صحابی کو نور فہم اور علم دین بے لکھے حاصل تھا بعد زمانہ خیریت نشانہ کے نہ تو وہ قوت حافظہ رہی اور نہ تدین عالم رہا اس وقت تدوین علوم کی اور بطرز خاص وتدریس وتعلیم وتعلم کی حفاظت علوم کے لئے بھی اور غلط دعوے اور تلبیس کے قطع کرنے کے لئے بھی ضرورت واقع ہوئی غرض فرض کیا جاوے کہ اس شخص کا علم غیر درسی ہو کہ جس سے کچھ وقعت ہوتی اور یہ شخص عفیف صالح متقی بھی ہے اور ظاہری حالت اس کی یہ ہے کہ صورت بھی اس کی بدنما ہو کپڑے بھی خستہ ہوں اور حسب ونسب اس کا اچھا نہ ہو بلکہ ایسی قوم میں سے ہو جو ادنے درجہ کی سمجھی جاتی ہو۔ غرض ظاہری امتیاز کچھ نہ ہو اور دوسرا شخص دنیا دار ہو دین کا کوئی پہلو لئے ہوئے نہ ہو نہ زہد ہو نہ تقویٰ نہ علم ہو اور نسب میں بھی بڑھا چڑھا ہو اور یہ دونوں شخص یکے بعد دیگرے ان مدعی دین کے پاس آویں تو میں بقسم کہتا ہوں اور کسی کو کیا کہوں خود اپنے کو کہتا ہوں کہ جو قدر اور وقعت اور وجاہت نظر میں اس دنیا دار کی ہوگی اس دیندار کی نہ ہوگی حق یہ ہے کہ نفوس میں عموماً دنیا کی طرف میلان ہے ظاہری جاہ و مال کو دیکھا جاتا ہے اگرچہ وہ جاہ دین کی وجہ سے حاصل ہو بزرگوں میں سے بھی اسی بزرگ کی تعظیم کریں گے جس کی چار آدمی تعظیم کرتے ہوں اس لئے کہ اس کی تعظیم و خدمت کرنے سے عار نہیں ہے یہ سخت کید خفی ہے ظاہراً تو یہ تعظیم وخدمت نہایت صلاح کے اوپر دال ہے لیکن راز اور کید نفس اس میں یہ ہے کہ ان بزرگ کی خدمت اور تعظیم اس لئے کرتے ہیں کہ اس فعل سے لوگوں کی نظر میں خود اپنے کو بڑائی حاصل ہوتی ہے۔ پس ہماری یہ تعظیم اپنی تعظیم کے لئے ہے اسی واسطے اس خدمت اور تعظیم سے نفس خوش ہوتا ہے کہ کچھ شکستگی اس کو نہیں ہوتی۔

ریا سب کے آخر میں دل سے نکلتی ہے

اپنے اساتذہ میں اگر دو شخص ہوں ایک مشہور اور دوسرا غیر مشہور تو ہم اپنے کو مشہور کی طرف نسبت کرتے ہیں غیر مشہور کی طرف نسبت کرتے ہوئے عار آتی ہے۔ اسی واسطے بزرگان دین نے لکھا ہے کہ ریا بہت آخر میں دل سے نکلتی ہے۔ ہاں اگر یہ اکرام دنیا کے لئے نہ ہو دفع

شر یا دلجوئی کے لئے ہو اور غریب کی تحقیر بھی نہ ہو تو وہ مذموم نہیں حقیقت یہ ہے کہ ہم لوگوں کی دینداری بس صورۃ اور ظاہراً ہے اور حقیقی دینداری بہت ہی کم ہے خود ہی فرماتے ہیں وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (میرے بندوں میں سے شکر گزار بندے کم ہیں) اکثر لوگ رسم پرستی اسم پرستی ظاہر پرستی میں مبتلا ہیں اور یہ سب دنیا ہے اور دنیا کی نسبت ارشاد ہے لو كانت الدنيا تزن عندالله جناح بعوضة ماسقى، منها كافراً شربة ماء (سنن ابن ماجه ۴۱۱۰، الدر المنثور ۶:۱۷) یعنی اگر دنیا اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی قدر رکھتی تو کافر کو اس سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتے۔

حاصل یہ کہ خواہ حسب نسب کی وجہ سے قدر ہو یا علم کی وجہ سے ہو نہ من حیث العلم بلکہ اس حیثیت سے کہ علم سے بھی جاہ دنیوی حاصل ہوتا ہے یا مال کی وجہ سے ہو سب دنیا ہے اور اسی کو صورت اور اموال سے تعبیر فرمایا ہے اس کو نظر انداز کرنا چاہئے اور دین جس کو اعمال اور نیات فرمایا اس پر نظر ہونا چاہئے حتیٰ کہ اگر دوسروں کی قدر کی جاوے تو دین ہی کی وجہ سے ہونا چاہئے۔

دین کا مدار اعمال پر ہے

اور اس مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے لفظ دین کے دو چیزیں ارشاد فرمائی ہیں ایک عمل دوسری نیت اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ دین کا مدار اعمال پر ہے کسی اور شئے پر مثلاً کسی دنیوی و دینی شرف کی طرف انتساب پر نہیں بہت لوگ آج کل مغرور ہیں کہ ہم فلاں بزرگ کے مرید ہیں ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں ہماری نجات ہو جاوے گی اعمال کی ہم کو ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ ہی ان لوگوں کے رد میں فرماتے ہیں۔ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ لوگ گزر گئے ان کے لئے ان کے اعمال ہیں تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں تم سے ان کے اعمال کی نسبت سوال نہ ہوگا۔ ہاں بزرگوں کے انتساب سے برکت البتہ حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ اعمال وعقائد کا ذخیرہ بھی اپنے پاس موجود ہو اور اگر اعمال نہ ہوں نہ عقائد صحیح ہوں تو نری برکت کیا کام آوے گی برکت مثال چٹنی اور مربے کی سی ہے اور اعمال کی مثال غذا کی سی ہے جو کہ جزو بدن ہوتی ہے۔ مربے اور چٹنی معین ہضم طعام ضرور ہیں لیکن غذا بھی ہونی چاہئے اور اگر غذا نہ ہو صرف مربے اور چٹنی مہمان کے سامنے رکھ دیں اور روٹی وغیرہ کچھ نہ ہو تو کیا اس سے کام چل سکتا ہے۔ پس اسی طرح انتساب الی الانبیاء والاولیاء باعث برکت فی الاعمال ہے نہ کہ نجات کے لئے انتساب ہی کافی ہو اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خاص بیٹی کو خطاب کر کے فرمایا یافاطمة انقذی نفسک من

النار فانی لا اغنی عنک من اللہ شیئاً (الصحیح للبخاری ۴:۸، الصحیح المسلم الایمان ۸۹، رقم ۳۵۱) یعنی اے فاطمہ نفس آگ سے بچاؤ میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا یعنی اگر تمہارے پاس اعمال کا ذخیرہ نہ ہوگا تو میں کچھ کام نہ آؤں گا اور اس کی نفی نہیں کہ اعمال کے ہوتے ہوئے بھی میں باعث ترقی درجات ہونا خود منصوص ہے۔

درجات کا اصل مدار

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْھُمْ ذُرِّیَّتُھُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَمَآ اَلَتْنٰھُمْ مِّنْ عَمَلِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ان کا ایمان کے ساتھ اتباع کیا ہم اس اولاد کو بھی ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل میں سے کچھ کمی نہ کریں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ اولاد کے اعمال اس درجہ کے نہ ہوں جیسے کہ آباء کے تھے لیکن اگر اس اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کا اتباع کیا ہوگا تو ہم ان کو ان کے آباء کے درجہ میں پہنچا دیں گے تو اسی الحاق کا انکار نہیں ہوسکتا مگر اس کی کوئی دلیل نہیں کہ صرف یہ انتساب ہی الحاق کے لئے کافی ہے بلکہ اس آیت میں ایمان کو خود شرط فرمایا ہے اور مَآ اَلَتْنٰھُمْ مِّنْ عَمَلِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ (اور ان کے عمل میں سے کچھ کمی نہ کریں گے) میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضروری عمل بھی شرط ہے کیونکہ دفع دخل میں یہ فرمایا کہ ہم ان اسلاف کے عمل سے کچھ کم نہ کریں گے اس سے صاف معلوم ہوا کہ اصل مدار درجات کا عمل ہے اور ظاہر ہے کہ اصل کا ہونا ضروری ہے اور یوں اضافہ خواہ غیر عمل سے ہو جاوے۔ پس خود آیت میں بھی دلالت ہوگئی کہ آباء کے مرتبہ میں ذریت اس وقت پہنچے گی جبکہ اعمال اور عقائد دونوں کا ضروری ذخیرہ جمع ہو۔ آج کل کے پیروں نے اپنی دکان جمانے کے لئے اور دنیا کمانے کے لئے اپنے مریدین کے دلوں میں یہ جما رکھا ہے کہ تم کو اعمال کی کچھ ضرورت نہیں ہم جو کچھ کر رہے ہیں یہی تمہارے لئے کافی ہے۔ افسوس پیری مریدی کی غرض تو اصلاح نفس اور مجاہدہ نفس تھی کہ خود شاید عمل کی توفیق نہ ہوتی پیر کے اثر یا تاکید سے عمل کی توفیق ہو جاوے گی اور نفس مہذب ہو جاوے گا اب لوگوں نے اس طریق کو تعطل کا آلہ بنا رکھا ہے ایک ایسے پیر کی حکایت ہے کہ وہ ایک گاؤں میں گئے اور لاغر اور کمزور ہو رہے تھے مریدوں نے پوچھا کہ پیر جی دبلے کیوں ہو رہے ہو کہنے لگے ارے کمبختو تمہارے ہی وجہ سے تو دبلا ہو رہا ہوں اور تم کو خبر بھی نہیں تمام کام تمہاری طرف سے مجھے ہی کرنے پڑتے ہیں تم نماز نہیں پڑھتے تمہاری طرف سے نماز

پڑھتا ہوں تم روزے نہیں رکھتے میں روزے رکھتا ہوں پھر سب سے بڑھ کر یہ مصیبت کہ پلصراط پر جو کہ تلوار سے تیز اور بال سے باریک ہے اس پر بھی چلتا ہوں۔

مرید بہت خوش ہوئے کہ پیر ہی سب کام ہماری طرف سے کر لیتے ہیں اور ایک مرید خوشی میں بولا کہ جا میں نے تجھ کو فلاں کھیت وہاں کا دیا پیر بہت خوش ہوئے مگر یہ بھی سوچے کہ اس نے کھیت تو دے دیا لیکن قبضہ ہمارا اس پر ہوا نہیں مبادا یہ زبانی ہی زبانی لین دین ہو امناسب یہ ہے کہ قبضہ کر لیں اور اس کو دیکھ لیں یہ سوچ کر اس مرید نے فرمایا کہ چل کر دکھلا دے وہ ساتھ ہوا اور پیر صاحب تشریف لے چلے چاول کے کھیت میں پانی زیادہ تھا اور مینڈ تنگ تھی ایک جگہ پیر صاحب پھسل پڑے مرید نے ایک لات جڑ دی اور کہا کہ ارے تو پلصراط پر کیا چلتا ہوگا اتنے چوڑے رستہ میں تو تجھ سے چلا نہ گیا تو جھوٹا ہے جا ہم تجھ کو کھیت نہیں دیتے۔ آج کل کے پیروں نے خوب سمجھا دیا ہے کہ جو چاہو کرو سب بخشے جاؤ گے۔

روح دین

اس حدیث شریف میں اس زعم باطل کا رد ہے اسی واسطے بجائے لفظ دین کے لفظ اعمال فرمایا اور ہر چند کہ عمل میں نیت بھی آ گئی تھی لیکن نیت کو علیحدہ اس لئے بیان فرمایا کہ یہ معلوم ہو جاوے کہ خود اعمال ہی جب معتبر ہیں جبکہ نیت درست ہو اور نیز ان دو لفظوں سے دو گروہوں کی اصلاح فرمائی لفظ اعمال سے تو غالب عوام کی کیونکہ عوام کو دنیا کے دھندوں میں شب و روز غلطاں پیچاں رہنے سے اکثر اعمال کی طرف توجہ کم ہوتی ہے لیکن بد نیتی یعنی ریاء وغیرہ سے اس لئے مبرا ہیں کہ ان کو کوئی بزرگ نہیں سمجھتا اس لئے وہ اس کا قصد بھی نہیں کرتے اور لفظ نیات سے غالب خواص کی جو دیندار کہلاتے ہیں تمام شعائر اسلام کے پابند ہیں لیکن اخلاص سے خالی ہیں اس لئے ان کی یہ دینداری محض صورتاً ہے۔ روح دین کی ان کو حاصل نہیں ایسے لوگوں میں اکثر مرض ریا کا ہوتا ہے ان کو لفظ نیت سے اخلاص کی طرف متوجہ فرمایا تو مطلب یہ ہے کہ یہ جو کچھ نماز روزہ ذکر حج زکوٰۃ تم کرتے ہو اگر چہ نفس اعمال نفع سے خالی نہیں ہیں اور یہ نسبت اس شخص کے جو کچھ نہ کرے اس سے بدر جہا بڑھ کر ہے مگر جو اصل مقصود ہے یعنی رضا وہ جب ہی حاصل ہوگا جبکہ اخلاص بھی ہو اور اس کی ایسی مثال ہے کہ دو شخص کسی بادشاہ کے ہاں گئے ایک تو ہدیہ لے گیا اگر چہ وہ ہدیہ بادشاہ کے لائق نہ ہو اور دوسرا بغیر ہدیہ کے گیا تو اگر چہ اس ہدیہ نہ لے جانے والے کی یہ شکایت تو نہ ہوگی کہ ہدیہ کیوں نہ لایا جیسا اس دوسرے سے یہی باز پرس ہوگی اور اس اعتبار سے یہ اس سے غنیمت ہے مگر یہ شکایت ضرور ہوگی کہ تمہارا ہدیہ ہمارے لائق نہیں اور چونکہ مقصود ہدیہ سے ارضاء

ہے اور اگر وہ حاصل نہ ہوگا تو ہدیہ کالعدم ہوگا اسی طرح مقصود عبادت سے رضاء ہے پس جس عبادت میں غرض مفاسد کی آمیزش ہو اور نیت درست نہ ہو تو ایسی عبادت کا بھی عدم و جود برابر ہوگا سو ہم لوگ اعمال کرتے ہیں مگر ہمارے اغراض اکثر فاسد ہوتے ہیں۔

ہمارے اعمال کی حالت

چنانچہ اہل علم اہل زہد اپنی حالت کا موازنہ صحیح کر کے دیکھیں تو زیادہ حصہ اپنے اعمال میں اغراض نفسانیہ کا پائیں گے مثلاً عبادات نافلہ تلاوت قرآن وذکر ونوافل تہجد اور جو اعمال اخفاء کے قابل ہیں ان کو کر کے ہمارا جی چاہتا ہے کہ ان کا عام طور پر ظہور ہو جاوے اور لوگوں میں ہم عابد زاہد مشہور ہوں مثلاً تہجد میں اگر کوئی شب کو ایسے وقت اٹھا کہ کسی کو خبر نہ ہوئی اور تہجد پڑھ کر سو رہا تو اس حالت میں اور جس حالت میں کہ دوسرے کو اطلاع ہو بڑا فرق ہوتا ہے اطلاع ہونے پر بڑی خوشی ہوتی ہے اور اگر اطلاع نہ ہو تو جی چاہتا ہے کہ کسی طرح ظہور ہو جاوے اور اس کے متجسس رہتے ہیں کہ کوئی ہمارا ذکر تو نہیں کرتا اگر کسی نے ذکر نہ کیا تو نفس کو ایک طرح کا افسوس ہوتا ہے کہ رات کا اٹھنا بے کار ہی ہوا۔ اسی طرح تمام اعمال میں ہماری یہ حالت ہے۔

خوشی کی تین قسمیں

جاننا چاہئے کہ عمل نیک کے دیکھنے پر جو دل خوش ہوتا ہے اس خوشی کی تین قسمیں ہیں ایک تو طبعاً جی خوش ہوتا ہے کہ الحمد للہ اس شخص نے ہم کو اچھی حالت میں دیکھا یہ خوش ہونا تو ایسا ہے جیسے لذیذ کھانا کھانے سے جی خوش ہوتا ہے طبیعت کا مقتضا ہے کہ اچھی شئے سے خوشی ہوتی ہے غرض یہ فرحت تو آثار طبعیہ میں سے ہے اس کے ازالہ اور رفع پر قدرت نہیں ایسے خوش ہونے میں کچھ ملامت نہیں۔

غلو فی الاخلاص

اہل خلوص کو سخت غلطی ہوتی ہے کہ اس فرحت میں اور ریاء میں ان کو امتیاز نہیں ہوتا اس لئے اہل خلوص کی اصلاح کی بھی ضرورت ہے وہ رات دن اسی غم میں گھلتے ہیں کہ ہماری نماز کو جو فلاں شخص نے دیکھا اور ہم کو خوشی ہوئی یہ بھی ریاء ہوگئی حالانکہ یہ فرحت طبعی ہے ریاء نہیں مگر یہ نہیں سمجھتے اور اپنی عبادت کو بے کار جانتے ہیں اور شب و روز اسی غم میں رہتے ہیں۔ انجام ایسے اخلاص کا یہ ہوتا ہے کہ شیطان بہکا دیتا ہے کہ جب تمہارا عمل کارآمد نہیں ہے تو ایسے عمل سے فائدہ ہی کیا پس یہ شخص مایوس ہو کر اس عمل ہی کو چھوڑ دیتا ہے اور کبھی عمل تو نہیں چھوڑتا لیکن اخلاص کے اندر سعی ترک کر دیتا ہے اور بعض مرتبہ یہ مضرت ہوتی ہے کہ اپنے شیخ سے بدگمانی ہو

جاتی ہے کبھی ان کے کمال میں بدگمانی ہو جاتی ہے کہ میاں اگر یہ صاحب کمال ہوتے تو ہم کو اخلاص ضرور نصیب ہوتا اور کبھی توجہ میں بدگمانی ہوتی ہے کہ ہماری طرف توجہ نہیں ہے اور یہ کفرانِ نعمت ہے جو شخص تمہارا مربی اور مصلح ہو اور اس کو ہر وقت تمہارا خیال رہتا ہو یہ خیالات تمہارے اگر اس کو معلوم ہو جاویں تو اس کا دل ضرور دکھے گا اور نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ نعمت تم سے سلب ہو جاوے گی۔ یہ غلو فی الاخلاص ہے کہ ایک دولت حاصلہ کی نفی کر رہے ہو۔ کسی درویش سے ایک ہاتھی سوار نے کہا کہ باوادعاء کرو کہ ترقی ہو درویش نے کہا کہ باوا ہاتھی پر تو سوار ہے کیا بانس پر سوار ہوگا اسی طرح تم کو اللہ تعالیٰ نے اخلاص نصیب فرمایا ہے اس کا شکر ادا کرنا چاہئے نہ کہ اس کا کفران کیا جاوے غرض یہ فرحت طبعی ہے اس کو ریا سمجھنا غلطی ہے خوب سمجھ لینا چاہئے کہ ریاء اعمال اختیاریہ میں سے ہے اور وسوسہ ریاء غیر اختیاری پس وسوسہ ریا نہیں ہے جیسے کہ وسوسہ کفر کفر نہیں خود صحابہ رضی اللہ عنہم کو وساوس آ جاتے تھے۔

وسوسہ ریاء ریاء نہیں

بس وسوسہ ریاء سے ریاء کار نہیں ہوتا ہے یہ بھی شیطان کی رہزنی کا ایک طریق ہے کہ ضروری مقصود سے دور کر کے اس دھندے میں لگا دیتا ہے۔ پس یہ ایک قاعدہ کلیہ نکل آیا کہ جو امر غیر اختیاری ہو وہ مذموم نہیں اور اس قاعدے کے ذہن نشین کر لینے سے بہت سے صعوبات جو سالک کو پیش آتے ہیں سب حل ہو جاتے ہیں عارف شیرازی اسی کو فرماتے ہیں

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

(طریقت میں جو کچھ سالک کو پیش آئے اس کے لئے خیر ہی ہے صراط مستقیم پر کوئی گمراہ نہیں ہے)

غیر اختیاری امور میں خیر ہوتی ہے

پیش آید کا مطلب یہی ہے کہ جو بلا اختیار پیش آوے وہ اس کے لئے خیر ہی خیر ہے اور فعل اختیاری تو پیش آور ہوتا ہے اس پر البتہ مواخذہ ہوگا۔ حاصل یہ کہ ایک قسم تو خوش ہونے کی یہ ہوئی اور دوسری قسم یہ ہے کہ دوسرے کے دیکھنے سے اس لئے خوشی ہوتی ہے کہ ہمارے اعمال نیک دیکھنے سے اس کو بھی توفیق ہوگی اور اس کا ثواب ہم کو بھی ملے گا۔ یہ خوشی بھی مذموم نہیں ہے مگر یہاں مبتدی کو ایک دھوکا ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اس اظہار سے اصل مقصود تو نفس میں یہی ہوتا ہے کہ میری جاہ بڑھے اور لوگ مجھ کو معظم سمجھیں مگر ذہن تراش یہ لیتا ہے کہ میں اس

لئے اظہار کرتا ہوں کہ لوگ دیکھ کر میرا اقتداء کریں لہذا مناسب مبتدی کے حال کے یہی ہے کہ اظہار کا قصد ہی نہ کرے البتہ کوئی صاحب کمال ہو اور نفس اس کا فنا ہو چکا ہو اور وہ اظہار عمل کا اس نیت سے کرے تو اس کو جائز ہے اور باعث ثواب ہے اسی واسطے بزرگوں کا قول ہے۔ ریاء الشیخ خیر من اخلاص المرید یعنی شیخ کا اظہار مرید کے اخلاص سے بہتر ہے یہاں ریا بمعنی لغوی ہے اصطلاحی نہیں مطلب یہ ہے کہ شیخ کا اظہار چونکہ موجب نفع مبتدی ہے کہ دوسرے دیکھ کر اقتداء کرتے ہیں اس لئے وہ مرید کے اخلاص سے کہ اس کا نفع اسی کی ذات تک ہے بہتر ہے پس اس مقصد سے اگر خوشی ہو تو یہ خوشی عبادت ہے۔

تیسرے خوشی اظہار عبادت پر اس لئے ہوتی ہے کہ ہماری نیک نامی ہوگی اور لوگ ہمارے معتقد ہوں گے یہ ریاء ہے اور مذموم ہے اور اس کے لئے سخت وعیدیں حدیث شریف میں آئی ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے روز شہید کو بلایا جاوے گا اور کہا جاوے گا کہ ہم نے تجھ کو فلاں فلاں نعمت دی تھی تو نے اس کا کیا شکر ادا کیا وہ عرض کرے گا کہ اے رب میں نے آپ کی راہ میں جان تک دیدے ارشاد ہوگا کہ تو نے ہمارے واسطے نہیں کیا بلکہ محض اس لئے کہ شجاع مشہور ہو سو یہ غرض حاصل ہوگئی اب یہاں کیا لیتا ہے اور حکم ہوگا کہ اس کو منہ کے بل الٹا گھسیٹ کر دوزخ میں پھینک دو چنانچہ یہ اسی طرح پھینک دیا جاوے گا پھر اسی طرح ایک عالم اور ایک سخی سے گفتگو ہوگی اور ان دونوں کے عمل میں بھی یہی حب شہرت کا نقص نکالا جاوے گا اور ان سب کو دوزخ میں ڈال دیا جاوے گا۔ دیکھئے یہ افضل الاعمال ہیں مگر ریا ایسی شے ہے کہ ان اعمال کو بھی اس نے بے کار کر دیا ایک عجیب بات سنئے کہ بعض اوقات آدمی خدا سے بھی ریا کرتا ہے آپ کو حیرت ہوگی کہ خدا سے ریا کیسے ہو سکتی ہے میں عرض کرتا ہوں کہ اس کی صورت یہ ہے اور بہت واقع ہوتی ہے کہ ایک آدمی کی عادت تھی کہ سب کے سامنے تو لمبی لمبی نمازیں پڑھتا تھا اور خلوت میں جلدی جلدی اس کے بعد اس کو شرم آئی کہ افسوس میں خلوت میں جلدی جلدی نمازیں پڑھتا ہوں اللہ تعالیٰ مجھ کو کیا کہیں گے اس لئے جلوت کی سی نماز پڑھنے لگا لیکن نہ اس وجہ سے کہ اصل مقصود خلوت کی تطویل ہے بلکہ اس وجہ سے کہ اصل مقصود جلوت کی تطویل ان ہی اغراض فاسدہ کے لئے ہے مگر خلوت کی تطویل اس لئے اختیار کی کہ اس سے وہ تطویل جلوت مورد الزام نہ ہو پس اصل مقصود تو اس کا یہی ہے کہ مخلوق کے

نزدیک میری قدر ہو مگر اللہ میاں کے الزام سے بچنے کے لئے تنہائی میں بھی وہ لمبی لمبی پڑھنے لگا یہ ہے ریا خدا تعالیٰ کے ساتھ اور بعض اوقات نیت اچھی نہیں ہوتی مگر فرضی نیت تصنیف کرتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ریا کار نہ ہو مگر یہ نیت ایسی ہی ہے کہ ایک مسافر کا اسباب بندھا رکھا ہے ٹکٹ اسٹیشن سے لانے کو آدمی کو بھیج رکھا ہے اور کوئی صاحب اس سے کہیں کہ تم امام بن کر پوری نماز پڑھا دو اور اس کے لئے قیام کی نیت کرلو غرض مبحث ریاء کا طویل اور زوال کا اس کا قدرے عسیر ہے مگر یہ نہیں کہ اس مرض کا ازالہ نہ ہو سکے۔ یقیناً ازالہ ہو سکتا ہے مگر معالجہ کرنے سے پس جو لوگ اس کے معالجہ میں مصروف ہیں اور پھر بھی ان کو شائبہ ریا کا پیش آ جاتا ہے وہ بے فکر رہیں کیونکہ وہ واجب کو ادا کر رہے ہیں ان کے ذمہ اسی قدر ہے۔

منتہائے سلوک

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس قدر تم سے ہو سکے اور دوسرے مقام پر جو فرمایا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ یعنی اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جو اس سے ڈرنے کا حق ہے اور بظاہر اس میں اور آیۃ سابقہ میں تعارض معلوم ہوتا ہے چنانچہ سلف سے بھی منقول ہے کہ یہ ناسخ و منسوخ ہیں۔ یعنی اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے) منسوخ ہے اور اِتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس قدر تم سے ہو سکے) ناسخ ہے اور نسخ فرع ہے تعارض کی اس لئے سلف کے اس قول سے بھی تائید تعارض کی ہوئی سو حقیقت میں کچھ تعارض نہیں ہے کیونکہ اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ تو منتہائے سلوک ہے۔

مقصود سلوک

یعنی مقصود سلوک کا یہ ہے کہ حق تقویٰ حاصل ہو اور اِتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ میں ابتداء سلوک کو بیان فرمایا ہے کہ اس میں شیئاً فشیئاً کوشش کی جاتی ہے ان دونوں امروں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی امر کرے کہ چھت پر چڑھو اور وہ گھبرا جاوے کہ میں کیسے جاؤں تو اس کو کہا جاوے گا کہ زینہ پر بقدر استطاعت ایک ایک درجہ طے کر کے پہنچ جاؤ دوسری مثال یہ ہے کہ کوئی امر کرے کہ علاج کر کے اپنا بخار دور کرو اور وہ گھبرا جاوے کہ کیا کوئی دوا ایسی ہے کہ آج ہی بخار جاتا رہے تو اس کو کہا جاوے گا کہ تھوڑی تھوڑی دوا پیا کرو بخار جاتا رہے گا اسی طرح مطلب حق تعالیٰ کا یہ ہے کہ بقدر استطاعت تقویٰ کرتے رہو یہاں تک کہ حق تقویٰ حاصل ہو جائے

اورسلف نے جو اس میں نسخ کہا ہے تو وہ نسخ اصطلاحی نہیں ان کے عرف میں نسخ مطلق اختلاف کو کہتے ہیں ولو بالاجمال و التفصیل (اگرچہ اجمال اور تفصیل کے ساتھ ہو) جیسا یہاں ہے غرض دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہو گیا کہ کام میں لگنے والے اور معالجہ کرنے والے ہرگز نہ گھبرائیں ان پر کوئی ملامت نہیں وہ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس قدر ہو سکے) پر عمل کر رہے ہیں ان شاء اللہ ایک روز ان کو حق تقویٰ بھی حاصل ہو جاوے گا ہاں جو معالجہ سے غافل ہیں اور مرض کو بڑھا رہے ہیں ان پر البتہ ملامت ہے بہر حال ہم کو اپنی نیت کا خالص کرنا ضروری ہے تا کہ دین کی حقیقت ہم کو حاصل ہو۔

آج کل کے دینداروں کی حالت

اور آج کل اکثر لوگ اس خیال سے خالی ہیں حتیٰ کہ دینداروں تک کی یہ حالت ہے کہ اعمال خیر کے ارتکاب اور اعمال سوء کے اجتناب میں بھی وضع اور رسم و رواج کے پابند ہیں چنانچہ بعض اعمال کے پابند ہیں جیسے نماز اور جس کا ترک ان کی شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے اس کے پابند ہیں جیسے نماز اور جس کا ترک خلاف شان نہیں سمجھا جاتا اس کے پابند نہیں جیسے حقوق العباد اسی طرح ہم لوگ غیبت تو کرتے ہیں مگر شراب نہیں پیتے سو شراب نہ پینا اس لئے نہیں کہ حق جل مجدہ راضی ہوں ورنہ غیبت کو بھی ترک کرتے بلکہ اس لئے ہے کہ باپ دادا نے شراب نہیں پی یہ خلاف وضع ہے اور غیبت وہ بھی کرتے رہے اس لئے خلاف وضع نہیں رشوت لیتے ہیں جوا نہیں کھیلتے تو وجہ یہی ہے کہ جواء بازاروں میں بیٹھ کر کھیلنا بے حرمتی کا سبب ہے اور رشوت خاندانی رسم ہے وضع کے خلاف نہیں باپ نے لی دادا نے لی اور اپنے اور تمام ہم عصر ہم چشم لیتے ہیں اس لئے اس کے لینے میں باک نہیں بہت کم رہن کی آمدنی کھاتے ہیں اور عرفی سود نہیں لیتے وجہ یہ ہے کہ سود لینے والے کو ذلیل و خوار سمجھتے ہیں اور رہن کی آمدنی تو باپ دادا سے کھاتے چلے آرہے ہیں وہ شان ریاست میں بعض اعمال میں یہ ہے کہ جن کی ہمیں عادت ہے اور عرفاً وہ موجب ذلت بھی نہیں اور رسم و رواج کے بھی خلاف نہیں ہیں ان کے پابند ہیں اور جن کی عادت نہیں ہے یا موجب استخفاف سمجھے جاتے ہیں ان کے پابند نہیں ہیں۔ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (بعض کتاب پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو کے مصداق بن رہے ہیں اس پر دعویٰ ہے تقدس کا اور مدعی ہیں بزرگی کے صاحبو یہ صورت دینداری کی تو ہے مگر

حقیقت دینداری کی نہیں ہے صاحبو بادام اور شے ہے اور بادام کا چھلکا اور شے ہے پستہ اور شے ہے اور پوست اور شے ہے اخروٹ اور شے ہے اور چھلکا اس کا اور شے ہے۔

انسان کی صورت اور حقیقت

اسی طرح آدمی کی صورت اور شئے ہے اور حقیقت اور ہے

گر بصورت آدمی انساں بدے احمد و بو جہل ہم یکساں بدے

اینکہ می بینی خلاف آدم اند نیستند آدم غلاف آدم اند

(اگر آدمی کی صورت کی وجہ سے انسان ہوتا تو احمد اور ابو جہل یکساں ہوتے یہ کہ خلاف آدم کے تجھ کو نظر آتا ہے آدم نہیں ہیں آدم کے غلاف میں ہیں)

ایسی ہی ہمارے اعمال کی حالت ہے کہ اعمال کی صورت ہے حقیقت نہیں ہے

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے حاصل خواجہ بجز پندار نیست

(خواجہ کو گمان ہے کہ اس کو کچھ حاصل ہے خواجہ کو بجز غرور کے کچھ حاصل نہیں)

ان ہی صور اعمال پر نظر مقتصر کر کے ہر شخص بجائے خود سمجھ رہا ہے کہ مجھ میں کچھ ہے میں متقی ہوں ذاکر ہوں کوئی سمجھتا ہے کہ عالم ہوں حافظ ہوں اور اگر باطن کو دیکھا جاوے تو یہ حالت ہے۔

ازبروں چوں گور کافر پر حلل واندروں قہر خدائے عزو جل

ازبروں طعنہ زنی بربا یزید واز درونت ننگ میدارد یزید

(باہر سے (ظاہر میں) کافر کی قبر کی طرح آراستہ اور مزین ہیں اور اندر (باطن میں) خدائے عزوجل کا عذاب ہو رہا ہے ظاہر سے تو بایزید بسطامی جیسے پر تو طعنہ زنی کرتا ہے اور تیری اندرونی حالت سے شیطان بھی شرماتا ہے)

حکایت حضرت حاتم اصم

اصل یہ ہے کہ ہم لوگوں کو حس نہیں رہی اگر بصیرت ہو تو معلوم ہو کہ سب اعمال میں نفس کی پچر لگی ہوئی ہوتی ہے واللہ العظیم ہم لوگوں کے اعمال وہ ہیں کہ قیامت کے روز اگر ہمارے جوتیاں نہ لگیں تو غنیمت ہے کس کا تقرب اور کیسے درجے نیتیں تو بزرگوں کی ہوتی تھیں چنانچہ حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ ان کو ایک شخص نے کچھ نذر کی آپ نے کچھ عذر فرمایا اس لئے کہ اس میں کچھ شبہ تھا اگرچہ فتوے کی رو سے وہ شے جائز تھی مگر تقویٰ کے اعتبار سے اس کا لینا درست نہ

تھا اور حکم شرعی یہ ہے کہ اگر تقوے کے اس خاص درجہ پر عمل کرنے سے دوسرے کی دل شکنی ہو تو فتوے پر عمل کرنا چاہئے ایسے موقع پر تقوے کی حفاظت جائز نہیں اور ہماری حالت یہ ہے کہ اگر کسی بڑی مقدار میں ملے مثلاً پانچ سو روپیہ اور مشتبہ تو کیا مشتبہ سے بھی آگے اور بڑھ کر ہو تو تاویل کر کرا کر اس کو جائز کر لیں گے اور اگر کوئی ایک روپیہ دے تو سارا تقویٰ اس میں چلا دیں گے القصہ حضرت حاتم نے اول انکار کیا جب اس نے اصرار کیا تو لے لیا بخلاف ہم لوگوں کے کہ اگر ہمارے منہ سے ایک مرتبہ نہ نکل جاوے تو ہرگز نہ لیں گے کیونکہ اب لینا اپنی آن کے خلاف ہے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت آپ نے اول انکار کیوں کیا اور دوبارہ کیوں لے لیا فرمایا کہ اول اس لئے انکار کیا کہ اس کا لینا تقوے کے خلاف تھا اور جب اس نے اصرار کیا تو خیال کیا کہ نہ لینے میں تو میری عزت اور اس کی ذلت ہے اور لے لینے میں میری ذلت اور اس کی عزت ہے میں نے اس کی عزت کو اپنی عزت پر ترجیح دی یعنی میرے نہ لینے سے میری بات تو بنی رہتی مگر میرے بھائی کی وجاہت اور آبرو میں فرق آتا اور لینے میں میری شان کو دھبہ لگتا ہے لیکن اس کی بات بنتی ہے پس میں نے اپنی عزت اور آبرو کو لات ماری اور اپنے بھائی کی بات کو اونچا رکھا۔ سبحان اللہ نیت یہ ہے اور حقیقت دین یہ ہے اور ہمارے اندر تو صورت ظاہری بھی کامل نہیں ہے اور حقیقت تو کہاں تھی اور یہ حال تو ہمارے آج کل کے دینداروں کا ہے کہ ان کی نیتیں خالص نہیں پھر عوام کا تو کیا ذکر ہے بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ عوام الناس کی نیتیں اکثر اعمال میں بہ نسبت خواص کے اچھی ہوتی ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ اعمال صالحہ سے مثلاً لمبی لمبی نماز پڑھنے سے اور ذکر و شغل اور وظائف وغیرہ سے جو جاہ بڑھتی ہے وہ خواص کی ہی بڑھتی ہے اس لئے وہی محل ریا بن سکتے ہیں اور عوام بے چاروں کو کون پوچھتا ہے اگر کسی گمنام عامی نے لمبی نماز پڑھی تب اور مختصر پڑھی تب ہر صورت میں کوئی بھی التفات نہیں کرتا۔

خالی الذہن ہونا بھی ایک قسم کا اخلاص ہے

ہاں عوام میں ایک کمی ہے وہ یہ کہ عمل کے وقت اکثر خالی الذہن ہوتے ہیں اس عمل کی نہ کوئی غایت مذمومہ ان کے ذہن میں ہوتی ہے اور نہ غایت محمودہ مگر عادت سے اس اجمالاً اس اعتقاد سے کہ خدا کا حکم ہے پڑھ لیتے ہیں مگر یہ خلو عن الغاية المحمودة والمذمومة (غرض محمود یا مذموم سے خالی) بھی اخلاص ہی میں داخل ہے اس مقام پر اسی وقت ایک تحقیق ذہن میں آئی وہ یہ ہے کہ اخلاص نیت کے معنی یہ سمجھے جاتے ہیں کہ کسی نیک عمل کے کرنے کے وقت اس امر کا بھی تصور و قصد ہو کہ یہ عمل حق تعالیٰ کی رضا کے واسطے ہے اب دیکھنا چاہئے کہ اس معنے کے اعتبار سے اخلاص کا وجود کہیں محقق ہے کہ نہیں ہم غور کر کے جو دیکھتے ہیں تو اس معنے کے اعتبار سے عوام میں تو کیا خواص میں بھی اخلاص

نہیں نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں تلاوت کرتے ہیں اور کبھی عمل سے پہلے خصوصیت کے ساتھ ابتغاء مرضاۃ حق کا تصور تک بھی نہیں ہوتا ہے چنانچہ ابھی سب نے نماز جمعہ کی پڑھی ہے کسی کے دل میں بھی تصور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا نہیں ہوا ہوگا۔ غایۃ مافی الباب گاہ گاہ نیک عمل کرتے وقت اس کا تصور ہو جاتا کہ یہ ایک نیک کام ہے پس اگر نیت کے معنے یہی ہیں کہ قصد کرنا رضائے حق کا تو اس معنی کو تو کسی کی نیت بھی خالص نہیں اور دنیا میں کوئی بھی مخلص نہیں کیونکہ اکثر اوقات اس کا بلکہ کسی اور غایت کا بھی مطلق تصور نہیں آتا اور اسی بنا پر یہ جو عقلی مسئلہ مشہور ہے کہ افعال اختیاریہ کا صدور مسبوق بتصور الغایۃ ہوتا ہے مجھ کو اس مسئلہ میں ایک شبہ ہے کیونکہ اکثر مواقع پر کوئی غایۃ بھی ذہن میں نہیں ہوتی تنویر اس کی یہ ہے کہ ہم سے بہت سے افعال میں اگر بمجرد صدور کوئی دریافت کرے کہ یہ فعل کیا فائدہ سمجھ کر کیا ہے تو ہم حیران رہ جاتے ہیں کہ کیا فائدہ بیان کریں ہاں کچھ دیر کے بعد گڑھ مڑھ کر کوئی وجہ بیان کردیں تو وہ اور بات ہے ہاں اگر غایت پہلے سے سوچ لیتے ہیں تو بمجرد سوال اس کو بیان کردیتے ہیں مثلاً ہم کسی امر پر زدوکوب کریں اور بعد اس ضرب کے کوئی ہم سے وجہ پوچھے تو فوراً بتلادیں گے کہ اس وجہ سے مارا تو وجہ یہ ہے کہ پہلے سے اس غایت کا قصد ہو گیا تھا۔ اور اگر دو وقت کے کھانا کھانے کے بعد فوراً اس کا جواب لینا چاہیں کہ تم نے کھانا اس وقت کیا فائدہ سوچ کر کھایا تو کوئی معقول وجہ بے سوچے نہیں بتلا سکتے کیونکہ پہلے سے تصور نہ تھا اس لئے نہیں بتلا سکے۔ اس لئے یہ قاعدہ اب تک سمجھ میں نہیں آیا ہاں اگر یوں کہا جاوے کہ اجمال کے درجہ میں غایۃ کا تصور ہوتا ہے تو خیر مگر علم تفصیلی تو ہرگز نہیں ہوتا پس نیت کے اگر یہ معنے لئے جاویں گے تو تمام ہی مسلمانوں کے اعمال بے کار ٹھہریں گے۔

نیت کا مفہوم

اب نیت کے معنے میں عرض کرتا ہوں نیت کے معنے ہیں ارادہ کے یعنی وہ فعل اختیاراً اور قصداً ہوا ہو مثلاً وضو کے دو طریق ہیں ایک تو یہ کہ ارادہ کرکے وضو کرے اور دوسرے یہ کہ کوئی شخص حوض میں یا نہر میں غوطہ لگا دے اور اس کے ضمن میں وضو بھی ہو جاتا ہے اور شافعیہ فرماتے ہیں کہ وضو نہیں ہوتا اس لئے کہ ان کے نزدیک نیت ضروری ہے اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ نیت کے معنے ارادہ کے ہیں دوسری مثال لیجئے اگر کوئی شخص بلا ارادہ صلوۃ اٹھک بیٹھک کرتا رہے اگرچہ تمام ارکان صلوٰتیہ ادا کرے مگر فقہا فرماتے ہیں کہ نماز نہ ہوگی اس لئے کہ بلا نیت یہ صلوٰۃ ہے پس ان تمام جزئیات سے معلوم ہوا کہ نیت کے معنے ارادہ کے ہیں۔

اعمال صالحہ کی تین صورتیں

پس نیک عمل میں نیت تین طرح کی ہو سکتی ہے ایک یہ کہ وہ فعل قصداً اور اختیاراً کیا جاوے لیکن

اس میں نہ غایۃ محمودہ کا تصور ہو نہ غایۃ مذمومہ کا دوسرے یہ کہ غایۃ محمودہ کا قصد ہو مثلاً یہ کہ میں نماز اس لئے پڑھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ خوش ہو۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ غایۃ مذمومہ کا ارادہ ہو مثلاً نماز اس لئے پڑھے کہ مخلوق کے نزدیک بڑا بنے۔ پس ان تینوں صورتوں میں سے ریاء مذموم اخیر کی صورت ہے اور صورت اولی وثانیہ اخلاص میں داخل ہے اس لئے کہ ریا یہ ہے کہ مخلوق کے نزدیک بڑا بننے کے لئے کوئی فعل کرے سو اس کے ارتفاع کی دونوں صورتیں ہیں ایک یہ کہ کوئی غایۃ مقصود نہ ہو ہاں محرک اس کا امتثال ہو گو اس امتثال کی کوئی غایت تصور میں نہ آوے اور ایک یہ کہ مقصود ہو اور محمود ہو مقید کا ارتفاع کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ وہ قید نہ ہو دوسری خاص قید سے مقید ہو اور کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ وہ دوسری قید بھی نہ ہو۔ البتہ صورۃ اولی اخلاص کا ادنے درجہ ہے اور صورۃ ثانیہ اعلیٰ درجہ۔

دنیا مخلصین سے خالی نہیں

غرض کہ یہ جو سمجھتے ہیں کہ اگر کسی خاص غایت کی نیت نہ ہو تو اخلاص نہیں یہ غلط ہے۔ پس نیت کے معنے واضح ہو جانے سے معلوم ہوا کہ الحمد للہ خوش نیت اور مخلصین سے دنیا ابھی خالی نہیں ہوئی شاید میری ابتدائی تقریر اور اخیر تقریر میں کوئی تعارض سمجھے کہ اول میں تو شکایت تھی کہ اخلاص مفقود ہو گیا ہے اور فساد نیت میں عوام وخواص سب مبتلا ہیں اور آخر میں ثابت ہوا کہ ابتلاء عام نہیں ہے بلکہ مخلصین بھی بہت ہیں تو ظاہر نظر میں یہ شبہ ہوتا ہے ورنہ واقع میں کچھ تعارض ہی نہیں۔

حاصل وعظ

اس لئے کہ میری تقریر کا حاصل دو امر کا اہتمام ہے اول یہ کہ جن لوگوں کے اعمال میں غایۃ مذمومہ پائی جاتی ہے مثلاً جاہ وحب مال وارضاء خلق ان کو متنبہ کرنا مقصود ہے دوسرا امر یہ ہے کہ جن کے اندر امراض موجود ہیں۔ اور انہوں نے معالجہ شروع نہیں کیا اور نہ معالجہ کی فکر ہے ان کو معالجہ کی طرف توجہ دلانا ہے اور جن میں غایات مذمومہ نہیں پائی جاتیں مگر انہوں نے معالجہ شروع کر دیا ہے اگرچہ ان کے اندر امراض بھی ہیں ان پر ملامت نہیں ہے کیونکہ انہوں نے فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُم (اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس قدر ہو سکے) پر عمل شروع کر دیا ہے اور کثرت سے وہ لوگ پائے جاتے ہیں جن میں غایت مذمومہ موجود ہے اور معالجہ کی فکر نہیں کرتے پس مراد ابتداء تقریر سے یہ ہے کہ بکثرت مبتلا ہو کر بھی بے فکر ہیں اور آخر تقریر سے مقصود یہ ہے کہ اخلاص کے ادنی درجہ سے بھی نفری اخلاصیت کی نہ کرنی چاہئے باقی جنہوں نے اپنے کو کسی معالج کے سپرد کر دیا ہے ان کو پریشان نہ ہونا چاہئے ان کو یہ کہا جاتا ہے۔

کوئے نومیدی مرو کامید ہاست سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست

(ناامیدی کی راہ نہ جاؤ بہت سی امیدیں ہیں تاریکی کی طرف نہ چلو بہت سے آفتاب ہیں)

وہ جب لگے ہیں تو ان شاءاللہ تعالیٰ پہنچ جاویں گے۔اور

اندریں رہ می تراش و میخراش تادم آخر دمے فارغ مباش

(اس طریق وصول الی اللہ میں تراش خراش کرتے رہو اور آخر وقت تک بھی ایک لحظہ فارغ مت رہو)

معالجہ کی دو شرطیں

البتہ معالجہ کے لئے دو شرطیں ہیں اول شرط یہ ہے کہ علم دین ہوتا کہ اعمال یا اغراض کا محمود و مذموم ہونا معلوم ہو سکے اور ہر کام میں یہ سمجھ سکے کہ اس میں میرا کیا قصد ہے آیا مذموم ہے یا محمود ہے پھر عمل سے پہلے مراقبہ ومحاسبہ کرتا رہے دوسری شرط یہ ہے کہ اپنے کو کسی طبیب حاذق (مرشد کامل) کے سپرد کردے اور اپنے حال کی اس کو وقتاً فوقتاً اطلاع دیتا رہے اور اس کی رائے کا اتباع کرے جو کچھ وہ تجویز کرے خواہ سمجھ میں آوے یا نہ آوے انقیاد کرے۔

تربیت کے دو طریق

بعض دفعہ شیخ یہ تجویز کرتا ہے کہ تم تمام رات سویا کرو اور آدھ گھنٹہ جاگا کرو یا یہ کہ تلاوۃ قرآن اور نوافل چھوڑ دو تو بظاہر تو یہ ارشاد شیخ کا سمجھ میں نہیں آتا لیکن اتباع اس کا ضروری ہے اس لئے کہ

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید کہ سالک بیخبر نبود زراہ و رسم منزلہا

(امر مباح جو بظاہر طریقت کے خلاف ہونے سے منکر معلوم ہوتا ہے اگر مرشد بتلادے تو اس پر عمل کرے اسکو حقیر نہ سمجھے کیونکہ شیخ کو اس کے نشیب وفراز کا زیادہ تجربہ ہے)

اس شعر کے معنے یہ نہیں ہیں کہ شیخ کے حکم سے شراب اس قدر پیو کہ سجادہ بھی آلودہ ہو جائے اس لئے کہ ہر جگہ ترجمہ حقیقی ہی نہیں مراد ہوا کرتا ہے جیسا کہ کسی کی حکایت ہے کہ ایک مقام پر دو شخصوں کی آپس میں لڑائی ہو رہی تھی اور آپس میں مار پٹائی کی نوبت آ گئی ان میں سے ایک کا کوئی دوست وہاں آنکلا اس نے آ کر اپنے دوست کے دونوں ہاتھ زور سے پکڑ لئے اب وہ کچھ نہ کر سکا مقابل نے اس کو خوب فراغت سے مارا کوٹا لوگوں نے پوچھا کہ میاں تم نے یہ کیا حرکت کی تو وہ کہتا ہے کہ میں نے شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے قول پر عمل کیا

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست در پریشاں حالی و در ماندگی

(دوست وہ ہے جو اپنے دوست کا پریشانی اور عاجزی کی حالت میں اپنے دوست کا ہاتھ پکڑے یعنی مدد کرے)

اس سے زیادہ پریشانی کی حالت کیا ہوگی اس لئے میں نے اس حالت میں اس کے ہاتھ پکڑ لئے تو اس جاہل نے گیر دوست دوست کے حقیقی معنی لئے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ یہاں حقیقی معنے مراد نہیں ہیں بلکہ دست گرفتن (ہاتھ پکڑنا) اعانت کردن (مدد کرنا) مراد ہے اسی طرح آج کل چونکہ اصطلاحات سے واقفیت نہیں ہے اس لئے حافظ صاحب کے اشعار کو اکثر لوگ غلط سمجھتے ہیں اور مے اور رندی وغیرہ سے حقیقی معنی مراد لیتے ہیں حالانکہ اس شعر کے اندر ہی اگر غور کیا جاوے تو خود اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ صاحب خلاف شرع امر کا حکم نہیں فرماتے اس لئے کہ آگے فرماتے ہیں کہ۔

سالک بیخبر نبود زراہ و رسم منزلہا

(کہ سالک راہ و رسم اور منزل سے بے خبر نہیں ہوتا)

جبکہ وہ سالک طریق ہے تو خلاف شریعت کیسے بتائے گا۔

خلاصہ مطلب شعر کا یہ ہے کہ تربیت کے دو طریق ہیں ایک جذب دوسرا سلوک جذب یہ ہے کہ طالب پر ذکر وفکر کے ذریعہ سے غلبہ محبت کا کیا جاوے اور اعمال زاہدہ میں کم لگایا جاوے اور اس طریق محبت کے ذریعہ سے اس کو مقصود تک پہنچایا جاوے۔ دوسرا طریق سلوک ہے وہ یہ ہے کہ تلاوۃ قرآن اور نوافل وغیرہ میں زیادہ مشغول کیا جاوے پس مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص طریق سلوک کو اپنی استعداد کے مناسب سمجھ کر پسند کرے اور شیخ اس کے طریق جذب کو پسند کرے تو اس کو خطاب کر رہے ہیں بے سجادہ مے سے مراد عشق و محبت ہے۔ یعنی اے طالب تو اپنی رائے کو دخل مت دے بلکہ شیخ نے جو تیرے لئے طریق محبت کو تجویز کیا ہے اسی کو اختیار کرو۔ دوسری جگہ حافظ صاحب فرماتے ہیں۔

فکر خود ورائے خود در عالم رندی نیست کفرست دریں مذہب خود بینی و خود رائی

(اپنی رائے اور فکر کو راہ سلوک میں کچھ دخل نہیں ہے اس طریق میں خود بینی اور خود رائی کفر ہے)

شیخ کے تین حق

پس اتباع شیخ کے ساتھ اعتماد بھی ہونا ضروری ہے اس زمانہ میں اعتماد بہت کم رہ گیا ہے شیخ کی بعض سرسری تجویز پر یہ سمجھتے ہیں کہ شیخ کو ہمارے حال پر توجہ نہیں ہے یا ہماری طفل تسلی کر

دیتے ہیں سو خوب سمجھ لو کہ جس مریض کو طبیب پر اور طبیب کے نسخے پر بھروسہ نہ ہو اس کو کبھی شفا نہ ہوگی۔ طبیب پر بھروسہ ہونا چاہئے اور شفا میں تاخیر ہونے سے گھبراوے نہیں ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور شفا ہوگی مگر یہ ضروری نہیں کہ جب مریض نے شفا کی نیت کی ہے جب ہی ہو جاوے۔ معالجہ باطن کی حالت بالکل معالجہ ظاہری کی سی ہے جس طرح طبیب نہایت آہستہ رفتار سے حسب استعداد مریض معالجہ کرتا ہے اور ادویہ مناسبہ وقتاً فوقتاً بدلتا ہے اسی طرح بعینہ مرشد کامل طالبین کی تربیت کرتا ہے اور عروق میں سے مرض کو نکالتا ہے طالب کو چاہئے کہ پریشان نہ ہو اور نہ شیخ سے بد اعتقاد ہو شیخ گویا زبان حال سے کہتا ہے۔

من غم تو میخورم تو غم مخور برتو من مشفق ترم از صد پدر

(میں تیرا غم خوار ہوں تو غم مت کر میں تجھ پر سینکڑوں باپوں سے زیادہ شفیق ہوں) حاصل یہ ہے کہ شیخ کا اتباع اور انقیاد کرتا رہے اور اپنی رائے اور تدبیر پر نہ چلے کام میں لگا رہے تو ان شاء اللہ ایک دن کامیاب ہوگا ایک شخص میرے پاس اپنی حالت لکھا کرتے تھے اور پریشانی اپنی ظاہر کرتے تھے میں برابر ان کی تسلی کرتا تھا کہ آپ پریشان نہ ہوں آپ کی حالت بہت اچھی ہے جب کسی بات سے تسلی نہ ہوئی آخر میں نے لکھا کہ ہم کو تمہاری تسلی کی ضرورت نہیں ہم کو تمہاری حالت سے اطمینان اور تسلی ہے اس کو لکھنے سے ان کی تسلی ہوگئی۔

فکر کا اعتدال

حاصل یہ ہے کہ اتنی بے فکری بھی بری ہے کہ علاج ہی نہ کرے اور اس قدر فکر بھی مضر ہے کہ باوجود طبیب کے سپرد کر دینے کے بھی کسی وقت فکر سے خالی نہ ہو جب طبیب کے سپرد کر دیا اب بے فکر ہو جانا چاہئے۔ بس صرف اس کی اتباع کی فکر رکھے اور منتظر رہے ان شاء اللہ ایک وہ دن ہوگا کہ

یوسف گم گشتہ باز آید بہ کنعاں غم مخور کلبہ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

(یوسف گم گشتہ کنعان میں واپس آتا ہے غم مت کرو کدہ کسی دن گلستاں بن جائے گا غم مت کرو)

الحمد للہ حدیث شریف کے تمام اجزاء کی بقدر ضرورت تفصیل ہوگئی ہے حق تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ فقط۔ ختم شد

ایواء الیتامی

یتیموں کی امداد کے متعلق یتیم خانہ انجمن موید الاسلام دہلی میں ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ ۲ گھنٹہ ۵۰ منٹ ارشاد فرمایا۔ جسے مولانا ظفر احمد صاحب نے قلمبند فرمایا سامعین کی تعداد ۱۵۰۰ تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ.

اَمَّابَعْدُ: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی. وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی. وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی۔ (الضحیٰ آیت ۶ تا ۸)

ترجمہ:۔ (کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر ٹھکانا دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے خبر پایا سو راستہ بتلایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادار پایا سو مالدار بنا دیا)

شانِ محبوبیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

یہ تین آیتیں ہیں سورۃ والضحیٰ کی جن میں حق تعالیٰ شانہ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرمایا ہے اور اپنے احسانات یاد دلائے ہیں جس سے ایک حزن کو رفع فرمانا مقصود ہے جو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر طاری تھا اور ان احسانات کی یاددہانی کو اس حزن کے رفع میں خاص دخل ہے چنانچہ عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ اس سے حق تعالیٰ کی جناب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محزون رہنا گوارا نہیں۔ جہاں ذرا آپ کو حزن ہوا فوراً تسلی کی گئی چنانچہ قرآن میں جا بجا ایسی آیات وارد ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حزن کو رفع فرمایا گیا ہے کہیں تو حزن سے منع فرمایا ہے جیسے وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْھِمْ وَلَاتَکُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ (اور ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ تدبیریں کیا کرتے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہو جائے اللہ تعالیٰ ایسے

لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو پرہیز گار ہوتے ہیں اور نیک کردار ہوتے ہیں) ایک جگہ ارشاد ہے وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا یعنی آپ کفار کے حال پر نہ رنج کیجئے نہ ان کی تدبیروں سے تنگ ہو جائیے۔ حق تعالیٰ متقیوں اور نیکوکاروں کے ساتھ ہیں اور جو لوگ جلدی جلدی کفر میں پڑتے ہیں وہ آپ کے لئے باعث غم نہ ہوں یہ لوگ آپ کو کچھ ضرر نہیں دے سکتے۔ کہیں اسباب رفع حزن پیدا کر دیئے کہ آپ کو اگر کچھ حزن ہوا بھی تو فوراً اس کے رفع کے اسباب پیدا فرما دیئے گئے سبحان اللہ کیسی محبت ہے حق تعالیٰ کو آپ سے اور آپ کی تو بڑی شان ہے آپ کی وہ برکت ہے یا بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ حق تعالیٰ کو گوارا نہیں بلکہ حق تعالیٰ نے تکویناً و تشریعاً امت سے بھی رفع حزن و کلفت فرمایا ہے۔

ازالہ حزن کی قدر

اور چونکہ ازالہ حزن کی قدر بدون حزن کے نہیں ہوتی اس لئے بھی اور دوسری حکمتوں کے لئے حزن تو ہوتا ہے مگر جلدی ہی ازالہ کر دیا جاتا ہے۔ بلاتشبیہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے آپ بچوں کو بازار سے کوئی چیز لا کر دیتے ہیں تو فوراً نہیں دیتے بلکہ اول اس کو دکھلا کر للچاتے ہیں وہ لینے کو دوڑتا ہے آکر لپٹ جاتا ہے تو آپ ہاتھ اونچا کر لیتے ہیں وہ اچکنا کودتا ہے تو آپ ہاتھ کو اور اونچا کر لیتے ہیں پھر وہ مچلتا ہے، ناز کرتا ہے ضد کرتا ہے پھر بسورنے لگتا ہے پھر رونے لگتا ہے تب آپ سے نہیں رہا جاتا اور اس کو وہ چیز دیدیتے ہیں اسی طرح حق تعالیٰ بھی بعض حکمتوں کی وجہ سے آپ کو تھوڑا سا محزون کرتے ہیں پھر جلدی ہی حزن کو رفع کر دیتے ہیں اور یہ تشبیہ من کل الوجوہ نہیں محض صورت تشبیہ ہے کیونکہ حق تعالیٰ تاثر سے پاک ہیں (اس مثال سے صرف یہ بتلانا ہے کہ بعض دفعہ آپ بھی اپنے کسی محبوب کو تھوڑا سا حزن کسی حکمت یا غرض سے دیا کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ رنج دینا محبت کے منافی نہیں پس یوں ہی سمجھ لو کہ حق تعالیٰ بھی کسی حکمت سے امت کو تھوڑا سا رنج پہنچا دیتے ہیں یہ بھی محبت کے خلاف نہیں بلکہ اس میں ہماری مصالح مضمر ہوتی ہیں)

حدیث النفس اور غیر اختیاری وساوس پر مواخذہ نہیں

حق تعالیٰ نے امت سے رفع کلفت اس طرح فرمایا ہے کہ اول تو ان پر ایسے احکام مشروع نہیں فرمائے جو طاقت سے زیادہ ہوں۔ پھر ان میں بھی خطا و نسیان کو معاف فرما دیا حدیث النفس اور غیر اختیاری وساوس سے مواخذہ کو رفع فرما دیا چنانچہ حق تعالیٰ نے ہم کو یہ دعا خود تعلیم

فرمائی ہے رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَ لَاتُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ (اے ہمارے رب ہم پر دارو گیر نہ فرمائیے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں اور اے ہمارے رب ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے۔ اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالئے جس کی ہم کو سہار نہ ہو)

حق تعالیٰ کا یہ دعا خود تعلیم فرمانا اس کی دلیل ہے کہ وہ ہمارے ساتھ یہی برتاؤ کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ جب حاکم عرضی کا مضمون خود بتلا دے تو پھر اس کے منظور ہونے میں کچھ شک وشبہ نہیں رہتا مگر حدیث میں اس کی تصریح بھی وارد ہے کہ یہ سب دعائیں قبول ہو چکیں پھر ان میں یہ جملہ وَ لَاتُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ (اور نہ ڈالئے ہم پر ایسا بار جس کی ہم کو سہار نہ ہو) تشریعاً بھی ہے اور تکویناً بھی یعنی جس طرح ہمارے اوپر طاقت سے زیادہ احکام مشروع نہیں ہوئے اسی طرح حق تعالیٰ اس امت پر مجموعی طور پر ایسی مصیبت تکویناً بھی نازل نہیں فرماتے جو اس کی طاقت سے باہر ہو گو بعض غم اور تکالیف شدید معلوم ہوتے ہیں مگر طاقت سے زیادہ نہیں ہوتے کیونکہ شدت وضعف امر اضافی ہے جس غم یا تکلیف کو ہم شدید سمجھتے ہیں وہ اس سے خفیف کے مقابلہ میں شدید ہوتا ہے مگر فی نفسہ وہ ایسا شدید نہیں ہوتا جس کا ہم تحمل نہ کر سکیں حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے حق تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی کہ ان پر قحط عام یا طوفان عام نازل نہ ہو اور نہ ایسا کوئی دشمن مسلط ہو جو ان کا استیصال کر دے اور یہ دعا قبول ہوئی تو یہ خدا تعالیٰ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ اس امت پر تکویناً بھی ایسے مصائب نہیں آئے جو ان کی طاقت سے زیادہ ہوں پھر حزن وغم کے ساتھ ایسے امور بھی تکویناً پیدا کئے گئے ہیں جن سے تسلی ہوتی رہتی ہے مثلاً بیماری میں دوا بھی ہے تیماردار بھی ہیں طبیب بھی ہے۔

درد از یار است و درماں نیز ہم دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

(درد محبوب کی طرف سے ہے اور درد کا معالج بھی وہی ہے اس پر دل بھی قربان ہے اور جان بھی)

رفع حزن کی تدبیر

پھر ہر مصیبت کے وقت ہم کو اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں) پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے اس سے حق تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اجر وثواب

ملتا ہے بلکہ حدیث میں ہے کہ اگر کسی گزشتہ مصیبت کو یاد کر کے انا للہ کہہ لے تو اس وقت بھی وہی ثواب ملتا ہے جو وقت مصیبت کے کہنے سے ملتا ہے۔ سبحان اللہ کتنی بڑی دولت ہے اور مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْن کی تعلیم جس طرح ثواب حاصل کرنے کے لئے کی گئی ہے اسی طرح رفع حزن کے لئے بھی کی گئی ہے۔ واقعی اس کے مضمون کے اختصار کو رفع حزن میں بڑا دخل ہے مگر افسوس یہ ہے کہ ہم لوگوں نے محض الفاظ یاد کر لئے ہیں اس کے معنے پر غور نہیں کرتے اس لئے حزن رفع نہیں ہوتا مگر یہ ہمارا قصور ہے کہ ہم نسخہ کو غلط طریقہ سے استعمال کرتے ہیں۔ صحیح طریقہ سے استعمال نہیں کرتے حق تعالیٰ نے تو نسخہ بتلا دیا مگر جب اس کو صحیح طریق سے استعمال نہ کیا تو اثر نہ ہونے میں طبیب کا کیا قصور؟ نسخہ کی کیا خطا؟ بھلا اگر کسی کو زکام ہو رہا ہو اور طبیب نے اس کو جو شاندہ کا نسخہ لکھ کر دیا ہو مگر وہ بجائے جوش دینے کے اس کو سفوف بنا کر پھانک لے یا مشموم بنا کر سونگھ لے تو زکام کیسے رفع ہوگا یہی گت ہم نے اس نسخہ کی بنائی ہے تو پھر نفع کیسے ہو اور ہمارا یہ برتاؤ کچھ اسی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہم نے تمام اعمال میں یہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ ہم وضو کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، حج کرتے ہیں اور ان سب سے بنص صریح گناہ معاف ہوتے ہیں دل میں نور پیدا ہوتا ہے مگر کیا وجہ کہ ہمارے قلب میں نور پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ حالت ہے ظُلُمٰتٌ م بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ (اوپر تلے بہت سے اندھیرے ہیں) کہ باوجود ان سب کاموں کے بھی دل میں ظلمتیں بھری ہوئی ہیں سو اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم ان اعمال کو طریقہ سے ادا نہیں کرتے اگر طریقہ سے ادا کرتے تو قلب کی یہ حالت ہوتی نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ. يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (نور علی نور ہے اللہ تعالیٰ اپنے نور تک جس کو چاہتا ہے راہ دیتا ہے)۔

نورانیت قلب کے ضائع کرنے کی مثال

اور اگر کبھی دل میں نور پیدا بھی ہوتا ہے تو ہم اس نور کو فضول اور لایعنی باتوں میں مشغول ہو کر ضائع کر دیتے ہیں اور مولانا رومی نے مثنوی میں ایک مقام پر اس کی عجیب مثال دی ہے فرماتے ہیں کہ ہمارے قلب میں جو اعمال سے نور پیدا ہوتا ہے اس کی ایسی حالت ہے جیسے ایک چور کسی کے گھر میں چوری کرنے گیا تھا گھر والے کو جو آہٹ چور کی معلوم ہوئی تو اس نے چراغ جلانا چاہا پہلے زمانہ میں دیا سلائی تو تھی نہیں چقماق سے آگ جھاڑ کر چراغ جلایا کرتے تھے گھر والے نے چقماق پر لوہا مارا اس سے ایک شعلہ جھڑا جس کو اس نے کسی کپڑے یا لکڑی پر لینا چاہا چور نے جو یہ

دیکھا تو وہ چپکے سے اس کے پاس جا بیٹھا جہاں کوئی شعلہ کپڑے پر گرتا وہ اپنا انگوٹھا اس جگہ رکھ دیتا اس لئے آگ روشن نہ ہو سکی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ تمہارے اعمال سے نور تو پیدا ہوتا ہے مگر وہ دزد پنہاں شیطان تمہارے پاس بیٹھا ہوا ہے جہاں کچھ نور پیدا ہوا وہ فوراً اس پر اپنا انگوٹھا رکھ دیتا ہے اس لئے وہ بڑھنے نہیں پاتا تو پہلے اس چور کو دل میں سے نکالو پھر نور اعمال باقی رہے گا ورنہ جب تک یہ چور دل میں گھسا بیٹھا ہے اس وقت تک نور اعمال کا اثر ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اب لوگ قرآن پر تو اعتراض کرتے ہیں کہ نماز کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے) مگر ہم نماز پڑھتے ہیں اور یہ بات پیدا نہیں ہوتی لیکن وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نماز کس شان کی پڑھتے ہیں۔

اصطلاحی نماز کی قبولیت کی مثال

اے صاحب آپ کی نماز کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی کہے کہ مجھے آدمی کی ضرورت ہے اور آپ اس کے سامنے ایک اپاہج مضغہ گوشت کو لا کر پیش کر دیں اور جب وہ کہے کہ میں اس اپاہج کو لے کر کیا کروں یہ بھی کوئی آدمی ہے تو آپ اس کے جواب میں کہیں کہ صاحب تو نے آدمی کو کہا تھا میں نے آدمی لا دیا دیکھ لو یہ حیوان ناطق ہے یا نہیں تو بے شک وہ معقولی آدمی تو ہے مگر معقول آدمی نہیں وہ اس قابل نہیں ہے جس سے آدمیوں کے کام لئے جائیں بس یہی حال ہماری نماز کا ہے کہ نام کو تو وہ نماز ہے مگر اس کی شان یہ ہے کہ نہ اس کے ہاتھ ہے نہ پیر نہ سر ہے نہ آنکھیں اگر ہاتھ ہیں تو سر کٹا ہوا ہے سر ہے تو آنکھیں اندھی ہیں اہل حقیقت تو ایسی نماز کو کالعدم سمجھتے ہیں جیسے اپاہج مضغہ گوشت کو کالعدم سمجھا گیا تھا مگر فقہاء نے یہ دیکھ کر کہ نہ ہونے سے ہونا بہتر ہے اگر نہ ہونے کا حکم لگایا جاوے گا لوگ اسے بھی چھوڑ بیٹھیں گے اس پر صحت کا حکم لگا دیا ہے مگر یہ حکم صحت ویسا ہی ہے جیسے آپ نے اس اپاہج کو حیوان ناطق ہونے کی وجہ سے آدمی کہا تھا بس ایسے ہی آپ کی نماز اصطلاحی نماز تو ہے مگر حقیقی نماز نہیں ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں آپ اس کو بے کار سمجھ کر چھوڑ دیں نہیں صاحب بے کار یہ بھی نہیں نہ ہونے سے اس کا ہونا پھر بہتر ہے کیونکہ بعض دفعہ اگر نظر عنایت ہو جائے تو حق تعالیٰ کے یہاں صورت بھی قبول ہو جاتی ہے۔ مولانا نے ایسی نماز کے قبول ہونے کی عجیب مثال دی ہے فرماتے ہیں۔

ایں قبول ذکر تو از رحمت است ۔ چوں نماز مستحاضہ رخصت است

(تیرے ذکر کی قبولیت رحمت سے ہے جس طرح مستحاضہ کی نماز رخصت کی وجہ سے قبول ہے)

یعنی جس طرح عورت مستحاضہ کی نماز شرعاً صحیح مانی گئی ہے حالانکہ نماز کے اندر بھی اس کا خون جاری ہے اور حقیقت کے اعتبار سے وہ ناپاک ہے مگر محض رحمت کی بنا پر اس کو قبول کر لیا جاتا ہے۔ یہی حالت ہماری تمام نمازوں کی ہے کہ گو حقیقت کے لحاظ سے وہ کالعدم ہیں مگر حق تعالیٰ کی نظر عنایت سے کبھی یہ بھی قبول ہو جاتی ہے۔ نیز بعض دفعہ شدہ شدہ یہ نماز حقیقی نماز کی طرف وسیلہ ہو جاتی ہے۔ جیسے بعض طلبہ بدشوق ہوتے ہیں نہ مطالعہ کر کے پڑھتے ہیں نہ پڑھ کر دیکھتے ہیں تو ان کا اس وقت پڑھنا نہ پڑھنے کے مثل ہے مگر شفیق استاد اس کو مکتب سے نہیں نکالتا اور یہ کہتا ہے کہ گو یہ اس وقت شوقین طالب علم کے برابر نہیں مگر شدہ شدہ شوق کی امید ہے چنانچہ اکثر ایسا ہو بھی جاتا ہے کہ جن طالب علموں کو ابتداء میں شوق نہ تھا جب وہ عرصہ تک کام میں لگے رہے تو ایک وقت میں خود بخود ان کو شوق پیدا ہو گیا ان ہی اسباب پر نظر کر کے حضرات فقہاء نے ایسی نمازوں پر صحت کا حکم لگا دیا۔

فقہاء کا وجود امت کے لئے رحمت ہے

اور واقعی فقہاء کا وجود بھی امت کے لئے رحمت ہے۔ پس آپ اپنی ناقص نماز کو بے کار تو نہ سمجھیں مگر کامل بھی نہ سمجھیں۔ اب اس اعتراض کا جواب ہو گیا کہ نماز کی تاثیر تو حق تعالیٰ نے یہ بتلائی ہے کہ تَنۡهٰى عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِ (وہ بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے) اور ہم اپنے اندر یہ اثر نہیں پاتے تو یہ بات ہے کہ یہ شان کامل نماز کی ہے اور آپ کی نماز کامل نہیں ہے اس لئے اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا ہم نماز کو بری طرح ادا کرتے ہیں جیسے کوئی جوشاندہ کو سفوف بنا کر پھانک لے تو بتلائیے نفع کیونکر ہو (دوسرے یہ کہ جیسی ہماری نماز ہے ویسی ہی اس کی نہی عن الفحشاء (بے حیائی سے روکنا) بھی ہے۔ اگر کامل نماز ہوتی تو وہ ہم کو تمام فحشاء سے روک دیتی اب ناقص ہے تو کسی قدر فحشاء سے روک دیتی ہے اور اس کا انکار نہیں ہو سکتا تجربہ ہے کہ نمازی آدمی عموماً بے نمازیوں سے کم گناہ کرتے ہیں اور ادنیٰ نفع تو یہی ہے کہ نمازی آدمی کے پاس کوئی کافر بہکانے کے واسطے نہیں آتا کفار جس کو نمازی دیکھتے ہیں اس کو دین کا پابند اور پختہ سمجھ کر کچھ نہیں کہتے اس سے وہ ناامید ہو جاتے ہیں کہ یہ ہمارے بہکانے میں نہیں آ سکتا۔)

تمام غموم اور احزان کا علاج

ایسے ہی اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) تمام غموم و احزان کا علاج ہے اگر اس کو شرائط سے استعمال کیا جائے۔ اب اس

کے شرائط سنئے مگر تمام شرائط کو تو کون ادا کرے گا اور میں ہی کیا ادا کروں گا مگر سب سے ادنی شرط تو یہ ہے کہ اس کو تفکر و فہم معنی سے ادا کیا جائے محض طوطے کی طرح بے سمجھے بوجھے نہ کہا جاوے۔ اب سنئے اس کے معنی کیا ہیں اس میں پہلا جملہ تو یہ ہے انا للہ اس کے معنے یہ ہیں کہ بے شک ہم سب خدا ہی کی ملک ہیں وہ ہمارے اور تمام چیزوں کے مالک ہیں ہم کسی چیز کے مالک نہیں حتی کہ اپنی جان کے بھی مالک نہیں یہ جان بھی خدا ہی کی ملک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی جان میں بھی ہم کو ہر طرح کا تصرف جائز نہیں خودکشی حرام ہے۔ مضر چیزیں کھانا جائز نہیں ہے۔ اپنے آپ کو ذلیل کرنا رسوا کرنا ممنوع ہے آخر کیوں اس لئے کہ تم اپنی جان کے مالک نہیں ہو بلکہ وہ خدا تعالیٰ کی امانت ہے۔ بدون اس کے اذن کے تم کوئی تصرف اس میں نہیں کر سکتے اگر کرو گے مواخذہ ہوگا۔ جب تم اپنی جان کے بھی مالک نہیں تو مال و اولاد اعزہ و اقرباء کے کیونکر مالک ہو سکتے ہو مال جائیداد گھر بار جو کچھ ہے برائے نام تمہاری ملک ہے اور یہ برائے نام ملک بھی اس لئے مقرر کی گئی ہے تا کہ نظام عالم میں اختلال نہ ہو ورنہ کسی کے پاس کوئی چیز بھی نہ رہا کرتی اگر شریعت بندوں کو مالک نہ کہتی تو خدا کی چیز سمجھ کر ہر شخص اس کو چھیننا چاہتا۔ اس لئے برائے نام تم کو مالک بنا دیا گیا ہے۔ مگر حقیقت میں ہر چیز خدا کی ملک ہے۔

در حقیقت مالک ہر شئے خداست ای امانت چند روزہ نزد ماست

(حقیقت میں مالک ہر شئے کا خدا تعالیٰ ہے۔ یہ امانت چند دن ہمارے پاس ہے)

ہر حزن وغم کا منشاء

ایک مقدمہ تو یہ ہوا اس کے ساتھ دوسرا مقدمہ یہ ملاؤ کہ مالک کو اپنی مملوکات میں ہر طرح کا اختیار ہوتا ہے وہ جیسا چاہے تصرف کرے دوسرے کو کچھ اختیار نہیں ہوتا اس مضمون کے استحضار کے بعد کسی مصیبت اور کلفت سے بھی پریشانی نہیں ہو سکتی کیونکہ سارے غم کی جڑ یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو مالک سمجھتے ہیں کہ یہ مال ہمارا ہے جائیداد بھی ہماری ہے' بیوی بھی ہماری ہے اور اولاد بھی ہماری ہے پھر اس میں طرح طرح کی تجویزیں کرتے ہیں کہ یہ مال بڑھنا چاہئے' ہمارے ہی پاس رہنا چاہئے ضائع نہ ہونا چاہئے' باغ میں ہمیشہ پھل آنے چاہئیں۔ اولاد کے متعلق تجویزیں کرتے ہیں کہ یہ پھلیں پھولیں بڑے ہوں کمائیں کھائیں' ہماری خدمت کریں اسی طرح تمام چیزوں کے متعلق ہم اپنی ایک تجویز ذہن میں قائم کر لیتے ہیں کہ یوں ہونا چاہئے اس کے خلاف نہ ہونا چاہئے

پھر جب اس کے خلاف ہوتا ہے تو رنج وغم ہوتا ہے کہ ہائے میں نے تو یہ امید کر رکھی تھی مجھے تو یہ توقع تھی یہ کیا ہو گیا پس انا للہ میں ان تجاویز کی جڑ کاٹی گئی ہے۔ کہ تم کو کسی چیز کے متعلق کوئی تجویز قائم کرنے کا حق نہیں کیونکہ تم اور یہ سب چیزیں خدا کی ملک ہیں۔ تجویز کا حق مالک کو ہوتا ہے۔ غلام کو کیا حق ہے کہ وہ مالک کی چیزوں میں تجویزیں لگاتا پھرے۔ بھلا انصاف کرو کہ اگر تم کسی کے پاس ہزار روپے امانت رکھو اور وہ شخص ان میں یہ تجویز کرے کہ یہ ہزار روپے ہمیشہ میرے ہی پاس رہیں یا ہزار کے دو ہزار ہونے چاہئیں تو بھلا وہ پاگل ہی نہیں تو حق تعالیٰ نے بتلا دیا کہ تم اپنے کو کسی کو چیز کا مالک کیوں سمجھتے ہو جو یہ تجویزیں اپنے ذہن میں پاس کرتے ہو کہ یوں ہو یوں نہ ہو تم کو اس کا کیا حق ہے کہ میری مملوک چیزوں میں رائے قائم کرو جب اس جملہ میں تجویز و توقع و امل کی جڑ کاٹ دی گئی تو اس کے استحضار سے تمام غموم و احزان کی جڑ کٹ جائے گی کیونکہ ہر حزن وغم کا منشا بھی توقع و امل ہے جو ہم پہلے سے کسی چیز کے متعلق قائم کر لیتے ہیں جس کے خلاف ہونے سے رنج ہوتا ہے۔ اگر آپ کسی چیز کے متعلق کوئی بھی امید نہ قائم کریں تو پھر جو کچھ بھی ہوگا آپ اس کے لئے پہلے سے آمادہ ہوں گے۔ دیکھئے آپ کسی سے ملنے جائیں اور امید یہ ہو کہ وہ میری تعظیم کرے گا اور اس نے تعظیم نہ کی تو خلاف توقع سے رنج ہوگا۔ اور اگر آپ کو وہاں جاتے ہوئے تعظیم کی توقع نہ ہو بلکہ اس سے ایذا کا اندیشہ ہو تو اس کی ذرا سی خاطر سے بھی خوشی ہوگی اور ایذا دے گا تو رنج نہ ہوگا کیونکہ آپ پہلے سے اس کے لئے آمادہ تھے تو رنج کی جڑ یہی توقع و امل اور تجویز ہے اور جب حق تعالیٰ مالک ہیں اور ہم غلام ہیں اور جو کچھ ہمارے پاس ہے سب حق تعالیٰ کا ہے تو ہم کو کسی چیز کی بابت اپنی کوئی تجویز اور توقع قائم نہ کرنی چاہئے بلکہ ہر وقت سمجھتے رہیں کہ یہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کی امانت ہمارے پاس ہیں نہ معلوم ان کی بابت خدا تعالیٰ کی مشیت اور کیا تجویز ہے۔

غلام کی شان

وہ جو چاہیں کریں' غلام کی تو وہ شان ہونی چاہئے جیسے کسی شخص نے ایک غلام خریدا تھا اس سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے۔ کہا اب تک تو جو کچھ بھی نام تھا' مگر آج سے وہی نام ہے جس سے آپ پکاریں پوچھا تم کیا کھایا کرتے ہو' کہا اب تک تو جو کچھ بھی کھاتا تھا مگر آج سے وہ کھاؤں گا جو آپ کھلائیں گے وہ پہنوں کا جو آپ پہنائیں گے۔ واقعی سچ کہا غلام کو کیا حق ہے تجویز کا بس اس کی تو یہ شان ہونی چاہئے۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

(زندہ کریں آپ کی عطا ہے قتل کریں آپ پر فدا ہیں، دل آپ پر فریفتہ ہو گیا جو کرو اس پر خوش ہیں) محض مالکیت ہی کا مقتضا یہ ہے کہ مالک کا کوئی تصرف اس کی مملوک میں ناگوار نہیں ہوا کرتا۔

حق سبحانہ وتعالیٰ حاکم بھی ہیں اور حکیم بھی

پھر یہاں تو مالکیت کے ساتھ ایک اور بات بھی ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ حکیم بھی ہیں جن کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں اور حکیم کے ہاتھ سے اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ناگوار نہیں ہوا کرتی کیونکہ یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ اس میں کچھ حکمت اور مصلحت ہوگی۔ چنانچہ بعض دفعہ ڈاکٹر آپریشن کر کے جسم میں سے ایک پٹھا نکال دیتا ہے کیونکہ وہ الو کا پٹھا تھا اور اس سے کچھ ناگواری نہیں ہوتی گو تکلیف ہوتی ہے مگر اس کی حکمت پر اعتماد ہوتا ہے اس لئے سب کچھ گوارا کر لیا جاتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

طفل می لرزد زنیش احتجام مادر مشفق ازاں غم شاد کام

(بچہ نشتر لگانے سے لرزتا اور کانپتا ہے لیکن مادر مشفق اس تکلیف سے خوش ہوتی ہے کہ اب بچہ کو صحت ہو جائے گی)

افسوس کیا ہم کو خدا تعالیٰ پر اتنا بھی اعتماد نہیں جتنا ایک ڈاکٹر پر ہوتا ہے اگر ہے اور یقیناً اس سے زیادہ ہونا چاہئے جیسا کہ اعتقاد حکمت کا مقتضا ہے تو پھر ادھر سے اگر کوئی ناگوار معاملہ پیش آتا ہے تو اس سے رنج و غم کیوں ہوتا ہے۔ تیسرے وہ محض حکیم ہی نہیں بلکہ رحیم بھی ہیں بے رحم نہیں ہیں وہ جو کچھ کرتے ہیں تمہارے واسطے بہتر ہی کرتے ہیں اور شفقت و مہربانی کے ساتھ کرتے ہیں۔ پھر وہ محبوب بھی ہیں اور محبوب اگر محبّ کے مال کا مالک بھی نہ ہو تب بھی محبوبیت کی وجہ سے اس کا کوئی تصرف عاشق کو ناگوار نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی جان و مال سب کو محبوب کی ملک سمجھا کرتا ہے۔ محبوب کو محبّ سے امتحان لینے کا بھی حق ہوتا ہے، پھر اگر حق تعالیٰ ہمارا امتحان لیں تو اس سے ناگواری کیوں ہوتی ہے۔ آپ خدا تعالیٰ کے عاشق ہیں اور وہ محبوب ہیں محبوب کے ساتھ تو یہ معاملہ ہونا چاہئے۔

درد از یار است و درماں نیز ہم دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

(بیماری بھی دوست کی طرف ہے اور اس کا علاج بھی اس پر دل قربان ہے اور جان بھی) محبوب کی ایذا بھی لذیذ ہوتی ہے اس سے گھبرایا نہیں کرتے)

ولایتی عشق

مگر بعضے ایسے عاشق بھی ہوتے ہیں جیسے ہمارے ایک دوست تھے وہ ہر خط میں ایذا رساں

باتیں لکھا کرتے تھے میں نے ان کو دھمکایا تو آپ نے معذرت کا خط لکھا جس میں یہ بھی تھا

من عاشق معشوق مزاجم چہ کنم

(میں عاشق معشوق مزاج ہوں کیا کروں)

وہ عاشق ہونے کے ساتھ معشوق بھی بننا چاہتے تھے، میں نے جواب میں لکھا۔

من قاتل معشوق مزاجم چہ کنم

(میں قاتل معشوق مزاج ہوں کیا کروں)

اس کے بعد ان کا دماغ درست ہو گیا ان کا عشق ولایتی عشق تھا۔

ہمارے استاد مولانا فتح محمد صاحب کی خدمت میں ایک ولایتی طالب علم پڑھتے تھے ایک دفعہ مولانا نے فرمایا کہ میں اگر کافر ہوں تو پھر مجھ سے پڑھتے کیوں ہو کہا کافر سے فن سیکھنا جائز ہے۔ پھر کچھ دیر کے بعد غصہ ٹھنڈا ہوا تو مولانا سے معافی چاہنے آیا کہنے لگا مولانا ہماری باتوں کا برا نہ ماننا ہم تمہارا عاشق ہے تم معشوق ہو معشوق کو عاشق کہہ ہی لیتا ہے اللہ بچائے ایسے عشق سے تو بعضے ایسے عاشق بھی ہوتے ہیں مگر ان کا جواب وہی ہے جو میں نے ان دوست کو دیا تھا۔ من قاتل معشوق مزاجم چہ کنم۔ ایسے عاشقوں کی مرمت کی جایا کرتی ہے بھلا عشق کا دعوے اور محبوب کی شان میں گستاخی کہیں یہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں عاشق کی تو یہ شان ہوتی ہے۔

باوجودت زمن آواز نیاید کہ منم

(تیرے وجود کے سامنے مجھے آواز آئے کہ میں ہوں)

محبوب کے سامنے اپنی ہستی بھی ہیچ معلوم ہوا کرتی ہے یہ کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کہ میں موجود ہوں اپنے وجود سے نظر اٹھ جاتی ہے محبوب کی طرف سے جو برتاؤ بھی ہو اس پر دل سے راضی ہوا کرتا ہے بلکہ اگر وہ یہ کہے کہ تجھ کو میری ایذا نا گوار ہو تو لا تیرے رقیب کے ساتھ یہی معاملہ چھیڑ چھاڑ کرنے لگوں تو وہ یہ کہتا ہے

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو۔ دوستوں کا سر سلامت رہے کہ تو اس پر خنجر آزمائی کرے)

پھر حیرت ہے کہ ہم لوگ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر کے پھر اپنے وجود کو اپنا وجود سمجھتے ہیں، مال کو

اپنا مال سمجھتے ہیں اور حق تعالیٰ ہماری جان و مال میں کوئی تصرف کریں تو اس سے ناگواری ظاہر کرتے ہیں۔ حضرت لا الہ الا اللہ کہنا آسان نہیں توحید کا دعویٰ عشق کا دعوے ہے چنانچہ ارشاد ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ اللہ کی محبت میں سخت ہیں) اور شدت محبت بھی عشق ہے اور جب عشق کا دعویٰ کیا تو اس سے اس کا اقرار کرلیا کہ ہمارا کچھ نہیں ہے۔ غرض ایمان لاتے ہی آپ نے سب کچھ حق تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (اللہ تعالیٰ مومنین سے ان کی جان اور ان کے مال کو جنت کے بدلے میں خرید لیتے ہیں)

حق تعالیٰ نے جنت کے بدلے آپ کا جان و مال سب خرید لیا ہے اور اشتراء کا لفظ بھی آپ کا جی خوش کرنے کو ہے۔ کیونکہ آپ ان چیزوں کو اپنا سمجھتے تھے اس لئے فرما دیا کہ ہاں بھائی یہ چیزیں تمہاری ہی ہیں مگر ہم جنت کے عوض میں ان کو تم سے خریدتے ہیں ورنہ حقیقت میں تو سب کچھ ان ہی کا ہے اب معلوم ہوا ہوگا کہ مسلمان کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کا نہیں ہے بلکہ اسلام لاتے ہی وہ سب کچھ خدا کو دے چکا ہے پھر وہ اگر اس میں کچھ تصرف فرمائیں تو ہم کو ناگوار کیوں ہوتا ہے ان کی چیز بھی انہوں نے جو چاہا تصرف کیا اگر تم موحد ہو تو اس پر راضی رہو توحید کے معنے فقط یہ نہیں ہیں کہ زبان سے خدا کو واحد کہہ دیا بلکہ توحید یہ ہے

دلآرامے کہ داری دل درد بند دگر چشم ازہمہ عالم فروبند

(جس دلارام و محبوب سے) دل باندھ لیا ہے پھر تمام جہاں سے آنکھ بند کرلے)

لا الہ الا اللہ کی شرح

اگر آپ کہیں کہ ہم تو اسلام کو قبول کرتے ہیں عشق کو ہم نے کہاں قبول کیا تو میں کہوں گا کہ لا الہ الا اللہ کہنا عشق کو مستلزم ہے جیسے نکاح کرنا تمام حوائج ضروریہ کی ذمہ داری کو مستلزم ہے اگر کوئی شخص نکاح کرے اور جب بیوی اس سے کپڑا کھانا مانگے تو وہ انکار کرے اور یہ کہے کہ میں نے تو نکاح کو قبول کیا تھا ان جھگڑوں کو قبول نہ کیا تھا بتلائے آپ اس وقت کیا کہیں گے ہر شخص اس کو یہی کہے گا کہ تمہارے نکاح کے وقت قبلت (میں نے قبول کیا) کہنا ان سب باتوں کو قبول کرنا تھا وہ قبلت متن تھا جس کی شرح یہ ہے کہ میں نے اس کے لئے کپڑا دینا بھی قبول کیا کھانا دینا بھی قبول کیا مکان دینا بھی قبول کیا اگر لڑکی امیر زادی ہے تو اس کے لئے خادم رکھنا بھی قبول کیا اور مہر تو اسی وقت

قبول کیا جاتا ہے گو دیتا کوئی نہیں الا ماشاء اللہ اسی طرح لا الہ الا اللہ متن ہے جس کی شرح یہ ہے کہ میں نے اپنی جان و مال سب کچھ خدا تعالیٰ کے حوالہ کر دی اب میرا کچھ نہیں سب انہی کا ہے میں کوئی کام ان کی مرضی کے خلاف نہ کروں گا میں ان کا محب ہوں وہ محبوب ہیں یہی معنی ہیں اس ارشاد کے والذین امنوا اشد حبا للہ (جو لوگ ایمان لے آئے وہ اللہ کی محبت میں شدید تر ہیں) پس لا الہ الا اللہ کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا نہ کوئی معبود ہے نہ کوئی مطلوب و مقصود۔ ہے نہ کوئی موجود ہے یعنی حقیقی موجود کوئی نہیں خدا تعالیٰ کی ہستی کے سامنے کسی کی ہستی قابل اعتبار نہیں کسی کا وجود مستقل نہیں وجود مستقل حق تعالیٰ ہی کا ہے اسی کو شیخ ابن عربی یعنی شیخ اکبر فرماتے ہیں۔

لا ادم فی الکون ولا ابلیس　لا ملک سلیمان ولا بلقیس

(وجود میں نہ آدم ہیں نہ شیطان نہ ملک سلیمان اور بلقیس ہے)

اس میں تو مطلقاً وجود کا انکار مفہوم ہوتا ہے مگر اس کے باوجود حقیقت کو ظاہر کر دیا۔

فالکل عبارۃ وانت المعنی　یا من ھو للقلوب مقناطیس

(پس تمام عبارت ہیں اور تو معنی اے وہ ذات جو دلوں کے لئے مقناطیس ہے)

یعنی تمام مخلوقات کا وجود تابع ہے اصلی وجود آپ ہی کا ہے اس میں تصریح کر دی کہ ممکنات کے لئے بھی فی الجملہ وجود ہے مگر حقیقی اصلی نہیں بلکہ تابع ہے وحدۃ الوجود کی یہی حقیقت ہے اور یہ بالکل شریعت کے مطابق ہے اور اگر کسی نے مطلقاً وجود ممکنات کا انکار کیا ہے اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ ماسوائے حق کے لئے وجود مستقل نہیں یہ مطلب نہیں کہ بالکل وجود نہیں مگر چونکہ ممکنات کا وجود حق تعالیٰ کے وجود کے سامنے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتا اس بنا پر اس کی بالکل نفی کر دی جاتی ہے جیسے پورے قرآن کے حافظ کے سامنے قل ھو اللہ کے حافظ کو کوئی بھی حافظ نہیں کہتا حالانکہ ایک سورۃ کا تو وہ بھی حافظ ہے مگر اس کو ناظرہ خواں ہی کہا جاتا ہے کیونکہ حافظ قرآن کے سامنے اس کا حفظ لاشئے محض ہے وہ حافظ کہلانے کا مستحق نہیں اسی طرح چونکہ حق تعالیٰ کا وجود مستقل و دائم و اقوی ہے اور ممکنات کا وجود غیر مستقل سراپا احتیاج و ضعیف ہے اس لئے وہ وجود حق کے سامنے وجود کہلانے کا بھی مستحق نہیں اس وجہ سے بعض نے مطلقاً وجود ممکنات کا انکار کر دیا مگر مراد ان کی وہی ہے جو شیخ اکبر کے کلام میں مذکور ہے (جس کو شیخ سعدی نے خوب بیان فرمایا ہے)

ہمہ ہر چہ ہستند ازاں کمتر اند　کہ با ہستیش نام ہستی برند

(تمام ممکنات جو کچھ ہیں اس سے کمتر ہیں کہ اس کی ہستی کے سامنے اپنی ہستی کا نام لے سکیں)
ممکنات کو ہست بھی کہا پھر یہ بھی فرمایا کہ خدا کی ہستی کے سامنے یہ اس سے بھی کمتر ہیں کہ ہستی کا نام لے سکیں جامع) اب تو ہماری یہ حالت ہوگئی ہے۔

من چو کلکم درمیان اصبعین نیستم درصف طاعت بین بین

(میں قلم کی طرح دو انگلیوں کے درمیان ہوں صفت طاعت میں بین بین نہیں ہوں)

حدوث و بقا دونوں میں ہم حق تعالیٰ کے محتاج ہیں

جس طرح ہاتھ کی حرکت سے قلم چلتا ہے اسی طرح ہم بھی دست قدرت کی وجہ سے چل رہے ہیں اگر وہاں سے افاضہ وجود اور افاضہ قدرت نہ ہو تو ہم کچھ نہیں کر سکتے ہم اپنے حدوث و بقا دونوں میں حق تعالیٰ کے محتاج ہیں یہ مت سمجھو کہ حدوث کے بعد بقاء میں احتیاج نہیں رہی بلکہ ہر وقت تم اس کے محتاج ہو آپ مشینوں کو دیکھ کر دھوکہ میں آئے ہوں گے کہ گھڑی کو کوک بھرنے کی تو ضرورت ہوتی ہے اور جب ایک دفعہ کوک بھر دی گئی تو اس کے بعد اپنی میعاد تک وہ خود بخود چلتی رہتی ہے اب اس کو چلانے والے کی ضرورت نہیں رہی ہاں کوک ختم ہونے کے بعد پھر ضرورت ہوگی تو خوب سمجھ لو کہ یہاں یہ تشبیہ خلاف واقع ہے۔ حق تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ آپ کو ان سے ایک منٹ کے لئے بھی استغناء ہو سکے بہت لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ بس جب خدا تعالیٰ نے ہم کو قدرت وقوت عطا کر دی تو اب ایک خاص وقت تک ہم کو ضرورت نہیں رہی جیسے گھڑی کو کوک بھرنے کے بعد کوکنے والے کی ضرورت نہیں رہتی سو یہ غلط ہے بلکہ یہاں تشبیہ قریب وہ ہے جس کو مولانا فرماتے ہیں۔

انت کالریح ونحن کالغبار یختفی الریح و غبراہ جھار

(آپ مثل ہوا کے ہیں اور ہم مثل غبار کے ہوا تو نظر نہیں آتی ظاہر میں غبار اڑتا ہوا نظر آتا ہے) اور

ماہمہ شیراں ولے شیر علم حملہ شاں از باد باشد دمبدم

حملہ عاں پیدا وناپید است باد آنکہ ناپیداست ہر گز کم مباد

(ہماری مثال ایسی ہے جیسے پرچم کے شیر ہوتے ہیں کہ ان کا حملہ ہوا کے چلنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا حملہ تو نظر آتا ہے ہوا نہیں آتی آگے بطور دعاء کے فرماتے ہیں جو چیز نظر نہیں آتی یعنی موثریت حق وہ ہمارے دل سے کم ہو)

تفویض کلی

یہ حقیقت کسی قدر حقیقت سے قریب ہے گو من کل الوجوہ تشبیہ بھی ناقص ہے کیونکہ یہاں احتیاج صرف حرکت میں ہے وجود میں نہیں اور مشبہ میں حقیقت یہ ہے کہ ہمارا وجود ہی سراپا احتیاج ہے اور حقیقی وجود کے سامنے وہ کالعدم ہے یہی معنی ہیں وحدۃ الوجود کے اور یہ مضمون قرآن سے موید ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَام یعنی تمام مخلوقات اصل میں فانی ہے بقاء صرف ذات حق کے لئے ہے۔ اس کے ساتھ ایک مقدمہ عقلیہ اور ملا لو ماثبت قدمه امتنع عدمه کہ جس چیز کے لئے قدم ثابت ہو وہ معدوم نہیں ہوسکتی اور جس پر عدم طاری ہوگا وہ ممتنع القدم ہوگا اور وجود مستقل قدیم ہوسکتا ہے پس وجود مستقل تو رفت و گذشت ہوا اب جن لوگوں کو وجود حقیقی کی عظمت منکشف ہو چکی ہے وہ اس وقت بھی تمام موجودات کو فانی مشاہدہ کرتے ہیں اس کی تائید بھی قرآن سے ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْهَهٗ یعنی ذات حق کے سوا ہر چیز ہالک ہے۔ ہالک صیغہ اسم فاعل ہے جو حال و استقبال دونوں کے لئے آتا ہے تو اس کے دونوں معنے ہوسکتے ہیں ای یھلک فی المستقبل یا ھلک بالفعل یعنی ہلاک ہوجائے گا مستقبل میں یا بالفعل ہلاک ہے) پس تم نے اس کو بمعنے مستقبل سمجھتے ہو کہ انجام کار ہر چیز کا فنا ہے اور اہل مشاہدہ بمعنے حال سمجھتے ہیں کہ تمام موجودات اسی وقت ہالک و فانی ہیں اور نص قران اس کو محتمل ہے پس احتمال کے ہوتے ہوئے تم کو اہل مشاہدہ پر انکار کرنے کا کیا حق ہے اگر یہ کہا جائے کہ ہم کو تو ممکنات کا وجود حساً نظر آرہا ہے تو ان کو ہلاک بالفعل کہنا بداہت کے خلاف ہے میں کہوں گا کہ ہالک بالفعل سے مراد معدوم نہیں بلکہ کالمعدوم ہے یعنی ھالک فی مرتبۃ الذات (ذات کے مرتبہ میں فانی ہے) پس جن کو ان کے وجود کا اضمحلال نظر آرہا ہے وہ تو ہلاک بالفعل کہنے پر مجبور ہوگا پھر ان میں بعض اہل مشاہدہ کو تو اشیاء موجودہ کا وجود ہی نظر نہیں آتا جیسا دن میں ہم کو ستارے نظر نہیں آتے حالانکہ وہ دن میں بھی موجود ہوتے ہیں۔ مگر آفتاب کے سامنے معدوم معلوم ہوتے ہیں یہی حال ان اہل مشاہدہ کا ہے چونکہ وہ تجلیات وجود حقیقی کا مشاہدہ کر رہے ہیں اس لئے ان کو ممکنات کا وجود ہی نظر نہیں آتا اور وہ اشیاء کے انعدام کا حکم لگا دیتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں جس شخص کی نظر تجلیات وجود حقیقی تک بالکل بھی نہیں پہنچی وہ چونکہ ظلمات میں ہے وہ اس شخص کے مشابہ ہے جو رات کو ستارے دیکھتا ہے اور اہل مشاہدہ میں جو شخص کامل ہوگا وہ کسی وقت بھی نفس

وجود ممکنات کا انکار نہ کرے گا اس پر تجلی انوار بہت زیادہ ہوتی ہے وہ اس شخص کے مشابہ ہے جو اتنا تیز نگاہ ہو کہ دن میں بھی تارے دیکھ لیتا ہو بعض لوگ ایسے تیز نگاہ اب بھی ہوتے ہیں پس محقق باوجود تجلیات وجود حقیقی کے مشاہدہ کے وجود اشیاء کو بھی دیکھتا ہے پس محقق باوجود تجلیات وجود حقیقی کے مشاہدہ کے وجود اشیاء کو بھی دیکھتا ہے مگر بس ایسا ہی دیکھتا ہے جیسا دن میں ستارے نظر آیا کرتے ہیں کیسے دھندلے مٹے مٹے معلوم ہوتے ہیں خیر یہ فرق تو صاحب مقام اور صاحب حال میں ہے مگر مشترک طور پر ہر صاحب مشاہدہ بزبان حال یہی کہے گا۔

ماہمہ شیراں ولے شیر علم حملہ شاں ازبادبا شدد مبدم

حملہ شاں پیدا و ناپیداست باد ہرچہ ناپیداست ہر گز کم مباد

(ہماری مثال ایسی ہے جیسے پرچم کے شیر ہوتے ہیں کہ ان کا حملہ کرنا ہوا چلنے سے معلوم ہوتا ہے ان کا حملہ تو نظر آیا ہے ہوا نظر نہیں آتی۔ آگے بطور دعا کے فرماتے ہیں یعنی موثریت حق وہ ہمارے دل سے کبھی کم نہ ہو)

غرض جن کو یہ حقیقت منکشف ہوگئی ہے وہ بالکل بے فکر ہوگئے ہیں ان کا مذاق تفویض کلی ہوتا ہے وہ اپنے لئے کچھ تجویز نہیں کرتے ان کی تو یہ حالت ہوتی ہے

رشتہ در گردنم افگندہ دوست مے برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

(محبوب حقیقی نے یہ حرکات پیدا کردیئے ہیں جس طرف چاہتے ہیں محرک کردیتے ہیں)

وہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جو کچھ معاملہ ہمارے ساتھ ہورہا ہے سب حق تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لئے ان کو کسی بات سے بھی ناگواری نہیں ہوتی اور جس طرح وہ اپنی حرکات کو اس طرف سے مشاہدہ کرتے ہیں اسی طرح دوسروں کی حرکات کو بھی سمجھتے ہیں کہ یہ بھی خود کچھ نہیں کرتے بلکہ کسی محرک نے ان کو حرکات دی ہے اس لئے ان کو کسی فعل سے رنج نہیں ہوتا ان کا مذاق یہ ہوتا ہے

گر گزندت رسدز خلق مرنج کہ نہ راحت رسدز خلق نہ رنج

(اگر مخلوق سے تم کو رنج پہنچے تو رنجیدہ مت ہو کیونکہ مخلوق سے نہ راحت پہنچتی ہے نہ رنج پہنچتا ہے)۔

از خداداں خلاف دشمن و دوست کہ دل ہر دو در تصرف اوست

(دوست اور دشمن کے خلاف کو اللہ تعالیٰ کی طرف جانو کیونکہ دونوں کے دل اس کے تصرف میں ہیں)

مخلوق کا وجود سراپا احتیاج ہے

حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ (اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو بجز اس کے اور کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تم کو کوئی راحت پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں)۔ تو بتلائے یہ وحدۃ الوجود قرآن وحدیث کے مطابق ہے یا خلاف۔ یقیناً بالکل مطابق ہے۔ جس کا حاصل صرف یہ ہے کہ مخلوق کا وجود وجود مستقل نہیں غیر مستقل اور سراپا احتیاج ہے اس لئے وجود الٰہی کے سامنے وہ ہیچ در ہیچ اور کالعدم ولاشی محض ہے اس سے زیادہ اگر کسی کے کلام میں نفی وجود کی ہو اگر وہ مغلوب الحال نہیں تو اس کو مبالغہ پر محمول کرنا چاہئے اور یہ سمجھنا چاہئے کہ مطلب اس کا بھی یہی ہے۔ جس کو مبالغہ کے ساتھ بیان کر رہا ہے تم اس کو کافر کیوں بتاتے ہو ہاں اگر کسی بھنگڑ کو کہو تو ہم بھی اس کی حمایت نہ کریں گے کیونکہ یہ نالائق وحدۃ الوجود کو نہ سمجھتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں یہ تو محض الفاظ یاد کر کے مخلوق کو گمراہ کرتے ہیں مگر اہل مشاہدہ کو تم کیوں کافر کہتے ہو جیسے شیخ اکبر ہیں یا ملا جامی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ان بزرگوں کے کلام میں بھی تو ہمہ اوست وغیرہ وغیرہ ایسے الفاظ موجود ہیں جو شریعت پر منطبق نہیں ہوتے جن سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہر چیز کے وجود کو وجود حق ہی سمجھتے ہیں اور یہی باتیں بھنگڑوں کے کلام میں پائی جاتی ہیں پھر فرق کی کیا وجہ کہ ان کو کافر کہنا جائز اور ان کو کافر کہنا ناجائز میں کہوں گا کہ تم ان کے ساتھ وہ برتاؤ کرو جو حق تعالیٰ کریں گے وہ یہ کہ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کہ جس شخص کے حسنات سیئات پر غالب ہوں وہ خدا کے نزدیک اہل فلاح ہے پس تم بھی اس کو صالح سمجھو اب یہ دیکھو کہ ہمہ اوست کہنے والے کی حالت کیا ہے اگر اس کے حسنات سیئات پر غالب ہوں تب تو اس کے قول میں تاویل کرو کسی محل حسن پر محمول کرو اور اگر سیئات حسنات پر غالب ہیں تو وہ مقبول نہیں اس کے کلام میں تاویل کی ضرورت نہیں۔

غیر مکلّف حضرات کے احوال

پس شیخ اکبرؒ و ملا جامیؒ وغیرہ کے کلام میں تاویل کر لینا ضروری ہے ان کی تکفیر نہ کی جائے گی کیونکہ ان کے حسنات اس درجہ ہیں کہ کسی کو ان کی بابت لب کشائی کی جرات نہیں ہو سکتی اگر تاویل کرنے کو جی نہیں چاہتا تو غلبہ حال ہی پر محمول کر لیجئے۔ کیونکہ بعض دفعہ سالک پر غلبہ حال ایسا ہوتا ہے جس سے اس کی عقل زائل ہو جاتی ہے اس کو صوفیہ کی اصطلاح میں جذب کہتے ہیں اور اطباء اس کو جنون کہتے ہیں۔ اچھا آپ اطباء ہی کے قول کو مان لیجئے اور اس حالت کو جنون ہی

کہے اور ظاہر ہے کہ مجنون مکلّف نہیں ہوتا تو یہ حضرات ان کلمات کے صدور کے وقت غیر مکلّف تھے اب آپ کو تکفیر کا کیا حق ہے۔ بخلاف اہل بطالت کے کہ ان کے کلام میں تاویل کا کوئی داعی نہیں اگر کوئی یہ کہے کہ بھلا ان سے غلبہ حال میں یہ کلمات کفریہ ہی نکلے اگر ایسے ہی مغلوب الحال تھے تو انہوں نے گوہ کیوں نہ کھالیا' پیشاب کیوں نہ پی لیا تو بات یہ ہے کہ مغلوب الحال بعض تو ایسے ہیں جن کی عقل وحواس دونوں زائل ہو جاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ ان کے حواس زائل نہیں ہوتے صرف عقل زائل ہو جاتی ہے وہ مثل انعام کے ہوتے ہیں کہ ان کو کھانے پینے چلنے پھرنے کا احساس ہوتا ہے جانوروں کی طرح ان کو بھی تمیز ہوتی ہے کہ یہ چیز کھانے کی ہے یہ کھانے کی نہیں مگر اتنے احساس کے بقاء سے وہ مکلّف نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ احساس تو انعام میں بھی ہے حالانکہ وہ غیر مکلّف ہیں۔ اسی طرح مجذوبوں کی بھی دونوں قسمیں غیر مکلّف ہیں۔

مغلوب الحال کی تصانیف کا مطالعہ مضر ہے

پس تم ان حضرات کو مغلوب الحال سمجھ کر کافر نہ کہو مگر ایسے مجذوبوں کے پاس نہ جاؤ ان کی صحبت میں نہ بیٹھو نہ ان کی کتابوں کا مطالعہ کرو ان کی صحبت کم فہم کے لئے مضر ہے اور نا اہل کو ان کے کلام کا مطالعہ سم قاتل ہے۔ بس ان کی ایسی مثال ہے جیسے بجلی کا تار کہ فی نفسہ وہ نہایت عجیب شئے ہے کہ روشنی اور ہوا کا آرام اس سے ملتا ہے' ٹریموے اس سے چلتی ہے مگر اس سے دور ہی رہنا چاہئے ہاتھ لگانا غضب ہے جہاں ہاتھ لگایا اور اس نے انسان کا خاتمہ کیا اسی طرح ان حضرات کو صاحب کمال سمجھتے رہو ان کا احترام کرو مگر دور ہی رہو ان کی صحبت مضر ہے گو خود قابل احترام ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

نکتہ ہاچوں تیغ پولا دست تیز چوں نداری تو سپر واپس گریز
پیش ایں الماس بے اسپر میا کز بریدن تیغ را نابود حیا

(نکتے مانند فولادی تلوار کے تیز ہیں جب تمہارے ڈھال نہیں واپس بھاگو اس تلوار کے سامنے بغیر ڈھال کے مت آؤ اس لئے کہ کاٹنے سے تلوار حیا نہیں کرتی)

یہ تو ان کا حال ہے جو صاحب کمال واقعی تھے آگے ان لوگوں کی خبر لیتے ہیں جو اہل کمال نہیں ہیں محض نقال ہیں کہ اہل کمال کی باتوں کو بے سمجھے بوجھے گاتے پھرتے ہیں اور مخلوق کو گمراہ کرتے ہیں۔

ظالم آں قومیکہ چشماں دو ختند از سخن ہا عالمے را سو ختند

(بڑے ظالم تھے جنہوں نے آنکھیں بند کر کے ایسی باتوں سے ایک عالم کو ویران کر دیا)

واقعی ان نقالوں نے دنیا میں آگ لگادی بہتوں کے خرمن ایمان کو جلا پھونک دیا غرض یہ بات محقق ہوگئی کہ وحدۃ الوجود کی جو اصل حقیقت ہے وہ شریعت کے بالکل مطابق ہے اور جس نے وجود مستقل سے زیادہ کی نفی کی ہے وہ اس وقت غلبہ حال سے مغلوب تھا اگر شبہ ہو کہ بعض کاملین کے کلام میں بھی ایسے مضامین پائے جاتے ہیں اور کاملین مغلوب الحال نہیں ہوتے تو جواب یہ ہے کہ غلبہ حال جس طرح ناقصین کو ہوتا ہے اسی طرح گاہے کاملین پر بھی ہوجاتا ہے بلکہ بعض دفعہ انبیاء پر بھی ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی غلبہ حال ہوا ہے۔ ایک دفعہ واقعہ فترۃ وحی میں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونا شروع ہوئی تو چند آیات نازل ہوکر پھر بند ہوگئی تین سال تک وحی نازل نہ ہوئی اس عرصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت قبض طاری ہوا جس میں بعض دفعہ یہ حالت ہوتی کہ آپ پہاڑ پر چڑھ کر اوپر سے اپنے کو گرا کر ہلاک کرنا چاہتے اس وقت معاً حضرت جبریل علیہ السلام ظاہر ہوکر تسلی فرماتے اور اس فعل سے روکتے دوسرے واقعہ بدر میں جس کا قصہ حدیث میں اس طرح آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس روز صبح کی نماز کے بعد عریش مبارک میں مسلمانوں کی فتح کے لئے دعا فرمارہے تھے اور دعاء بھی الحاح کے ساتھ حتی کہ یہ بھی فرمادیا اللّٰھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لم تعبد بعد الیوم (الصحیح لمسلم : ۱۳۸۳، کنز العمال ۲۹۹۰) ۔ اے اللہ اگر یہ مختصر جماعت ہلاک ہوگئی جو اس وقت میرے ساتھ ہے تو پھر آج کے بعد کوئی آپ کا نام نہ لے گا کوئی آپ کی پرستش نہ کرے گا۔ آخر یہ کیا تھا حق تعالیٰ کو یہ سنایا جارہا ہے کہ آج کے بعد آپ کا کوئی نام نہ لے گا۔ بھلا خدا کو کسی کی عبادت کی ضرورت ہی کیا تھی علماء ظاہر تھک جائیں گے تاویلیں کرتے کرتے مگر صوفیہ بے تکلف کہتے ہیں کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر غلبہ حال تھا۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر جو لوگ گئے تھے عبادت عجل سے معذرت کرنے اور وہاں ان پر صاعقہ نازل ہوا جس سے سب ہلاک ہوگئے اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے دعاء کی جس میں یہ جملہ بھی ہے اِنْ ھِیَ اِلَّا فِتْنَتُکَ ط تُضِلُّ بِھَا مَنْ تَشَآءُ وَتَھْدِیْ مَنْ تَشَآءُ (یہ واقعہ محض آپ کی طرف سے ایک امتحان ہے ایسے امتحانات جس کو چاہیں آپ گمراہی میں ڈال دیں اور جس کو چاہیں آپ ہدایت پر قائم رکھیں) فرماتے ہیں کہ یہ عبادت عجل کا قصہ آپ ہی کا تو کرشمہ ہے یہ بھی غلبہ حال ہی تھا ورنہ بدون غلبہ حال کے انبیاء علیہم السلام ایسی بات نہیں فرما سکتے اسی طرح بعض کاملین بھی غلبہ حال میں وحدت الوجود میں مبالغہ کر جاتے ہیں۔ بہر حال اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ نہ ہمارا وجود مستقل نہ ہم کسی چیز کے مالک نہ کوئی چیز ہمارے قبضہ میں جو کچھ ہے سب حق

تعالیٰ کا ہے ان کو اپنی اشیاء میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے یہی تعلیم ہم کو انا للہ میں دی گئی ہے کہ کسی چیز کو اپنا نہ سمجھیں حتیٰ کہ اپنے آپ کو بھی خدا ہی کا سمجھیں اس مضمون کے استحضار سے تجاویز و مآل کا قلع قمع ہو جائے گا پھر کسی مصیبت سے کلفت زیادہ نہ ہوگی۔

مصیبت کا علاج

پس جب کوئی مصیبت آوے ہم کو فوراً یاد کر لینا چاہئے کہ ہم اور ہمارا سب مال و متاع وغیرہ اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اور مالک کو ہر طرح اختیار ہے جو چاہے کرے۔ دیکھئے ہمارے گھر میں ایک الماری ہے اور بہت سے برتن ہیں تو ہم کبھی تو برتنوں کو اس ترتیب سے لگاتے ہیں کہ پیالیاں اوپر کے تختے پر اور رکابیاں نیچے کے تختے پر اور کبھی اس ترتیب کو بدل دیتے ہیں کہ جو نیچے ہیں ان کو اوپر کر دیا اور جو اوپر ہیں ان کو نیچے کر دیا۔ اس پر اگر کوئی اعتراض کرے کہ صاحب آپ نے اوپر کے برتنوں کو نیچے اور نیچے کے برتنوں کو اوپر کیوں کیا بتلائیے آپ کیا جواب دیں گے۔ آپ صاف یہی کہیں گے کہ الماری بھی میری اور برتن بھی میرے مجھے اختیار ہے جہاں چاہوں رکھوں آپ اعتراض کرنے والے کون ہیں۔ آپ کو تو اس برائے نام ملک کی وجہ سے ایسا اختیار حاصل ہو اور خدا تعالیٰ کو حقیقی ملک کے بعد بھی یہ اختیار حاصل نہ ہو غضب کی بات ہے پس سمجھ لیجئے کہ جس طرح آپ کی الماری کے مختلف طبقے ہیں اسی طرح حق تعالیٰ نے بھی عالم کے مختلف طبقے کر رکھے ہیں ایک طبقہ اوپر ہے ایک نیچے ہے پس کبھی وہ مخلوقات کو نیچے سے اٹھا کر اوپر کے طبقہ میں رکھ دیتے ہیں (یہ تو مرنے والے ہیں) اور کبھی بعض کو اوپر سے نیچے بھیج دیتے ہیں (یہ پیدا ہونے والے ہیں) اس پر آپ ناک منہ کیوں چڑھاتے ہیں اور جب کوئی آپ کا عزیز مرتا ہے اس وقت خدا کی شکایت کیوں کی جاتی ہے آخر کیا آپ اپنی چیزوں میں ردو بدل نہیں کرتے کہ اس کو اٹھایا وہاں رکھا اس کو لا کر یہاں رکھا اسی طرح حق تعالیٰ بھی ردو بدل کرتے ہیں۔ دیکھو جس شخص کے یہاں بہت سے جانور ہوتے ہیں وہ کبھی تو ان کو اپنے گھر کے دروازہ میں باندھتا ہے کبھی جنگل میں مکان بنا کر کھیت کے پاس باندھتا ہے بھلا جانور کو کچھ حق ہے اعتراض کا کہ مجھے یہاں کیوں باندھا وہاں کیوں نہ باندھا کچھ حق نہیں کیونکہ آپ مالک ہیں وہ مملوک ہے اس کو کوئی حق نہیں کہ ہمیشہ ایک ہی جگہ بندھنا چاہے۔

اے اللہ پھر خدا تعالیٰ کو یہ اختیار کیوں نہیں کہ آج انہوں نے آپ کو بستی میں رکھا اور چند روز کے بعد جنگل بیابان میں قبر کے اندر رکھ دیا اس کی چیز ہے جہاں چاہے رکھے کسی کو کیا حق اعتراض ہے پھر حق تعالیٰ مالک ہونے کے ساتھ رحیم بھی ہیں جو مالک مہربان ہوتا ہے وہ جو برتاؤ

بھی کرتا ہے اس میں سب غلام راضی رہتے ہیں کیونکہ اس کا برتاؤ رحم سے خالی نہیں ہوتا پھر وہ حکیم بھی ہیں اگر حق تعالیٰ میں صرف حکمت ہی ہوتی تو یہی ایک صفت بندہ کے رفع حزن کے لئے کافی تھی۔ دیکھئے ڈاکٹر نشتر لگاتا ہے مگر اس سے کوئی ناراض نہیں ہوتا بلکہ شکریہ ادا کرتے ہیں اور فیس دیتے ہیں۔ میرے والد صاحب کے ہاتھ میں ایک دانہ ہوگیا تھا جس کی بہت تکلیف تھی اس میں پیپ پڑ گئی جس کی وجہ سے نشتر کی ضرورت تھی والد صاحب نے نشتر سے انکار کیا ڈاکٹر نے کہا اچھا میں مرہم لگا دوں گا اسی سے اچھا ہو جائے گا۔ پھر باتوں باتوں میں کسی بہانہ سے آنکھ بچا کر فوراً نشتر لگا دیا چونکہ دانہ پک چکا تھا اس لئے والد صاحب کو نشتر کی خبر بھی نہ ہوئی بس دفعۃً مڑ کر جو دیکھا تو اس میں سے پیپ لہو نکل رہا تھا والد صاحب بہت ممنون ہوئے کہ بدون تکلیف کے یہ کام ہوگیا اور ڈاکٹر کو معقول نذرانہ دیا۔ تو بڑا غضب ہے کہ مسلمان ہو کر خدا تعالیٰ سے لوگوں کو اتنا بھی اعتقاد نہیں جتنا ڈاکٹر سے ہوتا ہے۔

تعجب خیز باتیں

جب حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی کلفت ہمارے اوپر ڈالی جاوے تو ہم کو سمجھنا چاہئے کہ یہ کسی باطن دل کے لئے نشتر ہے مگر اب تو یہ حالت ہے کہ جہاں کوئی ناگوار بات پیش آئی یوں کہتے ہیں کہ اے ہے، ہم کس گناہ میں پکڑے گئے' اس میں دو باتیں تعجب خیز ہیں' ایک یہ کہ جو شخص یہ کلمہ کہتا ہے وہ اپنے آپ کو بے گناہ سمجھتا ہے جبھی تو کہتا ہے کہ کس گناہ میں پکڑے گئے اگر اپنے کو سراپا گناہ سمجھتا تو یہ کلمہ ہرگز زبان سے نہ نکلتا صاحبو! آپ مصیبت کے وقت یہ کہتے ہیں کہ ہم کس گناہ میں پکڑے گئے۔ میں کہتا ہوں کہ تم پر اگر انعام ہو تو یوں کہو کہ ہم نے کونسا نیک کام کیا تھا جو یہ انعام ہمارے اوپر ہوا بخدا ہمارے اوپر انعام ہونا تعجب خیز ہے سزا ہونے میں کیا تعجب ہے۔ ہمارا کون سا وقت اور کون سا کام گناہ سے خالی ہے دوسری بات اس کلمہ میں یہ ہے کہ جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ شاید خدا تعالیٰ کو حکیم نہیں سمجھتے ورنہ بجائے تعجب و شکایت کے اس کی حکمتوں میں غور کرنے کے بعد حق تعالیٰ کے معاملات کی حکمتیں ضرور معلوم بھی ہو جاتی ہیں اگر اس وقت نہ معلوم ہوں تو بعد کو معلوم ہو جاتی ہیں۔ اگر بالکل معلوم نہ ہوتیں تب بھی اعتقاد اجمال حکمت کا کافی تھا۔ غرض حق تعالیٰ مالک بھی ہیں حکیم بھی ہیں محبوب بھی ہیں اور ان میں سے ہر صفت کا مقتضا یہ ہے کہ ان کی طرف سے جو برتاؤ بھی ہو اس سے ناگواری نہ ہونا چاہئے۔ چہ جائیکہ ان میں تمام صفات مجتمع ہیں بلکہ بعض صفات کا مقتضا تو یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی ناگوار معاملہ بلاوجہ بھی ہمارے ساتھ ہو جب بھی

ناگواری نہ ہونی چاہئے کیونکہ مالک کو اپنی مملوکات میں ہر طرح اختیار ہوتا ہے اس کے تصرف کے لئے کسی وجہ کی ضرورت نہیں بس یہی وجہ کافی ہے کہ وہ مالک ہے اسی طرح محبوب کو محبّ کے امتحان کا ہر وقت حق حاصل ہوتا ہے اس کے لئے یہی وجہ کافی ہے کہ وہ محبوب ہے۔ مگر یہاں تو وجہ بھی موجود ہے۔ پھر اس کے بعد بتلایئے کہ خدا تعالیٰ کی شکایت کا کیا حق ہے وہ وجہ کیا ہے ہماری نافرمانی سرکشی چنانچہ ہمارا کوئی کام بھی معصیت سے خالی نہیں بعض لوگ خوش ہوتے ہوں گے۔

مفسدات مسائل نماز سے ناواقفیت

ہم نماز روزہ کرتے ہیں مگر ہم جو اپنے اعمال کو دیکھتے ہیں تو سراپا ناقص ہی ناقص ہیں ہماری حسنات بھی بجائے خود معصیت میں ہمارے بعض حضرات تو بوجہ ناواقفی مسائل کے مفسدات میں مبتلا ہیں بعض حرکتیں ایسی کر جاتے ہیں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے مگر ان کو خبر بھی نہیں ہوتی کیونکہ مسائل سے بے خبر ہیں۔ مراد آباد میں ایک مسافر امام نے دو رکعت پر سلام پھیر کر مقتدیوں سے کہا کہ اپنی نماز پوری کر لو میں مسافر ہوں تو مقیمین میں سے ایک صاحب نماز کے اندر ہی کہتے ہیں ہاں جناب کیا فرمایا انہوں نے کہا کہ میں نے تو جو کچھ فرمایا تھا بعد کو بتلاؤں گا مگر پہلے آپ اپنی نماز کا اعادہ کر لیں اسی طرح ایک مولوی صاحب ساڈھورہ میں تھے جب وہ طالب علمی کرتے تھے تو اس وقت ایک نماز میں کسی امام کے پیچھے شریک ہوئے۔ امام غلطی سے تیسری رکعت پر بیٹھ گیا تو آپ پیچھے سے فرماتے ہیں قم یعنی کھڑے ہو جاؤ امام کو یاد آ گیا کہ تیسری رکعت ہے وہ کھڑے ہو گئے سلام کے بعد انہوں نے کہا کہ قم فرمانے والے کون صاحب تھے وہ اپنی نماز کا اعادہ کر لیں تو آپ فرماتے ہیں کہ کیوں میں نے تو عربی میں کہا تھا۔ امام نے کہا سبحان اللہ تو پھر اہل عرب کی نماز تو کبھی باطل نہ ہونی چاہئے۔ خواہ کچھ ہی باتیں کرتے رہیں کیونکہ وہ اردو میں تھوڑا ہی باتیں کرتے ہیں تو یہ طالب علم یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اردو فارسی ہی میں باتیں کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے عربی میں باتیں کرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی اور اس سے بھی عجیب ایک اور قصہ ہے ہمارے ملنے والوں میں ایک صاحب حافظ اکبر تھے سمجھدار پڑھے لکھے ایک دفعہ وہ اور دو شخص امام کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے امام کو نماز میں حدث ہوا تو انہوں نے ان ہی حافظ اکبر کو پیچھے سے آگے کھڑا کر کے خلیفہ بنا دیا اور خود وضو کرنے چلے گئے مقتدی دو شخص رہ گئے ان میں سے ایک بولا کہ ہیں یہ کیا ہوا (یعنی یہ کیا قصہ ہے کہ امام چلا گیا اور مقتدی امام بن گیا) دوسرا بولا چپ رہ یوں بھی ہوا کرتا ہے۔ خیر یہ تو

دونوں جاہل تھے مگر مزا یہ کہ حافظ اکبر صاحب جو امام بنے ہوئے تھے آگے کھڑے ہوئے فرماتے ہیں کہ اب میں کس کو نماز پڑھاؤں ظالموں نے سبھی نے نماز غارت کر دی۔ اب یہ قصے تو جاننے والوں کے سامنے ہوئے اس لئے معلوم ہو گیا کہ نماز نہیں ہوئی اور اگر کہیں سارے جاہل ہی ہوں تو نماز کا فاسد ہونا بھی معلوم نہ ہوگا۔ بتلایئے ایسی حالت میں بدون علم دین حاصل کئے ہوئے کیونکر اطمینان ہو کہ ہم لوگ جتنی نمازیں پڑھتے ہیں سب صحیح ہوتی ہیں۔

خشوع کا ہر مسلمان مکلّف ہے

اور اگر کوئی اللہ کا بندہ مسائل سے واقف بھی ہوا اور مفسدات میں بھی مبتلا نہ ہوا مگر التفات میں اور عبث و فضول حرکات میں کثرت سے ابتلا ہے مگر وہاں سے تو بہت ہی کم لوگ بچتے ہیں بعض لوگ بلا ضرورت کھانستے ہیں' کوئی نگاہ اونچی رکھتا ہے کوئی بار بار کھجلاتا ہے۔ کوئی رکوع سجدے میں ایسی جلدی کرتا ہے کہ نہ قومہ پورا ہوتا ہے نہ جلسہ۔ اکثر لوگ نماز میں قرآن غلط پڑھتے ہیں اور باوجود قدرت کے صحیح نہیں کرتے اور اس کے سوا بہت سی کوتاہیاں ہیں کہاں تک احصاء کیا جائے اور اگر کسی نے ان سب کی بھی اصلاح کر لی تو خشوع سے تو قریب قریب سبھی محروم ہیں۔ الا ماشاء اللہ اور بدون خشوع و حضور قلب کے کامل نماز نہیں ہوتی تو سب کی نمازیں ناقص ہیں اور خشوع سے محرومی کا بڑا سبب یہ ہے کہ ہم لوگ حقیقت ناشناسی سے اس کو غیر ممکن سمجھتے ہیں اور اس ناحقیقت شناسی کی وجہ یہ ہے کہ سلوک میں کوئی کتاب نہیں پڑھتے نہ اس فن کو کسی سے حاصل کرتے ہیں اس لئے عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ خشوع کا حاصل ہونا بہت مشکل ہے بس یہ تو بڑے بڑے بزرگوں ہی کو حاصل ہو سکتا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ خشوع کا ہر مسلمان مکلّف ہے اگر یہ ہر شخص کی قدرت میں نہ ہو تو تکلیف مالا یطاق لازم آتی ہے اور وہ شرعاً ممتنع ہے سو میں کہتا ہوں کہ خشوع کی حقیقت بہت سہل ہے کچھ مشکل نہیں۔

خشوع نماز کا آسان نسخہ

ہاں کرنے کی چیز ہے اگر آپ یوں چاہیں کہ بدون کچھ کئے کام ہو جائے تو پھر روٹی بھی نہ کھایا کیجئے کیونکہ اس میں بھی تو کچھ کرنا پڑتا ہے باقی اس کا میں اطمینان دلاتا ہوں کہ آپ کو زیادہ مشقت نہ کرنا پڑے گی صرف ارادہ کرنا پڑے گا اور یہ بھی کوئی مشکل کام ہے خشوع کا جو نسخہ میں بتلاؤں گا وہ میرے استاد علیہ الرحمۃ کا فرمایا ہوا ہے واقعی لاکھوں روپیہ کا نسخہ ہے جو بہت ہی سستے داموں بلکہ بلا

داموں مل گیا قدر کی چیز ہے وہ نسخہ یہ ہے کہ نماز میں جو ہم لوگ دعائیں اور سورتیں پڑھتے ہیں وہ چونکہ ہم کو حفظ ہوگئی ہیں اس لئے ہم ان کو روانی کے ساتھ اس طرح پڑھتے ہیں کہ ان کے ہر جزو کے لئے ارادہ اور قصد کی ضرورت نہیں ہوتی بس ایک دفعہ شروع کرنے کے بعد گھڑی کی طرح زبان خود بخود چلتی رہتی ہے آپ چاہے توجہ کریں یا نہ کریں سب دعائیں خود بخود زبان سے ادا ہوتی رہتی ہیں اور چونکہ سورتیں بھی ساری عمر کے لئے دو تین ہی چھانٹ رکھی ہیں اس لئے ان کی تعیین کے لئے بھی توجہ کی ضرورت نہیں ہوتی یہ تو تمہید تھی اب خشوع کا طریقہ سمجھو کہ تم حافظوں کی طرح ان دعاؤں اور سورتوں کی نمازیں نہ پڑھا کرو بلکہ ناظرہ خانوں کی طرح پڑھا کرو اور ناظرہ خواں بھی وہ جس کا قرآن کچا ہو یا ایسے حافظ کی طرح جس کا قرآن کچا ہو تو جس طرح ایسا ناظرہ خواں یا ایسا حافظ ہر لفظ کو غور سے دیکھ کر یا سوچ کر ادا کرتا ہے اور لفظ لفظ پر دھیان کر کے پڑھتا ہے اسی طرح تم نماز میں ہر ہر لفظ پر مستقل توجہ اور ارادہ کیا کرو کہ اب **سبحانک اللھم** کہہ رہا ہوں اب **بحمدک** کہہ رہا ہوں اب الحمد للہ کہہ رہا ہوں اب رب العالمین زبان سے نکال رہا ہوں اسی طرح ساری نماز پڑھو پس خشوع حاصل ہوگیا۔ کیونکہ خشوع کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی طرف سے کوئی وسوسہ اور خیال نماز میں نہ لایا جاوے بلکہ اپنی توجہ کو نماز کی طرف رکھا جائے اسطرح ہر ہر لفظ پر مستقل ارادہ اور توجہ کرنے سے پھر آپ کو عمداً کوئی وسوسہ نہ آئے گا کیونکہ قاعدہ ہے **النفس لا تتوجہ الی شیئین فی آن واحد** یعنی ایک آن میں دو طرف توجہ نہیں ہوسکتی۔

انائے کہ پر شد دگر چوں پرد

(جب برتن بھر جائے پھر کیوں بھرے)

جب آپ پوری توجہ کو الفاظ پر مبذول رکھیں گے تو آپ کے ارادہ سے کوئی خیال نہ آئے گا۔ اول تو ان شاء اللہ کوئی بھی خیال نہ آئے گا اور آئے گا تو بلا ارادہ آئے گا جیسے نگاہ کو آپ ایک جگہ پر جمائیں تو شئے منظور کے سوا آس پاس کی چیزیں بھی خود بخود مبصر ہو جاتی ہیں بصارت کی طرح بصیرت کا بھی یہی حال ہے کہ ایک طرف توجہ جمانے سے بھی خود بخود بعض مخزونات خیال سامنے آجاتے ہیں مگر یہ خشوع کے لئے مضر نہیں اور ان کا نہ آنا اختیار میں نہیں۔

خشوع بہت ہی سہل ہے

اور جو لوگ خشوع کو دشوار و مشکل کہتے ہیں وہ خشوع کی حقیقت یہی سمجھتے ہیں کہ از خود بھی کوئی

خیال نہ آئے مگر یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ وساوس انسان کے اختیار سے باہر ہیں ہاں یہ اختیار میں ہے کہ اپنی طرف سے نہ لاؤ تو اسی کے ہم مکلف بھی ہو سکتے ہیں اور جو اختیار میں نہیں اس کے مکلف ہی نہیں لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اس آیت کا نزول وساوس غیر اختیاریہ ہی کے بارہ میں ہوا ہے تو معلوم ہو گیا کہ خشوع بہت ہی سہل ہے اور اس کی تحصیل واجب ہے مگر ہم اس سے بالکل غافل ہیں تو کیا یہ سیہ نہیں یقیناً سیہ ہے پس ثابت ہو گیا کہ ہم طاعات میں بھی سیئات سے خالی نہیں ہیں جب ہماری طاعات کا یہ حال ہے تو معاصی تو معاصی ہیں ہی۔ اب سوچئے کہ ہمارا کسی مصیبت کے وقت یہ کہنا کہ ہائے کس گناہ میں پکڑے گئے کتنا غلط جملہ ہے ارے کوئی ایک گناہ ہے یوں کہتے ہو کہ کس گناہ میں پکڑے گئے یہاں تو سر سے پیر تک گناہ ہی گناہ ہیں سارا بدن ہی زخمی ہے۔

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

(تمام بدن داغوں سے بھرا ہوا ہے کہاں کہاں پھایہ رکھیں)

مروت کا مقتضا

پھر اس پر بھی حق تعالیٰ کی طرف سے انعامات کی کس قدر بارش ہے یہ جائے تعجب ہے پس ہم کو تو انعام کے وقت یہ سوچنا چاہئے کہ ہم سے ایسا کونسا نیک کام ہو گیا تھا جو یہ انعام ہوا پھر یہ کہ جس کی طرف سے باوجود ہماری نالائقی کے اس قدر انعامات ہیں اگر کبھی اس کی طرف سے کلفت بھی پہنچ جائے تو کیا ناگواری ہونی چاہئے صاحب جو تم کو ہمیشہ حلوے کھلاتا رہے اگر اس کے ہاتھ سے کبھی کوئی تلخ چیز منہ کے اندر پہنچ جائے تو مروت کا مقتضا یہ ہے کہ اس کو خوشی سے قبول کرنا چاہئے۔

آنرا کہ بجائے تست ہر دم کرمے عذرش بنہ ار کند بعمرے ستمے

(اس کا کہ تجھ پر ہر وقت کرم و احسان ہے کہ عمر میں کوئی ستم بھی کرے گوارا کر)

حضرت لقمان علیہ السلام کا قصہ ہے کہ وہ ابتداء میں ایک شخص کے یہاں باغبانی کرتے تھے ایک دفعہ مالک باغ کی سیر کو آیا اور اس نے حضرت لقمان سے کہا کہ ذرا کوئی شیریں ککڑی توڑ کر لاؤ یہ توڑ کر لائے اور آنے اس کی قاشیں کر کے ایک قاش ان کو بھی دی منہ میں رکھا تو نہایت تلخ تھی مگر حضرت لقمان نے ذرا منہ نہ بنایا خوشی خوشی کھالی آقا سمجھا کہ شیریں ہو گی جبھی تو خوشی خوشی کھا رہے ہیں ایک قاش اس نے بھی منہ میں رکھی تو نہایت تلخ تھی اس نے حضرت لقمان سے کہا کہ میاں یہ تو نہایت تلخ ہے تم نے تو اسے بڑی خوشی سے کھایا ذرا بھی منہ نہ بنایا

جواب دیا کہ حضور آپ کے ہاتھ سے بہت دفعہ مٹھائیاں بھی کھائی ہیں اگر ایک دفعہ کڑوی چیز بھی کھالی تو کیا اس کو زبان پر لاتا اس جواب سے آقا کو بہت قدر ہوئی۔

حضرت لقمان کی دیانت وامانت

پھر اس نے پوچھا کہ تم اتنے دنوں سے باغبانی کرتے ہو تم کو اب تک اتنی پہچان نہیں ہوئی کہ کون سا پھل شیریں ہے اور کون سا تلخ فرمایا کہ حضور یہ پہچان تو اس کو ہو جو سارے پھلوں کو چکھتا ہو اس کو البتہ معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں شریں اور فلاں تلخ ہے اور جس نے آج سے پہلے کسی پھل کو چکھا ہی نہ ہو اسے کیونکر معلوم ہو سکتا ہے کہ ان میں شیریں کون سا ہے اور تلخ کون سا ہے کہا پھر تم کو چکھنے سے منع کس نے کیا تھا فرمایا حضور منع تو نہیں کیا تھا مگر اجازت بھی نہیں دی تھی مجھے تو باغ کی خدمت کا امر کیا گیا تھا چکھنے کو نہیں کہا گیا تھا اس لئے میں خدمت کرتا رہا آج تک چکھا کسی کو بھی نہیں اس جواب سے اس کو حضرت لقمان کی دیانت وامانت کا اندازہ ہوا۔

غرض دیکھئے حضرت لقمان نے ایک ادنی محسن کے ہاتھ سے تلخ چیز پہنچنے پر ناگواری نہیں ظاہر کی پھر حیرت ہے کہ ہم حق تعالیٰ سے ناگواری ظاہر کریں جس کی طرف سے ہر وقت انعامات کی بارش ہمارے اوپر ہو رہی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو بدن کو کلفت یا قلب کو پریشانی نہ ہونا چاہئے یہ تو طبعی امور ہیں میرا مطلب یہ ہے کہ عقلی ناگواری تو نہ ہونی چاہئے جیسے آپریشن سے جسم وقلب کو تو کلفت ہوتی ہے مگر عقلی ناگواری تو نہ ہونی چاہئے بلکہ عقلاً ڈاکٹر کے پہلے سے زیادہ ممنون ہوتے ہیں کم از کم خدا تعالیٰ کے ساتھ اتنا تعلق تو ہونا چاہئے تو انا للہ میں ہم کو یہ تعلیم دی گئی ہے اس کے استحضار کے بعد بتلایئے حزن رہ سکتا ہے ہر گز نہیں۔ اب وہ لوگ رہ گئے جن کو کسی محبوب کی مفارقت سے غم ہوتا ہے مثلاً بیوی مر گئی یا اولاد مر گئی ان لوگوں کو انا للہ کے مضمون سے یہ بات تو حاصل ہو گئی کہ حق تعالیٰ کی شکایت نہ کریں گے بلکہ سمجھیں گے کہ خدا تعالیٰ کو سب طرح تصرف کا اختیار ہے اسی کی چیز تھی اس نے لے لی مگر فراق محبوب سے جو دل کو ایک بے چینی ہوتی ہے۔

مضمون تسلی

اس کا علاج اس سے نہیں ہوا تو آگے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ میں ان کا علاج فرما دیا کہ تم یقین رکھو کہ جہاں محبوب گیا ہے چند روز میں تم بھی وہیں پہنچ جاؤ گے تو اس فراق کو لازمی اور دائمی نہ سمجھو بلکہ یہ ایک دن ختم ہونے والا ہے پھر سب مجتمع ہو جائیں گے آخر کبھی تم کو سفر پیش نہیں آتا یا

محبوب کو سفر پیش نہیں آتا اس وقت تم کو اس قدر بے چینی کیوں نہیں ہوتی محض اس لئے کہ تم اس فراق کو ایک دن ختم ہونے والا سمجھتے ہو پس اسی طرح اب بھی سمجھو بلکہ سفر میں تو تم کو دو چار روز یا دو چار مہینہ کی مفارقت کا یقین بھی ہوتا ہے اور یہاں تو ایک دن کی مہلت کا بھی یقین نہیں کیونکہ

شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود

(شاید یہی سانس آخری سانس ہو) تم اپنی رسی کو اتنا دراز کیوں سمجھتے ہو کہ محبوب کے بعد ہم بہت دن جئیں گے اور عرصہ تک مفارقت رہے گی۔ نہیں بلکہ تم موت کو اپنا نصب العین رکھو اور دل کو یوں سمجھاؤ کہ بس تھوڑے دنوں کی بات ہے پھر ہم بھی وہیں پہنچ جائیں گے جہاں یہ گیا ہے اس مضمون کے استحضار سے مفارقت محبوب کا غم بھی ہلکا ہو جاوے گا۔

تذکیر حسنات کو رفع حسنات میں خاص دخل ہے

تو دیکھئے حق تعالیٰ کو اپنے نبی کی امت کا محزون و غمگین رہنا بھی گوارا نہیں اس کے ازالہ حزن کی بھی مختلف تدبیریں فرمائی ہیں تو وہ اپنے محبوب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج کو کیونکر گوارا فرما سکتے ہیں اس لئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی رنج پیش آیا حق تعالیٰ نے جلدی ہی اس کو زائل فرمایا چنانچہ سورہ ضحیٰ کا نزول بھی ایک رنج ہی کے ازالہ کے لئے ہوا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا تھا اور اسی رنج کے ازالہ کے لئے حق تعالیٰ نے اپنے احسانات یاد دلائے ہیں کیونکہ اس کو رفع حزن میں خاص دخل ہے یہاں بعض لوگوں کو تعجب ہوگا کہ تذکیر احسانات کو رفع حزن میں کیا دخل ہے مگر اس تعجب کا منشا یہ ہے کہ ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حزن کو اپنے حزن پر قیاس کیا ہے اور یہ بڑی غلطی ہے کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اوپر قیاس کر لیتے ہیں اور آپ کے حالات کو اپنے حالات پر حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے بشر لا کا لبشر ولکن کالیا قوت بین الحجر آپ بشر تو ہیں مگر اور انسانوں کے مانند نہیں ہیں بلکہ آپ انسانوں میں ایسے ہیں جیسے پتھروں میں یاقوت ہوا کرتا ہے کہ جنس کے اعتبار سے تو وہ بھی پتھر ہی ہے مگر زمین آسمان کا فرق ہے یاقوت میں اور دوسرے پتھروں میں۔ اب اگر کوئی محض اشتراک جنس کی وجہ سے یاقوت کو اور پتھروں پر قیاس کرنے لگے تو اس سے یوں ہی کہا جائے گا کہ تیری عقل پر پڑیں پتھر۔ لہذا محض انسان سمجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو کیا انسان سارے یکساں ہی ہوا کرتے ہیں دیکھو ایک آدمی تو حبشی کالا بھجنگا ہے آدمی تو وہ

بھی ہے اور ایک حسن یوسف لاثانی ہے وہ بھی آدمی ہی ہے مگر کیا دونوں برابر ہیں اور کیا ایک کو دوسرے پر قیاس کیا جاسکتا ہے ہرگز نہیں ان دونوں میں اتنا فرق ہے کہ اگر کسی نے آدمیوں میں صرف اس یوسف لاثانی کو دیکھا ہو اس کے بعد پھر حبشی کو دیکھے تو وہ ہرگز یقین نہ کرے گا کہ یہ بھی آدمی ہے بلکہ اس کو جن یا دیو سمجھے گا کیونکہ اس کے نزدیک تو آدمی اس کو کہتے ہیں جو اس حسین کے مشابہ ہو۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے انسان ہیں کہ آپ کو دیکھنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہم تم بھی آدمی ہیں وہ تو نہ معلوم ہم کو کیا سمجھے گا کہ یہ گدھے ہیں یا بیل ہیں۔

تین فرقے

اب یہاں تین فرقے ہوگئے بعض تو وہ ہوئے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر ہی نہ سمجھے وہ تو خواص الوہیت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کرنے لگے اور بعض وہ ہیں جنہوں نے آپ کو بھی بالکل اپنا جیسا بشر سمجھا یہ دونوں غلطی پر ہیں اور ایک فرقہ متوسط ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر تو سمجھتا ہے مگر سب سے اعلیٰ وارفع سمجھتا ہے اور وہی بات کہتا ہے بشر لا کا لبشر بل کالیاقوت بین الحجر (بشر ہیں نہ مثل اور بشروں کے مثل یاقوت کے درمیان پتھروں کے) واقعی سچی بات ہے۔

گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر ماوایشاں بستہ خوابیم و خور
ایں ندانستند ایشاں ازعمے درمیاں فرقے بودے منتہا

(کہنے لگے ہم بھی بشر ہیں اور یہ بھی بشر ہیں ہم اور یہ خواب وخور میں مقید ہیں انہوں نے اندھاپن (جہالت) سے یہ نہ جانا کہ درمیان میں بے انتہا فرق ہے)

غرض ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حزن کو اپنے حزن پر قیاس کرتے ہیں اس لئے ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ تذکر احسانات کو رفع حزن میں کیا دخل ہے سو خوب سمجھ لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رنج ایسا نہ تھا جیسا ہمارا آپ کا رنج ہوتا ہے جس کا علاج تذکیر احسانات سے نہیں ہوتا کیونکہ ہم کو رنج ہوتا ہے روٹی نہ ملنے سے کپڑا نہ ہونے سے یا بیمار ہونے سے یا اولاد وعزیز کے مرجانے سے یا مال ومتاع کے کھوئے جانے سے اور ان میں سے کوئی رنج بھی ایسا نہیں جو احسانات کی یاددہانی سے زائل ہوسکے اگر کوئی شخص ننگا ہے تو اس کا رنج تذکیر احسانات سے زائل نہ ہوگا۔ اسی طرح بیمار کو بھی احسان یاددلانے سے شفا نہ ہوگی ہاں جس کو رنج اس گمان سے

ہو کہ میرا آقا مجھ سے ناراض ہو گیا ہے اس کو تذکیر انعامات و خصوصیات سے تسلی ہو جائے گی۔ ہر شخص کا مزاج جدا ہے تو ہم کو تو کھانے کپڑے کی تکلیف ہی سے رنج ہوتا ہے اور کسی بات سے نہیں ہوتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ آپ کو بجز رضائے محبوب کے اور کسی چیز کی پرواہ نہ تھی اسی لئے آپ کو صرف ناراضی حق کے وہم سے رنج ہوتا تھا جس کا علاج یہی ہے کہ حق تعالیٰ اپنے احسانات یاد دلا کر تسلی فرماتے ہیں کہ ہم ناراض نہیں ہیں ہم تو آپ پر ہمیشہ عنایتیں کرتے رہتے ہیں بھلا جس شخص کا ایسا مزاج ہو اس کے رنج کو کون سمجھ سکتا ہے اور کسی کی عقل میں یہ بات کیسے آ سکتی ہے کہ احسانات یاد دلانے سے بھی رنج دور ہوا کرتا ہے۔

مختلف مزاج

مزاج کے مختلف ہونے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی۔ ایک بادشاہ نے امتحان مذاق کے لئے چار سمت کی چار عورتیں اپنے نکاح میں جمع کی تھیں حسن میں تو سب بے نظیر تھیں کیونکہ بادشاہ کے لئے انتخاب کی گئی تھیں مگر فہم سب کا مختلف ایک دن بادشاہ نے ان کی عقل و فہم کا امتحان کرنا چاہا کہ دیکھوں عقل و فہم میں بھی سب برابر ہیں یا کم و بیش ہیں تو اس نے ختم شب پر سب سے دریافت کیا کہ اب کیا وقت ہے سب نے بالاتفاق کہا کہ اب صبح ہو گئی ہے بادشاہ نے ہر ایک سے دلیل پوچھی کہ تم کو محل کے اندر بیٹھے بیٹھے صبح کا ہونا کیسے معلوم ہوا تو ہر ایک نے مختلف دلائل بیان کئے ایک نے کہا کہ شمع کی روشنی دھیمی پڑ گئی ہے اور واقعی صبح کے وقت چراغ کی روشنی ویسی تیز نہیں رہا کرتی جیسی رات کو تیز ہوا کرتی ہے۔ دوسری نے کہا کہ میری نتھ کے موتی ٹھنڈے ہو گئے اس سے میں سمجھی کہ صبح ہو گئی کیونکہ صبح کی ہوا میں رات کی ہوا سے فرق ہوا کرتا ہے صبح کی ہوا میں خنکی زیادہ ہوتی ہے تو اس عورت نے بہت ہی لطیف دلیل بیان کی تیسری نے کہا پان کا مزہ بدل گیا ہے اس نے بھی بہت لطیف بات کہی چوتھی نے صبح ہونے کی دلیل بیان کی مجھے پاخانہ آ رہا ہے۔ کیونکہ اکثر صبح ہوتے ہی پاخانہ آیا کرتا ہے۔ اس جواب سے بادشاہ کو معلوم ہوا کہ اس کی طبیعت نہایت گندی اور بھدی ہے۔ صاحبو! یہی حال ہمارا ہے کہ ہماری تو روٹیوں میں فرق آ جاوے تب ہی یہ گمان ہوتا ہے کہ ہائے ہم قہر میں مبتلا ہو گئے اور روٹیاں ملتی رہیں گو مقہور ہی ہوں۔ پروا بھی نہیں ہوتی۔

مزاج رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج کو اپنے مزاج پر قیاس نہ کرو کاملین کا تو رضائے محبوب

کی فکر میں یہ حال ہوتا ہے۔

باسایہ ترا نمے پسندم عشق است و ہزار بدگمانی

(عشق میں ہزاروں بدگمانیاں ہوتی ہیں اس لئے محبوب کے سایہ کے ساتھ رہنا بھی عشاق پسند نہیں کرتے)

ان کو تو عشق و معرفت کی وجہ سے قدم قدم پر اس وہم سے رنج پہنچتا ہے کہ کہیں حق تعالیٰ ناراض نہ ہو گئے ہوں بس اس کے سوا اور کوئی چیز ان کے لئے رنج دہ نہیں ان کا تو مذاق یہ ہوتا ہے۔

باتو دوزخ جنت است اے جاں فزا

بے تو جنت دوزخ است اے دلربا

(اے محبوب تیرے ساتھ دوزخ بھی جنت ہے اور بغیر تیرے جنت بھی دوزخ ہے)

اور یہ شاعرانہ مبالغہ نہیں بلکہ صحیح مضمون ہے دیکھئے حدیث میں آیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور بہت سے مسلمان دوزخ میں سے گنہگاروں کو نکالنے جائیں گے تو گو وہ اس وقت دوزخ میں ہوں گے مگر چونکہ معیت نقد وقت ہے اس لئے ان کے حق میں وہ بھی جنت ہی ہوگی

با تو دوزخ جنت است اے جانفزا

(محبوب تیرے ساتھ دوزخ بھی جنت ہے) اور ابلیس کو جب مردود کیا گیا جنت اسی وقت اس کے حق میں دوزخ ہو گئی تھی گو مردودیت کے بعد کچھ دیر وہ جنت میں رہا بھی تھا مگر معیت حق سلب ہو جانے کے بعد اس کا کچھ دیر جنت میں رہنا دوزخ میں رہنے کے مشابہ تھا یہی ہے۔

بے تو جنت دوزخ است اے دلربا

(محبوب تیری بے تعلقی سے جنت بھی دوزخ ہے)

انبیاء علیہم السلام کاملین کی حالت

غرض انبیاء اور کاملین کی یہ حالت ہوتی ہے کہ گو ان سے خطائیں نہیں ہوتیں مگر بات بات پر ان کو یہ وہم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کہیں ناراض نہ ہو گئے ہوں اسی لئے حق تعالیٰ نے سورہ فتحنا میں فرمایا ہے۔ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیں) حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذنب سے پاک تھے مگر پھر بھی ذنب اس لئے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تسلی ہو جائے کیونکہ آپ تو اس بے گناہی

میں بھی اپنے کو گنہگار سمجھتے تھے آپ کے خیال کے موافق فرما دیا کہ اچھا اگر آپ اپنے کو گنہگار ہی سمجھتے ہیں تو لو ہم صاف صاف کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے۔ اب تو آپ کو تسلی ہو جانی چاہئے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے عاشق محبوب سے رخصت ہوتے ہوئے کہا کرتا ہے کہ میری خطائیں معاف کر دو وہاں خطا کا نام کہاں محبوب کہتا ہے کہ تم تو جان نثار ہو تم سے خطا کیسی؟ مگر وہ آگے ہاتھ جوڑتا ہے خوشامدیں کرتا ہے کہ ایک بار تم زبان سے کہہ دو کہ میں نے سب خطائیں معاف کیں چنانچہ وہ محض اس کی تسلی کے لئے کہہ دیتا ہے مگر واقع میں خطا کا نام بھی وہاں نہیں ہوتا۔ اس عشق کی بھی عجیب کیفیات ہیں بس عاشق کا حال یہ ہوتا ہے کہ بعد میں تو چین کہاں ہوتا قرب میں بھی بے چین ہی رہتا ہے۔

من شمع جانگدازم و تو صبح دل کشائی سوزم گرت نہ بینم میرم چورخ نمائی

نزدیک آں چنانم و دور آں چنانم کہ گفتم نے تاب وصل دارم و لے طاقت جدائی

(میں شمع ہوں تو صبح ہے اگر تجھے دیکھ لوں تب بھی موت ہے کہ لوگ بجھا دیں گے اور اگر نہ دیکھوں تب بھی ہلاکت ہے کہ جل جاؤں گا اس محبوب کی نزدیکی ایسی ہے اور جدائی ایسی جیسا اوپر کے شعر میں ذکر کیا نہ جدائی کی طاقت نہ وصل کی تاب) نہ اس کو وصل میں چین ہے نہ فصل میں چین ہے جتنا مقرب ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ بے چین ہوتا ہے۔)

کنار و بوس سے دونا ہوا عشق مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

شان نزول آیت متلوہ

چنانچہ اس قسم کی بے چینی پر یہ سورت نازل ہوئی تھی جسکی آیتوں کی تلاوت کی گئی ہے۔ جس کے نزول کا قصہ احادیث میں اس طرح آتا ہے کہ ایک مرتبہ چند روز تک وحی منقطع ہو گئی جس پر کفار طرح طرح کے طعن کرتے تھے بڑا طعن ان الفاظ میں تھا تر کک شیطانک (تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا) نعوذ باللہ آپ کو انقطاع وحی سے بھی صدمہ ہوا۔ جیسے محبوب کے خط میں دیر ہونے سے عاشق کو صدمہ ہوتا ہے اور محبوب دیر کیوں کرتا ہے اس لئے تا کہ عشق کی آگ اور بھڑکے اس کے علاوہ اور بھی حکمتیں تھیں تو ایک صدمہ تو آپ کو انقطاع وحی سے تھا ہی مزید برآں یہ کہ کفار نے طعن دینا شروع کیا کہ بس خدا نے آپ کو چھوڑ دیا بعض نالائقوں نے خدا کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے اس کا بھی آپ کو صدمہ ہوا نہ اس واسطے کہ معتقد کم ہو جاویں گے یہ فکر تو ہم جیسوں کو ہوا کرتی ہے۔ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اس سے ارفع ہے دوسرے کفار معتقد ہی کہاں تھے بلکہ آپ کو کفار کی ان حرکات سے اس لئے صدمہ ہوا کہ آپ کو امت سے تعلق شفقت بہت ہی زیادہ ہے آپ کی خواہش وتمنا یہ تھی کہ میرا کوئی مخاطب جہنم میں نہ جائے سب کے سب جنتی بن جاویں پھر اس شفقت کے ساتھ کفار کی بدحالی پر جتنا رنج بھی آپ کو ہوا تھوڑا ہے۔ حق تعالیٰ نے بار بار اس رنج کو قرآن میں دور فرمایا ہے کہیں فرماتے ہیں **لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ** (دوزخیوں کے بارہ میں آپ سے سوال نہ کیا جائے گا) کہ آپ کفار کی حرکات پر اتنا رنج کیوں کرتے ہیں آپ سے یہ سوال نہ ہوگا کہ اتنے آدمی جہنم میں کیوں گئے کہیں ارشاد ہوتا ہے **لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ** شاید آپ اس رنج میں اپنی جان کو ہلاک ہی کر دیں گے کہ یہ کافر ایمان نہیں لاتے۔ اس آیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی بدحالی سے کس قدر صدمہ ہوتا تھا جس کے متعلق حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ شاید آپ اپنے آپ کو ہلاک ہی کر دیں گے جب کسی طرح آپ کا صدمہ کم نہ ہوا تو پھر صاف صاف فرما دیا کہ ہم کو ہی سب کا مسلمان ہونا منظور نہیں۔ **وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّھُمْ جَمِیْعًا ط اَفَاَنْتَ تُکْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ** (اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے سو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں جس میں وہ ایمان ہی لے آویں) **وَمَآ اَکْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ** (اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں اگرچہ آپ ان کے ایمان لانے کی حرص بھی کریں) اور آپ کی تو بڑی شان ہے حق تعالیٰ نے آپ کی امت میں بھی ایسے شفیق لوگ پیدا کئے ہیں جن کو یہ ہرگز گوارا نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی امتی ان کی وجہ سے جہنم میں جائے۔

حکایت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مکی کا واقعہ ہے کہ ایک بار آپ بازار میں کچھ خریدنے تشریف لے گئے کوئی چیز خریدی اور تھیلی میں سے دام نکال کر دکاندار کو دیئے ایک بدوی نے دیکھا اور جب آپ چلے آپ کے پیچھے ہولیا جب آپ اپنے مکان کے قریب گلی میں پہنچے وہ بدوی آپ کے ہاتھ سے تھیلی اچک اور وہ جا یہ جا۔ آپ نے اس کا کوئی تعاقب نہیں کیا اپنے گھر میں داخل ہو کر زنجیر لگالی اب بدوی جو گلی سے نکلنا چاہتا ہے تو رستہ نہیں ملتا لوٹ پھر کر پھر وہاں ہی پہنچ جاتا ہے جہاں سے چلا تھا بہت پریشان ہوا آخر سمجھا کہ یہ شیخ کا

مال لینے کے سبب سے ہے دروازہ پر آ کر پکارا یا شیخ یا شیخ اب شیخ بولتے نہیں پھر اس نے گلی سے نکلنا چاہا مگر رستہ بند پھر شیخ کو پکارا جواب ندارد آخر اس نے غل مچانا شروع کیا کہ لوگو دوڑ و مجھ کو مار دیا محلّہ کے لوگ آئے اور پوچھا بدوی نے کہا اس گھر میں کون رہتا ہے اس نے مجھ پر ظلم کیا لوگوں نے اس کو ڈانٹا کہ اس میں تو ایک بڑے بزرگ رہتے ہیں اس نے کہا انہیں باہر بلاؤ تب میں بتلاؤں لوگوں نے منت سماجت کر کے حضرت کو بلایا حضرت تشریف لائے بدوی نے کہا انہوں نے مجھ پر یہ ظلم کیا ہے کہ میں نے ان کی تھیلی چھینی تھی اب ہم کو رستہ نہیں ملتا اب میں تھیلی واپس کرنا چاہتا ہوں تو یہ بولتے نہیں ان سے کہو کہ اپنی تھیلی لے لیں اور میری جان چھوڑیں لوگوں نے حضرت سے عرض کیا کہ تھیلی لے لیجئے آپ نے فرمایا میں تھیلی لے نہیں سکتا جب اس نے تھیلی چھینی تھی اسی وقت مجھ کو یہ خیال ہوا کہ افسوس یہ شخص اس غصب سے دوزخ میں جاوے گا میری طبیعت نے اس کو گوارا نہ کیا کہ میرے سبب سے میرے بھائی مسلمان دوزخ میں جاوے اس لئے میں نے یہ اس کو ہبہ کر دیا تھا اب ہبہ سے رجوع نہیں کرتا شیخ پر غلبہ حال تھا کہ صورت ہبہ کو ہبہ سمجھے اور صورت رجوع کو رجوع سمجھے ورنہ ہبہ بدون قبول موہوب لہ کے تام نہیں اور قبول بھی مجلس ہبہ میں شرط ہے اور یہاں دونوں باتیں مفقود تھیں اس لئے یہ ہبہ شرعاً تام نہیں ہوا تو اس سے رجوع کرنا بھی رجوع عن الھبہ نہ تھا مگر ان حضرات کو درجہ احتیاط میں صورت رجوع سے بھی وہی نفرت تھی جو عین رجوع میں ہوتی ہے تو دیکھئے مولانا نے اس بدوی کے تھیلی چھینتے ہی یہ فرمایا کہ اے اللہ میری وجہ سے یہ دوزخ میں نہ جائے میں نے یہ تھیلی اس کو ہبہ کر دی تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام نہیں چاہتے کہ ان کی وجہ سے کوئی دوزخ میں جاوے۔

انقطاع وحی کا سبب

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کب چاہتے تھے اس لئے واقعہ انقطاع وحی میں ایک صدمہ تو ہوا محبت حق کی وجہ سے اور دوسرا صدمہ ہوا شفقت علی الخلق کی وجہ سے سبب ثانی کا علاج تو بہت جگہ کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے **لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ** (آپ ان پر مسلط نہیں ہیں) اور **وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُوْنَ** (اور وہ جو کچھ شرارتیں کر رہے ہیں اس سے تنگ نہ ہو جایئے) ہاں اس مقام پر پہلے سبب کا ازالہ فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے آپ سے تعلق قطع نہیں کیا آپ اس کا وسوسہ نہ لایئے پھر اس کی تائید کے لئے اپنے احسانات یاد دلاتے ہیں کہ ہم کو آج ہی نہیں بلکہ آپ کے ساتھ ہمیشہ سے تعلق ہے ہم ہمیشہ آپ کے اوپر

عنایت وکرم کرتے رہے ہیں پھر آپ کو قطع تعلق کا وسوسہ کیوں پیدا ہوا اس جگہ جو احسانات حق تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں ان میں سب سے پہلے ایک جسمانی احسان کو بیان فرمایا ہے **اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی** کیا خدا نے آپ کو یتیم نہیں پایا تھا کہ پھر ٹھکانا دیا۔ ٹھکانا یہ دیا کہ آپ کے دادا عبدالمطلب اور چچا ابو طالب کو تربیت کے لئے مقرر فرمایا کہ انہوں نے آپ کو یتیموں کی طرح نہیں پالا بلکہ اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز رکھ کر پالا۔ دوسرا احسان باطنی ہے **وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی** یعنی خدا تعالیٰ نے آپ کو (امور قطعیہ سمعیہ سے) ناواقف پایا پھر خبردار کر دیا۔

انبیاء علیہم السلام کامل العقل ہوتے ہیں

یہ قیود میں نے اس لئے بڑھائیں کہ امور عقلیہ کے علم میں انبیاء علیہم السلام بدوں فطرت ہی سے کامل ہوتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام عقل میں سب لوگوں سے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ محض دعویٰ ہی نہیں بلکہ ہر زمانہ کے عقلاء کو یہ بات تسلیم کرنا پڑی ہے کہ واقعی انبیاء علیہم السلام کامل العقل ہوتے ہیں پس آپ امور عقلیہ سے کسی وقت ناواقف نہ تھے۔ البتہ وہ علوم جو عقل کے ادراک سے باہر ہیں جیسے بعض صفات واجب واحوال جنت ونار ومقادیر عبادات وغیرہ وغیرہ ان سے قبل از وحی آپ بے خبر تھے وحی کے بعد خبردار ہوئے اور بعض امور عقلیہ ظنیہ میں گو قبل از وحی بھی آپ کو علم حاصل تھا مگر ظنی تھا پھر وحی سے ان کی تاکید کر دی گئی تاکہ وحی سے وہ علم قطعی ہو جائے کیونکہ عقل سے بلا واسطہ جو علوم حاصل ہوتے ہیں ان میں خلط وہم کا اندیشہ رہتا ہے اور وحی میں کسی قسم کا احتمال نہیں اس لئے امور عقلیہ وحی کے بعد زیادہ قطعی ہو جاتے ہیں اس لئے شیخ ابن عربی کا مقولہ ہے کہ صوفیہ کے جو علوم حق سے بلا واسطہ ماخوذ ہوں وہ ظنی ہیں اور جو بواسطہ انبیاء کے ہوں وہ قطعی ہیں اسی کو عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

در راہ عشق وسوسہ اہرمن بسے است   ہشدار وگوش رابہ پیام سروش دار

(طریق باطن میں شیطان کے خطرات وساوس ہیں اگر ان سے بچنا چاہتے ہو تو ہوشیار رہو اور شریعت کا اتباع کرو)

یعنی صوفیہ کو جو بلا واسطہ القا ہوتا ہے اس میں خلط شیطانی کا اندیشہ رہتا ہے اور جو علوم بواسطہ قرآن وحدیث کے حاصل ہوتے ہیں وہ اس خلط سے بری ہیں اس لئے علوم مکاشفہ میں ضرورت ہے شریعت کے سامنے ان کو پیش کرنے کی اگر شریعت ان کو قبول کرے تو قبول ہیں ورنہ رد ہیں۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم تین قسم کے ہیں۔

(۱) عقلیہ محضہ جو عقل محض کے متعلق ہیں ان میں تو علوم انبیاء کے سامنے نہ ارسطو کی کچھ حقیقت ہے نہ افلاطون کی۔

(۲) امور سمعیہ غیر عقلیہ جہاں عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی ان سے قبل از وحی انبیاء علیہم السلام ناواقف ہوتے ہیں وحی کے بعد ہی ان کو علم حاصل ہوتا ہے۔

(۳) امور عقلیہ ظنیہ ان میں کبھی تو مزید تاکید کے لئے وحی کی احتیاج ہوتی ہے تاکہ وحی سے قطعیت ہو جائے اس وقت وحی آپ کے علم کے موافق نازل ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو بھی مطابقت بالوحی ہو گئی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو کیوں مطابقت نہ ہوتی مگر مزید قطع وحی ہی سے ہوتا ہے اور کبھی بدون وحی کے آپ کو یہ علم ہوتا ہی نہیں اور کبھی وحی ناسخ اس اجتہاد کی ہوتی ہے اس تفصیل سے یہ بات سمجھ میں آ گئی ہو گی کہ علوم عقلیہ قطعیہ سے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی وقت بھی ناواقف نہ تھے اور امور عقلیہ ظنیہ ہیں بعض سے قبل از وحی واقف تھے اور بعض سے ناواقف تھے اور امور سمعیہ غیر عقلیہ سے بعد وحی ہی کے واقف ہوئے خوب سمجھ لو۔

تفسیر آیت متلوہ

غرض اس جگہ حق تعالیٰ نے تین احسان بیان فرمائے ہیں ایک جسمانی بیچ میں روحانی اخیر میں پھر جسمانی یعنی ووجدک عائلاً فاغنی کہ آپ کو حاجت مند پایا تو تونگر کر دیا اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر امور جسمانیہ کو امور روحانیہ سے تلبس ہو جاوے تو وہ جسمانیات بھی روحانیات ہی میں داخل ہو جاتے ہیں چنانچہ دنیا کو اگر دین کے کاموں میں صرف کیا جائے اور اس کو آخرت کے لئے معین بنایا جاوے تو اس وقت دنیا بھی دین میں داخل ہو جاتی ہے ان احسانات کی یاد دہانی سے مطلب یہ ہوا کہ ہم نے آپ پر یہ احسانات کئے ہیں اور ایک مقدمہ یہاں محذوف ہے اس کو ملا لیا جائے وہ یہ کہ کریم اپنی عادت کو نہیں بدلا کرتا ہے اس لئے آپ بے فکر رہیئے کہ جو برتاؤ ہمارا آپ کے ساتھ اب تک رہا ہے ہمیشہ وہی برتاؤ رہے گا اور اسی طرح آپ پر انعامات واحسانات ہوتے رہیں گے قطع تعلق کا کبھی وسوسہ نہ لائیے۔ شاید تم اس مقدمہ پر یہ کہو کہ ہم تو بعض دفعہ انقطاع نعمت دیکھتے ہیں سب سے بڑھ کر نعمت ایمان ہے ہم تو اس کا انقطاع بھی دیکھ رہے ہیں چنانچہ بعض لوگ دین سے مرتد ہو جاتے ہیں جن کی نظیریں آج کل بہت نظر آ رہی ہیں اس شبہ کا جواب ایک آیت میں خود حق تعالیٰ ہی نے دے دیا ہے فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا

بِاَنۡفُسِهِمۡ یعنی حق تعالیٰ کسی قوم سے اپنا برتاؤ نہیں بدلتے جب تک کہ وہ لوگ خود ہی اپنا برتاؤ خدا تعالیٰ سے نہ بدل دیں پس جو لوگ مرتد ہو رہے ہیں یا نیکی وتقویٰ کے بعد معاصی میں مبتلا ہو رہے ہیں اول خود ان لوگوں نے اپنا تعلق منقطع کر لیا تب حق تعالیٰ نے بھی اپنی نعمت کو منقطع کر دیا اب یہاں ایک مقدمہ اور ماننا پڑے گا وہ یہ کہ آپ نے اپنا تعلق حق تعالیٰ سے کم نہیں کیا اور مقدمہ بالا کی بناء پر کریم کی عادت ہے کہ وہ از خود اپنے برتاؤ کو نہیں بدلا کرتا اس مجموعہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ انقطاع وحی سے قطع تعلق کا وسوسہ ہرگز نہ لائیں رہا یہ سوال کہ پھر وحی منقطع کیوں ہوئی تھی اس میں کیا حکمت تھی جو اس کو حق تعالیٰ نے اس سورت کے شروع ہی میں اشارۃ بیان فرما دیا ہے۔ وَالضُّحٰی وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی (قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جبکہ وہ قرار پکڑے) جس میں دن اور رات کی قسم ہے اس میں انقطاع وحی کی حکمت ہی کی طرف اشارہ ہے قرآن کی اقسام میں علوم ہوتے ہیں قسم سے محض تاکید کلام ہی مقصود نہیں ہوتی بلکہ ان میں جواب قسم پر استدلال ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اس سورت میں بھی جو ضحیٰ ولیل کی قسم ہے تو اس میں بھی اشارہ ہے۔ انقطاع وحی کی حکمت پر جس سے شبہ ہو گیا تھا قطع تعلق اور ناراضی حق کا فرماتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم وحی مثل چاشت کے ہے اور انقطاع وحی مثل رات کے ہے اور جس طرح عالم جسمانی کے لئے لیل ونہار کا تعاقب ناگزیر ہے اور بہت سی حکمتوں پر مشتمل ہے اسی طرح عالم روحانی میں بھی قبض وبسط کا تعاقب ضروری ہے کیا آپ یوں چاہتے ہیں کہ تمام عمر دن ہی رہا کرے تو اس صورت میں بھلا رات کی حکمتیں کیونکر حاصل ہوں گی اگر ساری عمر دن ہی رہا کرتا تو انسان ایسا اپنے کام کا حریص ہے کہ تمام دن کام کرنا چاہتا تاجر تجارت میں لگا رہتا' کاشتکار زراعت میں لگا رہتا ہر پیشہ والا اپنے پیشہ میں مشغول رہتا چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جاڑوں میں چھوٹا دن ہوتا ہے اس میں تو تمام دن کام کرتے ہی ہیں گرمیوں میں بڑا دن ہوتا ہے وہ بھی سارا کام ہی میں صرف ہو جاتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جتنا بھی بڑا دن ہوتا انسان اس کو اپنے کام ہی میں صرف کرتا جان کو آرام نہ دیتا حق تعالیٰ نے اس کی راحت کے لئے دن کے ساتھ رات بھی لگا دی جس میں چاہے کتنا ہی روشنی کا انتظام کیا جائے مگر دن کی طرح کام نہیں ہو سکتا پھر دن میں تو اگر نیند کو ٹالنا چاہو ٹال سکتے ہو مگر رات کو یہ ایسا چوکیدار ہے کہ خود بخود دفعتہً آنکھوں پر قبضہ کر لیتا ہے کتنا ہی ٹالو ٹل نہیں سکتا۔ اسی طرح بسط میں عبادات کا شوق بہت ہوتا ہے طاعات میں دل خوب لگتا ہے کام اچھی طرح ہوتا ہے اگر سالک پر ہمیشہ بسط ہی رہا کرے تو یہ ہر وقت عبادات ہی میں مشغول رہنا چاہے اور اپنی جان کو آرام نہ دے

اور ایسا کرنے سے شوق ختم ہو جاتا پھر عبادات سے معطل ہو جاتا کیونکہ طبعی امر ہے کہ اگر سارا شوق ایک دم سے پورا کر لیا جاوے تو پھر وہ باقی نہیں رہ سکتا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ طلباء کو فرمایا کرتے تھے کہ سبق کی یاد و تکرار کو ایسے وقت میں چھوڑنا چاہئے کہ طبیعت میں کچھ شوق باقی رہ گیا ہو شوق کو پورا نہ کرنا چاہئے ورنہ اس سے پھر شوق باقی نہیں رہتا اور اس کی عجیب مثال دیا کرتے تھے کہ دیکھو چکی پر اگر کچھ ڈورا لپٹا ہوا چھوڑ دیا جائے تب وہ پھر لوٹ آتی ہے اور اگر کبھی سارا ڈورا اتر گیا تو بڑی دقت سے اور دیر میں چڑھتی ہے بس تو یہ شوق چکی کے ڈورے کے مشابہ ہے اس کو تھوڑا سا ضرور باقی رکھنا چاہئے تو ہر روز سہولت سے کام ہوتا رہے گا۔ واقعی عجیب مثال دی ان حضرات کو معقول کا محسوس بنا دینا بہت ہی سہل ہوتا ہے غرض چونکہ طاعات و عبادات کا کام ساری عمر کا ہے ایک دو دن کا نہیں اور بسط میں شوق زیادہ ہوتا ہے جس سے سالک ہر وقت کام لینا چاہتا ہے اور اس کا انجام تعطل ہوتا اس لئے حق تعالیٰ کبھی کبھی قبض طاری کر دیتے ہیں جس میں چند روز کے لئے سالک کام کی زیادتی سے رک جاتا ہے کسی کام میں دل نہیں لگتا کیفیات واردات میں کمی آ جاتی ہے کام کرنا بھی چاہتا ہے تو نہیں ہو سکتا جس میں سالک یہ سمجھتا ہے کہ طاعات میں کمی آ گئی مگر حقیقت میں وہ طاعات کی ترقی ہے کیونکہ قبض کے بعد جو بسط آئے گا تو پھر خوب ہی کام ہوگا اور اگر قبض کبھی نہ ہوا کرے تو چند روز کے بعد شوق جب پورا ہو جائیگا پھر ساری عمر کام نہ ہو سکے گا کیونکہ انسان کی حالت یہ ہے کہ جب اس کا جوش اور شوق پورا ہو جاتا ہے پھر اس سے کام نہیں ہوتا اس لئے قبض کی ضرورت ہے' تا کہ سارا شوق ایک دفعہ ہی میں ختم نہ ہو جائے اس سے معلوم ہوا کہ قبض کا ورود دراصل بسط کے لئے ہے اس لئے قبض سے پریشان نہ ہونا چاہئے بلکہ اس کے بعد جو بسط آئے گا اس کا خیال کر کے دل کو تسلی دینا چاہئے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

چونکہ قبض آمد تو دروے بسط بیں تازہ باش و چیں میفگن بر جبیں

چونکہ قبضے آیدت اے راہرو آں صلاح تست آئیس دل مشو

(جب قبض پیش آئے تو اس میں بسط کا مشاہدہ کر د خوش و خرم رہو پیشانی پر بل نہ ڈالو اے سالک جبکہ تجھ کو قبض پیش آئے تو ناامید دل مت ہو وہ تیری اصلاح کے لئے ہے)

یہ حکمت تھی انقطاع وحی میں جس کی طرف وَالضُّحٰی وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی (قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جبکہ وہ قرار پکڑے) میں قسم کے ضمن میں اشارہ کیا گیا ہے شاید اس مقام پر کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہاں حق تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے احسان جتلا رہے ہیں جو تو

ہم ہے ضعف تعلق اور تجل کرنے کو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یتیم ہونے اور فقیر ہونے کو بیان فرمارہے ہیں جو تو ہم ہے اظہار نقص کو سو احسان جتلانے کا جواب تو یہ ہے کہ اس سے مقصود کیا ہے اس کو دیکھنا چاہئے اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انقطاع وحی سے صدمہ اور رنج ہوا تھا نیز کفار نے طعنے دیئے تھے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو چھوڑ دیا حق تعالیٰ نے اس کے جواب میں اپنے احسانات بیان فرمائے ہیں جس سے مطلب یہ ہے کہ ہم ہمیشہ آپ کے حال پر نظر عنایت کرتے رہے ہیں اور کریم اپنے برتاؤ کو از خود نہیں بدلا کرتا آپ انقطاع وحی سے قطع تعلق کا وسوسہ نہ کیجئے پس یہاں اظہار احسان سے مقصود مخاطب کے ساتھ اپنی قوۃ تعلق کو ظاہر کرنا ہے نہ وہ احسان جتلانا جس سے مقصود مخاطب کو شرمندہ کرنا ہو۔

اسرار محبت

رہا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یتیم وفقیر ہونے کو بیان کرنے سے اظہار نقص کا شبہ ہوتا ہے اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ دیکھنا چاہئے کہ وہ ظاہر کرنے والا کون ہے حق تعالیٰ ہی تو ظاہر کر رہے ہیں سو محبوب اگر محب کے متعلق کوئی نقص کی بات بھی کہہ دے اس سے جو خوشی ہوتی ہے اس کو عاشق ہی کا دل جانتا ہے پس جس کو آپ اظہار نقص سمجھتے ہیں اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے پوچھنا چاہئے کہ آپ کو اس میں کیا لطف آیا ہوگا سورہ عبس میں بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ عتاب فرمایا گیا ہے جس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ ایک بار آپ کی مجلس میں رؤسائے قریش جو سرداران کفار تھے بیٹھے ہوئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سمجھانے میں مشغول تھے کہ شاید ان کو ہدایت ہو جاوے۔ اتنے میں عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ صحابی نابینا حاضر ہوئے اور پکار کر عرض کیا یا نبی اللہ علمنی مما علمک اللہ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو سکھلایئے اس سے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت ان کا آنا کسی قدر گراں ہوا کیونکہ غرباء کے ساتھ مل کر بیٹھنے کو روساء قریش گوارا نہ کرتے تھے تو آپ کو خیال ہوا کہ اب ان غریبوں کے آنے سے یہ کم بخت چلے جائیں گے اور ہدایت سے محروم رہیں گے آپ کی نیت بالکل بجا تھی مگر غریب مسلمانوں کے مقابلہ میں حق تعالیٰ کو روساء کفار کی ہدایت کا اتنا اہتمام بھی گوارا نہیں جس سے غرباء کا آنا کسی وقت بار خاطر ہو اس لئے سورہ عبس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت لطیف عنوان سے اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ نابینا کا حاضر مجلس ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں کیوں ہوا پھر

اس خطاب میں آپ کو کیسا لطف آیا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس کے بعد جب کبھی عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر مجلس ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے مرحبا بمن عاتبنی فیہ ربی مرحبا (تفسیر القرطبی ۱۹، ۲۱۳) اس شخص کو جس کے متعلق میرے پروردگار نے مجھ پر عتاب فرمایا۔ محبوب کے عتاب آمیز خطاب میں جو لذت ہوتی ہے اس کو عشاق ہی جانتے ہیں۔ ایک بزرگ کے مرید حج کو جارہے تھے چلتے ہوئے شیخ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ہمارا سلام عرض کر دینا چنانچہ جب وہ حاضر روضہ اطہر ہوئے شیخ کا سلام عرض کیا وہاں سے جواب عطا ہوا کہ اپنے بدعتی پیر کو ہمارا بھی سلام کہہ دینا جب یہ شخص واپس آیا اور شیخ کی زیارت کو گیا انہوں نے پوچھا کہو بھائی ہمارا سلام عرض کیا تھا اس نے کہا جی ہاں عرض کیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے پیر کو ہمارا بھی سلام کہہ دینا مرید نے بدعتی کا لفظ نہ کہا۔ شیخ نے فرمایا کہ ایک لفظ کیوں چرالیا جو جان تھی خطاب کی کہا حضرت میں ادب کی وجہ سے وہ لفظ نہیں کہہ سکتا اور آپ کو تو معلوم ہی ہے پھر میرے کہنے کی کیا ضرورت ہے فرمایا کہ سننے میں جو لطف ہے وہ جاننے میں تھوڑا ہی ہے اور تم کو ادب یا بے ادبی سے کیا تعلق تم تو پیام رساں ہو تم کو وہی کہنا چاہیے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تمہارا کہا ہوا نہ ہوگا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ ہوگا چنانچہ مرید نے مجبور ہو کر کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اپنے بدعتی پیر کو ہمارا بھی سلام کہہ دینا بس یہ سنتے ہی شیخ کو وجد آ گیا رقص کرتے تھے اور یوں کہتے تھے

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

(مجھ کو تم برا کہو اور میں خوش ہوں عفاک اللہ تم نے اچھا کہا کیونکہ آپ محبوب ہیں اور محبوب کے لب سے جواب تلخ ہی زیبا اور بھلا معلوم ہوتا ہے) یہاں لوگوں کو تعجب ہوا ہوگا کہ جو بات شیخ کو پہلے ہی سے معلوم ہو چکی تھی اس کے سننے سے کیوں وجد ہوا جاننے سے کیوں نہ وجد ہوا ہائے اس سننے کی حقیقت عشاق ہی کو معلوم ہوتی ہے ابونواس کہتا ہے

الا فاسقنی خمرا وقل لی ھی الخمر ولا تسقنی سرا متی امکن الجھر

(محبوب سے کہتا ہے کہ مجھ کو شراب پلا اور یہ بھی کہتا رہ کہ یہ شراب ہے۔ مت پلا مجھ کو خفیہ جب تک ظاہر میں پلانا ممکن ہو) بھلا کوئی اس سے پوچھے کہ جب تجھ کو اس کا شراب ہونا معلوم ہے پھر اس کی کیا ضرورت ہے کہ وہ کہتا بھی رہے کہ یہ شراب ہے یہ شراب ہے مگر اس کو عاشق ہی کا ذوق سمجھ سکتا

ہے کہ جاننے میں وہ لطف نہیں جو نام سننے میں لطف ہے۔ ہمارے ایک دوست اپنی ایک بیوی کے عاشق تھے ان کی حالت یہ تھی کہ بیوی سے پوچھا کرتے کہ میں کون ہوں وہ کہتی کہ تم میرے عاشق ہو اس پر ان کو وجد ہوتا تھا ناچتے کودتے تھے واقعی اپنے عشق کے جاننے میں وہ مزہ کہاں جو محبوب کے اس کہنے میں لطف ہے کہ تم میرے عاشق ہو یہ راز تھا جس کی وجہ سے شیخ نے مرید کی زبان سے وہی لفظ سننا چاہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اور چونکہ وہ محض سفیر تھا اس لئے اس وقت اس کا کہنا گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا تھا اس لئے شیخ کو وجد آیا تو دیکھئے ان بزرگ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے کیسا لطف آیا کہ اپنے بدعتی پیر کو ہمارا سلام کہہ دینا حالانکہ بدعتی ہونا سخت عیب ہے اور مذموم ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے ان کو یہ لفظ پیارا معلوم ہوا اور مراد اس سے حقیقت بدعت کی نہ تھی ایسا شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کا مستحق کہاں ہے محض صورت بدعت مراد ہے جس میں عشاق غلبہ محبت سے مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ سے جو مسرت ہوئی ہوگی اس کا حال کون معلوم کرسکتا ہے۔ دوسرے مسوق لہ الکلام (جس کے لئے کلام چلایا گیا ہے) میں غور کرنے سے یہاں اظہار نقص کا شبہ بھی نہیں ہوسکتا بلکہ حق تعالیٰ کو ان حالات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ظاہر کرنا مقصود ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ کے ان حالات کا اہتمام خود ہم نے کیا تھا کہ جب آپ یتیم ہوئے تو ہم نے آپ کو ٹھکانا دیا اور جس کی آسائش کا اہتمام خود حق تعالیٰ فرمائیں تو وہ آسائش کامل ہی ہوگی۔ چنانچہ واقعی آپ کے دادا اور چچا نے ایسی محبت وشفقت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پرورش کیا ہے کہ باپ بھی اس سے زیادہ نہیں کرسکتا۔

غنائے قلب

اسی طرح جب آپ کو مفلس پایا تو حق تعالیٰ نے غنی کردیا تو یہ غنا بھی کامل ہی ہوگا کیونکہ حق تعالیٰ نے خود اس کا اہتمام فرمایا اس پر شاید کسی کو شبہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال اتنا زیادہ کہاں تھا جس سے آپ کے غنا کو کامل کہا جاوے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اول تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غنائے ظاہری کی ضرورت نہ تھی اور جو اصل غنا ہے یعنی غنائے قلب وہ تو آپ کے پاس بدوں فطرت سے موجود تھی اور نبوت کے بعد اس میں اس قدر ترقی ہوئی کہ کسی کو بھی آپ کے برابر غنائے قلب حاصل نہ ہوگا (کیونکہ اس کا مدار توکل اور تعلق مع اللہ پر ہے اور ان صفات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی کامل نہیں اس لئے آپ کے غنائے قلب کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا) بلکہ ظاہری غنا سے تو اہل قلب کو اور پریشانی ہوتی ہے اور اس کے حقوق کا خیال کرکے یہ پریشانی اور زیادہ

بڑھ جاتی ہے اسی کے ازالہ کے لئے حق تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے فرمایا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِکْ بِغَیْرِ حِسَابٍ (یہ بے شمار ہماری عطا ہے دو یا نہ دو) اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک یہ کہ ھذا عطاء نا بِغَیْرِ حِسَابٍ یہ ہماری عطا ہے اور بے حساب یعنی بے شمار بغیر حساب سے کثرت کا بتلانا مقصود ہے اور ایک تفسیر یہ ہے کہ بغیر حساب معمول ہے فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِکْ کا یعنی یہ ہماری عطا ہے خواہ دو یا نہ دو آپ سے اس کے حقوق کے متعلق کوئی سوال اور باز پرس نہ ہوگی دو یا نہ دو جس طرح چاہو تصرف کرو کلی اختیار ہے۔ دوسری تفسیر مجھے زیادہ پسند ہے اور واقعی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے اتنی بڑی سلطنت اور اس کا ساز و سامان خار جان ہو جاتا اگر ان کی تسلی اسطرح نہ کی جاتی جب بغیر حساب فرما کر بار غم ہلکا کر دیا گیا اس کے بعد انہوں نے بے فکری سے سلطنت کی اس ظاہری سامان کی کثرت کا موجب پریشان ہونا ثابت ہو گیا تب ہی تو اس کا ازالہ کیا گیا۔

نبی عبد

اسی واسطے جب حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا کہ چاہے نبی ملک (بادشاہ) ہونا اختیار کر لیں یا نبی عبد ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کے مشورہ سے نبی عبد ہونا اختیار کیا اگر آپ بھی نبی ملک ہونا چاہتے تو آپ سے بھی یہی ارشاد ہوتا ھذا عطاء نا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِکْ بِغَیْرِ حِسَابٍ (یہ بے شمار ہماری عطا ہے دو یا نہ دو) اور اس سے آپ کی بھی تسلی کر دی جاتی مگر آپ نے سلطنت پر عبدیت کو ترجیح دی اور غنائے ظاہری کو اختیار نہیں فرمایا دوسرے اگر غنائے ظاہری ہی مراد لی جائے جیسا مشہور مفسرین میں یہی ہے تو گو آپ کے پاس مال جمع نہ رہتا تھا اور اسی سے شبہ عدم غنائے ظاہری کا ہو سکتا ہے مگر جو مقصود ہے غنائے ظاہری سے کوئی مصلحت ان کی نہ رہے وہ مقصود اس طرح حاصل تھا کہ وقتاً فوقتاً اس طرح مال آتا تھا کہ سلاطین و امراء کی طرح آپ خرچ فرماتے تھے جس میں یہ بھی حکمت تھی کہ آپ مقتدا تھے اور مقتدا کے لئے وقعت کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ عرفاً تمول سے ہوتی ہے بشرطیکہ تمول پر تحول بھی مسلط ہو (یعنی سخاوت بھی ہو کہ لوگوں کو دیتا دلاتا رہے جس سے مال چلتا پھرے)۔

غنائے ظاہری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری غنا کی بھی یہ حالت تھی کہ آپ نے حج وداع میں سو اونٹ قربان کئے جن میں تریسٹھ اپنے دست مبارک سے نحر کئے جس کی کیفیت حدیث میں آتی ہے کلھن یز دلفن الیہ کی ہر اونٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنی گردن بڑھاتا تھا گویا

ہرایک یہ چاہتا تھا کہ پہلے مجھے ذبح کیجئے سبحان اللہ کیا شان محبوبیت تھی۔

ہمہ آہوان ان صحرا سر خود نہادہ برکف بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد
(جنگل کے تمام ہرنوں نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ لیا ہے اس امید پر کہ کسی دن تو شکار کو آوے گا)

یہ شعر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شان میں زیادہ چسپاں ہے واقعی آپ تو ایسے ہی تھے کہ جانور اپنی گردنیں خود آگے بڑھاتے تھے اور ہر ایک چاہتا تھا کہ کاش پہلے میں آپ کے ہاتھ سے ذبح ہو جاؤں اتنے اونٹوں کا ذبح ہونا بدون ظاہری غنا کے کب ممکن ہے اسی طرح آپ کی عطاء اور سخاوت کی یہ حالت تھی کہ بعض دفعہ آپ نے سو سو دو دو سو اونٹ ایک ایک شخص کو عطا فرمائے ایک اعرابی کو بکریوں کا بھرا جنگل عنایت فرما دیا بحرین سے جب مال آیا تو وہ اتنا تھا کہ مسجد میں سونے چاندی کا ڈھیر لگ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کا سب ایک دم سے بانٹ دیا اور بعض صحابہ کو اتنا دیا جتنا وہ اٹھا سکتے تھے ایسی نظیریں تو سلاطین کے یہاں بھی نہیں سنی جاتیں اس سے آپ کا غنائے ظاہری بھی ظاہر ہے کیونکہ غنائے ظاہری کی حقیقت مال کا رکھنا نہیں ہے بلکہ مال کا خرچ کرنا ہے وہ بوجہ اکمل ثابت ہو گیا۔

کمال ہدایت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اس کے بعد وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی (اور آپ کو بے خبر پایا تو راستہ بتلا دیا) میں آپ کی کمال ہدایت کا بیان ہے کہ حق تعالیٰ نے خود آپ کی تعلیم و تربیت کا اہتمام فرمایا تو ضرور ہے کہ اس کا درجہ بھی کامل ہو چنانچہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کتنا کچھ کامل تھا۔ بھلا جس نے بچپن میں کسی استاد سے ایک حرف بھی نہ پڑھا ہو نہ ایک حرف لکھا ہو اس کے علم کی یہ حالت کہ تمام دنیا کو علم سکھلا دیا عرب کے جاہلوں کو ارسطو و افلاطون سے زیادہ حکیم بنا دیا یہ کمال ہدایت نہیں تو کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا اندازہ احادیث کے پڑھنے سے اور قرآن میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے چنانچہ قرآن کے مطالب کو ایسا کوئی شخص حل نہیں کر سکا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو جانتے تھے ادھر احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح اخلاق و تہذیب نفس و حسن معاشرت و تمدن و قضاء و امارات و سلطنت کے جو اصول و قواعد بیان فرمائے ہیں ان کو دیکھ کر آپ کے علوم کا اندازہ ہو سکتا ہے بھلا کوئی شخص بھی ایسا جامع ہو سکتا ہے جو عبادات کی بھی کامل تعلیم دے اخلاق کی بھی معاملات کی بھی معاشرت کی بھی اور تمدن و سیاست کی بھی پھر تعلیم بھی کیسی پاکیزہ جس کی نظیر ملنا محال ہے۔ پس حق تعالیٰ

نے اس مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقائص کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ آپ کے احوال کی تکمیل وکمال کو بیان فرمایا ہے خوب سمجھ لو اشکال کا جواب تو ہو گیا۔

ترغیب انفاق فی الخیر

اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ مضمون اس وقت میں نے کیوں اختیار کیا میں اس وقت اس کا سبب بتلاتا ہوں۔ احباب کو معلوم ہے کہ میں چندہ کا ذکر وعظ میں کبھی نہیں کیا کرتا اور یہ میرے اندر کمی ہے کیونکہ جب حق تعالیٰ نے قرآن میں جابجا انفاق فی الخیر کی ترغیب دی ہے تو میں اس سے رکنے والا کون ہوں مگر اس کمی میں میں منفرد نہیں بلکہ سامعین بھی شریک ہیں ان کی شرکت اس بناء پر ہے کہ لوگوں کو انفاق کا ذکر ناگوار ہوتا ہے بلکہ سچ پوچھئے تو خود میری کمی کا سبب بھی یہی ہے اگر لوگوں کو چندہ کا ذکر ناگوار نہ ہوا کرتا تو میرے رکنے کی کوئی وجہ نہ تھی اسی لئے میں اس کا بیان بہت ہی کم کرتا ہوں مگر جب کرتا ہوں تو صاف صاف کرتا ہوں واعظوں کی طرح ہیر پھیر نہیں کرتا جیسے ایک صاحب نے چندہ کی ترغیب دی ایک عورت نے اپنے پیر سے ایک جھانور نکال کر دے دی تو اب آپ کو فکر ہوئی کہ کسی طرح دوسری جھانور بھی لینی چاہئے فوراً ایک مضمون گھڑا اس عورت کو بہت دعا دی شاباش دی پھر کہا کہ مگر افسوس یہ ہے کہ ایک پیر تو جنت میں ہے اور ایک پیر دوزخ میں اس عورت نے یہ سن کر دوسری جھانور بھی نکال کر پھینک دی حالانکہ یہ مضمون بالکل غلط تھا۔ بھلا ایک جھانور نہ دینے سے دوسرا پیر دوزخ میں کیوں چلا گیا بلکہ وہ تو جنت سے بھی باہر نہ رہے گا۔ اسی طرح بعض لوگ علم کی فضیلت بیان کرنا شروع کرتے ہیں پھر مدارس کی ضرورت بیان کر کے اپنے مدرسہ کی امداد کا ذکر کرنے لگتے ہیں جس سے سننے والے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ علم کے سارے فضائل اپنے مدرسہ کے چندہ کے واسطے بیان ہوئے تھے تو میں ایسا نہیں کرتا کہ چندہ کے ذکر کا کسی مضمون کا جوڑ لگاؤں بلکہ کبھی میں اس کا ذکر شروع کرتا ہوں اسی وقت صاف کہہ دیتا ہوں کہ اب میں چندہ کا بیان کروں گا جس کو ناگوار ہو وہ اٹھ جائے اس کے بعد بھی جو بیٹھا رہے وہ اپنی خوشی سے سنتا ہے تو میری طرف سے ان پر کسی ناگوار بیان کا بوجھ نہیں پڑا۔ اب میں یہ بھی بتلانا چاہتا ہوں کہ لوگوں کو چندہ کا بیان ناگوار کیوں ہے اس کی یہ وجہ نہیں کہ ہندوستان کے لوگ چندہ دینے میں بخیل ہیں۔ یہ خیال تو مجھے بیان چندہ سے مانع بہت کم ہوا البتہ یہ خیال کبھی کبھی مانع ہوتا تھا کہ یہاں کے مسلمان دیگر ممالک کے مقابلہ میں مفلس زیادہ ہیں۔ شاید اس لئے ان کو چندہ کا بیان ناگوار ہوتا ہے مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے مسلمان باوجود افلاس کے بہت چندہ دینے والے ہیں حتیٰ کہ ان کے برابر کسی جگہ کے مسلمان چندہ دینے والے

نہیں تو ایسی حالت میں افلاس بھی نا گواری کا سبب نہیں ہوگا وہ نا گواری صفت سخا کے سبب زائل ہو جاوے گی پس جب نہ بخل اس نا گواری کا سبب ہوا اور نہ افلاس تو پھر اور کیا سبب ہے۔ سنئے اس نا گواری کا اصل سبب یہ ہے کہ ہم مولویوں اور واعظوں اور لیڈروں میں بعضے ایسے بھی ہیں جنہوں نے چندہ مانگا اور لوگوں کی جیبوں سے روپیہ نکال کر اپنی جیب میں ڈال لیا پھر وہ ہانڈی اور تنور میں لگ گیا غریب مسلمان تو اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کر چندہ دیں اور یہ اس سے اپنے پیٹ کا دوزخ بھریں چنانچہ آج کل ہر طرف سے چندوں کی بابت اس قسم کی شکایتیں سننے میں آتی ہیں پھر اب لوگوں کو چندہ کا بیان گراں کیوں نہ ہو مگر اس نا گواری کا علاج مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے وہ خود اس کا علاج کر سکتے ہیں وہ یہ کہ ہر شخص کو روپیہ نہ دیں بلکہ ایسے ہاتھوں کو دیں جن میں احتیاط کا مادہ ہے۔

رقم چندہ کے بے دریغ خرچ کی مذمت

پس میں چندہ کی تحریک کرتا ہوں اور محل بتلاتا ہوں اس محل کے متعلق مجھے اس وقت یہ کہنا ہے کہ یہاں حق تعالیٰ شانہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین حالات بیان فرمائے ہیں۔ (۱) یتیم ہونا (۲) مسکین ہونا (۳) علوم سمعیہ سے ناواقف ہونا اور اس کے مقابلہ میں آپ نے تین افعال بیان فرمائے ہیں۔ (۱) ایواء (۲) اغناء (۳) ہدایت و تعلیم۔ اور ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سب کامل ہیں آپ کی کوئی حالت ناقص نہیں ہوسکتی اور منجملہ آپ کے حالات کے ایک یتیم ہونا بھی ہے تو یہ حالت بھی کمال کی ہوگی تو جو شخص یتیم ہوگا وہ ایک گونہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت رکھنے کے سبب صاحب حالت کاملہ و قابل احترام ہوگا پس یتیم قابل تعظیم بھی ہوا اور اس کی حالت قابل توجہ بھی ہوئی۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے بھی اس مقام پر صفت یتیمی کو اپنی توجہ کا سبب بتایا ہے کیونکہ اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی (کیا نہ پایا آپ کو یتیم پس ٹھکانا دے دیا) میں ایواء (ٹھکانہ دینا) کو متفرع کیا گیا ہے یتیم پر کیونکہ فاء عاطفہ میں تعقیب پر دلالت ہوتی ہے جس سے مابعد کا ماقبل پر متفرع ہونا مفہوم ہوتا ہے اور اگر اس کو فاسببیہ کہا جائے تو پھر سببیت پر دلالت ظاہر ہے لیکن اگر سببیہ بھی نہ ہو تو محض عاطفہ ہونا بھی دلالت علی التفرع سے خالی نہیں جس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ایواء میں یتیم ہونے کو گونہ دخل ہے بہر حال یتیموں کی حالت کا قابل توجہ ہونا اس آیت سے بخوبی ظاہر ہے۔

اپیل چندہ

اور اس وقت آپ جس انجمن کے جلسہ میں شریک ہیں سب کو معلوم ہے کہ اس کے مقاصد

میں یتیموں کی پرورش بھی داخل ہے اس لئے ہم کو چاہئے کہ اس کام میں وسعت کے موافق حصہ لیں اور یتیموں کی امداد کا ضرور خیال کریں اور گو اس آیت میں حق تعالیٰ نے یتیم پر صرف ایواء کو مرتب فرمایا ہے جس کے معنے ہیں ٹھکانا دینا جگہ دینا لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں صرف جگہ دینا ہی مراد نہیں بلکہ ہر قسم کی آسائش کا انتظام کر دینا مراد ہے کیونکہ محاورات میں ٹھکانا دینا اسی وقت بولا جاتا ہے جبکہ کسی شخص کی آسائش کا پورا انتظام کر دیا جائے (چنانچہ جب کسی شخص کو اچھی جگہ ملازمت مل جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ بھائی خدا کے فضل سے ہمیں تو ٹھکانا مل گیا یعنی آسائش کی صورت مل گئی ورنہ محض مکان سے تو وہ پہلے بھی خالی نہ تھا) اس لئے ہم کو اس یتیموں کے کھانے کپڑے کا بھی انتظام کرنا چاہئے ان کے لئے مکان کا بھی انتظام کرنا چاہئے چنانچہ یہ انجمن بہت خوبی کے ساتھ یہ سب کام کر رہی ہے اور یہ سب ایواء ہی میں داخل ہیں پھر اس وقت یہاں ایواء لغوی بھی موجود ہے وہ یہ کہ یتیموں کے لئے مکان کی ضرورت ہے کیونکہ پرانا مکان کافی نہیں ہے اور یتیموں کی تعداد دن بدن بڑھتی جاتی ہے اس لئے ایسی جگہ کی ضرورت ہے جو وسعت کے ساتھ کافی ہو سکے سیکرٹری صاحب انجمن سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے زمین کا انتظام تو اس طرح فرما دیا کہ حکومت کی طرف سے ایک بڑا قطعہ مل گیا ہے جو بہت کافی ہے مگر حکومت نے اس کے لئے ایک میعاد مقرر کی ہے کہ اس میعاد میں مکان کی تعمیر شروع ہو گئی تب تو انجمن کا قبضہ اس زمین پر مسلم ہوگا ورنہ زمین واپس لے لی جائے گی اور اس شرط میں حکمت بھی تھی کیونکہ کسی کو جائیداد دینا تو مقصود نہیں بلکہ ایک کام کے لئے جگہ دینا مقصود ہے۔ اگر وہ کام ہوا تب تو دی جائے گی اور کام نہ ہوا تو واپس لے لی جائے گی یہ بھی ان کی زبانی معلوم ہوا کہ پہلی میعاد ختم ہو گئی تھی پھر اس میں توسیع کرائی گئی پھر بھی تعمیر مکان کا انتظام نہ ہو سکا اب وہ معیاد بھی ختم ہونے کو ہے اور اب تک تعمیر کا انتظام مکمل نہیں ہوا اس لئے یہ جلسہ تجویز کیا گیا تا کہ عام مسلمانوں کو اس ضرورت سے مطلع کیا جائے کیونکہ اگر اب بھی تعمیر کا کام شروع نہ ہوا تو مسلمانوں کے ہاتھ سے ایک قیمتی قطعہ نکل جائے گا جس کا ملنا ہر وقت آسان نہیں سیکرٹری صاحب سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اس ضرورت کے لئے بیرون شہر چندہ کی کوشش کی تو باہر کے لوگوں نے یہ کہا کہ یہ کام ایک خاص شہر کے متعلق ہے پہلے ہم کو یہ بتلاؤ کہ اس شہر کے باشندوں نے اس میں کیا حصہ لیا پھر ہم بھی شریک ہو جائیں گے اور واقعی ان کا یہ سوال بجا تھا کیونکہ کسی ضرورت کے واقعی اور غیر واقعی ہونے کا حال ان لوگوں کو سب سے زیادہ ہوتا ہے جہاں کی وہ ضرورت ہے۔ پس اگر وہ واقعی ضرورت ہوتی تو

اس جگہ کے اہل خیر ضرور اس میں شریک ہوتے ہیں اور جس کام میں اس جگہ کے رہنے والے شریک نہ ہوں تو اس سے باہر والوں کو اس کے ضروری ہونے میں بلکہ واقعی ہونے میں شبہ ہو جاتا ہے علاوہ ازیں یہ کہ جو ضرورت جس جگہ کی ہوتی ہے ان پر سب سے زیادہ حق بھی ہوتا ہے اس لئے سب سے پہلے باشندگان شہر کو اس امداد میں حصہ لینا چاہئے اسی غرض کے لئے یہ جلسہ کیا گیا ہے تا کہ آپ حضرات کو اسی ضرورت سے مطلع کیا جائے اب ضرورت ہے کہ مسلمان اس میں توجہ کریں پس تعمیر مکان میں امداد کرنا تو ایواء یتیم میں داخل ہو گیا پھر یتیم لڑکے یہاں رہ کر تعلیم دین بھی حاصل کرتے ہیں تو اس میں ہدایت ضال بھی ہے، پھر یہاں جتنے یتیم بچے ہیں وہ سب مسکین بھی ہیں اور آپ کی امداد سے ان کو کھانا کپڑا ملے گا ان کی حالت درست ہو گی ان کو غنا حاصل ہو گا تو اس میں امداد کرنے میں غناء مسکین بھی ہے۔

مدارس دینیہ میں دستکاری کی تعلیم کی ضرورت

نیز یہاں یتیموں کو دستکاری کی بھی تعلیم دی جاتی ہے تا کہ وہ یہاں سے فارغ ہو کر اپنی معیشت کا سامان سہولت سے کر سکیں۔ اس کا بھی اغناء مسکین ہونا ظاہر ہے اور دستکاری کی تعلیم کو دنیا نہ سمجھا جائے بلکہ اگر نیت اچھی ہو تو وہ بھی دین میں داخل ہے مثلاً یہ نیت کی جائے کہ یتیم بچے دستکاری سیکھ کر سوال کرنے اور بھیک مانگنے سے بچیں گے یا ناجائز طریقوں سے دنیا نہ کمائیں گے اس نیت سے دستکاری سیکھنا اور سکھانا کسب حلال میں داخل ہے جس کے متعلق ارشاد ہے

كسب الحلال فريضة من بعد الفريضة (حلیۃ الأولیاء ۷:۱۶۲، کشف الخفاء ۱۶۲)

(فرائض کے بعد حلال کمائی بھی فرض ہے) اور میں تو آج کل اس کی تعلیم کو بہت ہی ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ ایسا شخص جو کسی قسم کا پیشہ اور ہنر جانتا ہو مخلوق کو دھوکہ دے کر دنیا نہ کمائے گا جیسا کہ آج کل بہت لوگوں نے پیرزادگی کا جال پھیلا رکھا ہے اور بہت سے نااہلوں نے وعظ گوئی کو ذریعہ معاش بنا لیا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ دینی مدارس میں دستکاری کی شاخ کھول دی جائے کیونکہ ہر کام کا ایک اصول ہوتا ہے بے اصول کے کوئی کام سرسبز نہیں ہوتا پس دستکاری کی تعلیم کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ اس کو دینی تعلیم کے ساتھ منضم کیا جائے کیونکہ پھر دونوں کے مدغم ہو جانے کا اندیشہ ہے اول اول انضمام ہوتا ہے پھر انجام کار ادغام ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دینی تعلیم کا نام ہی نام رہ جاتا ہے حالانکہ مسلمانوں کو جہاں دستکاری کی ضرورت ہے وہاں اس سے زیادہ اس کی ضرورت ہے کہ ان میں ایسے افراد پیدا ہوں جو علوم دین میں متبحر ہوں۔

مدارس اسلامیہ میں تقریر ومناظرہ

اور تجربہ ہے کہ دینی تعلیم میں تبحر اسی وقت ہوتا ہے جبکہ طالب علم تعلیم دین کے وقت ہمہ تن اسی طرف متوجہ ہوں اور دستکاری کی شاخ مل جانے کے بعد توجہ منقسم ہو جائے گی اس لئے دین میں تبحر حاصل نہ ہو سکے گا اسی لئے میں اس کا بھی مخالف ہوں کہ دینی مدارس میں تقریر ومناظرہ کی تعلیم کے لئے کوئی شعبہ قائم کیا جائے کیونکہ تجربہ ہے کہ طالب علم تقریر ومناظرہ میں زمان تعلیم کے وقت مشغول ہو کر پھر کتابوں میں پوری توجہ نہیں کرتے جس سے ان کی کتابی استعداد ناقص رہ جاتی ہے بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان کاموں کے لئے مستقل مدارس قائم کئے جائیں دینی مدارس میں محض مسائل دین اور ان کے مقدمات کی تعلیم ہونی چاہئے اور دستکاری کے مدرسوں میں محض دستکاری کی تعلیم ہونی چاہئے اور مناظرہ کے مدارس میں محض مناظرہ کی تعلیم ہونی چاہئے اس طرح جو شخص جس مدرسہ سے فارغ ہوگا وہ اس کام میں ذی استعداد اور فاضل ہوگا۔

ایواء یتامی

غرض اس وقت ایواء یتیم ہدایت طالب و اغناء مسکین سب جمع ہیں جن کے محل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانیں جھلک رہی ہیں اور اس محل کے ساتھ معاملہ جمیل کرنے میں حق تعالیٰ کے افعال کی شانیں جھلک رہی ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ سب مسلمان توجہ کریں میرے نزدیک اس کی آسان صورت یہ ہے کہ جو لوگ زیادہ وسعت رکھتے ہیں وہ یتیم خانہ کا ایک ایک کمرہ لے لیں کہ وہ کمرہ خالص ان کی رقم سے تعمیر کر دیا جائے اور اگر ایک شخص ایک کمرہ نہ لے سکے تو چند آدمی مل کر ایک کمرہ کی تعمیر اپنے ذمہ لے لیں شاید بعض عورتیں بھی امداد کرنا چاہیں ان کو چاہئے کہ فرش اور لپائی کا خرچ وہ اپنے ذمہ لے لیں تو دیواریں مردوں کی ہوں گی اور فرش عورتوں کا پھر وہ لطیفہ ہو جائے گا جو مولوی عبدالرب صاحب نے سہارنپور کی جامع مسجد کے متعلق ایک زنانہ وعظ میں فرمایا تھا۔ وعظ میں اول تعمیر مسجد کے فضائل بیان فرمائے پھر کہا کہ افسوس ہے ہماری بہنیں اس فضیلت سے محروم رہ گئیں کیونکہ مسجد مکمل ہو چکی سارا کام قریب الختم ہے۔ پھر کہا ہاں خوب یاد آیا ایک کام تو ابھی باقی ہے اور اصل کام وہی ہے اور وہ فرش کا کام ہے۔ کیونکہ مسجد میں نماز تو فرش ہی پر پڑھتے ہیں۔ بس ہماری بہنوں کو مسجد کا فرش بنوا دینا

چاہئے۔اس میں یہ لطف ہوگا کہ جب فرشتے نمازیوں کی نمازوں کو حق تعالیٰ کے سامنے پیش کریں گے تو یوں عرض کریں گے کہ لیجئے حضور بندوں کی نمازیں اور بندیوں کی جانمازیں۔ مولوی عبدالرب صاحب کے وعظ میں ایسے لطیفے بہت ہوا کرتے تھے۔

مستورات کو چندہ دینے کے لئے ضروری ہدایات

مگر عورتوں سے اگر چندہ لیا جائے اور اس غرض سے زنانہ میں وعظ کہا جائے تو اس میں چند امور کا لحاظ ضروری ہے۔ایک یہ کہ عورتوں کے وعظ میں اشعار نہ پڑھے جائیں اور اگر پڑھے جائیں تو آواز بنا کر نہ پڑھے جائیں بلکہ سیدھے سادے طریقہ سے پڑھ دیئے جائیں۔دوسرے یہ کہ مجلس وعظ میں اگر عورتیں چندہ دیں تو اس کو اس وقت نہ لیا جائے بلکہ ان سے کہہ دیا جائے کہ اپنے شوہروں یا عزیزوں کے ساتھ بھیجیں کیونکہ عورتیں چندہ میں اکثر اپنا زیور دیا کرتی ہیں اور زیور دو قسم کا ہوتا ہے ایک وہ جو ان کو باپ کی طرف سے ملتا ہے یہ تو ان کے ملک ہوتا ہے دوسرا وہ جو شوہر بنا کر ان کو دیتا ہے یہ بعض جگہ تو عورتوں کے ملک ہوتا ہے اور بعض جگہ مردوں کی ملک، ہوتا ہے جو عورتوں کو محض استعمال کے لئے مستعار دیا جاتا ہے تو اس زیور میں تو شوہر کی رضا بہت ہی ضروری ہے کیونکہ وہ اس کی ملک ہے عورتوں کو اس میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں اور جو زیور خاص عورتوں ہی کی ملک ہو گو اس میں شوہر کی اجازت کی تو ضرورت نہیں مگر مناسب یہ ہے کہ عورتیں خالص اپنی ملک میں بھی کوئی تصرف شوہر کی مرضی کے خلاف نہ کریں اور مجلس وعظ میں جو چندہ عورتیں دیتی ہیں وہ عموماً شوہر سے مشورہ کئے بغیر دیتی ہیں کیونکہ وہ تو فوری جوش کا اثر ہوتا ہے اس سے پہلے ان کی نیت ہی نہیں ہوتی تو مشورہ کس سے کرتیں اس لئے بہتر صورت یہ ہے کہ مجلس وعظ میں عورتوں کا چندہ نہ لیا جائے بلکہ ان سے کہہ دیا جائے کہ جس کو جو کچھ دینا ہو وہ اپنے باپ یا شوہر اور کسی عزیز کے ہاتھ بھیجیں۔مجلس وعظ کے بعد جو کچھ وہ بھیجیں گی اس میں مشورہ کر سکتی ہیں نیز چندہ لینے والا تحقیق بھی کر سکتا ہے باقی مجلس وعظ میں عورتوں سے چندہ لینے کے تو مفاسد بہت جگہ تجربہ میں آچکے ہیں اس لئے مہتممان مدارس کو اس سے بہت احتراز کرنا چاہئے یہ اجمالی بیان تھا عورتوں کے چندہ کے حقوق کا اور عام چندوں کے حقوق تو بارہا بیان ہوئے ہیں اس کے بیان کی اس وقت ضرورت نہیں جن میں ایک بڑا حق یہ ہے کہ کسی پر کسی قسم کا اثر ڈال کر یا دباؤ ڈال کر چندہ نہ لیا جائے اب میں ختم کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ سب مسلمان یتیم خانہ کی تعمیر مکمل کرنے میں پوری توجہ کریں گے جتنی جس میں ہمت ہو اس سے دریغ نہ کیا جائے نہ تو اپنے اوپر بار ڈالا جائے اور نہ

اتنی غفلت کی جائے کہ کچھ بھی خیال نہ ہو اور جس سے مالی امداد نہ ہو سکے وہ دوسروں کو ترغیب دیں اور جس سے یہ بھی نہ ہو سکے وہ دعا سے امداد کرے مسلمان کی دعا بھی بڑی امداد ہے اور جس سے یہ بھی نہ ہو سکے وہ خدا کے لئے اسلامی کام میں روڑے نہ اٹکاوے کیونکہ آج کل بعض لوگ اس مذاق کے بھی ہیں جو نہ خود کام کریں نہ کسی کو کرنے دیں۔

اختتام وعظ

بس اب میں ختم کرتا ہوں دعا کیجئے حق تعالیٰ ہم کو توفیق خیر دے اور سامعین کو چاہئے کہ وعظ کے بعد فوراً منتشر نہ ہوں بلکہ تھوڑی دیر توقف کریں۔ انجمن کی طرف سے ایک رپورٹ پڑھی جائے گی اس کو میں نے بھی دیکھا ہے اور کہیں کہیں مناسب مشورے بھی دیئے ہیں جو خوشی کے ساتھ قبول کئے گئے۔ اس میں جہاں تک میرا خیال ہے جو کچھ ہے صحیح مضمون ہے کسی قسم کی مضمون نگاری نہیں ہے۔ رپورٹ کے ساتھ ایک نظم بھی ہے جو کسی نے خوب ہی درد سے لکھی ہے وہ سننے کے قابل ہے اس کا مضمون ایسا ہے کہ کوئی شخص اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حق تعالیٰ ناظم کو جزائے خیر دے (اس کے بعد حضرت حکیم الامت مدظلہ العالی بدون ہاتھ اٹھا کر دعا کئے منبر سے اتر آئے کیونکہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے بعد اکثر مجمع منتشر ہو جاتا ہے۔ حضرت کے منبر سے اترنے کے بعد انجمن کی طرف سے رپورٹ سنائی گئی پھر یتیم بچوں نے دردناک لہجہ سے نظم پڑھنا شروع کی یتیموں کی زبانی ان کی المناک کہانی سن کر سارا مجمع بے ساختہ رونے لگا۔ بعضوں کی ہچکیاں بندھ گئیں بالآخر یتیم بچے بٹھلا دیئے گئے اور نظم کو ایک دوسرے صاحب نے پورا کیا اس کے بعد امام صاحب جامع مسجد نے ایک پرزور پر جوش تقریر سے سامعین کو تعمیر یتیم خانہ کی طرف متوجہ کیا جس پر چاروں طرف سے چندہ کی رقمیں لکھوائی جانے لگیں تقریباً آدھ گھنٹہ میں سات آٹھ ہزار روپے کے وعدے لکھوائے گئے بعض اہل خیر نے صدر دروازہ کی تعمیر اپنے ذمہ لی بعض حضرات نے ایک ایک کمرہ کی تعمیر کا وعدہ فرمایا بعض نے نقد امداد کی حضرت اقدس سیدی حکیم الامت دام مجدہم نے بھی یتیم خانہ کی تعمیر میں مبلغ صد روپے عنایت فرمائے جو نہایت مسرت و ابتہاج کے ساتھ قبول کئے گئے اور لاکھوں سے زیادہ سمجھے گئے بالآخر بارہ بجے کے بعد جلسہ نہایت خیر و خوبی و کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔ حضرت حکیم الامت نے اس وقت ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی سامعین نے بھی ہاتھ اٹھائے اور بارگاہ رب العالمین میں عجز و نیاز سے التجائیں ہونے لگیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علی الہ واصحابہ اجمعین واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

الاخوۃ

اتحاد و اتفاق کے بارے میں ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ بروز یکشنبہ بمقام جلال آباد بیٹھ کر ارشاد فرمایا جسے مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے قلمبند فرمایا سامعین کی تعداد ۱۰۰ تھی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ.

اَمَّا بَعْدُ: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (الحجرات آیت نمبر ۱۰)

(بے شک مسلمان تو سب بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو تا کہ تم پر رحمت کی جائے)

عقلاً وشرعاً حب جاہ مذموم ہے

وقتی ضرورت کی وجہ سے میں نے یہ مضمون اختیار کیا ہے کیونکہ میں نے سنا ہے کہ یہاں اہل ایمان نے اپنی دینی و دنیوی اصلاح کا اہتمام کیا ہے اور سب مل کر دین پر چلنا چاہتے ہیں اس غرض سے انہوں نے ایک انجمن قائم کرنے کا بھی خیال کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ سب مسلمانوں کو اس خیال میں متفق کرے اس کے متعلق میں کچھ ضروری مضمون بیان کرنا چاہتا ہوں لیکن وہ ضروری مضمون یہ نہ ہوگا کہ اس غرض کا استحسان بیان کیا جائے کیونکہ اس غرض کے استحسان پر تو سب حاضرین کا اتفاق ہے ورنہ اس کو بالاتفاق اختیار ہی کیوں کیا جاتا پھر اس کے بیان کی کیا ضرورت رہی لیکن شاید کوئی صاحب یہ ضرورت بیان کریں کہ بعض لوگ اس غرض کے استحسان میں شریک نہیں ہیں اور نہ شریک ہونا چاہتے ہیں بلکہ اس سے اختلاف رکھتے ہیں ان کی اصلاح کے لئے اس غرض کے استحسان کو بھی بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ سو میرے نزدیک یہ وجہ بھی معتد بہ نہیں کیونکہ

اتفاق واتحاد باہمی کو کوئی بھی برا نہیں سمجھتا اس کے استحسان پر سب کا اتفاق ہے جو لوگ آپ کے ساتھ اس کام میں شرکت نہیں کرتے وہ آپ کی اس غرض کو برا نہیں کہتے بلکہ وہ حقیقت میں ایک دوسری بات کو برا کہتے ہیں جو واقع میں بری ہے اور آپ کی غرض اس کو سمجھے ہوئے ہیں جس کا منشاء گو ان کی غلط فہمی ہے جو بعد چندے زائل ہو جائے گی اور اس کے بعد وہ بھی اس اہتمام کے استحسان میں آپ کے شریک ہو جائیں گے لیکن جس بات کو وہ برا سمجھتے ہیں وہ تو بری ہی ہے وہ بات یہ ہے کہ ان کو اسی میں کلام ہے کہ اس انجمن سے اہل انجمن کا مقصود واتحاد اتفاق باہمی اور دینی و دنیوی اصلاح ہے ان کا کسی بناء پر خیال یہ ہے کہ آپ کا مقصود بڑا بننا اور جاہ حاصل کرنا ہے تو حقیقت میں ان کو آپ کے کام سے نفرت یا اعتراض نہیں بلکہ حب جاہ سے نفرت ہے جس کو کسی وجہ سے وہ آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور در حقیقت اگر یہ بات ہو تو وہ لوگ اختلاف میں معذور بھی ہیں کیونکہ حب جاہ واقعی قابل نفرت چیز ہے۔ عقلاً بھی اور شرعاً بھی اور یہ مرض اکثر ہمارے اندر ہی ہے کثرت سے ہر شخص قریب قریب اس میں مبتلا ہے الا ماشاء اللہ تو اگر عادت غالبہ کی بناء پر کسی کو یہ شبہ ہو جاوے تو تعجب نہیں اب آپ کو چاہئے کہ اپنے طرز عمل سے اس شبہ کو رفع کر دیں۔

بدترین حب جاہ

اب تھوڑا سا مضمون استطراداً حب جاہ کے متعلق بیان کرنا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حب جاہ کی بعض افراد ایسی ہیں جن کو حب جاہ نہیں سمجھا جاتا اس پر متنبہ کرتا ہوں کہ حب جاہ کے افراد میں سب سے بدترین حب جاہ وہ ہے جو بصورت تواضع ہو کیونکہ اس میں دھوکہ دہی اور تلبیس ہے۔ اگر حب جاہ بصورت تکبر ہو اس میں دھوکہ دہی نہ ہوتی مگر بعض لوگ وہ بھی ہیں جو تواضع اس غرض سے اختیار کرتے ہیں تا کہ ہم متواضع مشہور ہو جائیں اور لوگ ہم کو بزرگ سمجھیں یہ مخلوق کو دھوکہ دیتے ہیں کہ ان کے باطن میں تو تکبر وحب جاہ بھرا ہوا ہے اور ظاہر میں متواضع بنتے ہیں اور یہ ان کی بڑی غلطی ہے کہ تواضع کے ساتھ طلب جاہ کی نیت کرتے ہیں کیونکہ یہ مقصود تو تواضع سے بدون نیت کے بھی حاصل ہو جاتا ہے پھر نیت کو بھی کیوں خراب کیا کیونکہ تواضع سے رفعت عطا کرنے کا حق تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ حدیث میں ہے **من تواضع للہ رفعه اللہ** (کنز العمال: ۵۷۳۰ مشکوۃ المصابیح ۵۱۱۹) کہ جو شخص خدا کیلئے تواضع اختیار کرے حق تعالیٰ اس کو بلندی اور رفعت عطا فرماتے ہیں چنانچہ اہل اللہ کے واقعات اس پر شاہد ہیں کہ ان حضرات نے اپنے کو جتنا مٹایا خدا تعالیٰ نے ان کو اتنا ہی چمکایا تواضع میں جذب اور

کشش کی خاصیت ہے متواضع کی طرف قلب کو خود بخود انجذاب ہوتا ہے بشرطیکہ صحیح تواضع ہو تصنع اور بناوٹ نہ ہو۔ اہل اللہ کے اندر کشف و کرامت سے بھی زیادہ جو چیز دلکش و دلربا ہے وہ ان کی تواضع کے واقعات ہیں۔ کشف و کرامت سے تو معتقدین ہی کو اعتقاد ہوتا ہے۔ مخالفین ان میں نظر بندی یا شعبدہ گری یا قوت متخیلہ کے تصرف کا احتمال بھی نکال دیتے ہیں مگر تواضع کے واقعات کا سب پر اثر ہوتا ہے اس سے ان کی زیادہ وقعت ہوتی ہے۔

تواضع کا اثر

اہل اللہ نے باوجودیکہ بعضے ان میں سے تیز مزاج بھی مشہور تھے اپنی طبعی تواضع سے عام مقبولیت حاصل کی ہے۔ چنانچہ مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ بڑے تیز مزاج اور سخت مشہور تھے مگر پھر بھی مقبولیت کا یہ حال تھا کہ مخالفین بھی مولانا کے کمال کے معتقد تھے کیونکہ بدعات کے بارہ میں مولانا کی سختی طبعی نہ تھی طبعاً تو وہ بہت نرم و متواضع تھے بلکہ ان کی سختی عمداً تھی کیونکہ اس وقت ضرورت اسی کی تھی کہ سختی کے ساتھ بدعات کا صاف صاف رد کر دیا جائے اور کسی کی دل شکنی کی پرواہ نہ کی جائے۔

نفع تام نفع عام

نفع تام اسی سے ہوتا ہے کہ گو نفع عام نہیں ہوتا یعنی ایسے شخص کی طرف لوگوں کا رجوع زیادہ نہیں ہوتا کیونکہ سختی کی وجہ سے سب ڈرتے رہتے ہیں لیکن جو پہنچ جاتا ہے اس کی اصلاح پوری ہو جاتی ہے پھر وہ غلطی میں نہیں رہ سکتا مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب میں خاص نرمی تھی اس سے نفع عام تو ہوا کہ ہر قسم کے لوگ شاہ صاحب کے پاس آتے تھے اور فیض صحبت سے مستفیض ہوتے تھے مگر نفع تام کسی کسی کو ہوا۔ بعض لوگ مدتوں حضرت شاہ صاحب کے پاس رہے اور ان کے اندر مداہنت موجود رہی کیونکہ شاہ صاحب سختی کے ساتھ روک ٹوک نہ کرتے تھے لیکن البتہ ان کی نرمی سے یہ نفع عظیم ضرور ہوا کہ انہوں نے لوگوں کو قبول حق کے لئے تیار کر دیا تھا نرمی کی وجہ سے لوگ بکثرت معتقد ہو کر آتے تھے اور شاہ صاحب ایسے طرز سے جس سے کسی کی دل شکنی نہ ہو حق باتیں ان کے کان میں ڈال دیتے تھے اس کے بعد میں شاہ اسماعیل صاحب کی سعی کارگر ہو گئی اگر شاہ صاحب نرمی کے ساتھ لوگوں پر حق ظاہر نہ کر چکے ہوتے تو مولانا اسماعیل صاحب کے ساتھ اب سے زیادہ مخالفت ہوتی۔ تو حضرت شاہ صاحب کی نرمی بھی دینی ہی مصلحت سے تھی اور مولانا شہید کی تیزی بھی دینی ہی مصلحت سے تھی یہ تفاوت مصالح کی بناء پر تھا۔

حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید کی طبعاً نرم مزاجی

باقی طبعاً مولانا شہید بھی مزاج کے نرم ہی تھے انکی سختی محض دینی ضرورت سے تھی چنانچہ ایک مرتبہ محل شاہی میں آپ کا وعظ ہوا بہادر شاہ کے محل میں ایک بوڑھی بی بی تھیں جو بادشاہ کی بہن تھیں ان کو معلوم ہوا کہ مولوی اسماعیل صاحب بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہیں پوچھا بیٹا اسماعیل میں نے یوں سنا ہے کہ تم بی بی کی صحنک کو منع کروں بلکہ بی بی صاحبہ کے ابا ہی منع کرتے ہیں (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) بڑی بی نے کہا کیا واقعی بی بی صاحبہ کے ابا اس سے منع کرتے ہیں فرمایا جی ہاں پھر کل بدعة ضلالة پر ایک بلیغ تقریر فرمائی۔ کہنے لگیں تو اب سے ہم کبھی نہ کریں گے ہم کو اس بات کی خبر نہ تھی۔ مولانا گنگوہ بھی تشریف لائے ہیں وہاں کے پیر جیون کو آپ نے ایسے ایسے نرم جواب دیئے کہ سب لوگ حیران ہوگئے۔ یہ واقعہ میں نے شاہ احمد حسین صاحب گنگوہی سے سنا ہے اگر مولانا میں طبعی طور پر سختی ہوتی اور مزاج ہی کے سخت ہوتے تو ہر جگہ اس کا ظہور ہوتا مگر وہ موقعہ ہی پر سختی کرتے تھے اور ویسے بہت نرم تھے چنانچہ ایک شخص کو معلوم ہوا کہ مولانا بہت تیز مزاج ہیں اور اس کا تو یقین ہوگیا مگر اسے یہ خیال ہوا کہ اس بات کا امتحان کرنا چاہئے تیزی اللہ کے واسطے ہے یا نفس کے لئے اس نے اس طرح امتحان کیا کہ ایک دن آپ جامع مسجد دہلی میں وعظ فرما رہے تھے سامعین کی کثرت سے مسجد بھری ہوئی تھی اس ظالم نے بھرے مجمع میں جا کر کہا کہ مولانا میں نے سنا ہے کہ آپ حرام زادے ہیں۔ غور کیجئے ایک شخص کو بھرے مجمع میں ایسا لفظ کہا جائے تو اس کا کیا حال ہوگا خصوصاً اس شخص کا جو وعظ کہہ رہا ہو اس کو تو اس طعن سے ایسا غصہ آئے گا کہ سارا مضمون اگلا پچھلا بھول جائے گا مگر مولانا کے چہرہ پر اس سے بل بھی نہیں پڑا نہ تقریر میں کوئی بندش ہوئی۔ نہایت نرم لہجہ میں فرمایا کسی نے تم سے غلط کہہ دیا ہے کہ شرعی قاعدہ ہے الولد للفراش (الصحیح البخاری ۵ ۱۹۲، سنن ابی داؤد ۲۲۷۳) کہ بچہ فراش کے تابع ہوتا ہے اور میری ماں باپ کے نکاح کے گواہ اب تک موجود ہیں تو شرعاً میں ثابت النسب ہوں حرامزدہ نہیں اور ثابت النسب کو غیر ثابت النسب کہنا شرعاً جائز نہیں بلکہ گناہ ہے۔ یہ فرما کر پھر وہی مضمون شروع کر دیا جو پہلے سے بیان فرما رہے تھے یہ ہیں وہ واقعات جن سے خواہ مخواہ دشمنوں کے دل بھی موم ہو جاتے ہیں اور تواضع سے وہ رفعت حاصل ہوتی ہے جو تصنع سے کبھی نہیں ہوتی۔

تواضع سے رفعت حاصل ہوتی ہے

ایک اور بزرگ کی حکایت ہے کہ کسی نے ان کی دعوت کی اور کہہ دیا کہ فلاں وقت مکان پر

تشریف لے آئے گا چنانچہ جب وہ وقت پر آئے تو داعی نے کہا کیوں آئے کیسے آئے فرمایا بھائی تم نے دعوت بھی کی تھی کہا کس نے دعوت کی تھی خواہ مخواہ لوگوں کے سر ہوتے پھرتے ہو یہ سن کو وہ بے چارے لوٹ چلے تو وہ کہتا ہے جاتے کہاں ہو ہم نے تو دعوت کی تھی تم نخرے کرتے ہو وہ پھر واپس چلے آئے تو کہنے لگا سبحان اللہ آپ تو کھانے کے لئے ہاتھ دھوئے پھرتے ہیں وہ بے چارے پھر لوٹنے لگے تو کچھ دور جانے کے بعد کہتا ہے عجیب آدمی ہو ہم نے تو تمہاری دعوت کی تھی میاں چلے جا رہے ہیں۔ کئی بار ایسا ہی کیا وہ بار بار چلے جاتے تھے اور چلے آتے تھے۔ وہ پیروں میں گر پڑا کہ حضرت میں تو دیکھنا چاہتا تھا پس میں نے آزمالیا کہ واقعی آپ بزرگ ہیں فرمایا میاں اس سے دھوکہ نہ کھانا بزرگی تو وہ ہے جو انسان کے اوصاف میں ہو اور جو بات تم نے میرے اندر دیکھی ہے۔ یہ صفت تو کتے کے اندر بھی ہے کہ دھمکا دو تو چلا جائے گا اور روٹی دکھلا دو تو آ جائے گا (یہ بات پہلے سے بھی زیادہ تواضع کی ہے)

سرہانے کی طرف بیٹھنے کی دو حیثیتیں

حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (جو مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے مدرس اول تھے) ایک بار چارپائی پر پائنتی کی طرف بیٹھے تھے کہ حجام خط بنانے آیا اور آ کر کھڑا ہو گیا وہ اس کا منتظر تھا کہ مولانا سرہانے کی طرف بیٹھ جاویں تو میں پائنتی کی طرف بیٹھوں مگر مولانا سرہانے کی طرف نہ ہوئے اور اس سے فرمایا کہ کھڑا کیوں ہے بیٹھتا کیوں نہیں اس نے کہا حضور میری کیا مجال جو سرہانے بیٹھوں فرمایا اچھا یہ بات ہے تو پھر جب کبھی مجھے سرہانے بیٹھا ہوا دیکھو اس وقت خط بنا جانا اب تو میں سرہانے نہیں بیٹھتا۔ وہاں کوئی دوسرے بزرگ بھی موجود تھے انہوں نے حجام سے کہا کہ بھائی یہ تو سرہانے نہ بیٹھیں گے تو ہی سرہانے بیٹھ کر اپنا کام کر چنانچہ مجبور ہو کر وہی سرہانے بیٹھا اور خط بنا کر چلا گیا۔ تو کیا اس سے کچھ مولانا کی وقعت کم ہو گئی ان کی تو وہ وقعت ہوئی کہ آج تک ان کا یہ فعل مقام مدح میں بیان کیا جا رہا ہے باقی میں یہ نہیں کہتا کہ آپ بھی ایسا ہی کریں نہیں آپ کو اجازت ہے کہ سرہانے بیٹھ کر خط بنوالیا کریں مگر سرہانے کی طرف بیٹھنے کی دو حیثیتیں ہیں ایک یہ کہ تم اپنے کو اس سے افضل سمجھو اس لئے سرہانے بیٹھو یہ تو تکبر اور حرام ہے اور ایک یہ کہ انتظاماً سرہانے بیٹھو تا کہ دوسرے کا دماغ نہ بگڑ جاوے پھر وہ اس عادت کی وجہ سے کسی موقعہ پر ذلیل ہو گا اس پر اپنا واقعہ یاد آیا کہ طالب علمی کے زمانہ میں ایک بار میں گھر پر آیا تو ایک بڑے میاں غریب قوم کے میرے پاس

آئے میں نے اصرار کر کے ان کو قالین پر بٹھایا اتنے میں والد صاحب تشریف لے آئے انہوں نے نہایت تیز لہجہ میں اس سے فرمایا کہ تجھے یہاں بیٹھنے کو کس نے کہا اٹھ اور نیچے بیٹھ۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ والد صاحب نے بہت زیادتی کی آخر ہم کو اس غریب پر کونسی فضیلت حاصل ہے۔ خدا کے نزدیک نہ معلوم کون بڑا ہے جب وہ بڑے میاں چلے گئے تو والد صاحب نے فرمایا کہ تم نے اپنے نزدیک یہ کام تواضع کا کیا تھا مگر اس غریب کے حق میں تم نے بدخواہی کی کیونکہ آج یہاں قالین پر بیٹھا کل کو دوسری جگہ بھی یہ قالین ہی چاہے گا پھر وہاں اس کی کمبختی آئے گی کیونکہ سب آدمی تمہاری طرح متواضع نہیں ہیں جو ہر شخص کو اپنے سر پر بٹھالیں اس وقت معلوم ہوا کہ والد صاحب کا فعل حکمت وانتظام پر مبنی تھا پس جو شخص منتظم ہو وہ تو حفظ مراتب کی رعایت کرے۔

بعض دینداروں کا مذاق

اور جو شخص ایسا نہ ہو وہ آزاد رہے۔ خواہ وہ آزاد دنیا دار ہو یا دین دار۔ کیونکہ بعضے دینداروں کا بھی یہ مذاق ہوتا ہے کہ چاہے کوئی معتقد ہو یا نہ ہو کسی کو ان سے فیض ہو یا نہ ہو ان کو کچھ پرواہ نہیں ہوتی چنانچہ احمد جام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

احمد تو عاشقی بمشیخت تراچہ کار دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

(اے احمد تو عاشق ہے شیخ بننے سے مجھے کیا واسطہ تو عاشق بن جا سلسلہ ہو ہو نہ ہو نہ ہو)

یہ واقعات میں نے اپنے اس دعوے کی تائید میں بیان کئے ہیں کہ اہل اللہ کے واقعات تواضع سے بہت ہی دلکش ہیں سو دیکھ لیجئے ان واقعات میں کیسی دلکشی ہے پس جاہ تو تواضع سے خود ہی حاصل ہو جاتا ہے اس کی کیا ضرورت ہے کہ تم جاہ کی نیت بھی کرو بلکہ اس میں سراسر نقصان ہے ایک تو یہ تواضع کا ثواب نہیں ملتا بلکہ تلبیس کا گناہ ہوتا ہے دوسرے یہ کہ تواضع بہ نیت جاہ حقیقت میں تواضع ہے نہیں محض تصنع ہوتا ہے اور تصنع ساری عمر نہیں چلا کرتا کبھی نہ کبھی قلعی کھل جاتی ہے تو اس کی بدنامی متکبرین سے بھی زیادہ ہوتی ہے اور مقصود بھی حاصل نہیں ہوتا ساری محنت رائے گاں جاتی ہے اور تواضع للہ میں ثواب بھی حاصل ہے اور جاہ دنیا بھی اور جاہ نہ بھی ہوا تو ثواب تو کہیں نہیں گیا۔

ایک سنگین غلطی

پس یہ بڑی غلطی ہے جو بعض لوگ کر رہے ہیں کہ حب جاہ کی نیت سے تواضع اختیار کرتے ہیں اور بزرگ بننے کیلئے بہت سی نفلیں پڑھتے ہیں یہ لوگ دین دنیا کا اور طاعت کو معصیت کا

آلہ بنا رہے ہیں۔تو یہ صورت حب جاہ کی سب سے بدتر ہے میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے بعض کاموں میں جو بعض افراد مخالفت کرتے ہیں اس کا منشا یہ ہے کہ ان کو ہماری نسبت حب جاہ و کبر کا خیال ہے ورنہ اتحاد باہمی کے استحسان میں کسی کو اختلاف نہیں ہوسکتا۔اس نزاع کا علاج یہ ہے کہ تم اپنی اصلاح کرو اگر واقعی تمہارے اندر یہ مرض ہو تو اس کو اپنے نفس میں سے نکال دو اور اگر نہیں ہے تو مخالفین سے بحث نہ کرو کہ تم کو ہماری نیت پر حملہ کرنے کا کیا حق ہے بلکہ ان سے یوں کہو کہ بھائی ہماری نیت بڑا بننے کی نہیں ہے۔ بلکہ کام کرنا مقصود ہے کام ہونا چاہئے باقی عہدہ تو جو سب سے بڑا ہو وہ تم خود لے لو ہم کو عہدہ کی ضرورت نہیں۔آپ ذرا ایسا کر کے دیکھیں ان شاء اللہ سب مخالفین موافق ہو جائیں گے۔

امر بالمعروف میں نرمی کی ضرورت

حق تعالیٰ فرماتے ہیں اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ بھلائی سے بدی کو دفع کرو پھر جلدی ہی وہ شخص جس کے اور تمہارے درمیان عداوت ہے ایسا ہو جائے گا جیسا خالص دوست۔پس ذرا تم لوگوں سے یہ کہو تو کہ صاحب بڑا عہدہ آپ لے لیں اور چھوٹا عہدہ ہمیں دے دیں یا کوئی بھی عہدہ نہ دیں بلا عہدہ ہی کے ہم سے کام لے لیں پھر دیکھئے مخالفت موافقت سے بدلتی ہے یا نہیں مگر آج کل تو مصیبت یہ ہے کہ کام سے پہلے لوگوں کو عہدوں کی فکر ہو جاتی ہے کوئی سیکرٹری بن جاتا ہے کوئی سپریڈنٹ اور کام کا پتہ بھی نہیں صاحبو! کام کرنے کا یہ طریقہ نہیں کام کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو شروع کرو پھر جو شخص جس عہدہ کا زیادہ اہل نظر آئے گا لوگ خود بخود اس کو وہ عہدہ دے دیں گے۔شاید یہاں اسی آیت کے مضمون پر کسی کو یہ شبہ ہو کہ بعض دفعہ ہم کسی سے بہت ہی ترقی کرتے ہیں مگر پھر بھی دوسرے پر اثر نہیں ہوتا۔اس کا جواب یہ ہے کہ تم کو کیا خبر کہ نفع نہیں ہوا ممکن ہے اگر تم نرمی نہ کرتے تو وہ اب سے زیادہ درپے ہوتا جیسے کوئی شخص دوا استعمال کرے اور پوری شفا نہ ہو تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ نفع بالکل نہیں ہوا کیونکہ ممکن ہے کہ دوا نہ کرنے سے مرض کو اور ترقی ہو جاتی اسی لئے یہاں حق تعالیٰ نے ولی حمیم مطلقاً نہیں فرمایا بلکہ کانہ ولی حمیم فرمایا ہے اس میں اشکال کا خود جواب ہے کہ اس برتاؤ سے عداوت کی تقلیل ہو جاتی ہے اور تقلیل عداوت سے دوستی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور نرمی کے برتاؤ میں تقلیل عداوت کا خاصہ ضرور ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں حق تعالیٰ نے اس فعل کی خاصیت بیان فرمائی ہے اور ظہور خاصیت

کے لئے عدم مانع شرط ہے جیسے دوا نافع ہے مگر بعض دفعہ کوئی خلط فاسد غالب ہوتی ہے تو دوا کا نفع ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ ظہور نفع کے لئے کسی خلط فاسد کا غالب نہ ہونا شرط ہے اسی طرح دفع سیئہ بالحسنہ (بدی کو بھلائی سے ٹال دینا) کا نفع ظاہر ہونے کے لئے سلامت طبع مخاطب کی شرط ہے اگر مخاطب کی طبیعت میں سلامتی نہ ہوگی تو اس فعل کا اثر ظاہر ہوگا پس جس طرح طبیب اول تقلیل مادہ کی کوشش کرتا ہے کہ مرہم وغیرہ سے دمل کو تحلیل کرنا چاہتا ہے اور اگر اس سے نہ کام چلے تو پھر نشتر لگاتا ہے اسی طرح حق تعالیٰ نے امراض باطنہ کے متعلق ہم کو یہی طریقہ تعلیم کیا ہے کہ اول تو مخالف کے ساتھ نرمی کرو اگر اس سے اس کی عداوت کم ہو جائے اور وہ آدمی بن کر رہے تو مدعیٰ حاصل ہو گیا اور جو اس سے نہ کام چلے تو یہ ثابت ہوگا کہ اس کا مادہ فاسد بہت غالب ہے اب اس کے لئے نشتر کی ضرورت ہے چنانچہ دیگر نصوص میں امر قتال ایسے ہی لوگوں کے واسطے ہے۔

کج رووں کی اصلاح کیلئے سختی کی ضرورت

پس ان نصوص کے ملانے سے معلوم ہو گیا کہ اس جگہ پر حکم مذکور ہے یہ حکم عام نہیں بلکہ سلامت طبع مخاطب کے ساتھ مقید ہے اور جس کی طبیعت نہایت کج ہو اس کا علاج نشتر ہے کیونکہ یہ بھی ایک علاج ہے مادہ فاسدہ جب قابل تحلیل نہ ہو تو اس کا نکال کر باہر کر دینا ہی ضروری ہے ورنہ تمام جسم کو خراب کر دے گا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ نے مخلوق کی اصلاح کیلئے جہاں چار کتابیں نازل فرمائیں وہاں پانچویں چیز آہنی سلاخ بھی نازل کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاس ہم نے آہن کو پیدا کیا جس میں شدید ہیبت ہو اور اس کے علاوہ لوگوں کے اور بھی طرح کے فائدے ہیں۔ حدید کیلئے بھی اَنْزَلْنَا فرمایا ہے جیسا کہ کتابوں کے لئے اَنْزَلْنَا فرمایا ہے اور مولانا آہنی سلاخ کی تفسیر نعل دار جوتہ سے فرمایا کرتے تھے اور اس کا نام روشن دماغ رکھا تھا کیونکہ اس سے دماغ روشن ہو جاتا ہے اور خناس نکل جاتا ہے اس مضمون میں مولانا کا ایک شعر بھی ہے۔

الوعظ ينفع لو بالعلم والحكم والسيف ابلغ وعاظ على القم

وعظ علم اور دانائی کے باتوں کے سبب نفع دینے والا ہے لیکن تلوار بہت بڑی ناصح ہے۔ جو سروں پر پڑ کر (مفید ہوتی ہو) مولانا سیف کو بھی واعظ بلکہ تمام واعظوں سے ابلغ واعظ فرماتے ہیں۔ اس وقت مذہبی بیان سے مجھے سیاسیات کی تفصیل سے اس وقت کوئی بحث نہیں اور نہ ہم

سیاسیات میں دخل دیتے ہیں ہم کو صرف احکام کا بتلانا مقصود ہے کہ اسلام کی تعلیم ایسی جامع مانع ہے جس پر نقص کا وہم بھی نہیں ہوسکتا اور اس مقصود کے لئے اسلامی تعلیم کا مکمل طور پر بتلانا ضروری ہے یہاں پالیسی نہیں چل سکتی اس لئے جو تعلیم ہمارے یہاں موجود ہے ہم اس کو چھپا نہیں سکتے شاید اس سے کوئی صاحب یہ نتیجہ نکالیں کہ جب شریعت سختی کو بھی علاج بتلایا ہے تو بس آج سے ہم بھی سختی کیا کرینگے تو صاحبو! خدا سے سابقہ ہے حق تعالٰی کو سب کچھ معلوم ہے وہ نیت کو دیکھتے ہیں پس اپنے دل میں سختی کے وقت خود غور کرلو کہ ہم جو اس شخص کو سزا دے رہے ہیں اس میں نیت کیا ہے آیا اپنا شفاء غیظ مقصود ہے یا اس کی اصلاح۔ بھلا عوام ورؤسا تو اصلاح کی نیت کرتے معلم اور استاد جن کا کام ہی اصلاح ہے اور بچے ان کے سپرد کئے جاتے ہیں۔ اصلاح ہی کے واسطے بھی بعض دفعہ غصہ میں بچوں کو خوب دہنتے ہیں اور اس وقت اصلاح کا قصد مطلق نہیں ہوتا۔ بیوی سے لڑ کر آئے تھے اور غصہ بچوں پر نکالا کمہار کا کمہاری پر بس نہ چلا گدھے کے کان مروڑ دیئے یہ ضرور ہے کہ اصلاح کے لئے سختی کی بھی اجازت ہے اگر ضرورت ہو مگر اس کے لئے یہ بھی قید ہے کہ غصہ کی حالت میں سزا نہ دی جائے کیونکہ غصہ میں ضرورت و بے ضرورت کی مقدار کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کا دستور العمل کیا اچھا بیان فرمایا ہے۔

غصہ کا دستور العمل

میں بقسم کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے برابر کسی کی بھی تعلیم نہیں ہوسکتی لوگ اس دستور العمل کے سامنے اپنے اپنے دستور العمل لائیں اور موازنہ کریں آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لا یقضین قاض بین اثنین وھو غضبان (سنن الدارقطنی ۴، ۲۰۶) یعنی حاکم کو چاہئے کہ غصہ کی حالت میں کبھی فیصلہ نہ کرے بلکہ اس وقت مقدمہ کو ملتوی کردے تاریخ بڑھا دے اور یہاں حاکم سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کی دو آدمیوں پر حکومت ہو اس میں معلم اور استاد بھی داخل ہیں اور گھر کا مالک بھی کیونکہ اپنے گھر میں بھی ہر شخص حاکم ہے اور رؤسا اور حکام تو داخل ہیں ہی پس غصہ کی حالت میں کبھی سزا نہ دو بلکہ اس وقت کو ٹال دو اور بعد میں خوب سوچو کہ یہ عمل کتنی سزا کے قابل ہے پھر سوچ سمجھ کر سزا دو مگر سزا کی مقدار بھی کسی عالم سے پوچھو اپنی رائے سے تجویز نہ کرو اور عالم کو بھی چاہئے کہ جواب جلدی نہ دے بلکہ سوچ کر جواب دے اور جو مسئلہ پیچیدہ ہو اس کا

جواب زبانی کبھی نہ دے بلکہ سائل سے اگر وہ دور کا ہو کہہ دے کہ سوال لکھ کر جواب کے لئے لفافہ دے جاؤ ہم ڈاک سے جواب بھیج دیں گے کیونکہ زبانی جواب میں عجلت کی وجہ سے بعض قیود رہ جاتے ہیں۔ یہ قاعدہ میں میانجیون کو بھی سناتا ہوں اور رؤسا کو بھی اور پولیس والوں کو بھی مگر یہ میانجی نہیں مانیں گے کیونکہ سوچکر سزا دینے میں مزا نہیں آتا مزا تو غصہ ہی میں مارنے سے آتا ہے مگر وہ یاد رکھیں کہ اس وقت سو آپ کو بچوں کے مارنے میں مزا آتا ہے اور قیامت میں جب آپ کو سزا ملے گی تو مظلوموں کو مزا آئے گا اس لئے ہمیشہ غصہ کو ٹال کر سزا دو اور کسی عالم سے سزا کی مقدار معلوم کر کے جتنی وہ بتلا دے اتنی سزا دو اسی طرح رؤسا و حکام کو علماء سے پوچھ کر فیصلہ کرنا چاہئے اپنی رائے سے فیصلہ نہ کریں حدیث میں آیا ہے کہ طبیب ناواقف اور جاہل فیصلہ کرنے والا دونوں جہنم میں ہیں گو ان کی نیت درست ہی ہو مگر خوش نیتی سے کام نہیں چلتا یہاں علم کی ضرورت ہے۔ ابھی قریب زمانہ میں قومی پنچائیتیں قائم ہوئی تھیں میں اس تحریک میں بھی شریک نہیں ہوا گو بعض لوگوں نے کہا بھی کہ یہ تو اچھا کام ہے میں نے کہا عدل شرعی کی رعایت تو نہ ان پنچائتوں میں ہوگی نہ عدالت میں ہوتی ہے تو غیر عادل ہونے میں تو دونوں برابر ہیں لیکن اول تو عدالتیں ہم نے تو مقرر نہیں کیں ان کی کارروائی ہماری طرف منسوب نہیں پنچائتیں ہماری بنائی ہوئی ہیں ان کے افعال ہماری طرف منسوب ہیں دوسرے عدالت میں عدم عدل کے ساتھ آئین کی پابندی تو ہے اور یہاں کوئی آئین بھی نہ ہوگا تو بڑا فساد ہوگا چنانچہ اسی قاعدہ کو دیکھ لیجئے **لا یقضین قاض بین اثنین وھو غضبان** (سنن الدار قطنی ۴، ۲۰۶) کہ پنچائتوں میں اس پر کون عمل کرتا ہے پھر چند روز کے بعد ان پنچائتوں سے جو کچھ فساد ہوا سب نے دیکھ لیا۔ بہرحال شریعت میں سختی کے موقع پر غضب کی حالت میں فیصلہ کی تو ممانعت ہے۔

قضائی غیر الغضب کے بعد ضرورت سختی

لیکن قضائی غیر الغضب کے بعد سختی کی اجازت ہے چنانچہ ارشاد ہے **وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ. وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ** کہ زنا کاروں پر حکم خداوندی جاری کرنے میں تم کو شفقت نہ پکڑے اگر تم کو اللہ پر اور آخرت پر ایمان ہے اور چاہئے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہو یعنی عدل فقط نرمی ہی کا نام نہیں بلکہ جہاں سختی کی ضرورت ہو وہاں سختی کرنا بھی عدل ہے اس

موقعہ پر نرمی کرنا ظلم ہے۔ پھر قرآن کی کیا بلاغت ہے کہ یوں نہیں فرمایا لَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ کہ مجرموں کو سزا دیتے ہوئے تمہارے دل میں بھی شفقت نہ ہو بلکہ لَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فرمایا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ شفقت کا ایسا غلبہ نہ ہونا چاہئے جو حد شرعی کے جاری کرنے کے وقت تم پر ایسی غالب آ جائے کہ اس کے جاری کرنے سے تمہارا ہاتھ پکڑ لے باقی حد جاری کرتے ہوئے اگر دل میں شفقت ہو تو اس کا مضائقہ نہیں وہ شفقت طبعی ہوگی جس کے ساتھ غیظ عقلی و شرعی بھی ہوگا اور یہ بڑا کمال ہے کہ شفقت طبعیہ کے ساتھ غیظ شرعی بھی مجتمع رہے۔

مسلمانوں کا اجراء حد کے وقت حال

صاحبو! اجراء حد کے وقت مسلمانوں کا جو کچھ حال ہوتا ہوگا اس کو ان کے ہی دل جانتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے ابوشحمہ پر حد خمر جاری کی تھی تو کیا ان کا دل اندر سے نہ روتا ہوگا ضرور روتا ہوگا کیونکہ اولاد کے ساتھ طبعاً محبت ہوتی ہے مگر اسی کے ساتھ حکم شرعی سے حد بھی جاری کی طبعی محبت اجراء حد سے ان کو مانع نہ ہوئی۔

جانوروں کو ذبح کرنا بے رحمی نہیں

اسی طرح مسلمان جب جانوروں کو ذبح کرتے ہیں تو ان کے دل پر آرہ چلتا ہے مگر حکم کی وجہ سے ذبح کرتے ہیں یہ بڑا کمال ہے کہ دل کڑھ رہا ہے اور پھر حکم کا امتثال کر رہے ہیں۔ بعض قومیں اس پر اعتراض کرتی ہیں مگر اس میں شریک وہ بھی ہیں کیونکہ جانور جانور سب برابر ہیں اور بعض جانوروں کو وہ بھی مارتے ہیں کوئی جوں کو مارتا ہے کوئی کھٹمل کو کوئی چوہے کو کوئی سانپ بچھو کو۔ کیوں صاحب کیا یہ پتہ نہیں ہے اور بعضے ہندو کمال کرتے ہیں خود اپنے ہاتھ سے تو نہیں مارتے بلکہ ہمارے محلّہ میں چوہوں کو چھوڑ جاتے ہیں تا کہ ہم ماردیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر جانوروں کا مارنا بے رحمی ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ تمہارے نزدیک حق تعالیٰ بھی رحیم ہیں یا نہیں۔ یقیناً ہیں پھر بتلاؤ کہ حق تعالیٰ بھی جانوروں کو مارتے ہیں یا نہیں۔ یقیناً مارتے ہیں تو کیا اس کو بھی بے رحمی کہو گے ہرگز نہیں جب یہ بے رحمی نہیں تو مسلمان ہی کیوں بے رحم ہیں وہ تو وہی کام کرتے ہیں جو حق تعالیٰ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مالک ہیں چاہے وہ خود بلا واسطہ ماردیں یا اپنے نوکر اور غلام کے ہاتھ سے مار دیں اب یہ سوال باقی رہا کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ مسلمان خدا کے حکم سے مارتے ہیں تو اس کا ثبوت ہم ہر وقت دینے کو تیار ہیں ہم دلائل سے قرآن کا کلام اللہ ہونا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول

برحق ہونا ہر وقت ثابت کر سکتے ہیں اور قرآن و حدیث میں حکم ذبح موجود ہے تو مسلمان یقیناً حکم الٰہی سے ذبح کرتے ہیں۔ تیسری یہ ہے کہ ذبح کرنے والوں کو بے رحم کہنا فلسفہ کے قاعدہ سے بھی بالکل غلط ہے بلکہ قاعدہ فلسفہ کا مقتضا یہ ہے کہ جو لوگ ذبح نہیں کرتے وہ زیادہ بے رحم ہوتے ہیں۔ کیونکہ اطباء وفلاسفہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس قوت سے کام نہ کیا جائے وہ رفتہ رفتہ زائل ہو جاتی ہے جیسے ترک جماع عنت کا سبب ہو جاتا ہے اسی طرح انسان میں ایک صفت کڑھنے کی ہے اگر اس کا کوئی سبب واقع نہ ہو تو یہ صفت زائل ہو جائے گی۔ ہندو چونکہ ذبح نہیں کرتے اس لئے ان کی یہ صفت معطل رہتی ہے اور مسلمانوں کی یہ صفت ذبح کے وقت حرکت میں آتی ہے۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ ذابح سے زیادہ رحم غیر ذابح کو کبھی نہیں ہو سکتا اسی لئے حق تعالیٰ انسان پر مصائب نازل کرتے ہیں تا کہ اس کو اہل مصیبت پر رحم وشفقت بڑھے اور جس میں یہ صفت نہ ہو اس میں پیدا ہو جائے کیونکہ جس شخص پر نزول مصائب نہ ہو وہ سنگدل ہو جاتا ہے اسی لئے حضرت یوسف علیہ السلام زمانہ کے قحط میں خود بھی کم کھایا کرتے اور اکثر اوقات بھوکے رہا کرتے تھے تا کہ قحط زدوں پر رحم آئے کہ ان کو بھی بھوک سے ویسی ہی تکلیف ہوتی ہوگی جیسے مجھے ہو رہی ہے۔ حالانکہ آپ کے یہاں اناج کے کوٹھے بھرے ہوئے تھے اور جو شخص دونوں وقت پیٹ بھر کے کھائے گا اسے بھوکوں پر کیا خاک رحم آئے گا کیونکہ اسے تو بھوک کی حقیقت ہی معلوم نہیں۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر کسی شخص کی اصلاح سختی پر موقوف ہو تو وہاں سختی کی بھی اجازت ہے مگر اس کا طریقہ یہ ہے کہ اول مرہم سے کام لو اور اگر مرہم سے کام نہ چلے بلکہ آپریشن ہی کی بضرورت ہو تو آپریشن کرو مگر چند ماہروں کو مشورہ میں شریک کر لو گو وہ تم سے چھوٹے ہی ہوں جیسے ڈاکٹر آپریشن کے وقت اسسٹنٹ کو بھی بلا لیتا ہے حالانکہ وہ درجہ میں اس سے چھوٹا ہے۔ یہ مضمون اس پر چلا تھا کہ آیت اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ پر یہ اشکال ہوتا تھا کہ بعض دفعہ نرمی سے فائدہ نہیں ہوتا میں نے اس کا ایک جواب یہ دیا تھا کہ یہ آیت سلامت طبع مخاطب کے ساتھ مقید ہے اور جن کی طبیعت میں سلامتی نہ ہو ان کے لئے دوسرا حکم ہے مگر مسلمانوں میں تو زیادہ تر سلیم الطبع ہی ہیں اس لئے تم اپنے مخالفوں کو کج طبع نہ سمجھو اور نہ اپنے کام کا مخالف سمجھو بلکہ ان کی مخالفت کو غلط فہمی پر محمول کرو مثلاً یہ کہ وہ تمہاری نسبت بڑا بننے اور طالب جاہ ہونے کا خیال کرتے ہیں اس لئے شرکت نہیں کرتے ان کے فعل کو اس پر محمول کر کے ان کے ساتھ نرمی کرو اور نرمی سے اصلاح کی کوشش کرو۔ غرض یہ ایک شبہ تھا جو بعض لوگوں کو ہو سکتا تھا کہ چونکہ بعض لوگ اس کام کے مخالف ہیں

اس لئے استحسان اتحاد کے بیان کی بھی ضرورت ہے سو میں نے اس کو رفع کر دیا کہ مخالفت کی بنا استحسان اتفاق میں کلام نہیں ہے بلکہ اجتہادی غلطی ہے پس مجھے اس وقت اتحاد و اتفاق کے استحسان کا بیان کرنا مقصود نہیں کیونکہ یہ تو کھلی بات ہے بھلا جب دو آدمی بھائی بھائی ہوں ان سے یہ کہنا کہ تم بھائی بھائی ہو اور اپنے کو بھائی بھائی سمجھو فضول بات ہے اسی لئے میں نے کبھی اس کے استحسان پر تقریر نہیں کی گو آج کل لوگ اس موضوع پر بہت تقریریں کرتے ہیں۔

اتحاد مطلوب کے دو درجے

بلکہ مجھے اس وقت صرف یہ بیان کرنا ہے کہ اتحاد مطلوب کے دو درجے ہیں ایک اس کا حدوث دوسرے بقاء میں ان دونوں درجوں کے اسباب بیان کروں گا کہ حدوث اتحاد کی بنیاد کیا ہونی چاہئے اور اس کے بقاء کا طریقہ کیا ہے اور وہ اسباب ایسے ہیں جو شرعی پہلو سے بھی ظاہر ہیں اور عقلی پہلو سے بھی اور اسباب بقاء کی تحقیق زیادہ اہم ہے اس لئے کہ آج کل ہم لوگوں میں اتحاد و اتفاق پیدا تو ہوتا ہے مگر باقی نہیں رہتا۔ میں اس کا سبب شرعی پہلو سے بتلاؤں گا جو عقل کے بھی مطابق ہے مجھے عقل کا نام لیتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ کیونکہ عقل باندی ہے اور شریعت سلطان ہے پس عقل کی تائید سے شریعت کی بات کو ماننا ایسا ہے جیسے غلام کی جی ہاں جی ہاں کو سن کر بادشاہ کی بات کو مانا جائے اور اس کا حماقت ہونا ظاہر ہے۔ بادشاہ کی بات خود حجت ہے غلام کی تصدیق سے اس کو حجت سمجھنا سراسر حماقت ہونا ظاہر ہے۔ مگر کیا کیا جائے آج کل عقل پرستی کا غلبہ ہے لوگوں کی سمجھ میں وہی بات آتی ہے جو عقل کے مطابق ہو اس لئے تبرعاً میں عقلی پہلو سے بھی ان اسباب کو بیان کروں گا گو میرا اصلی مذاق اس کے خلاف ہے پس سنئے کہ آج کل دیکھا جاتا ہے کہ ہم لوگوں میں اتحاد باقی نہیں رہتا بلکہ ایک اتحاد ہی کیا مجھے تو ایسی بدگمانی ہے کہ جب یہ سنتا ہوں کہ مسلمانوں نے کوئی کام شروع کیا ہے تو سب سے پہلے یہ خیال ہوتا ہے کہ دیکھئے استقلال کے ساتھ چلے گا بھی یا نہیں کیونکہ میں رات دن دیکھتا ہوں کہ نہ ہمارے کارخانے چلتے نہ انجمنیں نہ مدرسے نہ اتحاد و اتفاق ہاں ایک چیز ہمیشہ چلتی ہے وہ کیا جوتا اور لٹھ یہ ایک بار جہاں چلا پھر عمر بھر چلتا رہتا ہے چاہے اس کی بنیاد کیسے ہی کمزور ہو مگر شاخیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔ جیسے عرب میں جاہلیت کے زمانہ میں ایک گھوڑ دوڑ ہوتی تھی جس میں ایک فریق کا گھوڑا آگے نکل گیا تو اسی بات پر صدیوں تک لڑائی رہی ہماری حالت آج کل اہل جاہلیت کی حالت کے مشابہ ہے کہ ذرا سی بات پر جہاں جوتہ چلا پھر وہ برسوں تک چلتا رہتا ہے۔ باقی اتحاد و

اتفاق اس کی عمر ہمارے یہاں بہت تھوڑی ہے گو لیکچرار حدوث اتحاد کی بہت کوشش کرتے رہتے ہیں اور اس پر تقریریں بھی بہت ہوتی ہیں مگر آج تک کسی نے بقاء اتحاد کے اسباب بیان نہیں کیے نہ عدم بقاء کے اسباب کو مرتفع کیا حالانکہ سب سے پہلے یہ مسئلہ قابل غور تھا اس لئے اس وقت میں اسی کو بیان کرنا چاہتا ہوں اور اسی کے ضمن میں اسباب صحیحہ حدوث کے بھی مذکور ہو جائیں گے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں پس (اگر کبھی ان میں نزاع ہو تو) اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو۔ یہاں فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ میں اس پر تنبیہ ہے پنچوں (یعنی پنچائت)

آج کل کا عجیب دستور

پنچوں کو کسی ایک فریق کی رعایت نہ کرنا چاہئے بلکہ دونوں کو اپنا بھائی سمجھ کر اس طرح صلح کرانا چاہئے جیسے حقیقی دو بھائیوں میں صلح کرائی جاتی ہے کہ ان میں سے کسی کا اضرار بھی گوارا نہیں ہوتا اور صلح کرانے کا طریقہ یہ نہیں جو آج کل رائج ہے کہ دونوں فریق کو کچھ دبایا جاتا ہے یہاں تک کہ جس کا حق ہوتا ہے اس کو بھی دبایا جاتا ہے بلکہ صلح کرانے کا طریقہ یہ ہے کہ جو حق پر ہو اس کو غلبہ دیا جائے اور جو ناحق پر ہو اس کو دبایا جائے کیونکہ صاحب حق کو دبانا اضرار ہے اور غیر صاحب حق کو دبانا اضرار نہیں بلکہ اس میں تو اسے اضرار سے روکنا ہے مگر آج کل عجیب دستور ہے کہ صاحب حق غیر صاحب حق دونوں کو دباتے ہیں سو یہاں اصلاح سے یہ مراد نہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ اس سے پہلے ارشاد وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ م بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَ تْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْاط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ یعنی اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں باہم لڑنے لگیں تو دونوں میں (اول) صلح کراؤ پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر ظلم کرے تو جو زیادتی اور ظلم کرے تو اس سے سب مل کر قتل کرو یہاں تک کہ وہ حکم الٰہی کی طرف واپس آ جائے اس سے صاف معلوم ہوا کہ اصلاح کے معنی یہ ہیں کہ حکم الٰہی کے موافق فیصلہ کیا جائے اور یقیناً صاحب حق کو دبانا حکم الٰہی کے خلاف ہے پس اگر فریقین حکم الٰہی کے مطابق فیصلہ پر راضی ہو جائیں فبہا ورنہ جو ظلم پر کمر بستہ ہو اور دوسرے کا حق مارنا چاہتا ہو سب کو اس سے لڑنے کا حکم ہے یہ حکم نہیں ہے کہ بس جس طرح ہو صاحب حق کا گلا گھونٹ گھانٹ کر لڑائی موقوف کر دو آج کل لوگوں نے اصلاح اسی کو سمجھ رکھا ہے کہ بس لڑائی موقوف ہو جائے چاہے صاحب حق ہی کو دبا دیا جائے مگر شریعت نے اس کو اصلاح نہیں سمجھا بلکہ شرعاً

اصلاح یہ ہے کہ حق بقدر رسد اور جو دوسرا فریق حق دار کے حق دینے میں پس و پیش کرے تو پھر حکم یہ ہے کہ سب مل کر اس کو دباؤ اور لڑائی کی ضرورت ہو تو سب اس سے لڑو۔

اتفاق کے حدود

اس سے معلوم ہوا کہ اصلاح میں بعض دفعہ سختی کرنا اور قتال کرنا بھی مستحسن ہے یعنی اگر اتفاق قائم کرنے میں نا اتفاقی کی ضرورت ہو تو اس وقت وہ بھی مستحسن ہے خلاصہ یہ ہے کہ نا اتفاقی کی غرض سے اتفاق کرنا تو برا ہے اور اتفاق کی غرض سے نا اتفاقی کرنا جائز بلکہ واجب ہے مثلاً چار آدمی اس غرض سے اتفاق کریں کہ پانچویں سے نا اتفاقی کرینگے یہ مذموم ہے اور یہیں سے یہ معلوم ہو گیا کہ اگر خدا تعالیٰ سے نا اتفاقی کرنے پر اتفاق ہو یعنی معاصی پر اجماع ہو تو وہ کیوں برا نہ ہوگا یقیناً یہ اتحاد سب سے بدتر ہے مگر آج کل لوگوں نے اتفاق کا نام یاد کر لیا ہے اور اس کو مطلقاً محمود سمجھتے ہیں حدود کی رعایت نہیں کرتے یہ بالکل غلط ہے۔ شریعت میں نماز تک کیلئے تو حدود ہیں کہ طلوع وغروب اور دوپہر کے وقت نماز حرام ہے اور بغیر استقبال قبلہ کی نماز حرام ہے۔ اسی طرح ذکر اللہ کے لئے حدود ہیں کہ ذکر میں نیند آ جاوے تو سو جانے کا حکم ہے اس وقت ذکر ممنوع ہے۔ شریعت کا مقصود ان حدود سے یہ ہے کہ بندہ کو غلام ہونا چاہئے جس وقت جو حکم ہو اس کا امتثال کرے چاہے عبادت کا حکم ہو یا ترک عبادت کا۔ بس وہ شان ہو

من چو کلکم درمیان اصبعین نیستم در صف طاعت بین بین

(میں طاعت کی صف میں جو بیچ میں ہوں وہ طاعت کی وجہ سے نہیں بلکہ قلم کی طرح دو انگلیوں کے بیچ میں پھنسا ہوں)

قلم کی خوبی یہ ہے کہ جب چلائیں تو چلے اور جب روکیں رک جائے کیونکہ قلم اگر روکے سے بھی نہ رکے تو حروف بگڑ جاتے ہیں اسی طرح عبادات حدود شرعیہ کے خلاف معاصی ہیں اس لئے حکم ہے کہ نیند کے وقت ذکر موقوف کر کے سو رہو۔ تو اتنی بڑی چیز جس کے غیر مستحسن ہونے کا شبہ ہی نہیں ہو سکتا وہ بھی ایک وقت میں ترک حدود کی وجہ سے مذموم ہو جاتی ہے تو اتحاد کے لئے حدود کیوں نہ ہوں گی اور ان حدود کے خلاف جو اتحاد ہو وہ مذموم کیوں نہ ہوگا۔

اتحاد کی ہر فرد مستحسن نہیں

پس اتحاد کی بھی ہر فرد مستحسن نہیں اس کو علی الاطلاق محمود کہنا اتحاد کا ہیضہ ہے افسوس ہے کہ آج

کل اتحاد کے فضائل تو بہت بیان کئے جاتے ہیں مگر اس کے اصول و حدود بیان نہیں کئے جاتے پس خوب سمجھ لو کہ خدا سے نا اتفاقی کرنے پر اتفاق کرنا مذموم اور نہایت مذموم ہے پس اس سے اس اتحاد کا حکم سمجھ لیا جاوے جس میں اتحاد کے لئے شریعت کے احکام کو چھوڑا جاتا ہے صاحبو! جیسے اتفاق مستحسن ہے ایسے ہی کبھی نا اتفاقی بھی مستحسن ہے۔ پس جو لوگ خدا تعالیٰ کے احکام چھوڑنے پر اتفاق کریں ان کے ساتھ نا اتفاقی کرنا اور مقابلہ کرنا محمود ہے۔ دیکھو جیسے عمارت بنانا محمود ہے ایسے ہی بعض عمارت کا گرانا بھی محمود ہے اگر آپ اپنی رعایا سے کوئی مکان خریدیں اور اس میں بجائے کچے کوٹھڑوں کے عمدہ کوٹھی بنانا چاہیں تو پہلی عمارت کو گرائیں گے یا نہیں یقیناً گرائیں گے اب بتلایئے یہ فساد محمود ہے یا مذموم۔ اس کے محمود ہونے میں کسی عاقل کو کلام نہیں ہوتا پھر کسی موقع پر نا اتفاقی کے محمود ہونے میں کیوں شبہ ہے اسی لئے حق تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جس طرح بھی ہو صلح کرادو بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ صحیح بنیاد پر صلح کراؤ اور اگر لوگ اس پر راضی نہ ہوں تو سب مل کر غلط بنیاد کو ڈہادو پھر قتال کے بعد اگر طائفہ باغیہ حق کی طرف رجوع ہو جائے تو حکم یہ ہے کہ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا یعنی اب پھر ان کے معاملہ کی انصاف کے ساتھ اصلاح کرو۔ یہ نہیں کہ بس لڑائی موقوف ہوتے ہی ان کا مصافحہ کرادو۔ اس میں بھی لوگ غلطی کرتے ہیں بعض لوگ صلح کرانا اس کو سمجھتے ہیں کہ جہاں دو آدمیوں میں نزاع ہو فوراً دونوں کا مصافحہ کرادیا چاہے فریقین کے دل میں کچھ ہی بھرا ہو میں کبھی ایسا نہیں کرتا بلکہ کہتا ہوں کہ پہلے معاملہ کی اصلاح کرو پھر مصافحہ کرو ورنہ بدون اصلاح معاملہ کے نرا مصافحہ محض بیکار ہے اس سے فریقین کے دل کا غبار نہیں نکلتا تو مصافحہ کے بعد پھر مکافحہ شروع ہو جاتا ہے۔ یعنی مقاتلہ تو حق تعالیٰ نے فاءت کے بعد یہ نہیں فرمایا فکفوا ایدیکم کہ زیادتی کرنے والا حق کی طرف رجوع ہو تو بس تم ہاتھ روک لینے پر اکتفا کرلو بلکہ فرماتے ہیں کہ جب دوسرا فریق زیادتی چھوڑ دے تو اب پھر اصلاح معاملہ کی عدل کے ساتھ کوشش کرو یہ قید یہاں ایسی بڑھائی گئی ہے جس پر ساری عقول قربان ہیں کیونکہ نزاع بدون اس کے ختم ہو ہی نہیں سکتا مگر اس نکتہ پر کسی کی عقل نہیں پہنچتی۔ بہر حال اصلاح کے نہ یہ معنیٰ ہیں کہ صاحب حق کو دبایا جائے نہ یہ معنی ہیں کہ محض مصافحہ کرادیا جائے بلکہ اصلاح کے معنی یہ ہیں کہ حق کو غالب۔

(یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو آجکل علماء دیوبند اور جماعت رضائیہ میں اتفاق کرانا چاہتے ہیں اور دونوں جماعتوں پر باہمی نا اتفاقی کا الزام دہراتے ہیں کہ اسلام کو

ضرر پہنچ رہا ہے سبحان اللہ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ ایک شخص کے گھر پر چور ڈاکہ ڈالیں اور وہ ان پر دعویٰ کر دے۔ تو دونوں فریق کو نا اتفاقی کا مجرم قرار دے کر دونوں کو اتفاق پر مجبور کیا جائے بلکہ اس صورت میں ہر عاقل چوروں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ مالک کا مال واپس کر کے اس سے اتحاد کریں مالک کو اتحاد پر کوئی مجبور نہیں کرتا نہ اس کو دعویٰ دائر کرنے سے مجرم قرار دیتا ہے اسی طرح اس صورت میں علماء دیوبند کو جس جماعت سے اختلاف ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ وہ لوگ دین پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اور احکام میں تحریف کرتے ہیں ان دونوں میں اتفاق کرانے کی صورت یہی ہے کہ اول حق و ناحق کو معلوم کیا جائے پھر جو ناحق پر ہو اس کو دبایا جائے یہ طریقہ نہایت غلط ہے کہ حق و باطل کی تعیین سے پہلے ہی دونوں فریق کو اتفاق پر مجبور کیا جاتا ہے اور ہر ایک کو دبایا جاتا ہے یہ اتفاق ہرگز قائم نہیں رہ سکتا ۱۲ جامع)

اور باطل کو مغلوب کیا جائے اس پر فریقین اتفاق کر لیں تو خیر ورنہ اس اتفاق کی طرف لانے کے لئے فریق مبطل سے نا اتفاقی اور قتال کا حکم ہے۔ پس حق تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اس میں حق تعالیٰ نے حکم اخوت کو صفت مومن پر مرتب فرمایا ہے اور اصول کا قاعدہ ہے کہ جہاں کسی صفت پر حکم مرتب ہوتا ہے وہاں وہ وصف حکم کی علت ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ ہم میں جو اخوت کا تعلق ہے اس کی علت ایمان ہے اور وہی اخوت مطلوب ہے جس کی بنیاد ایمان پر ہو صاحبو! آج کل جو اتحاد و اتفاق کو بقا نہیں اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد ایمان پر نہیں ہوتی بلکہ ہوائے نفس یا معاصی پر ہوتی ہے اس لئے وہ بہت جلد ہوا ہو جاتا ہے یعنی فنا اس لئے اگر اتفاق کو باقی رکھنا چاہتے ہو تو اس کی بنیاد ایمان پر قائم کرو مگر آج کل تو ایمان کو ایسی بے قدر چیز سمجھ رکھا ہے کہ اس کی کچھ وقعت ہی نہیں ہے جس کام کی بنیاد ایمان پر رکھی جاتی ہے اس کے متعلق لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو ملانوں کا کام ہے چنانچہ آج کل زبانوں پر یہ بات بہت کثرت سے ہے کہ یہ وقت نماز روزہ کا نہیں ہے اتحاد کا وقت ہے۔ اور جب کوئی اللہ کا بندہ اعتراض کرتا ہے کہ اتحاد کی وجہ سے احکام شرعیہ کا فوت کرنا جائز نہیں ہے تو نہایت بے باکی سے جواب دیا جاتا ہے کہ یہ وقت جائز و ناجائز کا نہیں ہے کام کا وقت ہے اور غضب یہ ہے کہ اس متن پر بعض اہل علم نے یہ حاشیہ بھی چڑھا دیا کہ اتفاق و اتحاد وہ چیز ہے کہ اس کے قائم کرنے کے لئے نمازیں قضا کر دی گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احزاب میں نمازیں قضا کر دی تھیں سبحان اللہ کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا اول تو یہی بتلایا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کس سے اتحاد کر رہے تھے جو اتحاد کی وجہ سے نمازیں قضا ہوئیں بلکہ وہاں تو عدم اتحاد اس کا سبب ہوا تھا کفار سے مقابلہ اور لڑائی تھی نہ کہ اتحاد کی گفتگو اور اگر کوئی شخص اپنے اس اتحاد کو بھی مقابلہ میں داخل کرنا چاہے تو پھر وہ یہ ثابت کرے کہ کیا

حضور نے باوجود فرصت کے نمازیں قضا کر دی تھیں یا کفار نے آپ کو نماز پڑھنے کی مہلت ہی نہ دی تھی احادیث وواقعات میں صاف مذکور ہے کہ وہاں قضاء نماز کا سبب یہ تھا کہ کفار نے آپ کو نماز کی مہلت نہیں دی تھی کیونکہ مقابلہ کے وقت مہلت اپنے قبضہ میں نہیں رہتی بلکہ دونوں پر موقوف ہوتی ہے اگر ایک فریق مہلت لینا چاہے اور دوسرا مقابلہ سے باز نہ آئے تو اس کا مہلت لینا بے کار ہے پھر ایسی حالت میں نماز کیسے پڑھی جاوے رہا یہ کہ صلوٰۃ الخوف کی صورت ممکن تھی۔

صلوٰۃ الخوف کس وقت مشروع ہے

تو خوب سمجھ لیجئے کہ اس میں بعض طلبہ واہل علم کو بھی غلطی واقع ہوتی ہے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صلوٰۃ الخوف وقت قتال کے لئے مشروع ہے یہ بالکل غلط ہے بلکہ صلوٰۃ الخوف وقت خوف قتال کے لئے مشروع ہے اور یہ جب خوف سے بڑھ کر وقوع قتال کی نوبت آجائے اس وقت نماز موخر ہو جاتی ہے قتال کے ساتھ نماز کی اجازت نہیں بلکہ صلوٰۃ الخوف میں بھی اگر قتال شروع ہو جائے تو حکم یہ ہے کہ نماز کو توڑ دیں اور اس میں نماز کی بے وقعتی نہیں بلکہ نماز کی وقعت یہی ہے کہ ایسے وقت میں اس کو توڑ دیا جائے کیونکہ اس سے نماز کی سہولت واضح ہوتی ہے اور سہل کام پر دوام ہو سکتا ہے اگر نماز میں یہ سہولتیں نہ ہوتیں تو لوگ ہمت ہار جاتے اسی طرح اگر وسط صلوٰۃ میں اسٹیشن پر ریل چھوٹ جائے تو جائز ہے کہ نماز توڑ دی جائے اور بعض بزرگوں سے جو منقول ہے۔ کہ انہوں نے نماز نہیں توڑی یہ ان کا حال ہے ورنہ شرعاً قطع صلوٰۃ کی اجازت ہے بہر حال اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال درپیش تھا اور ایسی حالت تھی کہ صلوٰۃ الخوف بھی نہ پڑھ سکتے تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز قضا کی۔

اتحاد کا ہیضہ

مگر آج کل جو اتحادی جلسوں اور ترقی قومی کے مشوروں میں نمازیں قضا کی جاتی ہیں ان پر کون سا حملہ ہوتا ہے جس سے ان کو نماز کی مہلت ہی نہیں ملتی۔ افسوس باتیں بنانے اور دور راز کا ریزولیشنوں کے پاس کرنے میں تو نمازیں قضا ہوتی ہیں اور انکو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات پر قیاس کیا جاتا ہے۔ ان لوگوں کو کچھ تو شرم کرنا چاہئے۔ پس خوب سمجھ لو کہ یہ مسائل اور یہ دلائل سب غلط تھے۔ اور تماشا یہ کیا گیا کہ ان لوگوں کو اتحاد کا ایسا ہیضہ ہوا کہ کفار کو بھی بھائی بنایا اور ان کی رعایت میں احکام شرعیہ کو چھوڑا گیا اور اس کی یہ مصلحت بیان کی جاتی تھی کہ اس سے کفار کو اسلام کی طرف انجذاب ہوگا اور اگر ان کو بھائی نہ بنایا گیا تو اسلام سے بعید اور اجنبی رہیں گے۔ صاحبو! یہ خیال محض لغو تھا۔ اسلام تو ایسی حسین چیز ہے کہ کسی آنکھ میں کجی نہ ہو تو اس کا حسن ضرور اپنی

طرف کھینچے گا چاہے تم اس کو بھائی بھی نہ کہو بلکہ دشمن ہی کہو۔ ابوجہل کی آنکھ میں کجی تھی اس لئے اس کو ہدایت نہ ہوئی اور جن کی نگاہ میں کجی نہ تھی وہ کسی نہ کسی وقت اسلام کی طرف آئے اور پھر آئے حالانکہ عمر بھر اسلام سے عداوت ہی ظاہر کرتے رہے تھے اور مسلمان بھی ہر موقعہ پر ان سے مقابلہ کرتے رہے تھے پس اسلام کو اپنی طرف منجذب کرنے کے لئے کسی کو بھائی بنانے کی ضرورت نہیں وہ دشمن کو دشمن کہہ کر بھی اپنی طرف کھینچ سکتا ہے کیونکہ اسلام نے دوسری قوموں کے حقوق کی بھی پوری رعایت کی ہے وہی حقوق اور وہی رعایت سب کے جذب کے لئے کافی ہے پس میں یہ بھی نہ کہوں گا کہ کفار ہمارے بھائی ہیں ہاں یہ کہوں گا کہ مسلمان بھائی بھائی ہیں اور وہ ہمارے پڑوسی ہیں اور اسلام میں ہمسایہ کے بھی حقوق ہیں گو وہ کافر ہی ہو اور اگر ان کو بھائی کہا جاوے تو یہ بات چل نہیں سکتی نہ ان کو بے جا خوشامد کا یقین آسکتا ہے اور یہ قرآن کے بھی بالکل خلاف ہے۔ پس کفار سے ایسا اتحاد شرعاً جائز نہیں ہے جس میں احکام الٰہیہ کی کچھ بھی مخالفت کی جاوے بھلا اگر ایسا اتحاد محمود ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آپ کی عقل کامل پر تمام عالم کا اتفاق ہے لا الہ الا اللہ کی تعلیم کیوں دی ہوتی جس سے تمام عالم میں تہلکہ مچ گیا اور کفار کہنے لگے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ (۵) وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ. اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ اس تعلیم سے پہلے سب کفار آپ کے ساتھ متحد تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اتفاق کی بنیاد کو اکھاڑ ڈالا کیونکہ کفار کے اس موافقت کی بنیاد کفر پر تھی وہ سمجھتے تھے کہ ہمارے کفر سے ہم کو نہیں روکا گیا اس لئے خوش تھے اور ظاہر ہے یہ بنیاد نہایت کمزور اور لچر بنیاد تھی آپ نے اس کی نیویں نکالیں پھر نئی بنیاد ڈال کر اس پر عالیشان عمارت لے گئے مگر ہماری حالت اس وقت یہ ہو رہی ہے کہ ترقی واتحاد بھی کرتے ہیں تو اس طریقہ پر جس پر کفار نے ترقی کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر نہ ہماری ترقی ہے نہ اتحاد ہے حالانکہ ہم کو کفار کی چیزوں کی طرف تو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ممانعت ہے۔

اسلامی ترقی کا طریقہ

حق تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہیں وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا. لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ. وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى اور اپنی اہل کو نماز کا حکم کیجئے اور (خود بھی) اس پر جمے رہیئے ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے رزق تو ہم خود ہی آپ کو دیں گے اور (اچھا) (انجام تقویٰ ہی کا ہے) اس میں پابندی نماز اور تقوی کا حکم ہے اس کو کفار کی

ترقی کے مقابلہ میں بیان کرنا اسکی دلیل ہے کہ اسلامی ترقی کا طریقہ یہ ہے لیجئے اللہ میاں نے بھی ملانوں ہی کے مذاق کی رعایت کی ہے اب بتلاؤ کیا اس قرآن کو مٹادو گے میرا یہ مطلب نہیں کہ دنیا کے سارے کام چھوڑ دو اور نماز روزہ ہی کے ہو رہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا کو اصل مقصود نہ سمجھو۔

کسب دنیا مقصوداً مذموم ہے

باقی بضرورت دین دنیا میں مشغول ہونے کا مضائقہ نہیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے کھانے کی ضرورت سے کنڈے جمع کئے جاتے ہیں اور جب کوئی پوچھتا ہے کہ یہ کھانا کتنے میں تیار ہوا ہے تو اس کی فہرست میں کنڈے اور لکڑیاں بھی شمار ہوتی ہیں اسی طرح جب دین کے لئے دنیا کماؤ گے تو محض دنیا نہ رہے گی اب اس کا لقب نعم المال ہوگا جس کا لقب پہلے الدنیا جیفتہ تھا کہ دنیا گندی اور حرام ہے بس کسب دنیا بضرورت مذموم نہیں ہاں مقصوداً مذموم ہے جیسے کوئی شخص کنڈوں ہی کو مقصود سمجھے اور انہیں کھانے لگے تو احمق ہے اور اگر ان کو روٹی کے توے کے نیچے جلائے تو بڑا عاقل ہے۔

حکایت حضرت خواجہ عبید اللہ صاحب احرارؒ

یہی وہ بات ہے جس کو خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ نے ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے جواب میں ظاہر فرمایا تھا ملا جامی خواجہ صاحب سے بیعت ہونے کے لئے گئے تھے جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ یہاں تو بڑا امیرانہ ٹھاٹھ ہے ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں اعتراض پیدا ہوا کہ درویشوں کے یہاں شاہانہ ساز و سامان نہ ہونا چاہئے اس خطرہ کا ایسا غلبہ ہوا کہ آپ نے خواجہ صاحب کے منہ پر عرض کیا

نہ مردست آنکہ دنیا دوست دارد

(جو دنیا کو دوست رکھتا ہے وہ اللہ والا نہیں ہوسکتا)

یہ کہہ کر چلے آئے اور مسجد میں آکر لیٹ گئے پھر خواب میں ان کو تنبیہ ہوئی جس سے خواجہ صاحب کا بزرگ ہونا معلوم ہوا اس کے بعد معذرت کی خواجہ صاحب نے فرمایا کہ وہ مصرع دوبارہ تو سناؤ انہوں نے عذر کیا فرمایا کہ پہلے تم نے خود پڑھا تھا اب ہمارے کہنے سے سنادو۔ مجبور ہو کر بے چاروں نے سنایا کہ

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد

(وہ اللہ والا نہیں ہوسکتا جو دنیا کو دوست رکھے)

خواجہ صاحب نے بیساختہ فرمایا

اگر دارد برائے دوست دارد

(اگر اللہ والا دنیا رکھتا ہے تو اللہ ہی کے لئے (رضائے الٰہی) میں خرچ کرنے کے لئے رکھتا ہے۔

خوب جواب دیا جس کا حاصل یہی ہے کہ دنیا کو مقصود بالذات سمجھ کر رکھنا تو برا لیکن دین کا تابع بنا کر رکھنا محمود ہے۔ یہی مطلب میرا ہے کہ اصل مقصود تو دین کو سمجھو پھر دنیا تابع ہو کر خود ہی آ جائے گی اور اس وقت وہ دنیا نہ ہوگی بلکہ دین کی تبعیت سے وہ بھی دین ہو جائے گی۔ یہ تو علمی مضمون ہے اب تاریخی نسخہ دیکھو تو اس میں غور کرو کہ اس وقت تک مسلمانوں کی ترقی کیونکر ہوئی یہ مت دیکھو کہ کفار کی ترقی کیونکر ہوئی کیونکہ ہر قوم کا مزاج باطنی الگ ہے یہ ضروری نہیں کہ جو طریقہ ایک قوم کو مفید ہو وہ سب کو مفید ہو بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ جو صورت ایک قوم کے کسی فرد کو مفید ہو وہ سب افراد کو مفید ہو چنانچہ تجربہ ہے کہ کسی کو تجارت سے ترقی ہوتی ہے تو کسی کو ملازمت سے کسی کو زراعت یا حرفت سے ہر شخص کو ایک طریقہ سے ترقی نہیں ہوتی پھر یہ کیا ضرور ہے کہ جو طریقہ ایک قوم کو مفید ہو وہ سب کو مفید ہو صاحبو! لطیف المزاج کو وہ چیزیں نافع نہیں ہوتیں جو ایک گنوار کو نافع ہیں چنانچہ ایک طبیب کا واقعہ ہے کہ وہ کسی گاؤں سے گزرے تو دیکھا کہ ایک گنوار نے چنے کی موٹی موٹی روٹیاں سات آٹھ کھائیں اور ان پر ایک بدھنا بھرا ہوا چھاچھ کا پی گیا حکیم صاحب نے کہا کہ اب تیری خیر نہیں چھاچھ کو درمیان میں پینا چاہئے تھا تو گنوار نے روٹی لانے والے کو آواز دی کہ ارے چار روٹ اور لے آ حکیم یوں کہتا ہے کہ چھاچھ کو بیچ میں کر لے میں بیچ میں کر لوں چار پانچ موٹی موٹی روٹیاں اور آ گئیں گوار نے وہ بھی صاف کر دیں اور حکیم صاحب سے کہا کہ بس اب تو چھاچھ بیچ میں ہو گئی۔ حکیم نے کہا بھائی تو چاہے بیچ میں کریا اوپر تجھے کچھ نقصان نہ ہوگا جس کا معدہ ایسا قوی ہو اس کے لئے سب جائز ہے بھلا کوئی شہری بھی ایسا کر سکتا ہے ہرگز نہیں۔ پھر ترقی کے باب میں آپ ایک ہی طریقہ سب کے لئے مفید کیوں کر سمجھتے ہیں صاحبو! اگر سنکھیا ایک شخص کو ضرر نہ دے بلکہ نافع ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہ آئے گا کہ سب کے لئے سنکھیا مفید ہو بلکہ کہا جائے گا کہ اس شخص کے مزاج کی خصوصیت ہے ورنہ سنکھیا تو فی نفسہ قاتل ہی ہے پس اب تم یہ مت دیکھو کہ کفار کو ترقی کیونکر ہوتی ہے۔ یہاں سے یہ شبہ زائل ہو گیا کہ اگر ان اسباب میں ترقی کی خاصیت نہیں تو کفار کو ان سے نفع کیوں ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ تم اسلام کے بعد لطیف المزاج ہو گئے ہو تمہارا مزاج شاہانہ ہو گیا ہے تم کو وہ صورت مفید نہ ہوگی جو گنواروں کو مفید ہے نیز تم ایسے ہو جیسے سر کی ٹوپی کہ جہاں اس میں ذرا سی ناپاکی لگی فوراً اتار کر پھینک دی جاتی ہے اور جوتے میں اگر ناپاکی لگ جائے تو اس کو نہیں پھینکتے اسی طرح حق تعالیٰ تم کو ناپاکی اور گندگی

میں ملوث نہیں دیکھنا چاہتے اگر تم ملوث ہو گے تو فوراً کوٹے پیٹے جاؤ گے اور کفار چاہے جتنا بھی ملوث ہو جائیں گوارا کیا جائے گا میاں جی ایک لڑکے سے محبت کرتا ہے تو اس کو ہر روز سبق یاد نہ کرنے پر سزا دیتا ہے اور ایک سے محبت نہیں اس کو روز نہیں مارتا اس کو امتحان کے دن اکٹھا ہی مارے گا۔ پس اگر تم ترقی کرنا چاہو تو یہ دیکھو کہ پہلے مسلمانوں کو ترقی کیونکر ہوتی تھی۔ جن لوگوں نے حضرات صحابہ کی ترقی کا حال تاریخ میں دیکھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ ان حضرات کو محض اتباع دین کی وجہ سے ترقی ہوئی وہ دین میں پختہ تھے ان کے معاملات و معاشرات و اخلاق بالکل اسلامی تعلیم کے مطابق تھے اس لئے دوسری قوموں کو خود بخود اسلام کی طرف کشش ہوتی تھی اور صحابہؓ کی حالت دیکھ کر لوگ جوق جوق اسلام میں داخل ہوتے تھے اور اگر کسی نے مقابلہ کیا تو چونکہ انہوں نے خدا تعالیٰ کو راضی کر رکھا تھا اس لئے خدا ان کی مدد کرتا تھا یہی تو وجہ ہے کہ باوجود بے سروسامانی اور قلت عداد و عدد کے بڑی بڑی سلطنتوں کو ان سے آنکھ ملانے کی ہمت نہ ہوئی۔

اسلام میں ترقی کی معتدلانہ تعلیم

اسلام میں ترقی کی تعلیم ایسی معتدل ہے کہ دوسری قومیں بھی اس سے نہیں بھڑکتیں کیونکہ اسلام میں وفا عہد کی سخت تاکید ہے کہ جن قوموں سے تمہارا باہمی معاہدہ ہو جائے پھر ان کی حفاظت اپنے بال بچوں کی طرح واجب ہے۔ **لھم مالکم وعلیھم ماعلیکم** مگر میں پھر وہی بات کہوں گا جو پہلے کہی تھی کہ آپس میں بھائی بھائی تو مسلمان ہی ہیں باقی دوسری قومیں پڑوسی ہیں لیکن اسلام میں حقوق پڑوسی کے بھی کافی ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پڑوسی ایک یہودی تھا آپ اس کے حقوق کی پوری رعایت کرتے تھے کوئی نئی چیز کھانے کی پکتی یا میوے اور پھل آتے تو بدون اس یہودی کے گھر بھیجے خود نہ کھاتے اور وہ بیمار ہوتا تو اس کی عیادت کرتے۔ ہم کو ہمسایہ کی ایذا رسانی سے سخت ممانعت ہے اور حکم ہے کہ اگر کسی وقت اپنے ہمسایہ کفار کو ہم سے امداد کی ضرورت ہو تو ان کی امداد کریں (یعنی شرعی حدود کے اندر) اور ان سے ہمدردی کریں۔ صاحبو! اسلام کے قوانین خود ایسے ہیں جن میں سب قوموں کی رعایت ہے پھر ہمیں اپنی طرف سے کوئی صورت اتحاد و اخوت کی نکالنا کیا ضرور ہے کیا اسلام نے کچھ کم رعایت کی ہے جو تم اس میں اضافہ کرنا چاہتے ہو ہاں یہ ضرور ہے کہ اسلام نے ان کو مسلمانوں کے برابر بھائی نہیں بنایا جیسا کہ آج کل لوگ بنا رہے ہیں پس ہمیں کسی سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم آپ سے اتحاد کرنا چاہتے ہیں یا ہم کو آپ سے ہمدردی ہے بلکہ ہمسایہ کفار

کے ساتھ تم اسلامی تعلیم کے موافق عمل شروع کر دو وہ خود آپ سے متحد ہو جائیں گے اور آپ کی محبت و عظمت ان کے قلوب میں پیدا ہو جائے گی نہ اس کی ضرورت ہے کہ تم احکام شرعیہ میں ترمیم کرو نہ اس کی ضرورت ہے کہ جلسوں میں ان کو مدعو کر کے خوشامد کے الفاظ کہو بلکہ عمل کی ضرورت ہے اور معاملہ درست کرنے کی ۔ مگر عمل میں ہماری یہ حالت ہے کہ مسلمانوں سے بھی ہمارا برتاؤ اچھا نہیں کفار سے تو کیا ہی ہوگا پھر یہ زبانی باتیں کب تک چلیں گی ۔

کان پور میں اپنی جماعت کو صبر و سکون کی تعلیم

مسجد کان پور کے واقعہ میں بعض احباب نے مجھ سے مشورہ لیا تھا کہ ہم کو کیا کرنا چاہئے میں نے سب کو یہی رائے دی کہ صبر و سکون سے کام لو ہلڑ نہ کرو اور اطمینان کے ساتھ گورنمنٹ تک اپنی آواز پہنچاؤ ان شاء اللہ اس کا اثر ہوگا باقی حکام سے مقابلہ نہ کرو کیونکہ سلطنت سے مقابلہ کرنا رعایا کا کام نہیں یہ کام سلطنتوں کا ہے تو میرے بعضے خطوط اس قسم کے حکام کی نظر سے بھی گزرے یا کسی نے ان کو خبر کر دی کہ فلاں شخص نے اپنی جماعت کو صبر و سکون کے ساتھ درخواست کرنے کا امر کیا تھا اس کا حکام پر خاص اثر ہوا اور یہ تجویز کی گئی کہ اس کے لئے کوئی صورت اعزاز و امتیاز کی ہونا چاہئے مجھ کو بعض افسروں کے ذریعہ سے معلوم ہوا میں نے صاف کہہ دیا کہ میں نے اس واقعہ میں جو کچھ تعلیم مسلمانوں کو دی ہے وہ محض قوانین شرع کے اتباع کی تعلیم تھی ایسے موقعہ میں ہماری شریعت کا یہی حکم ہے سکون سے کام لیا جائے ۔ حکومت کو نفع پہنچانا میرا بالذات مقصود نہ تھا یہ اتفاقی بات ہے کہ حکومت کو بھی نفع ہو گیا کیونکہ یہ شریعت ہی ایسی ہے جس کے اندر سب کے حقوق کی رعایت ہے، اس لئے میں اپنی رائے کا صلہ صرف حق تعالیٰ سے چاہتا ہوں اور کسی سے نہیں چاہتا ۔ صاحبو! میں سچ کہتا ہوں کہ تم شریعت پر چل کر دیکھو ان شاء اللہ سب تمہاری عزت کریں گے جس کی بین دلیل یہ ہے کہ جو پکے مسلمان ہیں انگریز ہندو پارسی وغیرہ سب ان کی عزت کرتے ہیں چنانچہ میری نسبت قصبہ کے بعض ہندوؤں نے کہا تھا کہ وہ ہندو مسلمان سب کو ایک آنکھ سے دیکھتا ہے حالانکہ میں نہ کسی ہندو کو کبھی بلاتا ہوں نہ ان کی خوشامد کرتا ہوں بلکہ وہ خود ہی میرے پاس آتے ہیں اس وقت میں اسلامی تعلیم کے موافق ان کی تالیف قلب کرتا ہوں کیونکہ اسلام میں سب کے حقوق کی رعایت ہے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ کسی عیسائی قوم سے آپ نے عارضی مصالحت کی صلح میں میدان تقسیم ہو گئے ان لوگوں نے سرحد پر ہرقل کا مجسمہ بنا کر بطور نشان کے قائم کر دیا اتفاق سے کچھ مسلمان اس مجسمہ کے آس پاس گھوڑ دوڑ کر رہے تھے ایک سپاہی نے مجسمہ کی

آنکھ پر برچھا ماردیا وہ آنکھ ٹوٹ گئی عیسائیوں کو اس کی اطلاع ہوئی انہوں نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے احتجاج کیا کہ ہمارے بادشاہ کے مجسمہ کی توہین کی گئی ہے ہم اس کا انتقام لینا چاہتے ہیں حالانکہ بات کچھ نہ تھی مگر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ واقعی ہمارے سپاہی نے بہت بڑی غلطی کی اور میں اس کے معاوضہ میں اپنی آنکھ پیش کرتا ہوں تم میری آنکھ پھوڑ دو۔ اس جواب کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے وفاء عہد کا عیسائیوں پر چرچا ہوگیا کہ یہ لوگ عہد کے کیسے پکے ہیں بالآخر وہ لوگ خود ہی ڈھیلے ہوگئے اور کہا ہم تصویر کی آنکھ کے معاوضہ میں آپ کی انکھ لینا نہیں چاہتے یہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کو ترقی ہوئی تھی اے صاحبو! آپ غور تو کریں کہ اس وقت حالانکہ ہندوستان میں مسلمانوں کو کچھ ظاہری ترقی نہیں ہے مگر پھر بھی آئے دن لوگ اسلام میں داخل ہورہے ہیں اس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہے کہ اسلام میں خوبی اور کمال ہی ایسا ہے جو خود بخود لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اگر کبھی کوئی مسلمان اسلام پر پوری طرح چلنے لگیں تو پھر تو کیا ہی حال ہو پس تم دوسری قوموں کے طرز ترقی کا اتباع نہ کرو بلکہ اس طریقہ کا اتباع کرو جن سے تم کو ترقی ہوچکی ہے کیونکہ یہ آزمودہ نسخہ ہے جو کامیاب ہوچکا ہے ترقی کے اسباب تمہارے یہاں اپنے گھر میں موجود ہیں مگر پھر بھی تمہاری وہ حالت ہے کہ دوسروں کی طرف ہاتھ پھیلاتے ہو۔

یک سبد پرناں ترابر فرق سر تو ہمی جوئی لب ناں دربدر
تابہ زانوی میاں قعر آب وزعطش وزجوع گشتی خراب

(تیرے سر پر روٹیوں کا ایک ٹوکرا موجود ہے مگر تو ایک روٹی کے ٹکڑے کیلئے دربدر مارا پھر رہا ہے تو زانوں تک نہر میں کھڑا ہے مگر بھوک اور پیاس سے خراب ہورہا ہے)

صاحبو! تم دین پر چلو دنیا خود ساتھ ساتھ آجائے گی ہمارے حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ دنیا اور دین کی ایسی مثال ہے جیسے پرندہ اور سایہ تم پرندہ کو پکڑ لو سایہ ساتھ ساتھ آجائے گا اور اگر سایہ کو پکڑ لوگے تو نہ وہ ہاتھ آئے گا نہ یہ ہاتھ آئے گا۔ تم دین پر قائم رہو ساری قومیں تمہاری مسخر ہوجائیں گی۔

لہٰذا اتفاق واتحاد کی بنیاد ہمیشہ دین کی حدود پر قائم کرو اور کسی عالم سے مشورہ کر کے کام کیا کرو یہ اتحاد ان شاء اللہ مضبوط ہوگا۔ یہ تو حدوث اتحاد کی شرط تھی آگے بقاء اتحاد کی تدبیر بتلاتے ہیں و اتقوا اللہ یعنی اتحاد جب باقی رہے گا جب تقویٰ کی رعایت ہوگی کیونکہ جب تقویٰ کی رعایت ہوگی تو خدا کا خوف ہوگا اور دوسرے کے حقوق ادا کرنے کا خیال ہوگا اور جب دوسروں کے حقوق ادا ہوتے رہیں گے تو پھر نا اتفاقی پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ نا اتفاقی جب ہی پیدا ہوتی ہے جب کسی کو ضرر پہنچایا جائے یا اس کے حقوق تلف کئے

جائیں۔ پھر شریعت میں حقوق کی رعایت ایسی ہے کہ صرف جان و مال ہی کے حقوق نہیں ہیں بلکہ معاشرت کے بھی حقوق ہیں جن کی اس قدر رعایت ہے کہ اگر تین آدمی بیٹھے ہوں تو ایک کو چھوڑ کر دو آدمیوں کو خفیہ باتیں کرنا ممنوع ہے بھلا ایسی رعایت کسی دنیوی دستور العمل میں بھی ہے پھر یہ حکم ہے کہ بدون استیذ ان کے کسی کے گھر میں بلکہ اپنے گھر میں بھی نہ جاؤ۔ اور یہ حکم زنانہ گھر ہی کے ساتھ مخصوص نہیں کیونکہ وہاں تو حجاب ہی ضرورت استیذ ان کی کافی دلیل ہے۔ بلکہ مردانے میں بھی استیذ ان کی ضرورت ہے مگر مردانہ مکان میں تفصیل ہے ایک صورت یہ ہے کہ کسی مجلس کے دروازے کھلے ہوئے ہوں اور کوئی پردہ وغیرہ پڑا ہوا نہ ہو اور لوگوں کی آمد ورفت جاری ہو اس صورت میں استیذ ان کی ضرورت نہیں وہ مجلس عام ہے۔ ایک صورت ہے کہ مردانہ مکان میں کوئی شخص پردہ چھوڑے ہوئے یا کواڑ بند کئے ہوئے بیٹھا ہو یہاں استیذ ان کی ضرورت ہے بدون اجازت کے پردہ اٹھانا یا کواڑ کھولنا ممنوع ہے اور استیذ ان کا طریقہ یہ ہے کہ دروازہ پر کھڑے ہو کر اول سلام کرو پھر کہو کہ میں اندر آ جاؤں تین دفعہ ایسا ہی کرو اگر اجازت ملے تو اندر آ جاؤ ورنہ لوٹ جاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خود کر کے دکھلا دیا ہے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر قباء میں تشریف لے گئے جو مدینہ سے تین کوس پر ہے آپ نے تین بار سلام کر کے اجازت چاہی حضرت سعد نے بلند آواز سے جواب نہ دیا کہ اچھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سلام کریں کیونکہ سلام دعا ہے۔ یہ بھی ایک حال ہے بعض لوگ اس کو بے ادبی کہیں گے مگر عشاق کا ادب دوسروں سے الگ ہے جب تیسری بار کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام نہ فرمایا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ گھر سے نکلے دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف واپس جا رہے ہیں۔ دوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روک لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ واپس کیوں چلے فرمایا میں نے تین بار سلام کیا تم نے جواب نہ دیا اس لئے واپس جا رہا ہوں کیونکہ تین بار سے زیادہ استیذ ان کا حکم نہیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے تو آپ کی دعا لینا چاہی تھی اس لئے خاموش رہا تا کہ اور برکت ہو بھلا آج تو کوئی ایسا کر کے دکھائے ایک دفعہ ہی کے بعد جواب نہ ملنے پر غصہ آ جائے گا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرا نا گواری نہیں ہوئی خوش خوش مدینہ کو واپس ہو گئے پھر جب وہ دوڑے آئے دوبارہ پھر تشریف لے گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے واسطے کچھ خصوصیت نہیں رکھی بلکہ خود بھی قانون کے ویسے ہی تابع رہے جیسے دوسروں کو تابع بنایا تھا اسلام میں ملاقات کا بھی کتنا اچھا طریقہ ہے کہ اول السلام علیکم کرتے ہیں اس میں مخاطب کو سلامتی کی دعا ہے اور سلامتی ایسا جامع مضمون ہے جس میں ہر طرح کی خیر و خوبی داخل ہے۔ نیز اس میں سلامتی کا اظہار کر کے مخاطب کو مطمئن کر دیا جاتا ہے کہ تم مجھ سے

مامون و بےفکر رہو میں تمہارا خیر خواہ اور طالب سلامت ہوں دوسری قومیں تو ایسا طریقہ اپنے یہاں بتلائیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں بھی اپنی کوئی خصوصیت نہیں رکھی جس طرح دوسروں کو سلام کیا جاتا تھا ویسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا جاتا تھا ورنہ سلاطین کا سلام تو سب سے الگ ہوتا ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے کچھ امتیاز نہ رکھا تھا رہا نکاح میں آپ کا تو نو بیبیاں کرنا اور امت کے لئے چار سے زیادہ کو حرام کرنا اس کی وجہ علاوہ خاص حکمتوں کے ایک یہ بھی تھی کہ آپ میں قوت اتنی تھی کہ یہ عدد بھی اس قوت کے اعتبار سے کم ہی تھا۔ تو جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نو نکاحوں پر اعتراض کرتے ہیں پہلے وہ یہ تو معلوم کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں قوت کتنی تھی صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تیس مردوں کی قوت ہے اور یہ محض خوش اعتقادی نہیں بلکہ اس کے دلائل موجود ہیں ایک دلیل حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ عرب میں یہ بڑے زبردست پہلوان تھے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کشتی میں مجھ کو پچھاڑ دیں تب میں آپ کی نبوت تسلیم کر سکتا ہوں کیونکہ ان کو اپنی قوت پر ناز تھا کہ مجھے کوئی نہیں پچھاڑ سکتا عرب میں قوت کا بھی وزن کیا جاتا تھا تو اہل عرب حضرت رکانہ کو ہزار مردوں کے برابر سمجھتے تھے چنانچہ آپ نے کشتی میں رکانہ کو پچھاڑ دیا ایک دفعہ کو انہوں نے اتفاق پر محمول کیا اور کہا ایک دفعہ اور کشتی ہو آپ نے پھر بھی پچھاڑ دیا تب وہ اسلام لے آئے تو جب ایسے شخص سے بھی آپ کی قوت زیادہ تھی جو ہزار مردوں کے برابر شمار ہوتا تھا تو اس میں کیا شک ہے کہ آپ میں تیس مردوں کی قوت ہو بلکہ اس کو تو صحابہ کی احتیاط کہنا چاہئے ورنہ رکانہ کے واقعہ سے تو آپ میں اس سے زیادہ قوت معلوم ہوتی ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ بعض دفعہ آپ سب بیبیوں سے یکے بعد دیگرے ایک ہی دن میں فارغ ہولیا کرتے تھے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ میں قوت بہت تھی پھر نو نکاح آپ کے لئے کیا زیادہ تھے کچھ بھی نہیں ہیں۔ میں اسلام کے احکام جو قلب کو مسخر کرتے ہیں بیان کر رہا تھا ان میں سے ایک حکم یہ ہے کہ بازار کا نرخ مقرر نہ کرو ہر شخص جتنے میں چاہے اپنا مال فروخت کرے سب کو آزاد رکھو آج کل جو لوگ آزادی کے مدعی ہیں وہ بھی دکانداروں کو آزادی نہیں دیتے بلکہ بازار کا نرخ مقرر کر دیتے ہیں یا قلیوں اور ٹمٹم والوں کا کرایہ معین کر دیتے ہیں اسلام میں اس کی ممانعت ہے کیونکہ اپنی چیز میں ہر شخص خود مختار ہے۔ ایک حکم یہ کہ **مطل الغنی ظلم** (الصحیح للبخاری ۲: ۱۲۳، کنز العمال ۱۳۲۲۶) مالدار آدمی کا قرض خواہوں کو ٹالنا ظلم میں داخل ہے اس کی سخت ممانعت ہے کہ رقم پاس ہوتے ہوئے قرض خواہ کو ٹالا جائے۔ سبحان اللہ کتنی رعایت ہے حقوق کی میں کہاں تک اسلام کی برکات کو بیان کروں یہاں تو یہ حال ہے۔

اگر ہفت دریا شود روشنائی کند کلک اشجار مدحت سرائی
محال از ثنائے تو عہدہ بر آئی ازل تا ابد تو فرمانروائی

پس بڑا بیان یہ ہے کہ تم عمل کر کے دیکھو اسلام کی برکتیں تم کو خود نظر آ جائیں گی آگے ارشاد ہے **لعلکم ترحمون** (تا کہ تم پر رحمت خداوندی ہو) اس میں بتلا دیا کہ اخوت سے صرف اخوت ہی مطلوب نہیں اصل مقصود رضائے الٰہی وقرب ہے مگر وہ ایسا مقصود ہے کہ جب وہ حاصل ہو جاتا ہے تو دنیوی مقاصد بھی ساتھ ساتھ چلے آتے ہیں یہ نہیں کہ صرف رضا ہی حاصل ہو جائے اور دنیا کے مقاصد فوت ہو جائیں میں سچ کہتا ہوں کہ جب بندہ کا خدا تعالیٰ سے تعلق مستحکم ہو جاتا ہے تو دنیا کے تعلقات کے حقوق پہلے سے زیادہ مستحکم ہو جاتے ہیں کیونکہ پہلے تو ان حقوق کو حظ نفس کے لئے ادا کیا جاتا تھا اور حظ نفس اپنی اختیاری شے ہے جب چاہو اس سے قطع نظر کر لو تو وہ حقوق بھی ضائع ہو جاتے ہیں اور اب رضائے الٰہی کے لئے ان حقوق کو ادا کیا جاتا ہے اور رضائے حق سے قطع نظر نہیں ہو سکتی اس لئے دیندار سے زیادہ تعلقات کے حقوق کو کوئی بھی ادا نہیں کر سکتا پس یہ شبہ رفع ہو گیا کہ جب اخوت سے مقصود رضائے حق ہوگی اور اخوت خود مقصود نہ ہوگی تو اخوت کے حقوق کیونکر ادا ہوں گے سو میں نے بتلا دیا کہ اس صورت میں پہلے سے زیادہ حقوق ادا ہوں گے اور جو لوگ دیندار بن کر حقوق متعلقین میں کمی کرتے ہیں وہ دین سے ناواقف ہیں حقیقت میں وہ دیندار نہیں گو دنیا ان کو دیندار سمجھتی ہے بس اب تفصیل کہاں تک بیان کروں سنار کی کھٹ کھٹ لوہار کی ایک بس۔

خلاصہ وعظ

خلاصہ یہ ہے کہ تم دین کی پابندی کرو ان شاء اللہ دوسری قومیں بھی تم سے خوش رہیں گی اور کامیابی تمہاری غلام ہوگی یہ طریقہ ہے اتحاد کے قائم رکھنے اور اس کے باقی رکھنے کا اور اس کی رعایت کرو گے تو یہ اتحاد باقی رہے گا ورنہ زبانی جمع خرچ سے کچھ نہیں ہوتا یہ تو چار دن میں ختم ہو جاتا ہے

اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ شانہ ہمیں علم وعمل کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین
وصلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد وعلی الہ واصحابہ
اجمعین واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

عمل الشکر

یہ وعظ عمل کی ضرورت کے متعلق مسجد امدادیہ تھانہ بھون ۱۲ جمادی الاخری ۱۳۴۰ھ بعد نماز جمعہ منبر پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا جسے مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے قلمبند فرمایا سامعین کی تعداد ۳۵ تھی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ.

اَمَّابَعۡدُ: اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ. بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا رزقناکم واشکرو اللہ ان کنتم ایاہ تعبدون۔ (ترجمہ:۔اے ایمان والو جو (شرع کی رو سے پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے (جو چاہو) کھاؤ اور حق تعالیٰ کی شکر گزاری کرو اگر تم خاص ان کے ساتھ غلامی کا تعلق رکھتے ہو۔) (البقرہ آیت نمبر ۱۷۲)

آج کے مضمون کا خلاصہ دو امر ہیں عمل صالح کی ضرورت اور اس کے آداب اور وجہ اس کے اختیار کی یہ ہے کہ اس سے پہلے دو بیان ہوئے ہیں ایک میں آیت اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡھِمۡ وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ (بے شک جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے پھر استقامت اختیار کی۔) کو اختیار کیا تھا اور دوسرے میں اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا (بیشک جن لوگوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے پھر استقامت اختیار کی) الآیات کو اختیار کیا تھا۔

اعمال صالحہ کو حصول ولایت میں دخل ہے

حاصل دونوں کا ایک تھا جس کو اس بیان کے ارتباط کے لئے ظاہر کرتا ہوں حاصل دونوں کا یہ تھا کہ ولایت ختم نہیں ہوئی جیسا کہ نبوت ختم ہو چکی ہے اس لئے ولایت ہر شخص کو حاصل ہو سکتی ہے جس کا طریقہ ایمان و عمل صالح ہے۔ اس ولایت کا ایک درجہ تو نفس ایمان ہی سے حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس سے پہلے بیان میں ایمان کا استقامت ہونا ثابت کیا گیا تھا مگر عرفاً اس کو

ولایت نہیں کہتے اور خواص بھی مطلق ولایت سے اسی کو مراد نہیں لیتے اور اس کو ولایت عامہ سے تعبیر کرتے ہیں بلکہ عرفاً ایمان وعمل صالحہ میں ترقی کرنے کو ولایت کہتے ہیں جسے خواص ولایت خاصہ کہتے ہیں مگر عوام اسی کو ولایت کہتے ہیں اب میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ یہ ولایت بھی ختم نہیں ہوئی بلکہ عمل میں ترقی کر کے اس کو بھی ہر شخص حاصل کر سکتا ہے اور گو ایمان بھی ایک عمل صالح ہے اور حق تعالیٰ نے ایمان کو بھی عمل فرمایا ہے مگر وہ عمل قلب سے اس پر محاورات میں اطلاق کے ساتھ عمل کا اطلاق نہیں کیا جاتا بلکہ مطلق عمل سے اکثر مراد عمل فرعی ہوتا ہے۔ اس لئے میں نے ایمان و عمل کو الگ الگ بیان کیا ہے۔ ورنہ یہ بھی کہنا صحیح تھا کہ عمل میں ترقی کرنا ولایت ہے بہر حال ولایت خاصہ میں ایمان و عمل صالح دونوں کو دخل ہے ایمان کا دخل تو ظاہر ہے اور اعمال صالحہ کو حصول ولایت میں اس لئے دخل ہے کہ یہ اعمال مکمل ایمان ہیں اب سمجھو کہ جب اعمال صالحہ مکمل ایمان ہیں یعنی ان سے رضا و قرب الٰہی میں ترقی ہوتی ہے اور قرب و رضا سے حق میں ترقی ضروری ہے اور ضروری کا ذریعہ ضروری ہوا کرتا ہے تو اعمال کا اہتمام ضروری ہوا۔ ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں ان کی ضرورت نہ ہو اور گزشتہ بیان سے وہ یہ سمجھ گیا ہو کہ جب نفس ایمان سے بھی استقامت حاصل ہو جاتی ہے اور استقامت کے ثمرات نزول ملائکہ و بشارت جنت وغیرہ ہیں تو اب کسی اور کام کی کیا ضرورت ہے اس لئے ضروری ہوا کہ اس وقت اعمال کی ضرورت بتلائی جاوے کیونکہ عام طور سے لوگ اس میں بہت کوتاہیاں کرتے ہیں اعمال کی ضرورت بہت کم سمجھتے ہیں چنانچہ بعض تو محض بزرگوں کی باتیں اور تصوف کے چند مسائل یاد کر کے ہی دعویٰ کمال کرنے لگتے ہیں چاہے اعمال کیسے ہی ہوں نہ نماز کی پابندی نہ حقوق العباد کا خیال مگر تصوف کا دعویٰ ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص مٹھائیوں کے نام یاد کر لے اور عمر بھر ان کو رٹا کرے اس کو مٹھائی کے ثمرات لذت و نشاط اور اس کا مزہ قیامت تک حاصل نہیں ہو سکتا پھر نام یاد کرنے سے کیا فائدہ۔

لذت علوم اور لذت محبت میں فرق

اسی طرح اس طریق میں محض مسائل یاد کر لینے اور مقام و حال کی تعریف جان لینے سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ مقام و حال حاصل نہ ہوا ہو مگر ان لوگوں کو دھوکہ اس سے ہو گیا کہ علوم حقہ میں بھی ایک قسم کی لذت ہوتی ہے جس کو یہ لوگ محبت کی لذت سمجھ گئے اور محض باتیں ہی یاد کر لینے سے اپنے کو کامل سمجھنے لگے اور چونکہ تصوف کی باتیں مزیدار ہوتی ہیں عوام کو بھی ان میں لطف آتا ہے اس لئے وہ بھی ان باتیں بنانے والوں کو کامل سمجھنے لگے حالانکہ دونوں لذتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے مولانا فرماتے ہیں۔

کار مردان روشنی و گرمی است کار دونان حیلہ و بیشرمی ست

(مردوں کے کام روشنی اور گرمی ہے اور کمینوں کے کام بے شرمی اور بے حیائی ہے)

لذت محبت میں انوار ہوتے ہیں جس سے اخلاق رذیلہ کی ظلمت دور ہو جاتی ہے تواضع اور فنا کا مذاق حاصل ہو جاتا ہے اور لذت علوم سے دعویٰ کمال اور چالاکی اور تکبر پیدا ہوتا ہے اس لئے دونوں میں یوں بعد ہے۔

مستی جنوں اور مستی عقل میں فرق

اسی طرح کبھی محبت طبعی کی مستی محبت عقلی کی مستی سے متشابہ ہو جاتی ہے اور کبھی برعکس مولانا فرماتے ہیں۔

اوگل سرخ ست تو خونش مخواں مست عقل ست او تو مجنونش مخواں

یعنی سرخی خوں میں بھی ہوتی ہے اور پھول میں بھی مگر دونوں میں بڑا فرق ہے پھول سے دماغ معطر ہو جائے گا اور خون خشک ہو کر سڑ جائے گا اسی طرح ایک مستی جنون کی ہوتی ہے اور ایک مستی عقل کی دونوں میں بڑا فرق ہے۔ مگر لوگ آج کل ہر مجنون کو مجذوب سمجھتے ہیں اور جس کو خشکی دماغ سے کچھ خیالی الہامات یا کشف ہونے لگے وہ خود بھی اپنے کو کامل مجذوب سمجھ لیتا ہے کیونکہ مستی میں دونوں بظاہر یکساں نظر آتے ہیں مگر ایک مست عقل ہے اور ایک مست بے عقلی۔ مست عقل کی شان یہ ہے کہ اس کی خطا بھی صواب ہے۔ اور مست بے عقلی کا صواب بھی خطا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

گر خطا گوید و راخاطی مگو درشود پر خون شہید آنرا مشو

خون شہیداں راز آب اولی ترست ایں خطا از صد صواب اولی ترست

(اگر غلطی کرے اس کو خطا وار مت کہو اگر شہید خون میں لت پت ہو جائے اس کو غسل مت دو کیونکہ شہیدوں کا خون آب حیات سے بہتر ہے اور یہ خطا صد صواب سے بہتر ہے)۔

حماقت صریحہ

بعض لوگوں کو بعض خارجی آثار سے اشتباہ ہو جاتا ہے چنانچہ دجال کو بعضے نبی اور بعضے خدا سمجھیں گے کیونکہ اس کے ہاتھ سے خوارق بکثرت ظاہر ہوں گے اس لئے بہت لوگ اس کو نبی کہیں گے اور بہت لوگ اس کو خدا سمجھیں گے خصوصاً وہ لوگ جو حلول کے قائل ہیں اور وہ لوگ جو کہ وحدت وجود میں غلو کئے ہوئے ہیں۔ حالانکہ حق تعالیٰ نے اس عقیدہ پر صریح وعید و تکفیر فرمائی ہے عیسائیوں کا بھی یہی خیال تھا کہ نعوذ باللہ خدا نے عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کیا ہے ان کے بارہ

میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ (جن لوگوں نے کہا کہ اللہ عین عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہے وہ کافر ہو گئے) اور جو لوگ وحدت وجود میں غلو کئے ہوئے ہیں وہ تو ہر چیز کو نعوذ باللہ خدا کہتے ہیں وہ دجال کو بھی کہیں تو کیا تعجب ہے حالانکہ اس کی پیشانی پر ک ف ر لکھی ہوئی ہے یعنی کافر۔ حدیث میں الف کا ذکر وارد نہیں کیونکہ رسم خط عربی میں کافر بدون الف کے بھی لکھا جاتا ہے پھر اس کے بعد بھی اسے نبی وغیرہ سمجھنا حماقت صریحہ ہے مگر شاید وہ اس میں بھی کچھ تاویل کرلیں کہ کافر سے مراد کافر عشق ہے جیسے امیر خسرو نے فرمایا ہے۔

کافر عشقم مسلمانی مرا درکار نیست ہر رگ من تار گشتہ حاجت زنار نیست

میں عشق میں فانی ہوں بقا مجھے درکار نہیں میری رگ تار ہو گئی ہے مجھے زنار کی ضرورت نہیں ہے۔)

مگر یہ تاویل یہاں نہیں چل سکتی کیونکہ کافر عشق کی اصطلاح امیر خسرو یا ان کے مثل شعراء کی خاص اصطلاح ہے شارع کی اصطلاح نہیں اور وہ کتابت حق تعالیٰ کی طرف سے ہوگی جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں کافر کے معنی وہی ہوں گے جو شریعت کی اصطلاح ہے کیونکہ اگر کوئی دوسرے معنی مراد ہوں گے تو اس میں تلبیس ہوگی بہت لوگ دوسرے معنی کو نہ سمجھیں گے بلکہ کافر کو معنی شرعی ہی پر محمول کریں گے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے تلبیس ممتنع ہے۔

اکابر صوفیاء کا اصطلاحات کے استعمال

رہے وہ حضرات جن کا یہ کلام ہے۔ کافر عشقم الخ ان پر بھی تلبیس کا شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ انہوں نے اپنے کلام کو نا اہل کے سامنے بیان کرنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ شیخ ابن عربی فرماتے ہیں یحرم النظر فی کتبنا کتاب کا دیکھنا حرام ہے اب ان پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اعتراض جو کچھ ہے ان لوگوں پر ہے جنہوں نے دنیا کمانے کے لئے ان کتابوں کو چھاپ چھاپ کر شائع کیا ہے ان بے چاروں کو کیا خبر تھی کہ ایک زمانہ میں پریسوں کی کثرت ہوگی اور ہمارا کلام طبع ہو کر ہر شخص کی نظر سے گزرے گا یا اس کے جواب دہ وہ لوگ ہیں جو اپنی مجلسیں گرم کرنے کے لئے بزرگوں کے اقوال نا اہلوں کے سامنے بیان کرتے ہیں مولانا فرماتے ہیں

ظالم آں قومیکہ چشمان دو ختند از سخنہا عالمے راسو ختند

مولانا ان لوگوں کو ظالم فرماتے ہیں کہ انہوں نے آنکھوں پر پٹی باندھ کر ایک عالم کو اپنی

باتوں سے تباہ وبرباد کردیا آگے فرماتے ہیں کہ ان علوم کا دیکھنا یا سننا اسی شخص کو جائز ہے جو اہل ہو نااہل کو ان کے پاس بھی نہ آنا چاہیئے۔

نکتہا چوں تیغ پولادست تیز چوں نداری تو سپر واپس گریز

پیش ایں الماس بے اسپر میا کز بریدن تیغ را نبود حیا

رہا یہ کہ ان حضرات کو ایسی چیستان بولنے ہی کی کیا ضرورت تھی جس سے معنی غیر مراد کا ایہام ہو ان کو چاہیئے تھا کہ ایسی اصطلاحات اختیار ہی نہ کرتے جن سے کسی کے گمراہ ہونے کا احتمال ہو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے ایک حکمت سے ایسا کیا وہ حکمت یہ ہے کہ ان حضرات کو نااہلوں سے اپنے علوم کا اخفاء مقصود تھا جیسے بعض لوگ ملامتی ہوتے ہیں جو اپنے اعمال کو لوگوں سے چھپاتے ہیں اور ظاہر میں رند لوگوں کی طرح رہتے ہیں تاکہ کوئی ان کو بزرگ نہ سمجھے اور معتقد نہ ہو جائے اور یہ بات کوئی انہی کے ساتھ مخصوص نہیں اہل دنیا بھی ایسا ہی کرتے ہیں چنانچہ بعض لوگ لکھ پتی کروڑ پتی ہوتے ہیں لاکھوں روپے ساتھ لیکر سفر کرتے ہیں مگر ظاہر میں میلے کچیلے رہتے ہیں تاکہ کسی کو خبر نہ ہو جائے کہ ان کے پاس بہت مال ہے پھر چور اور ڈاکو پیچھے لگ جائیں گے اسی طرح بزرگوں میں جو ملامتی ہوتے ہیں وہ ڈاکوؤں سے بچنے کے لئے اپنے اعمال کو چھپاتے ہیں اور رندوں کی سی وضع بنائے رکھتے ہیں کیونکہ ہجوم عوام سے ان کے معلومات میں خلل پڑتا ہے اس لئے وہ عوام کو ڈاکو سمجھتے ہیں مگر مقتدا کو ایسا کرنا جائز نہیں تو ممکن ہے کہ وہ حضرات اپنے کو مقتدا نہ سمجھتے ہوں یا واقع میں مقتدا نہ ہوں پس ان پر اعتراض کا حق نہیں وہ جو کچھ کرتے ہیں معالجہ نفس کے لئے کرتے ہیں اور فقہاء نے تو تداوی بالمحرم تک کو جائز کہا ہے جبکہ طبیب حاذق یہ کہہ دے کہ تمہارے لئے اسی میں شفا ہے اگرچہ وہ واقعی حرام کیوں نہ ہو اور یہ حضرات تو حرام واقعی کا ارتکاب نہیں کرتے بلکہ ایسے کام کرتے ہیں جو بظاہر حرام معلوم ہوں مگر واقع میں مباح ہوتے ہیں۔

حکایت حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ

چنانچہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ مریدوں کے ساتھ جارہے تھے راستہ میں پکار کر کہا اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِی (بے شک میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پس میری عبادت کرو) بعض مریدین برگشتہ ہوگئے اور پیر کو چھوڑ کر چل دیئے کہ یہ تو خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں آگے چلے تو راستہ میں ایک عورت ملی آپ نے اس کا بوسہ لے لیا کچھ مرید یہاں سے علیحدہ ہوگئے کہ شیخ تو حرام کاری کرتے ہیں نامحرم عورتوں کا بوسہ لیتے ہیں آگے چلے تو ایک حلوائی کی

دکان ملی آپ نے بدون اجازت کے اس کی دکان سے حلوا کھانا شروع کر دیا کچھ مرید یہاں سے علیحدہ ہو گئے کہ پیر تو ڈاکہ بھی ڈالتے ہیں بس دو چار خاص مرید ساتھ رہ گئے جب خانقاہ میں واپس آئے تو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت آج آپ نے چند باتیں ایسی کی ہیں جن کی حقیقت سمجھ میں نہیں آئی فرمایا بتلاؤ میں نے کیا کیا کہا اول تو آپ نے خدائی کا دعویٰ کیا کہا اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا (بے شک میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پس میری عبادت کرو) کہا فرمایا میں اس وقت سورہ طٰہٰ پڑھ رہا تھا اس میں یہ آیت بھی ہے اس کو میں نے بلند آواز سے پڑھ دیا بتلاؤ اس میں کیا کفر ہو گیا کسی آیت کو جہر سے پڑھ دینا کفر ہے کہا حضرت یہ شبہ تو جاتا رہا اب دوسرا اشکال یہ ہے کہ راستہ میں آپ نے ایک عورت کا بوسہ لیا فرمایا وہ میری باندی تھی گھر کا کام کرنے کے لئے باہر پھر رہی تھی میں نے اپنی باندی کا بوسہ لیا تھا اس میں کونسی گناہ کی بات ہوئی کہا حضرت اب تیسرا اشکال یہ ہے کہ آپ نے بدون اجازت کے ایک حلوائی کا حلوا کھا لیا فرمایا وہ میرا مرید تھا جب اس نے مجھے دور سے دیکھا تو اس کو خود ہی خیال ہوا تھا کہ پیر کو دکان پر بٹھلا کر کچھ کھلاؤں گا میں نے خود ہی اس کی خواہش پوری کر دی اور ایسے مخلص دوست کا مال بدون اجازت کے کھا لینا جائز ہے جو بدون پوچھے کھانے سے زیادہ خوش ہو خود نص قرآنی میں ہے اَوْ صَدِيْقِكُمْ (یا تمہارا دوست) دیکھئے مہمان کو میزبان سے فرمائش کرنا کہ آج یہ پکواؤ اور کل یہ پکوانا فی نفسہ خلاف تہذیب وادب ہے لیکن اگر کوئی میزبان آپ کی فرمائش ہی سے خوش ہوتا ہو وہاں فرمائش کرنا جائز ہے۔

حکایت حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

امام شافعی رحمۃ اللہ ایک دفعہ کسی رئیس کے یہاں مہمان ہوئے وہ آپ کا معتقد اور محب تھا اس نے بہت محبت سے میزبانی کی روزانہ کھانوں کی فہرست لکھ کر غلام کو دیا کرتا تھا کہ آج امام صاحب کے لئے فلاں فلاں کھانے پکاؤ ایک دن غلام فہرست لے کر امام صاحب کے سامنے سے گزرا تو آپ نے فہرست لے کر اس میں ایک کھانا اپنی طرف سے بڑھا دیا میزبان نے دوسرے وقت جو فہرست میں ایک کھانے کا نام امام کے قلم سے لکھا ہوا دیکھا تو اتنی خوشی ہوئی کہ فوراً غلام کو آزاد کر دیا کہ تیرے ذریعہ سے مجھے یہ سعادت نصیب ہوئی کہ امام نے خود فرمائش کی جا میں نے تجھے آزاد کیا بتلایئے ایسے مخلص جان نثار کی کوئی چیز اگر بدون اجازت کے کھالی جاوے تو اس میں کونسی قباحت ہے۔ خصوصاً اگر وہ مرید بھی ہو کیونکہ مرید سب سے زیادہ جان نثار ہوا کرتا ہے غرض حضرت بایزید نے جو کچھ کیا تھا شرعاً سب جائز تھا مگر ظاہر میں یہ حرکتیں ناجائز معلوم ہوتی تھیں۔

عوام کو اہل اللہ کی گستاخی اور بے ادبی جائز نہیں

جب تداوی اور معالجہ کے لئے بعض احوال میں حرام واقعی کو بھی فقہاء نے مباح کہا ہے تو مباح واقعی جس کی محض صورت ہی منکر ہے کیونکر مباح نہ ہوگا پس عوام کو ان حضرات کی شان میں گستاخی نہ کرنا چاہئے کیونکہ حدیث قدسی میں ہے **من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب** (الدر المنثور ۴:۲۵۷، الترغیب والترھیب ۱:۶۸، بلفظ آخر) جو میرے ولی کو ایذا دے اس کو میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور جس کو خدا اعلان جنگ دے اس کا کہاں ٹھکانہ رہ سکتا ہے وہ جس سے جنگ کریں گے اس کا ایمان تک سلب کرلیں گے البتہ مقتدا انتظام دین کے واسطے ان کی شان میں کچھ کہے تو اس کو اجازت ہے کیونکہ حدود کی رعایت سے کہے گا چنانچہ ایک عارف شیخ ابن عربی کو زندگی بھر زندیق کہتے رہے جب شیخ کے وصال کی خبر آئی تو رونے لگے اور فرمایا **الیوم صدیقی** کہ آج صدیق کا انتقال ہوگیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ ان کی زندگی میں سو آپ انہیں زندیق کہتے رہے اور ہم کو ان کی فیوض سے محروم رکھا اور آج صدیق فرما رہے ہیں فرمایا کہ میں نے ان کو اس لئے زندیق کہا تھا تا کہ تم ان کے پاس جا کر زندیق نہ ہو جاؤ کیونکہ ان کے علوم تمہاری سمجھ سے بالاتر تھے تم ان کی باتوں کو سن کر ایمان سے ہاتھ دھو لیتے مولانا فرماتے ہیں۔

لقمہ و نکتہ است کامل راحلال   تو نہ کامل مخور میباش لال

در حق اومدح در حق تو ذم   در حق او شہد و درحق تو سم

(نکات و دقائق کامل کے لئے ہیں اگر تم کامل نہیں تو اس طرف توجہ نہ کرو یہ اس کے حق میں تعریف اور تیرے حق میں مذمت ہے اس کے حق میں شہد اور تیرے حق میں زہر ہے)

(دیکھئے قوی غذا قوی المعدہ کیلئے تو موجب تقویت و زیادت صحت ہے اور ضعیف کیلئے بعض دفعہ زہر ہو جاتی ہے اس لئے ان بزرگ نے انتظاماً لوگوں کو شیخ ابن عربی کی زیارت سے روکا کیونکہ ہر شخص ان علوم کا اہل نہ تھا مگر آج کل نہ معلوم وہ لوگ اس دریائے ناپیدا کنار میں کیوں پڑتے ہیں۔ جن پر نہ حال ہے نہ علم ہے کیونکہ دریا میں وہ شخص آئے جس کے پاس یا تو کشتی ہو (یعنی علم) یا اسے تیرنا آتا ہو (یعنی صاحب حال ہو) اور جو دونوں سے کورا ہو اسے کنارہ ہی پر رہنا چاہئے ورنہ ہلاک ہو جائے گا۔ اسی طرح جو لوگ بدون حال یا علم کے علوم غامضہ کا اظہار کرتے ہیں اور تصوف کے مسائل اور اہل حال کے اقوال کتابوں میں دیکھ کر نقل کرتے ہیں وہ اپنا اور دوسروں کا

ایمان ضائع کرتے ہیں بزرگوں نے یہ علوم اہل علم کے واسطے لکھے ہیں نااہلوں میں ان کی اشاعت جائز نہیں اسی لئے انہوں نے اپنی خاص خاص اصطلاحیں مقرر کی ہیں تاکہ نااہل سے یہ علوم مخفی رہیں پس بزرگوں پر تلبیس کا شبہ نہیں ہوسکتا کیونکہ جو اہل ہیں ان پر تلبیس ہوتی ہی نہیں اور جن پر تلبیس ہوتی ہے ان کو اپنے کلام کے دیکھنے کی وہ اجازت ہی نہیں دیتے یہ گفتگو اس پر چلی تھی کہ بعض دفعہ خارجی آثار سے تشابہ ہوجاتا ہے اور بعض دفعہ مستی جنون اور مستی عقل میں التباس ہو جاتا ہے سو یاد رکھو ان پر قبول کا مدار نہیں مستی اگر محمود بھی ہو تو وہ ثمرہ مقصود نہیں ہے۔

ذکر کا لطف

مگر آج کل لوگوں نے اسی کو مقصود بنالیا ہے چنانچہ ذکر میں مستی اور لذت کے طالب رہتے ہیں بعض لوگوں نے مجھ سے شکایت کی کہ ذکر میں مزہ نہیں آتا میں نے کہا مزا تو نذی میں ہے یا داغ اور ذوق کی غزلوں میں ہے حکیم محمود خاں کے نسخہ میں کیا مزہ اگر کوئی حکیم کا نسخہ پڑھ کر اس سے وہ مزا لینا چاہے جو غزل کے گانے میں آتا ہے تو یہ حماقت ہے نسخہ کے پڑھنے میں کیا مزا اور اس کے استعمال کرنے میں بھی مزہ آنا ضروری نہیں ممکن ہے کو دوا تلخ ہو لیکن کچھ دنوں استعمال کے بعد مزہ آئیگا اور دیرپا مزہ ہوگا۔ غزلوں کے سننے کا مزا تو تھوڑی دیر کا ہے اور محمود خان کے نسخہ سے وہ چیز پیدا ہوگی جو تمام مزوں کی جڑ ہے یعنی صحت۔ اسی طرح ذکر کرتے ہوئے گو لذت نہ آئے مگر کچھ عرصہ تک اس ذکر بے لذت پر مداومت کرنے سے وہ دولت حاصل ہوگی یعنی معیت حق کا انکشاف اور قلب کی صحت جس کے سامنے سب لذتیں گرد ہوجائیں گی مگر بعض لوگ مقصود کو چھوڑ کر اسی پر اکتفا کئے ہوئے ہیں کہ کسی کی غزل سن کر رونے لگے یا کسی قاری کا قرآن سن کر مزہ آ گیا۔

حرارت غریزیہ کی دعا

ایک دفعہ ہم سفر میں گئے اور میزبان کے گھر کے پاس ایک مسجد تھی وہاں سب کا ٹھہرنا قرار پایا تھوڑی دیر میں کچھ گانے کی آواز آئی معلوم ہوا کوئی بازاری عورت ہے تو ہم نے وہاں سے بستر اٹھوالیا اور ایک دوسرے مکان میں چلے گئے مگر ایک پیر صاحب ہمارے ساتھ تھے وہ وہیں سوئے اور صبح کو کہنے لگے کہ رات بھر آواز تو اس کی کان میں تھی (یعنی گانیوالی کی) اور دل خدا کی طرف تھا۔ ان لوگوں کا دل خدا کی طرف بھی اگر مائل ہوتا ہے تو گانے ہی کی آواز سے ہوتا ہے نماز میں قرآن پڑھنا خدا کی طرف ان کے دل کو متوجہ نہیں کرتا واللہ ان لوگوں کو لذت نماز کی کچھ بھی خبر نہیں جس کو نماز کی لذت کا ادراک ہے اس کا دل قرآن کی تلاوت سے خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور گانے بجانے کی آواز

سے اس کو وحشت ہوتی ہے اور ان پیر صاحب کو جو گانے کی آواز سے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ ہوئی یہ محض حرارت غریزیہ کی مستی تھی روحانی لذت نہ تھی لوگوں کو اس میں بہت دھوکہ ہوتا ہے۔ بہت لوگ حرارت غریزیہ کی مستی کو روحانی لذت سمجھ لیتے ہیں ان کو بڑھاپے میں اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے کیونکہ اس وقت حرارت غریزیہ کم ہو جاتی ہے تو جس کو جوانی میں روحانی لذت حاصل ہو چکی ہے بڑھاپے میں اس کی لذت کم نہیں ہوتی بلکہ زیادہ ہوتی ہے اور جس نے حرارت غریزیہ کی مستی کو روحانی لذت سمجھا تھا وہ اب اپنے کو لذت طاعات سے کورا پاتا ہے تو نہایت پریشان ہوتا ہے۔ ایک بزرگ بڑھاپے میں افسوس کرتے اور روتے تھے کہ میں اب تک غلطی میں تھا میں جوانی کی حالت میں نماز کے اندر حلاوت پا کر یہ سمجھتا تھا کہ مجھ کو نماز میں لذت آتی ہے مگر اب معلوم ہوا کہ وہ نماز کی لذت نہ تھی بلکہ حرارت غریزیہ کی لذت تھی ان دونوں لذتوں کی ایسی مثال جیسے قند اور گڑ گڑ بہت میٹھا ہوتا ہے مگر اس میں لطافت نہیں کثافت ہے اور قند میں مٹھاس کم ہوتا ہے مگر لطیف ہے اسی طرح حرارت غریزیہ کی لذت میں مستی اور جوش تو بہت ہوتا ہے مگر اس میں نفس کی آمیزش ہے اس لئے کثیف ہے۔

روحانی لذت

اور روحانی لذت میں جوش وخروش نہیں ہوتا بلکہ لطافت ہوتی ہے اس کی ایک اور مثال سمجھ میں آئی وہ زیادہ واضح ہے وہ یہ کہ بیوی کے ساتھ جوان کو بھی محبت ہوتی ہے۔ اور بوڑھے کو بھی۔ جوان کی محبت میں جوش وخروش زیادہ ہوتا ہے اور بوڑھے کی محبت میں جوش نہیں ہوتا مگر یہ بتلائیے کہ ان دونوں میں اصلی محبت کونسی ہے در حقیقت اصلی محبت بوڑھے کی محبت ہے کیونکہ جوان کی محبت غرض کی ہے اور یہ بے غرضی کی محبت ہے بوڑھے کو جو اپنی بیوی سے محبت ہوتی ہے وہ محض انس کا درجہ ہے جس میں نفس کی آمیزش نہیں مگر بعض دفعہ یہ انس اتنا قوی ہوتا ہے کہ بوڑھے کو بدوں بیوی کے چین نہیں آتا ایک میانجی کھڑ بوتھے ان کا قصہ ہے کہ وہ بوڑھے ہو کر بھی اپنی بیوی ہی کے پاس سویا کرتے تھے بدوں بیوی کے ان کو نیند ہی نہ آتی تھی آخر یہ کیا تھا وہی انس تھا اب سمجھئے کہ حرارت غریزیہ کی مستی تو ایسی ہے جیسے جوان آدمی کو بیوی سے محبت ہوتی ہے کہ اس میں جوش وخروش تو نہیں ہوتا مگر انس اور تعلق جوانوں سے زیادہ ہوتا ہے۔

پرانی جورو اماں ہو جاتی ہے

مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے جب کوئی ذاکر شکایت کرتا کہ ذکر میں لذت نہیں آتی تو فرمایا کرتے تھے کہ تم نے سنا نہیں پرانی جورو اماں ہو جاتی ہے۔ واقعی بوڑھوں کو تو بیوی سے ایسی ہی محبت

ہوتی ہے جیسے ماں بہن سے ہوا کرتی ہے۔ایک ولائتی نواب میرٹھ کی طرف تھے بہت بوڑھے ہو گئے تھے بڑھاپے میں ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا تو کلکٹر تعزیت کے لئے آیا اور کہا نواب صاحب ہم کو آپ کی بیوی کے انتقال کا بہت افسوس ہے نواب صاحب رونے لگے اور کہا کلکٹر صاحب وہ ہمارا بیوی نہ تھا بلکہ اماں تھا ہم کو روٹی کھلاتا تھا پنکھا جھلتا تھا پیر دباتا تھا بوڑھوں کو تو بیوی سے ان خدمات ہی کی وجہ سے محبت ہوتی ہے اور تو کوئی بات رہتی ہی نہیں اور ماں سے بھی خدمت و تربیت ہی کی وجہ سے محبت ہوتی ہے۔اس لئے یہ بالکل صحیح ہے کہ پرانی جورو اماں ہو جاتی ہے۔یعنی پھر اس سے خدمت کے علاقہ کا انس رہ جاتا ہے جوانی کے جوش کا تعلق نہیں رہتا پس لذت و مستی کا طالب ہونا غلطی ہے یہ تو محض حرارت غریزیہ کا اثر ہوتا ہے جو مقصود نہیں مقصود اعمال کے ساتھ انس ہی چاہے مستی ہو یا نہ ہو اور یہ انس اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ اعمال کی پابندی ہر حال میں کی جائے چاہے مزا آئے یا نہ آئے دل لگے یا نہ لگے اس میں آج کل بہت کوتاہی ہو رہی ہے لوگ اعمال کو مقصود نہیں سمجھتے بلکہ لذت کو مطلوب سمجھتے ہیں اس لئے اعمال کی ضرورت کا بتلانا ضروری ہے۔

طیبات کی دو تفسیریں

سو اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ۔(اے ایمان والو جو پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے کھاؤ اور حق تعالیٰ کی شکر گزاری کرو اگر تم اس کے ساتھ خاص غلامی کا تعلق رکھتے ہو) اس میں طیبات کی بھی دو تفسیریں اور شکر کی بھی۔طیبات کی ایک تفسیر تو حلال ہے مطلب یہ ہے کہ حلال کھاؤ حرام نہ کھاؤ اس صورت میں امر وجوب کے لئے ہوگا یعنی اگر کھاؤ تو اس میں حلال کی رعایت واجب ہے اور امر کی قید میں نے اس لئے بڑھادی کہ کھانا فی نفسہ واجب نہیں لغیرہ واجب ہے البتہ اس میں حلال کی رعایت کرنا فی نفسہ واجب ہے اور ایک تفسیر جس کی طرف اکثر مفسرین گئے ہیں یہ ہے **کلو من مستلذات مارزقناکم کی طیبات** سے مراد لذیذ اور پاکیزہ چیزیں ہیں یعنی حلال اشیاء میں سے لذیذ اور عمدہ عمدہ چیزیں کھاؤ اور یہی تفسیر راجح ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے اس سے پہلے فرمایا ہے یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ (اے لوگو جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں حلال پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم مت چلو) اس میں اول تو حلال کے ساتھ طیبا لایا گیا ہے جس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ طیب سے حلت کے علاوہ کوئی صفت مراد ہے کیونکہ تاسیس تاکید سے اولی ہے دوسرے اس آیت میں کفار عرب کے طریقہ پر انکار کیا گیا ہے اب دیکھنا چاہئے کہ وہ طریقہ کیا تھا سو آیت سے ظاہر ہے کہ کفار عرب کا وہ طریقہ حرام کو

حلال کرنے کا نہ تھا بلکہ حلال کو حرام کرنے کا تھا۔ حق تعالیٰ اس سے منع فرماتے ہیں کہ حلال کو حرام نہ کرو بلکہ حلال کو حلال سمجھو اس میں ترغیب دینے کے لئے طیب کی تفسیر مستلذ ہی کے ساتھ زیادہ مناسب ہے کہ شیطان تمہارا راہ مارتا ہے کہ تم کو لذیذ چیزوں سے محروم کرنا چاہتا ہے اس لئے اس کا اتباع نہ کرو وہ تمہارا دشمن ہے اور ان لذیذ پاکیزہ اشیاء کو کھاؤ پیو اس میں خدا تعالیٰ کی کس قدر رحمت ٹپکتی ہے کہ تحریم حلال سے ناخوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ میرے بندے لذیذ چیزیں کھائیں ورنہ کوئی لذیذ چیز نہ کھاوے تو کسی کا کیا حرج ہے مگر وہ نہیں چاہتے کہ بندے ان لذیذ نعمتوں سے محروم رہیں اس لئے صیغہ امر کے ساتھ ترغیب دے رہے ہیں اور دشمن کی عداوت پر متنبہ فرما رہے ہیں۔

ہر آیت میں رحمت خداوندی

لوگوں نے محض لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو) کو یاد کر لیا ہے کہ یہی آیت رحمت کی ہے مگر بخدا مجھ کو تو ہر آیت میں رحمت نظر آتی ہے چنانچہ سورۃ رحمٰن میں حق تعالیٰ نے نعمتوں کے ذکر کے بعد تو فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (پس اے جن وانس تم اللہ تعالیٰ کی کون کون سی نعمتیں جھٹلاؤ گے) فرمایا ہی ہے دوزخ اور ذکر عذاب کے بعد بھی فبای الاء ربکما تکذبان (پس اے جن وانس تم اللہ تعالیٰ کی کون کون سی نعمتیں جھٹلاؤ گے) فرمایا ہے بعض لوگوں کو ذکر عذاب کے بعد اس کا موقع سمجھ میں نہیں آتا مگر حقیقت میں یہ وہاں بھی موقع پر ہے اور ذکر عذاب میں بھی ایک رحمت ہے وہ یہ کہ ہم کو ایک مضر چیز کی اطلاع دیدی تا کہ اس سے بچنے کی کوشش کریں اگر طبیب کسی شئے کے متعلق یہ کہہ دے کہ دیکھو اسے نہ کھانا یہ زہر ہے تو اس کو شفقت کہیں گے یا نہیں اسی طرح یہاں سمجھو تو مجھے تو آیات قہر میں بھی رحمت نظر آتی ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ آیت مداینہ سے زیادہ کوئی بھی آیت رحمت کی نہیں کیونکہ اس میں حق تعالیٰ نے حفاظت مال کے طریقے بتلائے ہیں کہ جب کسی کو قرض دیا کرو تو لکھ لیا کرو اور اس پر دو آدمیوں کو گواہ کر لیا کرو اس سے معلوم ہوا حق تعالیٰ کو ہمارے پیسہ کا نقصان بھی گوارا نہیں تو جان کا نقصان تو کب گوارا ہو گا پھر وہ جنت سے محروم کر کے دوزخ میں ہم کو کب ڈالنا چاہیں گے جب تک کہ تم خود ہی اس میں نہ گھسو۔

حق تعالیٰ کا اپنی مخلوق سے مشفقانہ تعلق

چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ (خدا تعالیٰ تم کو عذاب دے کر کیا لیں گے اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ) سبحان اللہ! کیا شفقت ہے یوں نہیں فرمایا لایعذبکم اللہ بلکہ فرماتے ہیں مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِکُمْ کہ خدا تعالیٰ تم کو عذاب کر کے کیا لیں گے

اگر تم ایمان لے آ ؤ اور عمل کرو۔ اسی شفقت کا ظہور اس آیت میں ہے کہ حق تعالیٰ ہم کو ترغیب دیتے ہیں لذیز اور مرغوب غذاؤں کی کہ لذیذ چیزیں کھاؤ عمدہ عمدہ کھانے کھالو پھر کچھ عمل کرلو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کو تم سے محض حاکمانہ ہی تعلق نہیں ہے بلکہ ماں باپ جیسا تعلق ہے حاکمانہ تعلق تو ایسا ہوتا ہے کہ کلکٹر تم سے کہہ دیتا ہے کہ سالانہ مال گزاری ادا کردو اور جب تم مال گذاری ادا کرتے ہو تو اس کے صلہ میں تمہاری کوئی دعوت ضیافت نہیں ہوتی اور ماں باپ کا تعلق ایسا ہوتا ہے کہ باپ بیٹے کو پڑھانا چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ روپیہ لے لو اور سبق پڑھ لو یا مٹھائی کھالو اور سبق سنا دو یہی برتاؤ حق تعالیٰ کا تمہارے ساتھ ہے اب اگر کوئی کلکٹر جب تم مال گزاری دینے جاؤ تم کو دودھ جلیبی کھلاوے کہ پہلے یہ کھالو پھر مال گزاری دینا تو اس کی مدح وثناء سے تمہارا منہ خشک ہو جائے گا مگر عجیب حالت ہے کہ ہم سب کی قدر کرتے ہیں اور بیقدری کرتے ہیں تو بس نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی۔ بھلا باپ ماں تو محبت وشفقت میں کسی درجہ میں مجبور بھی ہوتے ہیں۔

حق سبحانہ وتعالیٰ کی محبت اختیاری ہے

اور حق تعالیٰ کی محبت تو تمہارے ساتھ محض اختیاری ہے اضطراری نہیں پھر حیرت ہے کہ ہم کو اس کی قدر نہیں یہاں سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حق تعالیٰ کے تعلق کو عشق سے تعبیر کرتے ہیں اور ایسے طرز سے بیان کرتے ہیں جیسے کوئی عاشق معشوق کی محبت میں بیقرار و بیتاب ہوا کرتا ہے۔ یہ سخت جہالت ہے کیونکہ حق تعالیٰ اضطرار سے پاک ہیں ان کو کسی کے ساتھ عشق کا تعلق نہیں جس سے بھی ان کو محبت ہے محض اختیاری ہے اسی طرح بعض لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ایسی کرتے ہیں جس سے آپ محض ایک معشوق معلوم ہوتے ہیں آپ کی شان جاہ وجلال اور نبوت و رسالت کی عظمت اس سے بالکل ظاہر نہیں ہوتی یہ بہت بے ادبی ہے بھلا اگر کوئی شخص اپنے باپ کا خدو خال کھینچ دے اور اسے محض ایک معشوق بنادے تو کیا باپ اس سے خوش ہوگا ہرگز نہیں ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ ایک بادشاہ کے ابہت وشوکت و جاہ وجلال وشمشیر زنی وعقل ودانائی وغیرہ کا تذکرہ کرکے اخیر میں اتنا اور بھی کہہ دے کہ وہ حسین بھی ایسا ہے کہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن و جمال میں بھی بے نظیر تھے حق تعالیٰ نے آپ کو سیرت کے ساتھ صورت بھی ایسی عطا فرمائی تھی کہ زمانہ کی آنکھ نے کبھی نہ دیکھی ہوگی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

لواحی زلیخا لور این جبینه لآثرن بالقطع القلوب علی الید
(زلیخا کو ملامت کرنے والی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کی تاب نہ لاکر اپنے ہاتھ کاٹ دیئے تھے وہ اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کا نظارہ کرتیں تو اپنے دل کاٹ لیتیں)

مگر آپ کی تعریف میں اسی پر اکتفا کر لینا غلطی ہے چاہئے کہ اول آپ کے اصلی کمالات ظاہر کئے جائیں پھر اس کے ساتھ حسن و جمال کا بھی ذکر کر دیا جائے بہر حال حق تعالیٰ کی محبت اختیاری ہے اضطراری نہیں اور اختیاری محبت زیادہ قابل قدر ہے گو شرافت کا مقتضی تو یہ ہے کہ اگر کوئی اضطراراً بھی یا اپنی ضرورت سے یا بے خبری میں کسی کو نفع پہنچا دے اس کا بھی احسان مانا جائے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کا قرآن سن کر ان کی مدح فرمائی کہ اس نے مجھ کو ایک آیت یاد دلا دی جو میں بھول گیا تھا حالانکہ ان صحابی نے اس نیت سے قراءت نہ کی تھی بلکہ وہ ویسے ہی نماز میں قراءت کر رہے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بے ارادہ احسان کا بھی شکریہ ادا کیا اور حق تعالیٰ کی محبت تو اختیاری ہے وہ تم کو بے خبری میں نفع نہیں پہنچاتے بلکہ ارادہ سے نفع پہنچاتے ہیں پھر اس کے معاوضہ میں خدا تعالیٰ کو اپنی کسی غرض کا پورا کرنا مقصود نہیں کیونکہ وہ اغراض و حاجات سے پاک ہیں اس کا تو ضرور ہی احسان ماننا چاہئے۔

غذائے ہضم کا چورن

اب ان کی اس رحمت و محبت کو دیکھو جس کو اس آیت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! لذیذ غذائیں کھاؤ اور خدا کا شکر کرو اس کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ ناشکری نہ کرو خدا کا احسان مانو دوسری تفسیر آگے آتی ہے شاید پہلی تفسیر پر کوئی بھدی طبیعت والا اس پر یہ کہے کہ لو یہ تو پھر وہی غرض کی بات آ گئی کہ شکر کرو تو میں اس سے کہوں گا اے ظالم! اگر تو ایسا ہی بھدا ہے تو یہی سمجھ لے کہ وَاشْكُرُوا لِلّٰهِ (اور اللہ کا شکر کرو) میں اسی غذا کے ہضم کے واسطے چورن بتلایا گیا ہے تاکہ تو پھر بھی غذا کھا سکے کیونکہ شکر سے نعمتیں بڑھتی ہیں جس طرح چورن سے دوسرے وقت زیادہ کھا سکے گا اور ناشکری سے سلب ہو جاتی ہیں لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (اگر تم شکر کرو گے تو ہم (نعمتوں کو) اور زیادہ کریں گے اور اگر ناشکری کرو گے تو (جان لو) میرا عذاب سخت ہے) نیز شکر سے نعمت موجب راحت آخرت ہو جاتی ہے اور ناشکری سے وبال جان ہو جاتی ہے تو اس میں بھی تمہارا ہی نفع ہے۔ پھر اس شکر کے جو ثمرات

آخرت میں ملیں گے اگر وہ پیش نظر ہوں تو ہرگز اس سے گھبراہٹ نہ ہو بلکہ خوشی کے ساتھ اس کو برداشت کیا جائے گا دیکھو اگر ماں باپ اپنے بیٹے کا نکاح ایک حسین لڑکی سے کر دیں تو اگر وہ عنین ہے تو بیوی کے خرچ سے گھبرائے گا اور اگر مرد قوی ہے تو والدین کو دعا دے گا اور خرچ سے نہ گھبرائے گا مگر یہاں چونکہ اس نے محبوب کو دیکھ لیا ہے اس لئے سب مشقت آسان ہو گئی اور تم نے حق تعالیٰ کو دیکھا نہیں اس لئے وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ سن کر یہ گھبراہٹ ہے اگر حق تعالیٰ کو دیکھ لیتے تو ہرگز گھبراہٹ نہ ہوتی مگر ایک طرح سے یہاں بھی دیکھنے والوں نے دیکھ لیا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کے دیدار کی دو صورتیں ہیں ایک بلا واسطہ ایک بواسطہ سو دنیا میں گو بلا واسطہ دیدار ممکن نہیں مگر بواسطہ ممکن ہے چنانچہ جن لوگوں کو بواسطہ ہی دیدار دنیا میں ہو گیا ہے تو وہ بھی شکر سے نہیں گھبراتے بلکہ ناشکری سے گھبراتے ہیں۔ اسی دیدار ناقص نے ان کو بے چین و بے قرار بنا دیا ہے کہ بدون طاعات کے ان کو چین نہیں آتا اگر بلا حجاب دیکھ لیتے تو نہ معلوم کیا ہوتا

جرعہ خاک آمیز چوں مجنون کند صاف گر باشد ندانم چوں کند

ترجمہ: مٹی میں ملی ہوئی شراب کا ایک گھونٹ جب دیوانہ کر دیتا ہے اور وہ صاف ہو تو میں نہیں جانتا کہ کیا کرے۔

اور اس بواسطہ دیدار کی صورت یہ ہے کہ مخلوقات و مصنوعات میں حق تعالیٰ کی صفات قدرت کا مشاہدہ کرو کیونکہ مصنوع سے بھی صانع کا دیدار ہو جاتا ہے۔

حکایت زیب النساء مخفی

زیب النساء جس کا تخلص مخفی ہے اس کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ شاہ ایران کی زبان سے بیساختہ ایک بے جوڑ مصرع نکل گیا تھا۔ در ابلق کسے کم دیدہ موجود۔ اس نے شعراء سے کہا کہ اس پر دوسرا مصرع لگاؤ تمام شعراء عاجز ہو گئے تو ہندوستان کے بادشاہ کو خط لکھا گیا کہ شعراء ہندوستان سے اس پر مصرع لگوایا جائے مخفی بھی شاعرہ تھی اسے بھی اطلاع ہوئی وہ فکر ہی میں تھی کہ ایک دن صبح کو آنکھ میں سرمہ ڈالا وہ چھ لگا تو ایک آنسو گرا فوراً اس کا ذہن مصرع کی طرف منتقل ہو گیا اور کہنے لگی۔

در ابلق کسے کم دیدہ موجود مگر اشک بتان سرمہ آلود

(ابلق کا موتی موجودہ بہت کم لوگوں نے دیکھا ہو گا سوائے محبوب کی سرمہ آلود آنکھوں نے)

کیونکہ سرمہ سے مل کر جو آنسو گرے گا اس میں سفیدی بھی ہو گی اور سیاہی بھی اور اشک بتاں کہ موتی سے تشبیہ دی ہی جاتی ہے اس لئے اشک سرمہ آلود در ابلق کا مصداق ہو گیا۔ مخفی

نے ایران کے بادشاہ کو اطلاع کر دی تو وہاں سے مخفی کے لئے انعام اور خلعت آیا اور ساتھ میں یہ بھی درخواست تھی کہ شاعر کو یہاں بھیج دیا جائے بادشاہ نے مخفی سے کہا کہ تیری شاعری نے یہاں تک نوبت پہنچادی ہے کہ اب شاہ ایران کے یہاں سے تیری طلبی آئی ہے بتلا اب کیا جواب دوں۔ اس نے کہا کہ آپ میری طرف سے میرا ایک شعر جواب میں لکھ دیجئے۔

درسخن مخفی منم چوں بوئے گل دربرگ گل ہر کہ دیدن میل دارد درسخن بیند مرا

(میں اپنے اشعار میں اس طرح پوشیدہ ہوں جس طرح پھول کی خوشبو پھول کے پتوں میں چھپی ہوتی ہے جو مجھ سے ملاقات کرنا چاہے وہ مجھے اپنے اشعار میں دیکھ لے)

مخفی نے درسخن بیند مرا کہا ہے معلوم ہوا کہ مصنوع سے بھی صانع کا دیدار ہو جاتا ہے گو بواسطہ ہی سہی تو جس طرح ایک مخلوق کا دیدار اس کی مصنوع سے ہو سکتا ہے اسی طرح حق تعالیٰ کا دیدار ان کی مصنوعات میں ہو سکتا ہے اسی لئے اہل اللہ ہر چیز میں صفات حق کا مشاہدہ کرتے ہیں جس کو نمونہ دیدار آخرت کا سمجھ کر اس سے لذت لیتے ہیں اسی طرح طیبات دنیا میں طیبات آخرت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اسی اصل پر صاحب ہدایہ نے ریشم چار انگشت مردوں کے لئے جائز ہونے کی یہ علت بیان کی ہے لیکون انموذ جالحریر الجنة تا کہ حریر کا جنت کا نمونہ ان کے سامنے رہے۔

جنت میں دیدار خداوندی

پس یہ دیدار بواسطہ بھی جو کہ نمونہ ہے دیدار بلا واسطہ کا کشف کا سہل کر دینے والا ہے پھر قیامت اور جنت میں بے حجابانہ دیدار بھی ہو جاوے گا اس وقت وہ کہیں گے۔

بے حجابانہ درآ ازدر کا شانہ ما کہ کسے نیست بجز درتو در خانہ ما

(آپ بے حجابانہ ہمارے کاشانہ میں چلے آیئے کیونکہ آپ کے سوا ہمارے کاشانہ میں اور کوئی نہیں ہے۔

حدیث میں ہے سترون ربکم کماترون القمر لیلة البدر لا تضافون فیہا (مسند ابو عوانة ۱، ۳۷۶) (تم اپنے رب کو ایسے دیکھو گے جیسے چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو) اور حدیث میں ہے لا یبقی علی وجهه حجاب الا رداء الکبریاء (اوکما قال) یعنی اس وقت بجز رداء کبریا کے اور کوئی حجاب نہ ہوگا اس کی شرح میں علماء نے اختلاف کیا ہے مگر صوفیہ نے کہا ہے کہ یہ حجاب کبریاء امتناع ادراک کنہ ہے مگر رویت ادراک کنہ پر موقوف نہیں بدون اس کے بھی رویت ہو سکتی ہے غرض یہ بھی ثابت ہو گیا کہ شکر کا حکم ان کی

غرض نہیں ہماری ہی غرض ہے اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اہل مشاہدہ کو وہ سہل بھی ہے اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ نعمائے دنیا نعمائے آخرت کا نمونہ ہیں اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ جب یہ دنیوی نعمتیں محل مشاہدہ حق ہیں تو اخروی نعمتیں کیونکر محل مشاہدہ نہ ہوں گی اور اسی لئے جن حضرات میں اتباع سنت غالب ہے وہ جنت سے استغناء ظاہر نہیں کرتے۔

جمال خداوندی

کیونکہ وہ بھی ایک آئینہ جمال الٰہی ہے

عاشقاں جنت برائے دوست می دارند دوست

اللہ سے محبت رکھنے والے جنت کو اس لئے پسند کرتے ہیں کہ یہ مقام اللہ کو محبوب ہے۔

ہاں اہل شکر نے جو اس سے استغناء ظاہر کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محض دیدار بلا واسطہ کے طالب ہیں اس لئے عشاق مجاذیب كُلُوْا وَاشْرَبُوْا میں بھی الجھیں گے کہ اس کی کیا ضرورت ہے مگر عارف جامع ان کی بھی قدر کرتا ہے کیونکہ وہ ان کو مراۃ سمجھتا ہے اور ان کو کھانے پینے میں بھی تجلیات الٰہیہ کا انکشاف ہوتا ہے پس یہ مذاق اگر آپ کو حاصل ہو جائے تو پھر آپ بھی مشقت طاعات وشکر سے نہ گھبرائیں گے کیونکہ یہ مشقتیں معین ہیں مشاہدہ کی جیسا قوی مرد بیوی کو دیکھ کر خوشی خوشی اس کے سارے اخراجات برداشت کرتا ہے۔ اس وقت تک میں نے اشْكُرُوْا لِلّٰهِ کی ایک تفسیر بیان کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شکر یہاں کفران کا مقابل ہے اب دوسری تفسیر جو راجح ہے بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ یہاں شکر سے عمل مراد ہے جو بے عملی کا مقابل ہے۔

شکر کا طریقہ شرعاً عمل ہے

اس کی دلیل یہ ہے کہ دوسری آیت میں وارد ہے يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (اے رسولو پاکیزہ چیز کھالو اور نیک اعمال کرو) اور ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے مومنین کو بھی وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو امر ہوا ہے پھر آپ نے یہ آیت اور وہ آیت پڑھی جس کی میں نے اول تلاوت کی ہے یعنی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (اے ایمان والو پاک چیزیں جو ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے کھاؤ اور حق تعالیٰ کی شکر گزاری کرو اگر تم خاص ان کے ساتھ غلامی کا تعلق رکھتے ہو) چاہیئے کہ جس آیت میں مومنین کو خطاب ہے اس میں بھی وہی

احکام ہوں جو انبیاء کے لئے صادر ہوئے ہیں چنانچہ انبیاء علیہم السلام کو ایک حکم تو **کلوا من الطیبات** (پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ) ہے جو دونوں میں صراحۃً مشترک ہے کیونکہ مومنین کو بھی یہی حکم ہوا ہے **كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ** (پاک چیزیں جو ہم نے تم کو مرحمت فرمائیں ہیں ان میں سے کھاؤ) اور دوسرا امر انبیاء کو **وَاعْمَلُوْا صَالِحًا** (اور نیک عمل کرو) ہوا ہے اس کے مقابلہ میں یہاں **واشکرو الله** (اور اللہ کی شکر گزاری کرو) ہے تو اس حدیث کی بنا پر **وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ** کی تفسیر **وَاعْمَلُوْا صَالِحًا** ہوئی کیونکہ شکر کا طریقہ شرعاً عمل ہی ہے جیسا کہ ایک مقام پر ارشاد ہے **اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا** اے آل داؤد عمل کرو شکریہ کے طور پر یہاں شکراً مفعول بہ نہیں بلکہ مفعول لہ ہے جس کے بڑھانے میں اس پر تنبیہ ہے کہ تم سے عمل کو بے وجہ نہیں کہا جاتا بلکہ تم پر عقلاً شکر لازم ہے اور وہ زبان ہی سے فقط نہیں ہوتا بلکہ حقیقت شکر کی یہ ہے کہ کچھ کر کے دکھاؤ زبانی شکریہ کافی نہیں بلکہ عملی شکر بجالاؤ۔

شکر کی حقیقت

اہل بلاغت نے بھی اس راز کو سمجھا ہے وہ کہتے ہیں کہ حمد تو زبان کے ساتھ خاص ہے اور شکر زبان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وہ قلب اور لسان اور جوارح سب سے ہوتا ہے اور گو زبانی شکریہ میں شکر کی تصریح ہوتی ہے اور عملی شکر میں اس کی تصریح نہیں ہوتی مگر درجہ عملی شکر کا بڑھا ہوا ہے۔ دیکھو اگر تم اپنے دو غلاموں کو انعام دو جن میں سے ایک غلام نے تو محض زبان سے شکریہ ادا کر دیا اور ایک غلام روپیہ اور خلعت ہاتھ میں لے کر آپ کے پیروں میں گر پڑا اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے مگر زبان سے کچھ نہیں کہا تو بتلاؤ کس کا شکر بڑھا ہوا ہے یقیناً جو پیروں میں گر پڑا اس کا شکر بڑھا ہوا ہے معلوم ہوا کہ شکر عمل سے بھی ہوتا ہے اور اس میں قدر نعمت زیادہ ظاہر ہوتی ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

گرچہ تفسیر زبان روشن ترست لیک عشق بے زبان روشن گرست

(اگر چہ زبان کی تفسیر روشن تر ہے لیکن بے زبان کا عشق زیادہ روشن بنانے والا ہے)

شکر کی صورت اور حقیقت

اور اگر زبان سے بھی شکریہ ہو اور پھر پیروں میں گر پڑے تو یہ تو نور علیٰ نور ہے یہ اس لئے کہہ دیا کہ شاید کوئی اس تقریر سے یہ سمجھ جائے کہ میں زبانی شکریہ کو بے کار کہتا ہوں نہیں بے کار

تو وہ بھی نہیں مگر اس پر اکتفا کر لینا غلطی ہے کیونکہ وہ تو محض صورت ہے۔ حقیقت شکر عمل ہے پس ہم کو حقیقت کا لحاظ زیادہ کرنا چاہئے اور جو لوگ جامع اور محقق ہوتے ہیں وہ صورت اور حقیقت دونوں کی رعایت کرتے ہیں۔

حکایت سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کا واقعہ ہے کسی نے شریف مکہ سے آپ کی چغلی کھادی تھی جس کی وجہ سے شریف کچھ ناراض تھا ایک دفعہ شریف کے کوئی مصاحب حاجی صاحب سے ملنے آئے لوگوں نے دل میں خیال کیا کہ حاجی صاحب ان سے نرمی کا برتاؤ کریں اور اس کی خاطر کریں تو اچھا ہے تاکہ یہ شریف کے دل پر سے اس شکایت کے اثر کو دھوڈالیں مگر حاجی صاحب کے یہاں یہ پالیسیاں کہاں تھیں کسی بات پر شریف صاحب کا تذکرہ آ گیا تو حاجی صاحب نے مصاحب کے ساتھ تیز گفتگو فرمائی اور فرمایا کہ شریف صاحب میرا کیا کرلیں گے بیش بریں نیست کہ مجھ کو مکہ سے نکال دیں گے تو میں جہاں بیٹھوں گا وہیں میرا مکہ مدینہ ہے کیونکہ کعبہ کی حقیقت شان الوہیت ہے اور مدینہ کی حقیقت شان عبدیت ہے اور یہ شانیں عارف کی ساتھ ساتھ ہیں چاہے وہ کہیں رہے پھر مکہ سے نکال کر وہ میرا کیا بگاڑ دیں گے اس کے بعد شان محققیت کا ظہور ہوا تو فرمایا لیکن محقق صورت و معنی دونوں کو جمع کرنا چاہتا ہے اور جب تک ہوسکتا ہے وہ صورت کو بھی ترک نہیں کرتا اس میں اس سوال کا جواب تھا کہ جب عارف کے پاس حقیقت کعبہ وحقیقت مدینہ ہردم موجود ہے تو پھر مکہ اور مدینہ جانے کی اور وہاں رہنے کی کیا ضرورت ہے بتلادیا کہ محقق صورت کی بھی قدر کرتا ہے۔

اسی طرح جو جامع ہیں وہ زباں سے بھی شکر کرتے ہیں اور عمل سے بھی ان کا یہ حال ہوتا ہے

افادتکم النعماء منی ثلثة یدی و لسانی والضمیر المحجبا

(تمہیں میری تین نعمتوں سے زیادہ نفع پہنچتا ہے ہاتھ' زبان اور پوشیدہ ضمیر)

کامل شکر

کامل شکر یہ ہے کہ سر سے پاؤں تک خدا ہی کا ہو جائے ہر بن مو سے شکر ظاہر ہو۔ بہر حال وَاشْكُرُوا لِلّٰهِ کی تفسیر راجح وَاعْمَلُوا صَالِحًا ہے اب ضرورت عمل اچھی طرح ظاہر ہوگئی کیونکہ معلوم ہوگیا کہ حق تعالیٰ نے عمل کا بہت اہتمام فرمایا ہے کہ ادھر رسولوں کو عمل کا حکم دیا

ادھر مسلمانوں کو بھی اسی کا حکم کیا معلوم ہوا کہ عمل سے استغناء انبیاء کو بھی نہیں ہوا پھر ہم اور آپ اس سے استغناء کرنے والے کون ہیں پس وہ لوگ بڑی غلطی میں ہیں جو احوال و کیفیات کو اصل مقصود سمجھے ہوئے ہیں اور اعمال میں کوتاہی کرتے ہیں۔

عبدیت کے کام

آگے فرماتے ہیں اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ (اگر تم ان سے خاص غلامی کا تعلق رکھتے ہو) ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہم کو برادری یا نوکری کا تعلق تو ہے نہیں محض عبدیت و مالکیت کا تعلق ہے کہ ہم غلام ہیں وہ مالک ہیں اس لئے فرماتے ہیں کہ اگر تم کو خدا تعالیٰ سے علاقہ عبدیت ہے تو عبدیت کے کام کرو یہاں سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو ثمرات غیر مطلوبہ کے لئے عمل کرتے ہیں۔ صاحبو! اگر کوئی نوکر بھی ہو اور ہر کام میں اجرت پر نظر رکھتا ہو تو وہ بھی ایک دن جوتے کھائے گا اور غلام کو تو اجرت کا کچھ حق ہی نہیں اگر غلام ہر عمل میں اجرت مانگنے لگے تو اس کی کیا گت بنے گی۔ اس کو ہر شخص خود ہی سمجھ لے پھر ہم کو اجرت پر نظر کرنے کا کیا حق ہے کیونکہ یہ غلام جو بازاروں میں بکتے ہیں حقیقت میں کامل غلام نہیں کیونکہ اس غلامی کا راز یہ ہے کہ اس نے عبداللہ بننے سے انکار کیا تھا اس لئے سزا کے طور پر عبداللہ کا عبد بنایا گیا لوگ اس کو خلاف عقل سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بالکل عقل کے موافق ہے سلاطین بھی سزا کے لئے کسی عہدہ دار کا تنزل کر دیتے ہیں اگر ایک تھانہ دار سرکشی کرتا ہے تو اس کو لین حاضر کر دیتے ہیں جہاں وہ ان لوگوں کا محکوم ہو جاتا ہے جن پر ایک وقت میں حاکم تھا نیز اگر کوئی چھوٹا بادشاہ بڑے بادشاہ سے بغاوت کرتا ہے تو اس کو قید کر کے ایک معمولی جیلر کی سپردگی میں دے دیتے ہیں کہ اس کی بغیر اجازت نہ وہ کہیں جا سکتا ہے نہ آ سکتا ہے پھر اگر خدا تعالیٰ اپنے باغی کو اپنے دوسرے تابعدار بندہ کے سپرد کر دیں تا کہ اس کا دماغ ڈھیلا ہو جائے تو اس میں خلاف عقل کونسی بات ہے میں بھی اپنے بعض متعلقین کو جن میں تکبر ہوتا ہے اپنے مجازین کے سپرد کر دیتا ہوں تا کہ عار و استکبار کا مادہ نکل جائے۔ غرض یہ غلام کامل نہیں اسی لئے بعض دفعہ بلا قصد مالک کے آ نا د بھی ہو جاتا ہے۔ شرعی مسئلہ ہے **من ملک ذارحم محرم منه عتق علیه** (سنن الترمذی ۱۳۶۵، کنز العمال ۲۹۶۷۳) جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو جائے وہ ملک میں آتے ہی معاً آزاد ہو جاتا ہے مثلاً کوئی اپنے بیٹے یا بھائی کو خرید ے تو فوراً آزاد ہو جائے گا۔ یہ اس غلامی کی حقیقت ہے مگر پھر بھی اس غلام کو کسی کام پر آقا سے اجرت مانگنے کا حق نہیں پھر ہم کو خدا تعالیٰ سے اجرت مانگنے کا کیا حق ہے جبکہ ہم کامل غلام ہیں کیونکہ ہر شخص حق تعالیٰ

کا حقیقی غلام ہے وہ رازق ہیں اور خالق ہیں ان سے بڑھ کر کون مالک ہوگا۔ اسی لئے فرماتے ہیں اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ اگر تم کو خدا تعالیٰ سے علاقہ عبدیت ہے اور یقیناً ہے تو پھر عمل کا اہتمام کرو کچھ غلامی کے کام کر کے دکھاؤ مگر افسوس کہ اسی سے لوگوں کو غفلت ہے احوال کی طلب سے اور اعمال سے سستی ہے حالانکہ اس راستہ میں سب سے زیادہ کام کی ضرورت ہے۔

اصل مقصود اعمال ہیں

آج کل جو لوگ تصور بھنگارتے ہیں وہ باتیں تو بہت بناتے ہیں مگر نماز میں ٹکریں ہی مارتے ہیں حالانکہ اصل مقصود اعمال ہیں اگر حال ومواجید ہوں اور اعمال نہ ہوں تو ہیچ ہے۔

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال صد سال می تواں بتمنا گریستن

(عرفی رحمۃ اللہ علیہ اگر رونے سے وصال ممکن ہو تو میں اس کی تمنا میں سو سال رو سکتا ہوں)

رونے سے اور کپڑے پھاڑنے سے کیا ہوتا ہے اگر بدون عمل کے رونا کوئی اچھی چیز ہے۔

روافض کا ماتم

تو پھر رافضی بڑے صاحب کمال ہونے چاہئیں کیونکہ ان کے یہاں بات بات میں رونا ہی ہے مگر اس سے کیا ہوتا ہے بدون عمل کے تو یہ نحوست کی علامت ہے۔ بڈولی کے رافضی ہر بات میں مجلس عزا کرتے تھے ایک صاحب نے کہا تھا کہ وہ شیعی تھے اور مجلس میں بیان کرنے کے لئے بلائے جایا کرتے تھے کہ معلوم ہوتا ہے بڈولی غارت ہوگی کیونکہ یہاں ہر وقت رونا ہی رونا رہتا ہے چنانچہ واقعی غارت ہی ہوگئی۔ دوسرے بدون عمل کے جو رونا ہوتا ہے وہ تکلف اور آورد سے ہوتا ہے احوال صادقہ عمل ہی کی برکت سے حاصل ہوتے ہیں اس کے بغیر نہیں ہو سکتے چنانچہ رافضیوں کا رونا تکلف ہی سے ہوتا ہے ورنہ جس کو واقعی رنج کی وجہ سے رونا آتا ہو کیا وہ کہیں رونے کے بعد مٹھائی بھی تقسیم کرتا ہر گز نہیں مگر رافضیوں کی یہ حالت ہے کہ مجلس عزا میں مٹھائی تقسیم کرتے ہیں کانپور میں ہمارے یہاں ایک کھانا پکانے والی تھی وہ ہمارے یہاں آنے سے پہلے ایک شیعی نواب کے گھر نوکر تھی وہ بیان کرتی تھی کہ ایک بار ان کے یہاں زنانہ میں مجلس عزا تھی یہ بھی شریک تھی عورتیں ہائے حسین ہائے حسین کہہ کر روتیں اور اس کے بعد مٹھائی بانٹتیں اتفاق سے اس کو بھول گئیں اور پھر اسی ماتم میں مشغول ہوگئیں کہ ہائے حسین ہائے حسین۔ اس نے ہائے جلیبی ہائے رکیبی کہنا شروع کیا سب عورتیں ہنس پڑیں یہ ہے ان کا رونا کانپور میں ایک شخص وکیل کالے خاں

ہمارے ملنے والے تھے وہ کہتے تھے کہ محرم کے زمانہ میں اتفاق سے لکھنو جانا ہوا ایک ملنے والے رافضی نے کہا کہ آپ کبھی امام کی مجلس میں نہیں چلتے میں نے کہا امام کی مجلس کہاں ہوتی ہے کہنے لگا سبحان اللہ آج کل تو خدا جھوٹ نہ بلاوے سینکڑوں جگہ امام کی مجلس ہوتی ہوگی میں نے کہا صاحب میں تو برسوں سے آتا جاتا ہوں میں نے آج تک امام کی مجلس کا نام بھی نہیں سنا اور آپ تھوڑی دیر یہاں دکان پر تشریف رکھئے ابھی آپ کو معلوم ہو جائے گا چنانچہ وہاں مختلف لوگ آتے تھے اور یہ تذکرہ کرتے تھے کہ فلاں جگہ شیرمال اور گوشت کی مجلس ہے اور فلانی جگہ فیرینی اور پلاؤ کی اور فلاں جگہ جلیبیوں کی غرض جس سے بھی پوچھتے وہ کسی کھانے کی چیز کا نام لے دیتا تھا کالے خان نے کہا آپ نے دیکھا یہاں تو مٹھائیوں کی مجلسیں ہوتی ہیں امام کی مجلس ایک بھی نہیں ہوتی اور نہ کوئی امام کا نام لیتا ہے تو جو لوگ مجلس عزا میں یہ سامان کرتے ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ دل سے غم کر کے روتے ہیں۔ بھلا غمزدوں کو کہیں یہ مستیاں بھی سوجھتی ہیں ہم تو جب جانیں کہ کسی کا باپ یا بیٹا مر جاوے اور وہ اس دن رونے پیٹنے کے بعد مٹھائی تقسیم کرے اور کھاوے کھلاوے۔

اھل وجد کا حال

یہی حال آج کل اہل وجد کا ہے کہ ان کا زیادہ تر حال و وجد تکلف اور تصنع سے ہوتا ہے ایک صوفی کو قوالی کی مجلس میں حال ہوا خوب کودے اچھلے تو لوگوں نے اس کی چادر قوالوں کو دیدی کیونکہ قاعدہ ہے کہ صاحب حال قوالوں کو کچھ دیا کرتا ہے بس چادر کا قوالوں کے ہاتھ میں جانا تھا کہ فوراً آپ کا حال ختم ہو گیا اور لگے گڑ گڑانے کہ یہ چادر میرا نہیں دوسرے سے مانگ کر لایا تھا قوالوں نے کہا کہ حضور آپ نے ہم کو دیا ہے کہنے لگے میں نے نہیں دیا وہ بولے حضور وجد میں آپ کو یاد نہیں رہا کہنے لگے مجھ کو خوب یاد ہے میں نے نہیں دیا بڑی دقت سے آٹھ آنہ میں واپس ملا مگر پھر اخیر تک وجد نہ ہوا آج کل لوگوں نے حال و وجد کو بھی رسم بنالیا ہے ورنہ واقعی حال تو کسی کسی پر طاری ہوتا ہوگا زیادہ تر تو بناوٹ ہوتی ہے اور کسی پر واقعی حال بھی طاری ہو تو بدون عمل کے سب ہیچ ہے اور آج کل حال وقال و وجد والے عمل سے اکثر کورے ہیں۔ ہاں یہ اعمال رہ گئے ہیں کہ عرسوں میں شریک ہو گئے فاتحہ اور ختم میں جا پہنچے قوالی میں اچھل کود لئے اسی لئے شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں نسبت صوفیہ غنیمتے ست کبری اما رسوم شان بہ ہیچ نیرزد۔ لوگ ہمارے مجمع کو خشک بتلاتے ہیں کہ یہ تو نرے مولوی ہیں میں کہتا ہوں کہ اور کیا چاہتے ہو مولوی

کہتے ہیں مولوی والے یعنی اللہ والے کو کیا یہ تھوڑی بات ہے دوسرے میں کہتا ہوں کہ جس ہنڈیا کی بھاپ نکلتی رہے وہ خالی ہو جائے گی یا وہ جس کا منہ اوپر سے نہایت مضبوطی کے ساتھ بند کر دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس کی بھاپ نکل رہی ہے وہی خالی ہو جائے گی تو اب بتلاؤ کہ تم خشک ہوئے یا ہم تمہاری تو یہ حالت ہے کہ جہاں کچھ ولولہ دل میں پیدا ہوا اور تم نے قوالی سن کر دل کا بھڑاس نکال لیا اور یہاں یہ حالت ہے کہ اندر ہی اندر گھٹتے ہیں دل کا بھڑاس کبھی نہیں نکلتا جتنی بھاپ پیدا ہوتی ہے سب اندر ہی بند رہتی ہے پھر ہم خشک کیونکر ہو گئے۔

اعمال میں خلوص کی ضرورت

صاحبو! عمل کا اہتمام چاہئے ان احوال و مواجید میں کیا رکھا ہے بدون عمل کے یہ سب بے کار ہیں مگر عمل ہی آج کل بہت کم ہو گیا ہے بلکہ جو لوگ عمل کرتے بھی ہیں ان میں بھی اللہ کے لئے عمل بہت کم ہے حالانکہ اسی آیت میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَ اشْکُرُوْا لِلّٰہِ کہ اللہ کے لئے عمل کرو۔ اور ہماری حالت یہ ہے کہ کوئی بزرگ بننے کے واسطے عمل کر رہا ہے کوئی لذت کے واسطے کوئی احوال و کیفیات کے واسطے یاد رکھو کہ بدون خلوص کے عمل قبول نہیں ہوتا۔

حکایت حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار سورہ طٰہٰ پڑھی تھی پھر خواب میں دیکھا کہ نامہ اعمال میں یہ سورت لکھی ہوئی ہے مگر ایک آیت کی جگہ خالی ہے ملائکہ سے پوچھا کہ یہ آیت کیوں نہیں لکھی گئی میں نے تو اس کو بھی پڑھا تھا جواب ملا کہ اس وقت ایک شخص وہاں گزر رہا تھا تم نے اس کے سنانے کو اس آیت کو سنوار کر پڑھا تھا تو یہ آیت تم نے اخلاص کے ساتھ نہیں پڑی تھی اس لئے قبول نہیں ہوئی جگہ خالی چھوڑ دی گئی اگر کبھی خلوص سے پڑھ دو گے تو لکھ دی جائے گی۔ اب یہاں ایک اشکال ہوتا ہے وہ یہ کہ بعض دفعہ قراء سے فرمائش کی جاتی ہے کہ تھوڑا قرآن سنا دو اب اگر وہ سنوار کر پڑھیں تو ریاء لازم آتی ہے کہ مخلوق کے لئے بنا بنا کر پڑھا جاتا ہے اور اگر معمولی طور سے پڑھیں یا انکار کر دیں تو ان کی دل شکنی ہوتی ہے اس میں عرصہ تک مجھے اشکال رہا پھر خدا تعالیٰ نے سمجھا دیا جواب یہ ہے کہ سنوار کر پڑھنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس نیت سے سنوار کر پڑھیں کہ لوگ ہماری تعریف کریں گے ہم قاری مشہور ہوں گے یہ تو واقعی ریاء ہے اور ایک یہ کہ اس نیت سے سنوار کر پڑھیں کہ ایک مسلمان کا جی خوش ہو گا یہ ریاء نہیں بلکہ موجب ثواب ہے۔

تطییب قلب مسلم میں ریا نہیں

کیونکہ تطییب قلب مسلم مطلوب ہے اور اس کی دلیل مجھے حدیث سے معلوم ہوئی وہ یہ کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کا قرآن سنا یہ بہت خوش الحان تھے صبح کو آپ نے فرمایا کہ اے ابوموسی رات میں نے تمہارا قرآن سنا لقد اوتیت مزمارا من مزامیر آل داؤد (الصحیح للبخاری ۶/۲۴۱، الصحیح لمسلم، صلوۃ المسافرین ۲۳۴ رقم ۲۳۶) تم کو خدا تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی سے حصہ عطا کیا ہے اس پر حضرت ابوموسیٰ اشعری نے عرض کیا لو علمت بک یا رسول اللہ لحبرته لک تحبیرا یا رسول اللہ اگر مجھے یہ خبر ہو جاتی کہ آپ میرا قرآن سن رہے ہیں تو میں آپ کی خاطر اور زیادہ بنا سنوار کر پڑھتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس قول پر نکیر نہیں فرمایا پس آپ کی تقریر سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر سے قرآن کو بنا سنوار کر پڑھنا جائز تھا کیونکہ اس میں تطییب قلب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھی اور یہ ریا نہیں بلکہ یہ بھی خدا ہی کے لئے سنوارنا ہے کیونکہ حق تعالیٰ ہی نے تطییب قلب نبی کا امر فرمایا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راضی کرنا خدا کا راضی کرنا ہے۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (جس شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی پس اس نے اللہ کی اطاعت کی) اس درجہ میں آپ کے خوش کرنے کے لئے پڑھنے کو یوں نہ لکھا جائے گا کہ غیر حق کے لئے پڑھا مجھ سے ایک دوست نے پوچھا کہ حاجی صاحب نے لا الہ الا اللہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ لا الہ کہتے ہوئے یہ تصور کرے کہ غیر حق قلب سے نکل گیا تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قلب سے نکالے میں نے کہا نہیں کیونکہ صوفیہ کی اصطلاح میں جو کہ محاورات کی موافق ہے غیر کہتے ہیں بے تعلق کو اور فلاسفہ غیر کہتے ہیں متغائر فی الحقیقۃ والماہیۃ کو اور حاجی صاحب کی مراد غیر سے اصطلاح صوفیہ کی ہے نہ کہ فلاسفہ کی پس چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ سے بے تعلق نہیں ہیں بلکہ محبوب اور موصل الی اللہ ہیں اس لئے آپ مصداق غیر کے نہیں ہیں۔ غرض جو کام ایسے شخص کے راضی کرنے کے لئے ہو جس کے ارضاء کا حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہ کام خدا ہی کے لئے ہے پس قراء کا قرآن کو سنوار کر سنانا اس نیت سے جائز ہے اتنا فرق ہے کہ وہاں ارضاء قلب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا اور یہاں ارضاء قلب مومن ہے اور ارضاء قلب مومن بھی شرعاً محمود ہے لہذا اس نیت سے قرآن کو سنوار کر پڑھنا ریا نہیں۔

قرآن فروشی

مگر اس سے یہ نہ سمجھیں کہ روپے پیسے لینے کی نیت سے بھی سنوارنا جائز ہے یہ تو قرآن

فروشی ہے۔ جس کی ممانعت ہے کانپور میں ایک عرب قاری صاحب نے مجھے قرآن سنایا بہت ہی عمدہ پڑھا پھر میں ایک رئیس کو جو میرے دوست تھے ان کے پاس لایا تا کہ وہ بھی قرآن سنیں اور قاری صاحب کی کچھ خدمت کردیں کسی نے ان قاری صاحب کے بھی کان میں کہہ دیا کہ یہ بڑے رئیس ہیں۔ انہوں نے ایسا بنایا کہ بگڑ گیا تو یہ جائز نہیں کہ رئیسوں کو بنا سنوار کر اس لئے سناؤ تا کہ وہ کچھ خدمت کردیں ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ تم خلوص سے یا تطییب قلب مسلم کی نیت سے سنوار کر پڑھو پھر وہ خلوص سے خدمت کردیں تو اس وقت قبول ہدیہ کا مضائقہ نہیں مگر ادب یہ ہے کہ ہدیہ دینے والا مجلس قراءت میں ہدیہ نہ دے اور اگر وہ مجلس قراءت ہی میں دے تو قاری کو اس مجلس میں ہدیہ قبول نہ کرنا چاہئے۔

ایک متقی قاری کی حکایت

ایک لکھنو کے قاری صاحب کا قصہ سنا ہے کہ وہ حج کے سفر میں تھے راستہ میں ڈاکوؤں نے لوٹ لیا بے چارے ایک بستی کی مسجد میں جا ٹھہرے صرف ایک لنگی بدن پر رہ گئی تھی اور کچھ نہ تھا لوگوں نے ان کا قرآن سنا تو عجیب وغریب پڑھتے تھے وہاں ایک مسلمان رئیس تھے لوگوں نے انکو خبر کی کہ ایک قاری نہایت عمدہ قرآن پڑھتے ہیں اور فلاں مسجد میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ بے چاروں کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا ہے رئیس کو ان کا قرآن سننے کا شوق ہوا تو اپنے ساتھ کچھ کپڑے اور کچھ روپے لے کر مسجد میں گئے اور قاری صاحب سے قرآن سنانے کی درخواست کی انہوں نے سنا دیا تو رئیس پر بہت اثر ہوا اور وہ کپڑے اور روپے وغیرہ جو ساتھ لائے تھے پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ جو کچھ آپ مجھے دے رہے ہیں میں واقعی اس کا محتاج ہوں مگر اس وقت آپ قرآن سن کر دے رہے ہیں اس لئے میں نہیں لے سکتا کیونکہ یہ آیت مجھ کو اس ہدیہ کے قبول سے منع کرتی ہے۔ **ولا تشتروا بایاتی ثمنا قلیلاً** (میرے احکام کے مقابلہ میں معاوضہ حقیر مت لو) اگر آپ قرآن سننے سے پہلے دیتے تو میں لے لیتا۔ سبحان اللہ مخلص اور متقی ایسے ہوتے ہیں آج کل قراء تو ایسی احتیاط کیا کریں گے مشائخ بھی نہیں کرتے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اعمال میں ایک کوتاہی یہ ہو رہی ہے کہ لوگ خلوص کا اہتمام نہیں کرتے خلوص پر ایک اشکال قراء کے سنانے میں پڑا تھا اس کو میں نے حل کر دیا اب اس مضمون کی طرف عود کرتا ہوں کہ ایک کوتاہی یہ ہو رہی ہے کہ ہم اعمال کی صورت کو بھی درست نہیں کرتے اول تو ہمارے اعمال میں محض نقل ہی نقل رہ گئی ہے روح کا پتہ ہی نہیں۔

ہماری نقل بھی ناقص ہے

مگر ستم یہ ہے کہ ہماری نقل بھی ناقص ہے،ہم پوری طرح نقل بھی نہیں کرتے پوری نقل ایسی ہوتی ہے جیسے عالمگیر کے بہروپئے نے کی تھی عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ جب تخت نشین ہوئے امیدوار انعام کے لئے جمع ہوگئے ایک بہروپیہ بھی آیا اس کو دینا مناسب نہ سمجھا مگر سادہ انکار خلاف ادب شاہی سمجھا عذر یہ کیا کہ تمہارا کمال یہ ہے کہ ایسی صورت سے آؤ کہ پہچان نہ ہو اس وقت مستحق انعام کے ہوگے وہ طرح طرح کی شکلیں بدل کر آتا مگر یہ ایسے عاقل تھے کہ کبھی اس بہروپیہ کے دھوکے میں نہ آتے تھے جس روپ میں آتا تھا فوراً پہچان لیتے تھے آخر کار ایک دفعہ عالمگیر نے دکن کا ارادہ کیا اور راستہ میں جتنے بزرگ اولیاء اللہ تھے سب سے مل کر دعاء کی جانے کا قصد کیا بہروپیہ نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا وہ بھی راستہ میں ایک پہاڑ پر صوفی بن کر بیٹھ گیا ایک دو اس کے چیلے تھے انہوں نے بستی میں شہرت دیدی کہ فلاں پہاڑ پر ایک بڑے بزرگ اللہ والے رہتے ہیں لوگ جوق جوق اس کے پاس آنے لگے کسی نے عالمگیر کو بھی اطلاع کر دی کہ حضرت کے راستہ میں ایک بزرگ اور بھی ہیں چنانچہ عالمگیر جب یہاں پہنچے تو اس سے بھی ملے اس زمانہ کے بہروپئے ذی علم ہوتے تھے اس لئے اس نے عالمگیر کے سامنے مسائل تصوف خوب بیان کئے اور ایسی ایسی نصیحتیں کی کہ عالمگیر رونے لگے چلتے ہوئے انہوں نے ہزار روپے نذر پیش کئے بہروپیہ نے لینے سے انکار کر دیا کہ اسی دنیا کو چھوڑ کر تو میں یہاں پہاڑ پر بیٹھا ہوں تم مجھے اس سے ملوث کرنا چاہتے ہو اپنی دنیا کو اپنے ساتھ لے جاؤ مجھے اس کی ضرورت نہیں عالمگیر نے روپے اٹھا لئے اور اس سے دعائیں لے کر روتے ہوئے رخصت ہوئے راستہ میں وزیر اور بادشاہ دونوں تعریف کر رہے تھے کہ ایسا بزرگ کوئی نہیں دیکھا اس وقت بہروپیہ بھی ان کے پیچھے پیچھے تھا عالمگیر نے جو پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس نے فوراً جھک کر سلام کیا عالمگیر نے غور کیا پہچان لیا اور کہا بھائی واقعی آج تو نے مجھے دھوکہ دے دیا۔ اس کے بعد خیمہ پر پہنچے تو خزانچی کو حکم دیا کہ پچاس روپے اس کو دیدو چنانچہ دیدیئے گئے اور اس نے قبول کر لئے اب عالمگیر نے پوچھا کہ میاں اس کی کیا وجہ تھی کہ تم نے اس وقت تو تھوڑے سے روپے بھی لے لئے اور پہاڑ پر ہزار روپے نہ لئے اگر تم لے لیتے تو میں واپس تھوڑا ہی لیتا بہروپیہ نے کیا عجیب جواب دیا کہا اس وقت میں نے تارکین دنیا کی نقل بنا رکھی تھی اگر اس وقت لے لیتا تو نقل پوری نہ ہوتی ناقص رہ جاتی جو میرے کمال پر ایک دھبہ ہوتا اور اب تو میں نے اپنے پیشہ سے کمایا ہے سو میرا کام ہی یہ ہے اس لئے اس وقت جو کچھ دیا گیا میں نے لے لیا۔ اس حکایت سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ واقعی ہم لوگ نقل بھی ٹھیک نہیں کرتے۔

اعمال صالحہ کاثمرہ

پوری نقل تو وہ ہے جس میں تمام ظاہری شرائط وآ داب تو موجود ہوں ہم باطنی آ داب کو کیا ہی ادا کریں گے ہم سے ظاہری آ داب کی بھی رعایت نہیں ہوتی چنانچہ اکثر لوگوں کی نماز میں رکوع سجدہ بھی ٹھیک نہیں ہوتا یہی حال تمام اعمال کا ہے جس کی وجہ وہی غفلت ہے کہ آج کل لوگوں کو اعمال کا ذرا اہتمام نہیں حالانکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ علاقہ عبدیت کی شرط عمل ہے۔ جس میں عمل نہیں اس کی عبدیت میں نقص ہے پس اول تو اعمال کا اہتمام علاقہ عبدیت کی وجہ سے ضروری ہے پھر اس کے ثمرات دنیا میں بھی بہت حاصل ہوتے ہیں گو ان کا قصد نہ چاہئے چنانچہ احادیث میں ہے کہ اعمال صالحہ سے مال میں برکت ہوتی ہے عمر میں برکت ہوتی ہے جاہ میں ترقی ہوتی ہے اور قرآن میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کا اللہ تعالیٰ عنقریب دوست بن جائے گا) اس میں اعمال صالحہ کا ثمرہ یہ بتلایا گیا ہے کہ نیک عمل کرنے والوں کی محبت عام طور پر قلوب میں ڈال دی جاتی ہے مگر تم ان ثمرات کی نیت کرو تم تو محض رضاء محبوب کی نیت کرو ان کے ہوتے ہوئے کسی اور چیز پر نظر کرنے کی کیا ضرورت ہے مسلمان کا مذاق تو یہ ہونا چاہئے۔

ہمہ شہر پر زخوباں منم و خیال ماہے چہ کنم کہ چشم بدخونہ کند بکس نگاہے

(سارا شہر حسینوں سے بھرا ہوا ہے اور میں ایک چاند کے خیال میں مست ہوں کیا کروں میں، کاش کہ بدخو کی نظر کسی پر نہ پڑتی)

اور یہ ہونا چاہئے

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار بگزارند و خم طرہ یارے گیرند

(مصلحت نہیں کہ راز ظاہر ہو ورنہ رندوں کی مجلس کوئی خبر ایسی نہیں کہ نہ ہو)

تم ایک کا قصد کرو باقی سب چیزیں ساتھ ساتھ خود ہی آ جائیں گی۔

دنیا کی عجیب مثال

ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دنیا کی مثال آخرت کے ساتھ ایسی ہے جیسے پرندہ اور سایہ آخرت پرندہ ہے اور دنیا سایہ ہے تم پرندہ کو پکڑ لو سایہ خود بخود اس کے ساتھ چلا آئے گا اور اگر سایہ کو پکڑو گے تو نہ وہ قبضہ میں آئے گا نہ یہ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ طالب آخرت کے

پاس مال بہت آ جاتا ہے نہیں بلکہ حق تعالیٰ اپنے چاہنے والوں کو راحت اور چین دیدیتے ہیں جو خدا کا ہو جاتا ہے خدا تعالیٰ اس کو وہ راحت دیتے ہیں کہ بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوتی چاہے اس کے پاس مال و دولت کچھ بھی نہ ہو مگر اطمینان اور انشراح قلب سے زیادہ ہوتا ہے خوب کہا ہے۔

چوں ترانا نے وخر قانے بود ہر بن موئے تو شیطانے بود

(جب تیرے پاس کھانے کی اشیاء ہیں اس وقت تک تیرا بال بال بادشاہ ہے)

شاید کسی کو شبہ ہو کہ کہہ دینا تو آسان ہے مگر جب فقر و فاقہ پڑا ہوگا تو نانی یاد آئی ہوگی تو میں سچ کہتا ہوں کہ ان کو نہ نانی یاد آئی تھی نہ دادی ہاں خدا بے شک یاد آیا تھا۔ صاحبو تجربہ کر کے دیکھ لیجئے آزما کر مشاہدہ کر لیجئے واقعی اہل اللہ سلاطین سے زیادہ سکون میں ہیں۔ ان کی یہ شان ہے۔

مبین حقیر گدایاں عشق راکیں قوم شہان بے کمرو خسروان بے

(گدایان عشق کو حقیر مت سمجھو یہ لوگ تخت و تاج کے بادشاہ ہیں)

(اور)

گدائے می کدہ ام لیک وقت مستی بیں کہ ناز برفلک و حکم برستارہ کنم

(میں گدائے میکدہ ہوں مگر مستی کے وقت دیکھ کہ فلک پر ناز اور ستارہ پر حکم کرتا ہوں)

رہا یہ کہ جب اہل اللہ حق تعالیٰ کے محبوب ہیں تو پھر حق تعالیٰ ان کو فقر و فاقہ کیوں دیتے ہیں صرف مال و دولت کیوں نہیں دیتے۔

دولت جمعیت باطن

اس کا جواب خود حدیث میں دیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ جب اپنے کسی بندہ کو چاہتے ہیں تو اس کو دنیا سے ایسا بچاتے ہیں جیسا کہ تم استسقا کے مریض کو پانی سے بچاتے ہو کیونکہ زیادہ مال و دولت جمع ہونے سے وہ جمعیت باطن فوت ہو جاتی ہے جس پر راحت کا مدار ہے جس کے سامنے ہفت اقلیم بھی ہیچ ہے۔

آنکس کہ تو انگرت نمی گرداند او مصلحت تو از تو بہتر داند

(جس نے تجھ کو مالدار نہیں بنایا' تو وہ تیری مصلحت کو تجھ سے زیادہ بہتر جانتا ہے)

ہاں جن لوگوں کو کثرت مال سے دینی ضرر نہیں ہوتا ان کو حق تعالیٰ مال بھی بہت دیتے ہیں چنانچہ بعض اہل اللہ کو حق تعالیٰ نے ظاہری سامان بھی اتنا دیا ہے کہ سلاطین کو نصیب نہ تھا پس تم اپنے لئے کچھ تجویز نہ کرو وہ تمہاری مصلحت کو تم سے زیادہ جانتے ہیں۔ اب میں ختم کرتا ہوں اور

آیت کا ترجمہ پھر کئے دیتا ہوں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! ہماری دی ہوئی پاکیزہ اور لذیذ چیزیں کھاؤ اور اللہ کے لئے شکر یعنی عمل کرو اگر تم کو خدا تعالیٰ سے علاقہ عبدیت ہے پس ہم کو عمل کا اہتمام کرنا چاہیے۔ میرا اصل مقصود اس وقت عمل کی افراط وتفریط کا بیان کرنا تھا مگر اہتمام عمل ہی کے بیان میں زیادہ وقت صرف ہو گیا اب افراط وتفریط کے متعلق بیان کروں تو وقت اور زیادہ صرف ہوگا اور اتنی گنجائش نہیں اس لئے ختم کرتا ہوں اگر موقعہ ہوا تو ان شاء اللہ پھر کبھی اس کے متعلق بیان ہو جائے گا اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو عمل کی توفیق عطا فرماویں۔

آمین وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد و علی اٰلہ واصحابہ اجمعین و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین۔

الذکر

یہ وعظ جامع مسجد تھانہ بھون میں ۱۷ شوال ۱۳۳۱ھ کو ارشاد فرمایا جسے مولانا عبداللہ صاحب نے قلمبند فرمایا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ.

اَمَّا بَعۡدُ: اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ. بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ. فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثل الذاکر فی الغافلین کمثل الحی فی الاموات او کما قال (الحدیث)

غافل لوگوں کے مجمع میں ذاکر کی مثال ایسی ہے جیسے مردوں میں ایک زندہ ہو۔

ذکر کی فضیلت

یہ ایک ٹکڑا ہے بڑی حدیث کا حدیث کے الفاظ میں مجھ کو شبہ ہے معنی تو بعینہٖ محفوظ ہیں اس لئے آخر میں او کما قال بڑھا دیا ہے اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کی فضیلت بیان فرمائی ہے گو ترجمہ سننے سے تو اس کی بہت وقعت معلوم نہ ہوگی مگر کسی قدر غور کرنے سے حقیقت اس کی معلوم ہونے کے بعد اس مضمون کی قدر ہوگی ہر چند کہ میرا قصہ بیان کرنے کا نہ تھا اس لئے کہ میرا معمول یہ ہے کہ جب از خود طبیعت میں تقاضا پیدا ہوتا ہے تو بیان کرتا ہوں مگر جب اسباب اس کے جمع ہو گئے منجملہ ان کے بعض اعزہ نے درخواست کی اور ان کی درخواست پر ایک بہت مفید مضمون بھی ذہن میں آ گیا اور مفید بھی ایسا ہے کہ ہر حالت میں ضروری بعض مضامین خاص خاص حالتوں کے اعتبار سے ضروری ہوتے ہیں مگر یہ مضمون ہر حالت میں اور ہر شخص کے لئے اور ہر پہلو سے ضروری اور مفید ہے۔ ارادہ مختصر ہی بیان کرنے کا ہے لیکن باوجود اختصار کے ضرورت اس سے پوری ہو جاوے گی۔

ہر علم سے مقصود عمل ہوتا ہے

اور مقصود میرا بیان سے یہ نہیں ہے کہ لوگ اس کو علمی مضمون کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس کو عملی مضمون کی حیثیت سے سنیں اور اپنا دستور العمل بنالیں بلکہ جو علمی مضمون ہے سنا جاوے اس کو بھی اسی حیثیت سے لیں کہ اس پر عمل کریں اس لئے کہ ہر علم سے عمل ہی مقصود ہوتا ہے حتیٰ کہ جن علوم سے عمل کا تعلق ظاہراً معلوم نہیں ہوتا اور وہ عقائد کے مضامین ہیں جیسے حق تعالیٰ کا ایک ہونا رسول کا سچا ہونا قیامت کا آنا۔ عندالتامل اس کا تعلق بھی عمل سے ہی ہے دو حیثیتوں سے اول یہ ہے اور وہ ذرا لطیف بات ہے کہ عمل کو جوارح کے ساتھ مخصوص نہ کہا جاوے بلکہ عام رکھا جاوے۔ خود جوارح سے ہو یا قلب سے اس لئے کہ محض علم بلا عزم قلب کے تو ایمان کے اندر معتبر نہیں ہے ایسا علم تو کفار کو بھی تھا چنانچہ ان کے حال سے حق تعالیٰ نے خبر دی ہے یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (وہ ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں) بلکہ اعتقاد اور تصدیق کی ضرورت ہے اور یہ عمل قلب کا ہے پس اس تقریر کے موافق تمام عقائد کے مضامین سے عمل ہی مقصود ہوا پس کوئی علم ایسا نہ نکلا کہ جس میں محض علم مقصود ہوا گر عمل کے اندر عموم نہ لیا جاوے اور عمل کو جوارح کے ساتھ مخصوص کیا جاوے تو باب عقائد کا تعلق عمل کے ساتھ دوسری حیثیت سے ہے اور وہ پہلی وجہ سے الطف ہے اور اس کا سمجھنا موقوف ہے ایک مقدمہ پر وہ یہ ہے کہ تجربہ اور عقل سے یہ بات واضح ہے کہ جو عمل جوارح سے صادر ہوتا ہے اس کا ایک داعیہ قلب میں اول پیدا ہوتا ہے بغیر اس کے کوئی عمل جوارح سے صادر نہیں ہوتا اس عمل کا نرا علم صدور کے لئے کافی نہیں جب تک تقاضا اور داعیہ قوی نہ ہو کوئی عمل ظاہری صادر نہیں ہوتا۔

علم کے ساتھ تقاضا عمل پیدا کرنے کی ضرورت

مثلاً نماز ہے سب جانتے ہیں کہ فرض ہے لیکن اتنا جاننا عمل کے لئے کافی نہیں چنانچہ سب مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے لیکن پھر بھی بہت سے بے نمازی ہیں اور بعضے چاہتے ہیں کہ ہم پابندی سے نماز پڑھیں لیکن پابندی نہیں ہوسکتی اس کی کیا وجہ ہے نرا علم اگر کافی ہوتا تو سب نمازی ہو جاتے معلوم ہوا کہ علاوہ علم کے کسی اور شے کی بھی ضرورت ہے وہ یہی تقاضا اور داعیہ ہے ایک شاعر کہتا ہے۔

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی

بس نرا علم کافی نہیں بہت سی باتیں آپ جانتے ہیں اور عمل ان پر نہیں ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ تقاضا نہیں معلوم ہوا کہ تقاضا ہی اصل محرک پس تقاضے کا وجود ضروری ہوا۔ پس علوم حقہ اور عقائد حقہ اگرچہ اس تقاضے کے پیدا کرنے میں مستقل نہیں ہیں لیکن ان کو دخل ضرور ہے۔ چنانچہ

اگر عقائد کو متحضر کرلیا جاوے تو پھر ان کا دخل تام بھی ہو جاتا ہے مثلاً حق تعالیٰ کی وحدانیت اور پیغمبروں کی سچائی اور قیامت کا قائم ہونا اور عذاب وثواب حشر ونشر قبر کا عذاب ان کو اگر قلب میں راسخ کرلیا جاوے تو اس کا یہ اثر ہوگا کہ قلب میں ایک ایسی کیفیت قائم ہو جاوے گی جس سے اعمال کا تقاضا قلب میں خود بخود پیدا ہوگا اور اعمال میں جیسی پہلے دشواری ہوتی تھی اب نہ ہوگی۔

عقیدہ تقدیر میں حکمت

عقائد کا شریعت نے ہم کو مکلف بنایا ہے ان میں ہر ایک کو فرداً فرداً ایک ایک عمل سے تعلق ہے کسی عقیدہ کو کسی عمل میں دخل ہے کسی کو کسی سے مثلاً تقدیر کا عقیدہ ہے اس کی ایک خاص حکمت ہے اور خاص عمل میں اس کو دخل ہے چنانچہ اس کو حق تعالیٰ نے خود بھی بیان فرمایا ہے ارشاد ہے **مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ط اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ لِّکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ** یعنی کوئی مصیبت نہ زمین میں آتی ہے اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ ہمارے اس کو پیدا کرنے سے پہلے کتاب یعنی لوح محفوظ میں ہوتی ہے اور یہ کتاب اللہ پر آسان ہے (اور یہ اس لئے بتلا دیا گیا) تاکہ تم اپنی فوت شدہ شے پر غمگین نہ ہو اور جو تم کو شے دی ہے اس پر اتراؤ نہیں۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ جو شخص تقدیر کا عقیدہ راسخ کرلے گا اس کے اندر صبر اور استقلال اور ثبات پیدا ہو جائے گا کسی شے کے فوت ہو جانے کا اس کو اس درجہ غم نہ ہوگا کہ اس کو پریشان کردے اس لئے کہ جانتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں حق تعالیٰ نے اسی طرح مقدر فرمایا تھا اور اس کا ہونا ضروری تھا اور یہ امر بہت ظاہر ہے مشاہدہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

منکر تقدیر کا حل

دو شخص فرض کرلیجئے ایک تو تقدیر کا منکر ہے اور دوسرا قائل ہے اور دونوں کے مثلاً دو بیٹے ہیں اور وہ دونوں مر گئے تو منکر تقدیر چونکہ تدبیر ہی کو موثر سمجھتا ہے اور کوئی مضمون تسکین بخش اسکے ذہن میں نہیں اس لئے وہ اگر فرط غم اور جزع فزع سے مر جائے تو تعجب نہیں اور جو تقدیر کا قائل ہے اور جانتا ہے کہ جو واقعہ ہوا ہے اس کا ہونا تو اسی وقت ضروری تھا اور اسی میں حکمت تھی اس کو معاً یہ مضمون متحضر ہو جاوے گا **قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا** (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیں کہ ہم پر ہرگز مصیبت نہیں آسکتی مگر وہی مصیبت جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے لکھ دی وہ

ہمارا مالک ہے) اور فوراً یہ آیت پیش نظر ہو جاوے گی اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (جب ان کا معین وقت آ پہنچا ہے تو ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں) غزوہ احد میں جب بہت سے مسلمان شہید ہو گئے تو منافقین نے کہا تھا لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا یعنی اگر لڑائی کا معاملہ ہمارے اختیار میں ہوتا تو ہم یہاں مارے نہ جاتے حق تعالیٰ جواب دیتے ہیں قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ (یعنی آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں پر قتل مقدر ہو چکا ہے وہ اپنے مقتل کی طرف نکل جاتے۔ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائیوں کے بارہ میں کہتے ہیں اور خود جہاد سے بیٹھ رہے ہیں کہ اگر وہ ہمارا کہنا مانتے تو مارے نہ جاتے آپ کہہ دیجئے کہ تم خود اپنی جانوں سے موت کو ہٹا لو اگر (تدبیر سے موت کے دفع کرنے میں) سچے ہو۔ایک حکایت مشہور ہے کہ ایک ملاح سے کسی نے پوچھا تھا کہ تمہارے باپ کہاں مرے اس نے کہا دریا میں۔پوچھا دادا کہاں مرے کہا دریا میں کہنے لگا کہ تم کو دریا سے ڈر نہیں لگتا اس نے جواب دیا کہ تمہارے باپ کہاں مرے کہا گھر میں پوچھا کہ دادا کہاں مرے کہا گھر میں کہنے لگا کہ تم کو گھر سے ڈر نہیں لگتا اس ملاح نے بہت ملامت کی اور بتایا اس لئے کہ حق تعالیٰ کی قدرت جیسے عنصر آب پر ہے اسی طرح عنصر خاک پر بھی ہے جو وہاں بچانے والا ہے وہی یہاں ہلاک کرنے والا ہے پھر ایک جگہ ڈرنے اور دوسری جگہ مامون ہونے کے کیا معنی۔غرض ان آیات واحادیث ومضامین کو یاد کر کے اس کو تسلی ہو جاوے گی دیکھئے مسئلہ تقدیر کے اعتقاد کو عمل کے اندر کتنا دخل ہے اسی طرح جملہ عقائد حقہ کو اعمال کے اندر خاص دخل ہے۔

ہر عقیدہ کو دستور العمل بنانے سے نفع

اس لئے میں کہتا ہوں اور میں خود نہیں کہتا بلکہ اللہ ورسول کے فرمانے سے کہتا ہوں کہ اگر ہر عقیدہ کو اپنا دستور العمل بنا لیا جاوے تو دین ودنیا کی کامیابی حاصل ہو گی۔غرض جب علوم کا تعلق بھی عمل ہی سے ہو تو خود عمل تو عمل ہی ہے اس لئے اس مضمون کو جو آج میں بیان کرنا چاہتا ہوں بقصد عمل سن کر اس کو ضرور ہی دستور العمل بنا لیا جاوے خلاصہ اس مضمون کا یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر کی فضیلت اور اس کا مفید وضروری ہونا بیان فرماتے ہیں ذکر کو تو علے العموم سب ضروری سمجھتے ہیں لیکن وہ جس درجہ کی شے ہے اس درجہ کی نہیں سمجھتے۔

ذاکر اور غافل کی مثال

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بیان فرمایا ہے کہ ذکر کس درجہ کی چیز ہے، چنانچہ اول حدیث کا ترجمہ کیا جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ذاکر کا حال غافلین میں ایسا ہے جیسے زندہ کا حال مردوں میں یعنی جو نسبت زندہ کو مردوں سے ہے وہی نسبت ذاکر کو غافلین سے ہے اس سے معلوم ہوا کہ ذکر حیات ہے اور غفلت ممات ہے۔ اس لئے کہ ذاکر کو تشبیہ دی ہے حی کے ساتھ اور غافل کو میت کے ساتھ پس جو فرق زندہ اور مردہ میں ہے وہی فرق ذاکر اور غافل میں ہے ظاہر ہے کہ زندہ اور مردہ میں یہی فرق ہے کہ زندہ میں جان ہے اور مردہ میں جان نہیں۔

جان بہت بڑی چیز ہے

اور یہ فرق عظیم ہے اس لئے کہ جان بہت بڑی شے ہے طبی، شرعی، دنیوی، اخروی، ظاہری باطنی تمام حیثیتوں سے جان عظیم الشان شے ہے اس لئے کہ تمام مصالح کا دارومدار اسی پر ہے، جس قدر مصالح اور منافع ہیں۔ خواہ وہ ثمرات ہوں یا اسباب ہوں جان ہی کے واسطے جمع کئے جاتے ہیں اور جس قدر انسان سعی کرتا ہے کماتا ہے یا کھاتا ہے تجارت زراعت صناعت جو کچھ کرتا ہے وہ سب اپنی جان ہی کے واسطے ہے یا اگر اولاد کے لئے کرتا ہے تو وہ بھی اپنی جان ہی کے لئے ہے اس لئے کہ اولاد کے باقی رہنے کو اپنی بقا جانتا ہے دوسرے عنوان سے لیجئے انسان جو کچھ کرتا ہے اپنے اطمینان اور چین کے لئے کرتا ہے اور یہ نفع جان ہی کا ہے اگر اولاد کو تکلیف مصیبت کوئی اس پر آتی ہے تو اس کے زائل کرنے کی کوشش کرنا درحقیقت اپنے اطمینان کے لئے ہے اس لئے کہ ان کی تکلیف سے اپنے کو تکلیف ہے اولاد کے مرنے پر جو روتا ہے وہ بھی اپنی تکلیف کی وجہ سے ہے کہ فراق سے اپنی جان کو تکلیف ہوئی محبت سے اگر کسی کے ساتھ احسان کرتا ہے تو وہ بھی اپنے جوش قلبی کو فرو کرنے کے لئے محبت وجود خالص بلا غرض اگر ہو سکتی ہے تو حق تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ ہو سکتی ہے باقی ممکن کے لئے تو ممکن نہیں کہ اس کے فعل میں کوئی غرض نہ ہو ہاں حق تعالیٰ کے افعال البتہ ایسے ہیں ان میں ان کی کوئی غرض نہیں ہے الحاصل انسان کے سعی اور ثمرہ دنیوی ثمرات سے لے کر اخروی ثمرات تک سب اپنی جان کے لئے ہے۔ نماز روزہ زکوۃ حج اور تمام اعمال صالحہ سب سے اپنی جان کو متمتع کرنا ہے دیکھئے جان نہ ہو تو بہشت کون جائے اور لقاء حق سے کون مشرف ہو معلوم ہوا کہ جان بہت بڑی چیز ہے۔

اعمال صالحہ کے فضائل بیان کرنے کا سبب

یہی وجہ ہے کہ باستثناء اہل حال کے اہل تمکین حیات کو موت پر ترجیح دیتے ہیں اس لئے کہ حیات ہی ایسی شے ہے جس سے دولت اخروی آدمی حاصل کر سکتا ہے ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنے سے زمین سے آسمان تک بھر جاتا ہے آج ہم اسی جان کی بدولت قادر ہیں کہ ڈھیر کے ڈھیر ثواب کے جمع کر لیں لیکن غفلت ہماری اس قدر بڑھ رہی ہے کہ کچھ خبر نہیں حق تعالیٰ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ اعمال صالحہ کے فضائل اس لئے بیان فرمائے تھے کہ ہم ہر وقت ذکر میں مشغول رہیں کوئی وقت ہمارا خالی نہ رہے۔

ہماری غفلت کا عجیب حال

ہماری یہ حالت ہے کہ بچپن تو لہو ولعب میں گزرتا ہے۔ جوانی میں نشہ جوانی کا رہتا ہے بڑھاپا آیا تو اس میں کیا ہو سکتا ہے کسی نے خوب کہا ہے در طفلی پستی در جوانی مستی در پیری سستی پس خدارا کے پرستی۔ یعنی بچپن میں جوانی مستی میں اور بڑھاپا سستی میں گزارا۔ پس خدا کی عبادت کب کرو گے۔ ساری عمر یونہی گزر جاتی ہے۔ بعضوں کو تو اس کی فکر ہی نہیں اور جن کو کچھ ہے وہ تسویف تاخیر افسوس اور دیر کرنا۔ میں پڑے ہیں کہ اس کام سے فارغ ہو لیں پھر کریں گے لڑکے کہتے ہیں کہ جوانی میں کریں گے اب تو ہمارے کھیلنے کے دن ہیں۔ جوانی ہوئی تو بڑھاپے کا انتظار ہے یاد رکھو جو عادت لڑکپن میں پڑ جاتی ہے وہی جوانی اور بڑھاپے میں چلتی ہے پس لڑکپن اور جوانی میں اگر اعمال صالحہ اور ذکر کی عادت کر لو گے وہ بڑھاپے میں بھی رہے گی بلکہ بڑھاپا تو درکنار سوتے سوتے بھی کیا کرو گے۔ اس لئے کبھی یہ خیال نہ کرو کہ بڑھاپے میں کر لیں گے۔ حدیث میں ہے **اغتنم خمسا قبل خمس صحتک قبل سقمک شبابک قبل هرمک و فراغک قبل شغلک وحیاتک قبل موتک** (المستدرک الحاکم ۶: ۳۰۶، حلیۃ الأولیاء ۴: ۱۴۸) الخ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں کے آنے سے پہلے غنیمت سمجھو اپنی صحت کو اپنی بیماری سے پہلے اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے اپنی فرصت کو اپنی مصروفیت سے پہلے اور اپنی زندگی کو اپنی موت سے پہلے بہت لوگ ایسے ہیں کہ ان کو فراغ اور صحت اور شباب سب کچھ حاصل ہے لیکن وہ اس کی قدر نہیں کرتے اور اپنے اوقات کو فضول ضائع کرتے ہیں اپنے وقت کی قدر کرنا چاہئے اس لئے کہ ہر طرح بے فکر ہیں کسی نے کیا خوب کہا ہے

خوشا روز گارے کہ دارد کسے کہ بازار حرصش نباشد بسے
بقدر ضرورت یسارے بود کند کارے از مرد کارے بود

اس وقت عمل کی سہولت کو بہت غنیمت سمجھنا چاہیے' بڑھاپے میں یہ نہ ہوگا اور بوڑھوں کو بڑھاپا ہی غنیمت سمجھنا چاہیے اس لئے کہ مرکر یہ بھی نہ رہے گا۔ مرنے کے بعد اگر لاکھ جتن کرو گے کہ ایک مرتبہ ہم سبحان اللہ کہہ لیں تو ہرگز نصیب نہ ہوگا اور اگر ہوگا بھی تو اس وقت ثواب نہ ملے گا وہاں جو ذکر ہوگا وہ بطور غذا کے ہوگا۔ حدیث میں آیا ہے یلهمون التسبيح كما يلهمون النفس (الصحيح لمسلم' الجنة ۱۸' مسند احمد ۳۴۳/۵۴۳) جس طرح سانس لینا اضطراراً ہوتا ہے ایسے ہی ان کا ذکر ہوگا۔ پس یہ ثواب سبحان اللہ کا یہاں ہی ہے جب یہ حیات نہ ہوگی تو دو رکعت کو بھی ترسو گے اور اگر نماز وہاں ہوگی بھی جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور بعض مردوں کو دیکھا کہ قبر میں سورہ تبارک الذی پڑھ رہے ہیں تو اول تو یہ نماز بھی اس حیات کی ہی بدولت ہوگی دوسرے یہ ہے کہ ان اعمال کا ثواب کچھ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ مرنے کے بعد ثواب سب منقطع ہو جاتے ہیں اور اگر کسی کو صدقات جاریہ سے شبہ ہو تو وہ بھی اس حیات ہی کا ثمرہ ہے ہاں اگر کسی کے حال پر فضل ہو جاوے اور بعد مرنے کے بھی درجہ بڑھ جاوے تو وہ دوسری بات ہے یہاں کلام قواعد کی رو سے ہے سو قاعدہ سے ہر عمل کا ثواب بعد مرنے کے منقطع ہو جاتا ہے اکثر یہی ہے کہ بعد اس حیات کے ثواب و عقاب کا عمل نہیں ہے غذا کے طور پر جدا بات ہے سی بناء پر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی فرمایا کرتے تھے کہ جب ہم مر جاویں تو یوں جی چاہتا ہے کہ قبر میں ہم کو نماز کی اجازت ہو جاوے اور فرمایا کرتے تھے کہ ہم جب سجدہ میں جاتے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے خدا نے پیار کرلیا ہو اور فرماتے تھے کہ یہاں جنت کا تو مزہ برحق حوض کوثر کا مزہ برحق مگر نماز کا سا لطف کسی شے میں نہیں پس اگر کسی مردہ کو نماز کی اجازت ہو جاوے تو وہ لذت کے واسطے ہے ثواب کے لئے نہیں اور یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ قبور کی زیارت کرنے سے جیسا اپنا فائدہ ہے کہ بفحوائے فانها تذكرة الآخرة آخرت کو یاد دلاتی ہے مردہ کا بھی فائدہ ہے کہ اس کو قرآن و ذکر سے لذت آتی ہے۔

شکستہ قبور میں حکمت

اور اس حدیث فانها تذكرة الآخرة سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ قبریں ٹوٹی پھوٹی ہونا چائیں۔ اس لئے کہ موت ایسے ہی قبور سے یاد آتی ہے اور جہاں طرح طرح کے سامان ہیں قبر

پختہ ہے اس پر نہایت عمدہ مکان بنا ہوا ہے شامیانے بندھے ہوئے ہیں وہاں موت کا یاد آنا تو کیا معنے بلکہ اور غفلت بڑھ جاوے تو عجب نہیں یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پختہ قبریں بنانا نص شرعی سے تو ناجائز ہے ہی لیکن جو مصلحت اور حکمت ہے زیارت قبور میں اس کا مقتضی بھی یہی ہے کہ پختہ قبریں ناجائز ہوں۔ درمیان میں ایک بات یاد آ گئی جو اپنے موقع پر رہ گئی تھی۔

اپنی فکر اصلاح کی ضرورت

میں نے اول کہا تھا کہ داعیہ جب تک نہیں ہوتا کوئی عمل نہیں ہوتا اس سے ایک مضمون تفریعاً یہ معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کی عادت ہے کہ دنیا بھر کے لئے مسائل پوچھتے ہیں اور اپنی فکر نہیں کرتے کسی کو کہتے ہیں کہ دیکھ تجھ کو مولوی صاحب نے فتوی میں بدعتی لکھا ہے کسی کو فاسق بناتے ہیں غرض ہر وقت دوسروں ہی پر طعن و تشنیع ان کا شیوہ ان سے کوئی پوچھے کہ آپ کہاں کے مقدس ہیں اور اگر تسلیم بھی کیا جاوے کہ آپ کے اندر تقدس ہے تو کیا یہ عمل آپ کا ذاتی ہے آپ سمجھتے ہیں کہ عمل ہم کرتے ہیں تم خاک نہیں کرتے تمہارے اندر ایک داعیہ ہے جو غیب سے پیدا ہوتا ہے وہ تم سے یہ کام لیتا ہے اس میں تمہارا کیا کمال ہوا مولانا فرماتے ہیں۔

عشق من پیداؤ معشوقم نہاں　　یار بیروں فتنہ او درجہاں

(میرا عشق ظاہر اور میرا معشوق پوشیدہ ہے دوست باہر ہے اور اس کا فتنہ دنیا میں ہے)

اگر یہ مضمون ذہن نشین ہو جائے تو کبھی نہ کسی پر طعن کرنے کی ہمت ہو اور نہ کسی کی عیب جوئی کی رغبت ہو بلکہ آج جو اپنے کو مقدس سمجھتا ہے وہ اس مضمون کے استحضار کے بعد اپنا وجود لاشی اور شر محض نظر آوے گا اور ہمارا کیا تقدس ہماری حالت تو یہ ہے جیسے کوئی بزرگ فرماتے ہیں۔

گہے رشک برد فرشتہ برپا کی ما　　گہے خندہ زند دیو برناپا کی ما

(بعض دفعہ ہماری پاکیزگی پر فرشتہ رشک کرتا ہے اور بعض مرتبہ ہماری ناپاکی پر شیطان ہنستا ہے)

ایماں چو سلامت بہ لگ گور بریم　　احسنت بریں از چستی و چالاکی ما

(یعنی اگر ہم ایمان صحیح سالم لے کر قبر تک پہنچ جائیں اس وقت ہماری چستی و چالاکی پر شاباش کہنا)

اب پھر عود کرتا ہوں۔ غرض موت جب یاد آ سکتی ہے کہ قبر کچی ٹوٹی ہوئی ہو پس قبر کی زیارت کرنے سے زائر کا تو یہ نفع ہوا اور مردہ کا نفع یہ ہے کہ اس کو انس اور لذت ہوتی ہے۔

ثواب دور سے بھی پہنچ جاتا ہے

باقی ثواب اگر دور سے بھیجا جاوے وہ بھی پہنچتا ہے درمیان میں کہیں ضائع نہیں ہوتا اس لئے کہ خدا تعالیٰ کے یہاں کی ڈاک سب رجسٹری شدہ ہے۔ جو ثواب پہنچاؤ گے بہت حفاظت کے ساتھ پہنچے گا۔ جب وحی آتی تھی تو اس پر فرشتے پہرہ دار ہوتے تھے تا کہ کسی خبیث دیو یا شیطان کا تصرف نہ ہو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ فَاِنَّهٗ یَسۡلُکُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ رَصَدًا لِّیَعۡلَمَ اَنۡ قَدۡ اَبۡلَغُوۡا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمۡ الخ (تو اس پیغمبر کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے بھیج دیتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہو جائے کہ ان فرشتوں نے اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا دیا ہے) ملائکہ بے حد ہیں اور ان کے مختلف کام ہیں ملائکہ کی کثرت اس سے معلوم ہوگی کہ چوتھے آسمان پر بیت المعمور ہے وہ کعبہ ہے فرشتوں کا بعض نے کہا کہ وہ بیت اللہ شریف کے مقابلہ میں ہے بیت المعمور کی زیارت اور طواف کے لئے ہر روز ستر ہزار فرشتے آتے ہیں اور جو ایک مرتبہ آ چکے ان کا نمبر پھر نہیں آتا۔ اب خیال کیجئے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش کو سات ہزار برس گزر چکے ہیں اور زمین و آسمان آدم علیہ السلام سے بہت پہلے سے ہیں اس سے فرشتوں کا بے حد ہونا ظاہر ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آسمان چر چر بولتا ہے اور اس کے لئے چر چر بولنا سزاوار ہے۔ اس لئے کہ کوئی جگہ اس میں ایسی نہیں کہ فرشتے وہاں سجدہ نہ کرتے ہوں دیکھئے آسمان اتنا مضبوط کہ جس کی نسبت سَبۡعًا شِدَادًا فرمایا ہے اور جس کی نسبت ارشاد ہے فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ (پس تو نگاہ ڈال کے دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے) اور پھر اس کی کیفیت یہ ہو کہ ملائکہ راکعین اور ساجدین کی کثرت سے وہ چر چرانے لگے کیا ٹھکانا ہے فرشتوں کی کثرت کا اور قوت کا اور یہ وہ مخلوق ہے جو ہم کو بتلائی گئی ہے اور جس کی خبر نہیں اس کی نسبت ارشاد ہے وَمَا یَعۡلَمُ جُنُوۡدَ رَبِّکَ اِلَّا هُوَ. (اور تمہارے رب کے لشکروں کو بجز اس کے کوئی نہیں جانتا) غرض جس قدر کام ہیں سب پر فرشتے مسلط ہیں تم خواہ کتنی ہی دور سے ثواب پہنچاؤ بہت حفاظت سے وہ ثواب پہنچتا ہے یہاں سے اس بات کا غلط ہونا بھی ثابت ہوا کہ مشہور ہے کہ ایک شخص مر گیا جب وہ حق تعالیٰ کے یہاں پیش کیا گیا تو حکم ہوا کہ اس کو لے جاؤ ہم نے دوسرے کو بلایا ہے یہ محض غلط ہے اور اگر کسی شخص کو ایسا واقعہ پیش بھی آیا ہو تو یہ اس کے دماغی خیالات ہیں وہاں اودھ کی سلطنت نہیں کہ کچھ انتظام نہ ہو استغفر اللہ اور نہ وہاں کے کارکن ایسے بھولنے والے ہیں سہو و نسیاں انسان کا ہی خاصہ ہے۔ پس تم جو کچھ بھی ثواب پہنچاؤ گے نہایت حفاظت سے پہنچے گا۔

قبر پر تلاوت قرآن حکیم کا نفع

تو اس کے لئے دور و نزدیک سب برابر مگر پاس میں فائدہ یہ ہے کہ مردہ کے پاس جب قرآن شریف پڑھا جاتا ہے تو اس کو لذت آتی ہے۔ جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں ایسی حکایتیں لکھی ہیں ایک حکایت لکھی ہے کہ خواب میں ایک عورت نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تم قبر پر آتے ہی قرآن شریف نہ پڑھا کرو تھوڑی دیر بیٹھ کر قرآن شریف شروع کیا کرو تا کہ میں تم کو پہلے دیکھ لوں کیونکہ جب تم قرآن شریف شروع کر دیتے ہو تو اس کے انوار میں تم چھپ جاتے ہو میں تم کو نہیں دیکھ سکتی۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوستوں کی قبر پر آنے سے مردہ کو لذت اور سرور ہوتا ہے۔

اعمال صالحہ کے لئے ثواب بڑی نعمت ہے

غرض ثواب کا اکتساب جو کچھ بھی ہے وہ حیات میں ہے اور اگر بعد حیات کے ہے تو وہ بھی بواسطہ حیات کے ہی ہے اسی واسطے عارفین حیات کو غنیمت سمجھتے ہیں مگر اسی وقت تک جب تک کہ کوئی حال غالب نہ ہو اور اگر حال غالب ہو تو یہ حالت ہوتی ہے

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بردم   راحت جاں طلبم وز پے جاناں بردم

(وہ دن بہت اچھا ہوگا کہ اس ویرانہ مکان دنیا سے جاؤں' جان کو آرام مل جائے اور محبوب کے دیدار کے لئے چلا جاؤں)

لیکن جس وقت صحو اور تمکین ہوتی ہے تو حیات ہی کو ترجیح دیتے ہیں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس ملک الموت آئے ان کو پہچانا نہیں۔ انہوں نے ان ایک ایسا تھپڑ مارا کہ وہ یک چشم ہو گئے تو اس سے حیات کی ترجیح معلوم ہوئی انہوں نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ کا بندہ حاضر ہونا نہیں چاہتا ہے اور مجھے یک چشم کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بیل کی کمر پر ہاتھ رکھ جتنے بال ہاتھ کے نیچے آ جاویں گے اتنے برس عمر کے بڑھ جاویں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ اس کے بعد کیا ہوگا فرمایا کہ موت فرمایا کہ پھر کیا فائدہ ابھی سہی یعنی جب وقت مقدر آ گیا تو حکمت اسی وقت کی موت میں ہے۔ حدیثوں سے بھی تصریحاً معلوم ہوتا ہے کہ حیات نہایت مغتنم شے ہے۔ حدیث شریف میں ایک قصہ آیا ہے کہ دو شخص ساتھ آئے اور ساتھ ہی مسلمان ہوئے ایک ان میں سے شہید ہو گیا ایک ہفتہ کے بعد دوسرے کا انتقال ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ کی پڑھ کر لوگوں سے پوچھا کہ اس کے لئے تم نے کیا دعاء کی لوگوں

نے عرض کیا کہ یہ دعا کی ہے۔ **اللهم اغفرله والحقه بصاحبه** فرمایا ہائیں یہ یا دعا کی ان دونوں کے درمیان ایسا فرق ہے جیسے زمین وآسمان کے درمیان ہے اس کی ہفتہ بھر کی نمازیں اور اعمال کہاں گئے تو دیکھئے شہادۃ باوجودیکہ افضل الاعمال ہے لیکن ہفتہ بھر کی حیات اس سے بڑھ گئی پس حیات بڑی نعمت ہے لیکن حیات اس لئے مطلوب نہیں کہ کھائیں اور مزے اڑائیں۔

خوردن برائے زیستن وذکر کردن است تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

(کھانا زندگی اور ذکر کرنے کے لئے ہے اور تو اس کا معتقد ہے کہ زندگی کھانے کے لئے ہے)

(دنیا کی لذت اور مناصب کے لئے اگر حیات چاہتا ہے تو تف ہے ایسی زندگی پر اس سے تو موت ہی اچھی اس کے لئے بھی کہ معاصی کی تقلیل ہوئی دوسروں کے لئے بھی کہ ان کو اس کے ظلم سے نجات ہوئی اور اگر اعمال صالحہ کے لئے چاہتا ہے تو سبحان اللہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک جنازہ آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **مستریح او مستراح منه** (الدرالمنثور ۶،۱۶۶، اتحاف السادة المتقین ۱۰، ۲۳۰) (یعنی اگر مومن محسن ہے تو خود راحت پانے والا ہے اور اگر ظالم ہے تو اوروں کے لئے راحت ہوگئی۔ آدمی کو چاہئے کہ ایسی طرح زندگی بسر کرے کہ مرنے کے وقت راحت ہو جس کے لئے حیات مطلوب ہے۔

دورِ حاضر کے امراء کا ظلم وستم

آج کل رؤساء اور امراء کی یہ حالت ہے کہ غرباء کو کچھ نہیں سمجھتے مارنا ان کو جائز ہے۔ سب و شتم سے دریغ نہیں ایسا شخص مستراح منہ ہے جس وقت ظلم کا ارادہ ہو اس قدر سمجھ لے کہ اگر ہم غریب ہو جائیں ایسا ہی معاملہ ہمارے ساتھ ہو تو اس وقت ہماری کیا حالت ہو اور یاد رکھو خدا تعالیٰ کی کوئی مشکل نہیں کہ آپ اس سے بھی زیادہ غربت اور مصیبت میں مبتلا ہو جاویں اور ان پر جو رحمت ہو رہی ہے وہ بھی ان غرباء ہی کی بدولت ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے **هل ترزقون تنصرون الا بضعفاكم** تو غرباء کی بڑی رعایت چاہئے ان پر ظلم کا انجام بہت برا ہے گو ظاہر ہے بعض ظالموں کو ترقی ہوتی ہے مگر اس ترقی کی ایک مثال ہے کہ ایک کانسٹیبل نے ایک درویش پر ظلم کیا تھا اس نے بددعاء کی کہ اے اللہ اس کو انسپکٹر کر دے اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمالی وہ انسپکٹر ہو گیا پھر تو اس درویش کا بڑا معتقد ہوا اور اس کو تلاش کرایا اتفاق سے وہ مل گیا اس سے اپنا قصور معاف کرایا اور کہا کہ کچھ مجھ سے مانگو اس درویش نے کہا کہ مجھ کو ایسے ایسے سیاہ اور بڑے بچھوں کی

ضرورت ہے اس نے تلاش کرائے ویسے بچھو نہ ملے۔ آخر درویش سے عرض کیا کہ حضرت ایسے بچھو تو ملتے نہیں اس درویش نے کہا کہ فلاں قبر میں ملیں گے وہ کسی انسپکٹر کی قبر تھی چنانچہ وہ قبر کھدوائی گئی دیکھا تو بہت سے زہریلے خوفناک بچھو اس کے بدن کو لپٹ رہے ہیں وہ دیکھ کر لرز گیا درویش نے کہا کہ میں نے تم کو یہ دعا دی تھی اور غریب پر ظلم کی ایک اور حکایت ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے ایک سائیس کے چابک مارا تھا خواب میں دیکھا کہ سامنے جنت ہے ایک مکان علیشان ہے اور باہر کھونٹی پر وہی چابک لٹک رہا ہے پوچھا کہ یہ کس کا مکان ہے کہا گیا کہ محمود کا مکان ہے سلطان نے اس میں جانے کا ارادہ کیا حکم ہوا کہ جب تک یہ چابک تمہارے کمر پر نہ لگے گا تم اس میں نہیں جاسکتے۔ خوفزدہ ہو کر آنکھ کھل گئی اور اس سائیس کو بلایا اور وہی چابک منگایا اور اس سے کہا کہ تو میرے چابک مار اس کی کیسے ہمت ہو سکتی تھی غرض اس کو انعام واکرام دے کر راضی کیا صاحبو وہاں کی حالت پیش نظر نہیں ورنہ نچا دیوے پس مرنے سے پہلے اہل حقوق کے حق ادا کر دو ورنہ وہاں ادا کرنا پڑیں گے ایسے ہی لوگوں کی نسبت ارشاد فرمایا ہے او مستراح منہ اور جنہوں نے حیات کو طاعات میں صرف کیا ہے ان کو مرنے سے راحت ہو جاتی ہے۔

تمام عالم کا اصل مغز

پس حیات ہی سرمایہ ان طاعات کا ہے ان طاعات کے اکتساب کے لئے اہل تمکین حیات کو ترجیح دیتے ہیں غرض جان وہ شے ہے کہ جس قدر سامان ہیں سب اسی کے لئے ہیں خلاصہ تمام کارخانہ کا جان ہے۔ سب چیزیں تابع ہیں اور جان متبوع ہے اور جان والے کے ساتھ حضور ذاکر کو تشبیہ دیتے ہیں۔ پس جان مشبہ اور ذکر مشبہ بہ ہوا جیسے تمام عالم کا مغز اور اصل جان ہے اسی طرح تمام علوم واعمال کا مدار ذکر ٹھہرا اور یہ مضمون نری تشبیہ ہی سے مستفاد نہیں ہوا۔

تمام علوم کی روح اور تمام اعمال کا مدار

بلکہ قرآن وحدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اعمال کا قطب الرحی اور مدار کار اور مقصود اعظم ذکر ہے اور اسی طرح تمام علوم کی روح اور لب یہی ذکر ہے دو چار امثلہ نمونہ کے طور پر ذکر کی جاتی ہیں اعمال میں سب سے بڑی شے نماز ہے اور اس کی نسبت ارشاد ہے اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ (یعنی آپ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت کیجئے وہ جو آپ کی طرف کتاب سے وحی کیا

گیا ہے اور نماز کو قائم کیجئے بے شک نماز بے شرمی کی بات اور بری بات سے روکتی ہے (آگے اس کی علت میں ارشاد ہے کہ بے شک اللہ کی یاد بڑی شے ہے یعنی فحشا اور منکر سے نماز کا روکنا عجب نہیں اس لئے کہ وہ ذکر ہے اور اللہ کی یاد بڑی شے ہے حقیقت میں اللہ کی یاد ایسی ہی شئے ہے کہ جب وہ پائی جاتی ہے اس کے سامنے سب شے ہیچ ہو جاتی ہے مولانا فرماتے ہیں۔

عشق آں شعلہ است چوں او بر فروخت ہرچہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

(یعنی عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ روشن ہوتا ہے تو معشوق کے علاوہ سب کو فنا کر دیتا ہے)

تیغ لا در قتل غیر حق براند درنگر آخر کہ بعد لاچہ ماند

(لا الہ الا اللہ کی تیغ اللہ کے ہلاک کرنے میں چلا وہ الہ کے بعد کیا رہ گیا)

ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت مرحبا اے عشق شرکت سوز تفت

(یعنی اللہ باقی رہ گیا باقی تمام فنا ہو گیا اے عشق عزت شوکت سوز تجھ پر آفرین ہے کہ سوائے محبوب کے سب کو فنا کر دیا)

جب یاد غالب ہوتی ہے تو سب فنا ہو جاتا ہے اور نماز یاد ہے پس اس سے فحشا اور منکر سب زائل ہو جاتے ہیں پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز کا مقصود ذکر ہے اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِكْرِی یعنی نماز کو قائم کیجئے میری یاد کے واسطے معلوم ہوا کہ غایت اور روح نماز کی یہی ذکر ہے۔

رکوع و سجود کی اہمیت

لیکن اس سے یہ نہ سمجھو کہ رکوع اور سجود کوئی چیز نہیں جیسے جہلاء صوفیہ کہتے ہیں کہ ہم کو نماز کی روح حاصل ہے اس لئے ہم نماز نہیں پڑھتے میں ان حضرات کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کی انگلی کاٹ لوں اگر آپ خوشی سے اجازت دیں تو فبہا ورنہ پوچھا جائے کہ کیا وجہ ہے کہ اپنی تو انگلی اور ناخن تک پیارے اور نماز کے ہاتھ پاؤں اڑانے کے لئے تیار ہو یہ قیام رکوع و سجود نماز کے ہاتھ پاؤں ہیں اور میں ان سے کہوں گا کہ زوجہ حسین کیوں ڈھونڈتے ہو جان تو یکساں ہے اور حقیقت سب کی ایک ہے خلاصہ یہ ہے کہ رکوع و سجدہ بڑی چیز ہے مگر مغز اس کا وہی ہے اگر یاد نہ ہوگی تو ایسی مثال ہے جیسے کسی نے کسی سے فرمائش کی کہ ہم کو ایک آدمی کی ضرورت ہے وہ تھوڑی دیر میں ایک کھٹولی چار آدمیوں کے سر پر لایا جب اس پر سے چادر اتاری گئی تو دیکھا ایک مردہ

ہے جس کے ہاتھ پاؤں سب درست ہیں تو جیسے اس کو انسان نہیں کہہ سکتے گو ہاتھ پاؤں سب درست ہیں ایسے ہی بے ذکر کی نماز نماز کہلانے کی مستحق نہ ہوگی گو رکوع سجدہ سب کچھ ہو اور اگر نری یاد ہو اور رکوع سجدہ میں کتر بیونت کرے تو ایسی مثال ہے جیسے ایک مضغہ گوشت ہے کہ آنکھوں سے اندھا پاؤں سے لولا ہاتھوں سے لنجا ناک سے نکٹا دانتوں سے پوپلا سر سے گنجا کانوں سے بہرا نہ ہل سکتا ہے نہ چل سکتا ہے جہاں چاہیں اس کو اٹھا کر پھینک دیں تو وہاں سے کہیں نہیں جا سکتا پوچھا کہ یہاں تم یہ کیا لائے کہا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ آدمی لاؤ یہ آدمی ہے ظاہر ہے کہ اس کو یہی جواب دیا جائے گا کہ ہمارا مقصود یہ تھا اس کو ہم کیا کریں گے تو جیسے اس مضغہ گوشت تعریف انسان کے صادق ہے تو ایسے ہی وہ نماز کہ جس میں رکوع سجود نہیں یا رکوع سجود ناقص ہے کہنے کو نماز ہے لیکن فی الواقع کچھ نہیں غرض نہ ہاتھ پاؤں بلا جان کے کافی ہیں اور نہ جان بغیر ہاتھ پاؤں کے کام آ سکتی ہے۔

نماز کا اصل مقصود ذکر ہے

اور لیجئے دوسرے مقام پر ارشاد ہے فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ یہ صلوۃ الخوف کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ اگر تم کو خوف لاحق ہو تو نماز پیادہ یا سوار ہو کر پڑھو اور جب امن میں ہو تو اللہ کو یاد کرو جیسا کہ تم کو اللہ نے سکھایا ہے فاذکروا اللہ سے مراد اس آیت میں صلوۃ ہے اصل کلام یہ تھا فاذا امنتم فصلوا کما علمکم فصلوا کے مقام پر فاذکروا فرمانے سے یہ بتلا دیا ہے کہ صلوۃ کا اصل مقصود ذکر ہے اور اس مقام پر غور کرنے سے ایک اور بات بھی معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ صلوۃ الخوف میں دوسرے مقام پر ارشاد ہے فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (پھر جب تم اس نماز کو ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگ جاؤ کھڑے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے بھی، پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو پہلے کے موافق پڑھنے لگو) اور آیت میں فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ پر فَاذْكُرُوا اللَّهَ مرتب جو فرمایا تو اس میں نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ صلوۃ الخوف میں دشمن کی طرف مشغولی ہوتی ہے اس لئے مقصود اصلی جو کہ ذکر ہے مظنہ ہے اس سے غفلت کا اس لئے ارشاد ہے کہ اس سے غفلت نہ ہونے پائے اور اس کے بعد فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو پہلے کی طرح نماز پڑھنے لگو) سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ صلوۃ الخوف میں بوجہ مشغولی دشمن صلوۃ کا مکمل

یعنی ذکر علی وجہ الکمال ادا نہیں ہوا اس لئے کہ حاصل اس ارشاد کا یہ ہے کہ جب تم کو اطمینان ہو تو نماز کو اس کے حقوق کے ساتھ ادا کرو اس سے اشارۃ یہ نکلا کہ خوف کی حالت میں نماز کامل نہیں ہوئی یعنی باعتبار صورۃ کے بہر حال ان آیات سے ثابت ہوا کہ صلوٰۃ کا لب اور مغز ذکر ہے۔

جملہ اعمال کا مقصود ذکر الٰہی ہے

اور بھی ایک بڑی عبادت حج ہے اس کے بیان میں ارشاد ہے فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ یعنی جب تم عرفات سے چلو مشعر حرام کے نزدیک ذکر اللہ کرو مزدلفہ کے قیام کو ذکر اللہ کے ساتھ تعبیر فرما کر یہ بتلا دیا کہ اصل مقصود ذکر ہے اور آگے ارشاد ہے وَاذۡكُرُوا اللّٰهَ فِیۡۤ اَیَّامٍ مَّعۡدُوۡدٰتٍ یعنی اللہ کو یاد کرو چند گنتی کے دنوں میں ان ایام سے مراد ایام تشریق ہیں اور ذکر اللہ سے مراد رمی جمار اور ذبح اور نحر اور حلق ہے ان سب کو اذکروا اللہ سے معنون فرمانے سے بتلا دیا کہ ان سب اعمال سے ذکر مقصود ہے اور لیجئے ارشاد ہے وَاَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ كُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ لِّیَشۡهَدُوۡا مَنَافِعَ لَهُمۡ وَیَذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ فِیۡۤ اَیَّامٍ مَّعۡلُوۡمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمۡ مِّنۡ م بَهِیۡمَةِ الۡاَنۡعَامِ. (اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو لوگ تمہارے پاس چلے آئیں گے پیادہ بھی اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو کہ دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی تا کہ اپنے فوائد کے لئے آ موجود ہوں اور تا کہ ایام مقررہ پر ان مخصوص چوپایوں پر اللہ کا نام لیں) اس سے معلوم ہوا کہ حج کی غایت ہی یہی ہے کہ قربانی پر اللہ کا نام لیں اور آگے چل کر بالکل صاف صاف ارشاد ہے وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلۡنَا مَنۡسَكًا لِّیَذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ عَلٰی مَا رَزَقَهُمۡ مِّنۡ م بَهِیۡمَةِ الۡاَنۡعَامِ (اور ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ہم کو عطا فرمائے) جہاد کے بیان میں ارشاد ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِیۡتُمۡ فِئَةً فَاثۡبُتُوۡا وَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَثِیۡرًا لَّعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ خدا تعالیٰ کی یاد وہ شے ہے کہ جان جانے کے وقت بھی اس کا امر ہے جان جائے مگر یاد نہ جائے ازواج مطہرات کو خطاب ہے وَاذۡكُرۡنَ مَا یُتۡلٰی فِیۡ بُیُوۡتِكُنَّ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالۡحِكۡمَةِ. اللہ کی آیات کی تلاوت بھی ظاہر ہے کہ ذکر ہی ہے۔ اور آگے ارشاد ہے اِنَّ الۡمُسۡلِمِیۡنَ وَالۡمُسۡلِمٰتِ وَالۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ وَالۡقٰنِتِیۡنَ وَالۡقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیۡنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیۡنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالۡخٰشِعِیۡنَ وَالۡخٰشِعٰتِ وَالۡمُتَصَدِّقِیۡنَ وَالۡمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیۡنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالۡحٰفِظِیۡنَ فُرُوۡجَهُمۡ وَالۡحٰفِظٰتِ (بے شک اسلام کے کام

کرنے والے مرد اور اسلام کے کام کرنے والی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں) آگے ان سب اعمال صالحہ کی تکمیل فرماتے ہیں وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (اور بکثرت خدا کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے) یہ تو آخرۃ کے اعمال کے متعلق تھا اب دنیا کے اعمال کی نسبت لیجئے ارشاد ہے فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا یعنی جب نماز جمعہ کی ادا کی جائے تو زمین میں متفرق ہو جاؤ اور اللہ کا فضل یعنی رزق طلب کرو اور اس حالت میں بھی اللہ کو مت بھولو بلکہ بکثرت ذکر کرو امید ہے کہ فلاح پاؤ گے چونکہ دنیا کے دھندوں میں مشغول ہونے کی حالت مظنہ تھا غفلت کا اس لئے خصوصیت کے ساتھ یہاں یاد دہانی فرمادی کہ سب کچھ کرو مگر جو کام اصلی ہے اس کو نہ بھولو۔ یہ آیات تو وہ ہیں جو اس وقت مجھ کو بلاسوچے یاد آئیں ورنہ اگر غور کیا جاوے تو کوئی فعل کوئی حرکت کوئی معاملہ ایسا نہ نکلے گا کہ جس میں حق تعالیٰ نے اس مقصود اصل کی تعلیم نہ فرمائی ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود یہی ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے آقا اپنے نوکر سے یا باپ اپنے بچوں سے کہے کہ دیکھو ہم سوتے ہیں تم شرارت نہ کرنا غل نہ مچانا تالی نہ بجانا وغیرہ تو ان سب مناہی سے مقصود اصلی یہ ہے کہ ہم کو تکلیف نہ ہو پس اصلی کام تو ذکر ہے اور باقی کام خواہ عبادات ہوں یا عادات وہ اسی مقصود اصلی کی صورتیں ہیں چنانچہ عبادات کے متعلق تو اول بیان ہو چکا ہے ان میں اصل مقصود ذکر ہے عادات کے متعلق لیجئے احادیث میں آیا ہے کہ جب کھانا کھاؤ تو اللہ کا نام لو کھانے سے فارغ ہونے کے بعد دعا کی تعلیم فرمائی پاخانہ میں جاتے وقت ذکر کی تعلیم ہے۔ بی بی سے ہم بستری کے وقت اسی کی تعلیم ہے گھر سے نکلنے اور گھر میں داخل ہونے اور صبح و شام اور رات اور آدھی رات غرض ہر حالت اور ہر زمانہ اور ہر مکان میں ذکر کی تعلیم ہے حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانہ کا چراغ گل ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

اسلام اور عیسائیت کے مابین بڑا فرق ہے

میرے بھائی نے ایک عیسائی سے عجیب گفتگو کی میرے بھائی نے کہا کہ اسلام اور عیسائیت میں بڑا فرق یہ ہے کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ اپنے مولیٰ کی محبت میں یہ چاہے کہ میں رات دن چوبیس کے چوبیس گھنٹے اپنے خدا کی خدمت میں گزاروں تو اسلام ہی کے اندر یہ خوبی ہے کہ ہر ہر منٹ کے کام کی فہرست اس کو بتلا دی ہے بلکہ کام زیادہ ہیں اور وقت کم ہے سوائے اسلام کے کوئی مذہب ایسا نہیں جس میں اس طور سے اوقات کو مشغول کر دیا ہو وہ عیسائی یہ سن کر ساکت ہو گیا۔

آخرت کا اصلی کام صرف ذکر اللہ ہے

غرض اصلی کام ایک ہے اور صورتیں مختلف و متعدد ہیں یہ تو اعمال صالحہ اور مباحہ کے متعلق تھا اب اس سے بڑھ کر لیجئے اعمال سیئہ اور معاصی کے وقت بھی اسی کی تعلیم ہے ارشاد ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَامَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَاهُمْ مُّبْصِرُوْنَ یعنی جو لوگ متقی ہیں جب ان کو کوئی شیطان کی طرف سے خیال آتا ہے تو وہ فوراً (اللہ کو) یاد کرتے ہیں پس وہ بصیرت والے ہی ہو جاتے ہیں دوسری جگہ ارشاد ہے وَالَّذِیْنَ اِذَافَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْظَلَمُوْٓااَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوااللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ یعنی وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب کوئی سخت گناہ کرتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں (یعنی صغائر کے مرتکب ہوتے ہیں) تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی مغفرت مانگتے ہیں۔ پہلی آیت تو ابتدائے معصیت کے وقت ذکر کی تعلیم کرتی ہے اور دوسری آیت وقوع کے بعد خلاصہ یہ ہے کہ اگر وسوسہ گناہ کا آوے تو اس کا علاج بھی ذکر ہے اور وقوع اگر ہو جاوے تو اس کا تدارک بھی ذکر ہی ہے۔ اللہ اکبر کیا انتہا ہے رحمت کا کہ گناہ کے وقت بھی ارشاد ہے کہ ہم کو یاد کرو تفصیل اس مجمل کی یہ ہے کہ جس وقت آدمی گناہ کرتا ہے تو گناہ سے پہلے اور گناہ کے بعد اس کو حق تعالیٰ سے ایک حجاب اور بعد معلوم ہوتا ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ میں بڑی دور نکال دیا گیا ہوں اور جب اس کیفیت کا زیادہ احساس ہوتا ہے تو ایک مایوسی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور ذکر اور توبہ اور دعا کی ہمت نہیں ہوتی اور نفس کہتا ہے کہ نفرین ہے تجھ پر اب تو اس لائق نہیں کہ خدا کا نام لے اور اب تیرے حال پر رحمت نہ ہوگی اور خدا تعالیٰ کی یاد سے دل بالکل رک جاتا ہے اور یہ ان

لوگوں کی حالت ہوتی ہے جن کے قلب میں کچھ احساس ہے اور جو بے حس ہیں ان کو تو کچھ بھی پرواہ نہیں ہوتی اسی اثر کو کسی عارف نے ظاہر کیا ہے۔

احب مناجاۃ الحبیب باوجہ ولکن لسان المذنبین کلیل

(محبوب خداوندی کو مناجات زیادہ محبوب ہے لیکن گناہ گاروں کی زبان گناہوں کے سبب لڑکھڑاتی ہے)

اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی آقا اپنے وفادار فرمانبردار نوکر پر خفا ہوا اور خفا ہو کر اس کو نکال دیا اس وقت اس نوکر کو ہمت نہیں ہوتی کہ آقا کو حضور یا سرکار کہہ کر پکارے یا کوئی درخواست کرے بلکہ اس کا خطرہ بھی نہیں گزرتا اور سمجھتا ہے کہ میں کس منہ سے اب پکاروں یا کوئی شے مانگوں۔ چونکہ یہ بات ذہنوں میں جمی ہوئی ہے اس لئے اگر کوئی گناہ ہم لوگوں سے ہو جاتا ہے تو اس وقت بھی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ اللہ کا نام لینے اور دعا کرنے کی ہمت نہیں ہوتی اور عقل سے اگر ایسی حالت میں استفتا کیا جاوے تو عقل کا فتویٰ تو ایسے وقت یہ ہے کہ اب اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنا اور دعا کرنا حرام ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہماری عقل رہبری کے لئے بالکل ناکافی ہے عقل کا حکم تو ہے اور حق تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے وَالَّذِيْنَ اِذَافَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ (وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب کوئی سخت گناہ کرتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی مغفرت مانگتے ہیں) ہزار برس جرائم کے مرتکب رہو اور کوئی جرم ایسا نہ ہو جو نہ کیا ہو اور پھر حق تعالیٰ سے مغفرت مانگو فوراً رحمت ہوگی گویا ارشاد ہے کہ ہم دنیا کے آقاؤں جیسے نہیں ہیں۔ ہم مغلوب ہو جانے والے نہیں ہیں۔ تمہاری شرارت رحمت کے سامنے کوئی چیز نہیں بے کھٹکے مغفرت مانگو اور آگے کیسے لطف اور رحمت کا ارشاد ہے وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ عین خفگی کی تو حالت اور اس پر یہ رحمت اور آگے ارشاد ہے وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا کہ ہمارے بندے ایسے نہیں کہ اپنے کئے پر اصرار کریں اور اسی پر بس نہیں ہے اس پر انعام اور بدلہ بھی ہے فرماتے ہیں اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ بتلاؤ تو ایسا کوئی آقا اور مربی دیکھا بھی ہے کہ خطائیں کرو اور معافی مانگنے پر انعام ملے اگر اپنے باہمی معاملات میں غور کرو کہ ہم آپس میں ایسے وقت اپنے ماتحتوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہیں اور اس کے بعد حق تعالیٰ کے معاملات میں غور کرو تو خدا جانتا ہے کہ وجد آجاوے۔ غرض گناہ کے وقت میں بھی ذکر ہی کی تعلیم ہے پس ان آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح کارخانہ عالم میں اصلی مقصود جان ہے کہ سب بکھیڑے اسی کے واسطے ہیں اسی طرح آخرت کے کاموں میں اصل

شے ذکر ہے یہ تو مضمون ہے جو اس حدیث شریف کی شرح ہے میرا مقصود اس سے یہ ہے کہ ہم کو یہ چاہئے کہ اس کو ایک دلچسپ مضمون ہی نہ سمجھیں بلکہ ہر شخص کو چاہئے کہ ذکر کے لئے اپنا کوئی دستور العمل مقرر کرے میں تجربہ سے کہہ رہا ہوں کہ کیسی ہی بری حالت ہو کسی قدر رکاوٹ ہو اور کتنے ہی حجاب ہوں ذکر کی برکت سے سب دور ہو جاویں گے جب کبھی انقباض مبدل بانشراح ہوا ہے جب حجاب اور بعد قرب سے بدلا ہے وہ ذکر ہی کی بدولت ہوا ہے۔

شیطان کا جال

مولانا نے ایک حکایت لکھی ہے کہ دریا کے پاس ایک ناپاک کا گزر ہوا دریا نے کہا کہ میرے پاس آ جا میں تجھ کو پاک کر دوں اس نے کہا کہ میں ناپاک ہوں کیسے تجھ جیسے طہر مطہر کے پاس آؤں مجھ کو شرم آتی ہے دریا نے کہا کہ بچہ اگر شرم ہی شرم میں رہو گے تو تمام عمر اسی ناپاکی میں گزر جاوے گی اور جب کبھی پاک ہو گے مجھ ہی سے ہو گے یا میری کسی موج سے آ جاؤ ایک موج اٹھے گی اور سب ناپاکیوں کو دور کر دے گی مجھ سے شرم نہ کرو مجھ سے شرم کرو گے تو کہاں جاؤ گے کہیں ٹھکانا نہیں ہے

ہر چہ بینم درجہاں غیر تو نیست یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

(یعنی تمام عالم آپ کی صفات کا مظہر ہے ہر چیز کو آپ سے تعلق ہے غیر کا وجود بھی نہیں بلکہ ہر جگہ آپ کا ظہور ہے) پس حق تعالیٰ سے اگر حجاب کرو گے تو کہاں ٹھکانا ہے شیطان بہکاتا ہے کہ تمہاری ایسی ردی حالت ہے کہ تم اگر ذکر کرو گے تو کچھ نہ ہو گا اس کے جال میں نہ آؤ یہ ہمیشہ نئے نئے جال پھیلاتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

صد ہزاراں دام ودانہ است اے خدا ما چو مرغان حریص بے نوا

دمبدم پابستہ دام تو ایم گرہمہ شہباز سیمر شویم

مے رہائی ہر دمے مارا و باز سوئے دامے میرویم اے بے نیاز

(اے خدا لاکھوں جال اور دانے ہیں اور ہم لالچی بھوکے پرندوں کی طرح ہیں ہم ہر وقت ایک سے جال میں گرفتار ہیں اگر ہم شہباز اور سیمرغ بن جائیں تو ہمیں ہر وقت چھڑاتا ہے اور پھر ہم کسی جال کی طرف چل دیتے ہیں)

ذاکرین کو تو اس طرح روکتا ہے اور غیر ذاکر کو اس طرح روکتا ہے کہ ان کو ذکر ہی نہیں کرنے دیتا غرض شیطان کی بڑی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ذکر نہ کرے۔

ذکرلسانی میں نفع

اس کے علاج کے لئے مختصر سی بات یہ ہے کہ جب شیطانی خیال آوے فوراً اللہ اللہ زبان سے کہنا شروع کردے ذکراللہ سے شیطان بھاگتا ہے حدیث میں آیا ہے الشیطان جاثم علی قلب ابن آدم فاذا ذکراللہ خنس واذا غفل وسوس (مشکوۃ المصابیح ۲۲۸۱) (شیطان آدمی کے قلب پر چمٹا ہوا بیٹھا رہتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو وہ چلا جاتا ہے اور جب غافل ہو وسوسہ ڈالنے لگتا ہے) بعض مرتبہ شیطان یہ کہتا ہے کہ ذکرلسانی کوئی چیز نہیں ہے اصل ذکر تو قلب کا ہے اور قلب میں تمہارے گندگی بھری ہوئی ہے پھر زبانی ذکر سے کیا فائدہ ہے اور یہ شعر یاد دلاتا ہے۔

برزباں تسبیح و دردل گاؤخر ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

(زبان پر تسبیح اور دل میں گاؤخر ایسی تسبیح کب اثر رکھتی ہے)

یاد رکھو یہ سب شیطان کا جال ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ بندہ ذکر نہ کرے اور یہ شعر مولانا رومی کا مشہور ہے حالانکہ ان کا نہیں ہے یہ شعر بہاؤالدین عاملی کا ہے اور وہ ایک شیعی ہے مولانا اس کے مناقض مضمون فرماتے ہیں

از صفت و زنام چہ زاید خیال واں خیالش ہست ولال وصال

(یعنی خدا کا نام لیتے لیتے اول ایک خیال قائم ہوجاتا ہے پھر وہی خیال وصال کا وسیلہ بن جاتا ہے)

غرض یہ بالکل غلط ہے کہ ذکرلسانی کوئی شئے نہیں ممکن نہیں ہے کہ آدمی ذکر کرے اور قلب میں اس کا اثر نہ ہوا ثر ضرور ہوتا ہے گو محسوس نہ ہو کر کے تو دیکھو امتحان ہی کے طور پر کرو اس کا انتظار کرو کہ تقویٰ اور طہارت کے بعد ذکر کریں گے تقویٰ طہارۃ بھی اسی کی برکت سے حاصل ہو جاوے گا۔

اصلی کام

کہیں کا خیال نہ کرو بس ذکر شروع کردو اور اسی کو اصلی کام سمجھو دنیا کے کام کرو اور ساتھ ساتھ اللہ اللہ بھی کرتے رہو آدمی جس کام کو اصلی کام سمجھتا ہے تو اگر وہ دوسرے کام میں لگ جاتا ہے تو اس کو انتظار رہتا ہے کہ یہ کام ختم ہو جاوے تو میں اپنے اصلی کام میں لگوں بس یہی حال تمہارا ذکر کے ساتھ ہونا چاہئے اپنی زندگی کا سرمایہ ذکر کو سمجھو اور اگر کسی وقت بھول جاؤ تو بجائے اس کے کہ اس کا افسوس کرو ذکر میں مشغول ہو جاؤ۔ یہ بھی شیطان کا ایک جال ہے کہ افسوس و حسرت کے اندر

لگا دیتا ہے کچھ خیال نہ کرو بس جب یاد آوے فوراً ذکر میں مشغول ہو جاؤ اور نسیاں سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ تسبیح ہر وقت ہاتھ میں رکھو اس کی کچھ پرواہ نہ کرو کہ لوگ ریا کار کہیں گے تسبیح مذکر ہوتی ہے حضرت جنید بغدادی کے ہاتھ میں کسی نے تسبیح دیکھی تو پوچھا کہ حضرت اب تو آپ منتہی ہو گئے اب اس کی کیا ضرورت ہے فرمایا کہ اسی نے تو ہم کو خدا تک پہنچایا ہے ایسے رفیق کو ہم کیسے چھوڑ دیں بس تم بھی تسبیح بھانا شروع کر دو اور کچھ شرم نہ کرو ایسی ہی شرم کی نسبت کسی نے کہا ہے جس نے کی شرم اس کے پھوٹے کرم اگر ایسی ہی شرم ہمارے آباو اجداد کرتے تو آج ہم مسلمان نہ ہوتے انہوں نے شرم وحیاء کو بالائے طاق رکھ کر دین حق کو قبول کیا اور دین آبائی کو آگ لگا دی یہ حیا مذموم ہے ہم سب عاشق ہیں عاشق کو ننگ و نام سے کیا کام ہے

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما　　دے طبیب جملہ علت ہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما　　اے تو افلاطون جالینوس ما

اے عشق تو ایسا ہے کہ تیری بدولت خیالات درست ہو جاتے ہیں اور تجھ سے سب امراض کا علاج ہو جاتا ہے اے عشق تو ایسا ہے کہ تجھ سے نخوت و ناموس کا دفعیہ ہو جاتا ہے تو ہمارے لئے افلاطون اور جالینوس ہے۔

اور اگر خیر ایسے ہی شرم مانع ہے تو انگلیوں پر گن لیا کرو اور یہ بھی شان ہے تو زبان سے ہی اللہ اللہ کہا کرو اور طہارۃ کی بھی قید نہ رکھو وضو بے وضو پاک ناپاک ہر حالت میں اللہ اللہ کرو۔ ایک شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصنی قال لایزال لسانک رطبا من ذکر اللہ (سنن الترمذی ۳۳۷۵، مشکوۃ المصابیح ۲۲۷۹) یعنی عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ نصیحت فرمایئے فرمایا کہ تیری زبان ہمیشہ اللہ کی یاد کے ساتھ تر و تازہ رہے یہ جو مشہور ہے کہ درود شریف بغیر وضو نہ پڑھے غلط ہے کوئی قید نہیں دل لگنے کی بھی پرواہ نہ کرو دل لگے یا نہ لگے بس ذکر کئے جاؤ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کی یاد اتنی کرو کہ لوگ تم کو ریا کار کہنے لگیں۔ دیکھئے آپ تو ڈرتے تھے کہ لوگ ہم کو ریا کار کہیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی امر فرماتے ہیں معلوم ہوا کہ یہ تمہارا فرض منصبی ہے بس اللہ کا نام لے کر اللہ کا نام شروع کر دو دیکھو تو اس کے کیا کیا ثمرات تم کو ملتے ہیں آخرت میں تو جو کچھ ملے گا وہ تو وہاں مشاہدہ کرو گے دنیا ہی میں ان شاء اللہ وہ دولت ملے گی کہ جو نہ زبان سے

بیان کی جا سکتی ہے اور نہ قلم سے لکھی جا سکتی ہے بہت سہل بات ہے اس میں کچھ حرج بھی نہیں۔ میں پھر مقرر متوجہ کرتا ہوں کہ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے چندروز امتحاناً ہی کر دیکھو۔ دیکھو تو کہ گناہ کہاں ہیں اور رذائل کدھر گئے اور علاوہ اس کے دیکھو گے جو کچھ دیکھو گے یہ مطلب نہیں کہ انوار تم کو نظر آنے لگیں گے یا فرشتے تمہارے پاس آنے لگیں گے یہ تو کوئی شے نہیں بڑی دولت تو یہ ہے کہ تم خدا کے ہو جاؤ گے اور خدا تمہارا ہو جائے گا اور خدا تعالیٰ کے یہاں تمہارا ذکر ہوگا چنانچہ ارشاد ہے **من ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی ومن ذکرنی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منہ** (مسند احمد ۲، ۳۵۴) (جو شخص اپنے جی میں مجھے یاد کرتے ہیں میں اپنے جی میں اسے یاد کرتا ہوں اور جو شخص مجمع میں میرا ذکر کرتا ہے میں ایسے مجمع میں اس کا ذکر کرتا ہوں جو اس مجمع سے افضل ہوتا ہے) اور ارشاد ہے **من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذرا عا ومن تقرب الی ذرا عاتقربت الیہ باعا** (مسند احمد ۲، ۴۱۳، کنز العمال ۱۱۷۹) (جو شخص ایک بالشت میرا قرب اختیار کرے میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور جو شخص ایک ہاتھ میرا قرب اختیار کرے میں دونوں ہاتھ کے برابر اس کے قریب ہوتا ہوں) اور ارشاد ہے **انا جلیس من ذکرنی** (اتحاف السادۃ المتقین ۶، ۲۸۷) (جو میرا ذکر کرے میں اس کے ساتھ ہوں) ذکر سے قریب ہوگا تو قرب سے رحمت ہوگی کوئی بدحالی دنیوی یا دینی نہ رہے گی۔

ما ئیسم پر گناہ تو دریائے رحمتے جائیکہ فضل تست چہ باشد گناہ ماہ

(ہم گناہوں سے بھرپور ہیں اور تو دریائے رحمت ہے جس مقام پر آپ کا فضل ہے وہاں ہمارے گناہ کی حیثیت کیا ہیں)

ترکیب تحصیل خلوص واحسان

یہ ترکیب تحصیل خلوص واحسان کی حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے میرے دل میں القا فرمائی ہے اس میں نہ مجاہدہ ہے نہ ریاضت ہے نہ دنیا کے مشاغل چھوڑنے کی ضرورت بلکہ ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جن معاصی میں ابتلاء تم کو ہو رہا ہے ان کا بھی کچھ غم نہ کرو بس اس دستور العمل پر اللہ کا نام لے کر عمل شروع کر دو گو اس علاج سے دیر میں شفا ہوگی لیکن ہوگی ضرور اس معالجہ کی ایسی مثال ہے کہ کوئی شفیق طبیب جب دیکھتا ہے کہ مریض اپنی کم ہمتی یا افلاس یا مشاغل کی وجہ سے باقاعدہ میرے پاس رہ کر علاج نہیں کر سکتا تو وہ مقتضائے شفقت کوئی مختصر سی دوا ایسی تجویز کرتا

ہے کہ جس میں نہ پرہیز کی ضرورت ہو نہ تمام کام چھوڑ کر طبیب کے پاس رہنے کی حاجت ہو نہ کسی وقت کی قید نہ نبض و قارورہ دکھانے کی حاجت ہو اور کہہ دیتا ہے کہ اس کو ہمیشہ ہمیشہ کھاتے رہو ایک دن ایسا ہوگا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے اثر سے طبیعت غالب ہو کر مرض کو دفع کر دے گی تو ظاہر ہے کہ یہ صورت علاج کی سہل تو بہت ہے لیکن شفا بدیر ہوگی اور ایک وہ مریض ہے جس نے اپنے کو بالکل طبیب کے سپرد کر دیا اور دوا اور پرہیز کا باقاعدہ پابند ہے اور طبیب جو دوا خواہ وہ تلخ ہو یا شیریں تجویز کر دے وہ بخوشی اس کو پیتا ہے ایسے مریض کو ظاہر ہے کہ جلدی شفا حاصل ہوگی۔ تو آپ کو باقاعدہ معالجہ کرنے اور ناگوار نضج و مسہل پینے کی اگر فرصت و ہمت نہ ہو تو یہ مختصر سی پڑیہ سستا نسخہ میں نے تم کو بتلا دی ہے اسی کو استعمال کرو اور اگر اس سہل نسخہ کو بھی استعمال نہ کیا تو ظاہر ہے کیا ہوگا کہ مرض غالب ہوگی طبیعت مغلوب ہو جاوے گی اور آخر ایک دن ہلاکت کا دن سامنے آ جائے گا اور امراض جسمانیہ میں تو ہلاکت جسمانی ہی ہوگی اور امراض روحانیہ میں ہلاکت اور خسران ابدی ہوگا۔ صاحبو میں پھر مکرر سہ کرر کہتا ہوں کہ اس سستے نسخہ کو ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دو اور ہر وقت اللہ اللہ کرنا شروع کر دو۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی شاید کہ نگاہے کندو آگاہ نباشی

اس شہنشاہ حقیقی سے پلک جھپکنے کی دیر بھی غافل نہ ہو شاید کہ وہ نگاہ فرمائیں اور تمہیں اس کی خبر نہ ہو۔

ہمت بڑھانے کا گر

اور ہمت بڑھانے کے لئے اہل اللہ کی خدمت میں بیٹھا کرو ان کی صحبت سے ہمت بڑھے گی اور ذکر کی توفیق ہوگی ایک لطیفہ یاد آیا وہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے انا جلیس من ذکرنی (اتحاف السادۃ المتقین ۶‘۲۸۷) دوسرا مقدمہ اس کے ساتھ یہ ملاؤ۔

یک زمانے صحبت با اولیائے بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(اولیاء کی تھوڑی صحبت سو سال کی پر خلوص عبادت سے بہتر ہے)

خلاصہ وعظ

پس تم جب اہل ذکر کی صحبت میں رہو گے تو تم بھی جلیس و ہمنشین خدا تعالیٰ کے ہو گے میرے قلب میں بار بار اس مضمون کا تقاضا ہوتا ہے اس لئے بار بار کہتا ہوں کہ اس سہل الوصول دستور العمل سے غفلت نہ کریں اور ابھی سے عمل شروع کر دیں اب میں حق تعالیٰ پر توکل

کر کے اس کو ختم کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ سامعین اس کو سرسری نہ سمجھیں اور مولانا کے دو شعر پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

اندریں رہ می تراش وی خراش تادم آخر دمے فارغ مباش

تادم آخر دمے آخر بود کہ عنایت باتو صاحب سر بود

(اس راہ سلوک میں ادھیڑ بن میں لگے رہو یعنی خوب کوشش کرو آخر دم تک بے کار نہ رہو آخری وقت تو کوئی گھڑی ایسی ضرور ہوگی جس میں عنایات ربانی تمہارا ہمراز اور رفیق بن جائے گا۔

اب اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ توفیق عطا فرماویں آمین۔

درجات الاسلام

اسلام کے درجات کے متعلق جامع مسجد صدر بازار میرٹھ میں ۱۰ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ اتوار کے دن ڈیڑھ گھنٹہ بیان فرمایا جسے مولانا ظفر احمد تھانوی نے قلمبند فرمایا سامعین کی تعداد ۳۵۰۰ تھی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُوْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَ شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ.

اَمَّابَعْدُ: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوشک ان یاتی علی الناس زمان لایبقے من الاسلام الااسمہ ولا یبقے من القرآن الا رسمہ مساجد ھم عامرۃ وھی خراب علماء ھم شرمن تحت ادیم السماء تبدامنھم الفتنۃ و فیھم عود. (مشکوۃ المصابیح ۲۷۶، کنز العمال ۳۱۱۳۶) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ہے کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ لوگوں میں اسلام کا نام ہی رہ جائے گا اور قرآن سے کچھ نہ رہے گا مگر رسم یعنی نقش ان کی مسجدیں بظاہر آباد ہوں گی لیکن حقیقت میں خراب ہوں گی ان کے علماء آسمان سے نیچے کی مخلوق میں سب سے بدتر ہوں گے ان ہی سے دین میں فتنہ برپا ہوگا اور ان ہی میں لوٹ آئے گا)

ہمارا مقصود صرف اسلام ہے

حدیث میں جس عبارت کی میں نے اس وقت تلاوت کی ہے یہ ایک حدیث ہے یعنی ارشاد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (فداہ اباء نا وامھا تنا) آپ پر ہمارے باپ مائیں قربان ہوں اس میں حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم انفسی وروحی فداہ (میری جان اور روح آپ پر فدا ہو) نے اسلام کے درجات کے تفاوت کی طرف اشارہ فرمایا ہے بلکہ اشارہ کیا ہے قریب صراحت کے ہے چنانچہ عنقریب واضح ہو جائے گا۔ اسی سے سامعین کو اس مضمون کی ضرورت

معلوم ہوگئی ہوگی کیونکہ اسلام سے بڑھ کر مسلمانوں کا کوئی مقصود نہیں ہمارا مقصود صرف اسلام ہے اور ہمارے تمام مقاصد باوجود متفرق و منتشر ہونے کے سب اسی ایک لفظ میں مدمج ہیں یعنی لفظ اسلام میں ہمارا کوئی مقصود بھی اس سے خارج نہیں اس میں ہمارے افعال بھی آ گئے اور اقوال بھی اور احوال بھی تمام شعبے اسی امر واحد کی طرف راجع ہیں مسلمانوں کی کوئی حالت کوئی قول وفعل اس سے خارج نہیں مقاصد حقیقیہ باسرہا (تمام کی تمام) اسی ایک چیز میں منحصر ہیں یعنی اسلام۔

مقاصد کی دو قسمیں

مقاصد میں حقیقیہ کی قید میں نے اس لئے لگائی کہ مقاصد کی دو قسمیں ہیں۔ بعض مقاصد حقیقیہ ہیں اور بعض غیر حقیقیہ تمام مقاصد کا ایک درجہ نہیں ہوتا بلکہ بعض دفعہ ایک مقصود دوسرے سے راجح اور مقدم ہوتا ہے پس دنیوی امور جو مسلمانوں کے مقاصد میں داخل ہیں وہ مقاصد غیر حقیقیہ ہیں اگر دنیوی امور کا اسلام کی طرف راجع ہونا کسی کے نزدیک مخفی ہو تو ممکن ہے لیکن اس میں تو کچھ شک نہیں کہ مقاصد حقیقیہ سب اسی کی طرف راجع ہیں اور دنیوی امور مقاصد غیر حقیقیہ ہیں اگر وہ راجع نہ ہوں نہ سہی اس لئے میں نے حقیقیہ کی قید لگا دی لیکن غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دنیوی مقاصد بھی اسلام ہی کی طرف راجع ہیں وہ بھی اس سے جدا نہیں ہو سکتے مثلاً ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور اس وقت ایک اندھا آدمی کنویں پر آ رہا ہے کہ اگر اس کو بچایا نہ جائے تو کنویں میں گر جانے کا اندیشہ ہے اس وقت واجب بلکہ فرض ہے کہ نماز کو توڑ دے گو وہ نماز فرض ہی ہو اور اس اندھے کو بچائے یہاں ظاہر بیں کو شبہ ہو سکتا ہے کہ اس میں دنیا کو دین پر مقدم کرنا لازم آتا ہے کیونکہ نماز دین کا کام ہے اور جان کا بچانا دنیوی کام ہے مگر واقع میں یہاں دنیا کی تقدیم دین پر نہیں گو ظاہر ہے کہ شبہ ہوتا ہے بلکہ ایک امر دین کی تقدیم ہے دوسرے امر دین پر کیونکہ حفاظت جان مسلم یہ بھی دین ہے گو ظاہر میں اس کے لئے تو دنیا ہے مگر ہمارے لئے یہ دین ہی کا کام ہے اگر حفاظت جان مسلم ہمارے لئے دنیا کا کام ہوتا تو یہ حفاظت اسی جگہ واجب ہوتی جہاں ہماری دنیا کا نفع ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اس حکم میں نہ قرابت کی قید ہے نہ دوستی کی بلکہ ہر مسلمان کی جان بچانا فرض ہے خواہ وہ عزیز ہو یا اجنبی دوست ہو یا نہ ہو حتیٰ کہ دشمن کی جان کا بچانا واجب ہے اور ظاہر ہے کہ دشمن کی حفاظت تو دنیا ہو ہی نہیں سکتی بلکہ یہ تو دنیا کے لئے مضر ہے کیونکہ اگر دشمن ہلاکت سے بچ گیا تو ساری عمر کے لئے ایک مشغلہ رہے گا مگر شریعت کا حکم ہے کہ اگر تمہارا کوئی دشمن بھی کنویں

میں گرتا ہو یا کوئی شخص اس کو ناحق قتل کرتا ہو تو اس کا بچانا حسب وسعت واجب ہے اس جگہ اس کی جان کی حفاظت مسلم ہونے کے لحاظ سے واجب ہے اور یہ دین ہے اور تعمق کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کے لئے اپنی جان کی حفاظت دین میں داخل ہے گو ظاہر میں یہ دنیا کا کام معلوم ہوتا ہے کیونکہ جان ہماری نہیں ہے یہ خدا کی امانت ہے اس کو حکم الٰہی کے موافق خرچ کرنا چاہئے اگر کسی جگہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا شرعاً جائز نہ ہو تو وہاں جان کی حفاظت شرعاً واجب ہے اور یہ دین کا کام ہے مگر چونکہ ان امور کا دین ہونا اکثر لوگوں پر مخفی ہے اس لئے میں نے تقریب الی الفہم (سمجھ کے قریب کرنے) کی غرض سے مقاصد میں حقیقیہ کی قید لگا دی تھی ورنہ درحقیقت ہمارے سب مقاصد خواہ حقیقی ہوں یا غیر حقیقی سب کے سب اسلام کی طرف راجع ہیں سب کام کا مرجع اسلام ہی ہے۔

معاملات ومعاشرت اور سیاسیات دین کا حصہ ہیں

پس ہمارا سب کا ایک ہی مقصود ہے یعنی اسلام اور وہ مشتمل ہے تمام مقاصد حقیقیہ وغیر حقیقیہ کو اس میں نماز روزہ حج زکوٰۃ بھی آ گئے اور کھانے پینے کے احکام متعلق آمدنی بھی آ گئے۔ اسی طرح تمام معاملات و معاشرات و سیاسیات بھی اس میں داخل ہیں گو لوگوں نے ان کو اسلام سے خارج سمجھ رکھا ہے۔ آج کل صرف چند عبادات کو اسلام میں داخل سمجھا جاتا ہے۔ نماز روزہ ہی میں لوگوں نے دین کو منحصر کر لیا ہے۔ بس اگر نماز پڑھ لیں تو دیندار ہیں اور اگر تہجد بھی پڑھنے لگیں تو جنید ہیں اور اگر زکوٰۃ بھی دینے لگیں پھر تو ان کی دینداری میں کچھ کسر ہی نہیں اور اگر حج بھی کر لیا تو گویا رجسٹری ہو گئی گو معاملات کیسے ہی خراب اور گندے ہوں اگر معاملات و معاشرات کو بھی دین میں داخل سمجھا جاتا تو فقط نماز روزہ کر لینے سے ہم اپنے کو دیندار نہ سمجھتے کیونکہ ابھی بعض اجزاء دین کے ہم سے فوت ہو رہے ہیں۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ تہجد پڑھ لینے کے بعد اپنے کو دیندار سمجھنے لگتے ہیں۔ نیز کسی قدر وضع کی درستی کو بھی دین میں داخل سمجھتے ہیں کہ ثقہ وضع ہو چوغہ اور پائجامہ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو لباس ریشمی نہ ہو ڈاڑھی منڈی ہوئی یا کتری ہوئی نہ ہو تشبہ بالکفار نہ ہو اگر ایسی وضع ہو گئی تو بس ان کی دینداری میں کچھ کسر نہیں رہی بڑے پکے دیندار ہو گئے پھر دوسروں کو اگر ہماری وضع دیکھ کر دینداری کا گمان ہو تو کچھ تعجب نہیں مگر غضب تو یہ ہے کہ ہم خود بھی اپنے کو ایسا ہی سمجھنے لگتے ہیں۔

ہر شخص کو اپنی حالت کا علم ہے

حالانکہ ہم کو معلوم ہے کہ معاملات وغیرہ میں ہماری کیا حالت ہے بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی

نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ (بلکہ انسان خود اپنی حالت پر مطلع ہے گو اپنے حیلے پیش لائے) انسان اپنی اصلی حالت کو خوب جانتا ہے گو وہ کیسے ہی بہانے بنائے وہ بہانے کیا ہیں وہ بہانے یہ ہیں کہ بعض دفعہ انسان کو اپنی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ خوب جانتا ہے کہ میں بہت سے کام شریعت کے خلاف کرتا ہوں مگر اس کی وضع اور نماز روزہ کی وجہ سے لوگ اس کے معتقد ہیں تو اس سے وہ خود بھی دھوکہ میں آ جاتا ہے اور اپنے نفس کا معتقد ہو جاتا ہے کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ اتنے آدمی مجھے دیندار سمجھتے ہیں گویا میری دینداری پر اجماع ہو چکا ہے اور اتنے آدمیوں کا اجماع غلط نہیں ہوسکتا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اجماع کہاں ہوا ہے ابھی ایک مسلمان کا اختلاف باقی ہے اور وہ اختلاف ایسے شخص کا ہے جس کا اختلاف اس اجماع میں قادح ہے وہ مسلمان کون ہے وہ خود تم ہو۔ کیونکہ تمہارا دل تو جانتا ہے کہ تم دیندار نہیں ہو پھر یہ اجماع کیونکر حجت ہو سکتا ہے تم جانتے ہو کہ میں نے بلوغ کے بعد بہت سی نمازیں قضا کی ہیں، جن کو ابھی تک ادا نہیں کیا نہ ادا کی فکر ہے۔ دوسروں کو اس حالت کا علم نہیں اس لئے وہ تم کو دیندار خیال کرتے ہیں مگر تم کو تو اپنی حالت معلوم ہے کہ میں ایک گناہ میں مبتلا ہوں نیز تم حج میں بلا وجہ تاخیر کر رہے ہو تمہارے ذمہ کسی کا قرض آتا ہے جس کو ٹال رہے ہو پھر تم اپنے کو دیندار کیونکر سمجھتے ہو۔ یہ ہے وہ بہانہ جو منجملہ دوسرے بہانوں کے اکثر لوگوں کو گمراہ کئے ہوئے ہے کہ وہ محض دوسروں کے اعتقاد کی بنا پر اپنے معتقد ہو رہے ہیں حالانکہ ہر ایک کو اپنی حقیقت معلوم ہے اور وہ جانتا ہے کہ مجھ میں بہت سی باتیں دینداری کے خلاف موجود ہیں تو یہ دینداری کیا ہوئی نوتہ ہوا کہ تم اس کو دیندار سمجھتے ہو وہ تم کو دیندار سمجھتا ہے تم اس کو نوتہ دے رہے ہو وہ تم کو نوتہ دے رہا ہے یہ تو وہی حکایت ہوئی کہ گھر سے آیا ہے معتبر نائی ایک شخص کی حکایت ہے کہ وہ پردیس میں تھا اور بال بچے گھر پر تھے ایک دن اس کی بیوی نے غسل کیا تھا اس لئے نتھ اتار کر رکھ دی تھی اس حالت میں گھر کی نائن آئی اس نے جو دیکھا کہ بیوی جی کے ناک میں نتھ نہیں تو وہ یہ سمجھی کہ شاید یہ رانڈ ہوگئی ہے۔ اس لئے نتھ اتار دی ہے وہ الٹے پاؤں اپنے گھر گئی اور نائی سے جا کر کہا کہ تو بے فکر کیا بیٹھا ہے جلدی سے جا کر اپنے ججمان کو اطلاع کر دے کہ آپ کی بیوی رانڈ ہوگئی کیونکہ آج میں نے اس کو نتھ اتارے ہوئے بیٹھا دیکھا ہے اور اس حالت میں بیوہ ہی رہا کرتی ہے۔ وہ نائی بھی بیوی کی طرح بیوقوف تھا دوڑا اپنے آقا کے پاس پہنچا بہت دور جگہ تھی کئی دن میں راستہ طے ہوا۔ میاں نے پوچھا کہاں سے آ رہا ہے نائی نے کہا حضور کے گھر سے آ رہا

ہوں پوچھا ہمارے گھر خیریت تھی کہا حضور اور تو سب خیریت ہے مگر آپ کی بیوی بیوہ ہوگئی۔ آقا صاحب دونوں سے بڑھ کر احمق تھے یہ سن کر لگے رونے اور اسی وقت غمی کا سامان ہونے لگا۔ دوست احباب کو جو اطلاع ہوئی تو یہ سمجھے کہ شاید گھر سے کوئی خبر ایسی ویسی آئی ہوگی تعزیت کے لئے مجتمع ہوگئے جب مجمع اکٹھا ہوگیا تو کسی نے دریافت کیا کہ گھر سے کوئی اطلاع آئی ہے کہنے لگے کہ ہائے میری بیوی رانڈ ہوگئی۔ اب تو لوگ بڑے حیران ہوئے کہ یہ خبر کیسی جب بیوی کا شوہر یہ صحیح سلامت ہے تو پھر وہ بیوہ کیونکر ہوئی دوستوں نے کہا میاں تم بڑے بے وقوف ہو جب تم صحیح سلامت بیٹھے ہو تو تمہاری بیوی رانڈ کہاں ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ تو میں بھی جانتا ہوں لیکن گھر سے جو نائی خبر لایا ہے نہایت معتبر ہے اس لئے یہ خبر غلط نہیں ہوسکتی گو میں جانتا ہوں کہ میرے ہوتے ہوئے وہ بیوہ نہیں ہوسکتی۔ اس حکایت پر تو سب ہنستے ہیں مگر صاحبو! اس حماقت میں ہم سب مبتلا ہیں کہ باوجودیکہ اپنی دینداری کی حالت ہم کو معلوم ہے لیکن محض دوسروں کے اعتقاد کی وجہ سے ہم اپنے معتقد ہو رہے ہیں۔ اس شخص نے جو باوجود اپنے زندہ ہونے کے اپنی بیوی کو بیوہ مان لیا اس میں کیا تاویل ہوسکتی ہے سوا اس کے کہ بیوہ کے معنے بدل دیئے جائیں کہ ایک قسم بیوہ کی وہ ہے جس کا شوہر مر جائے اور ایک قسم وہ ہے جو نتھ بالی اتار دے مگر یہ خاص نو ایجاد اصطلاح ہوگئی۔ **ولا مشاحة فی الاصطلاح** (اصطلاح مقرر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں) سو ہم آپ کی اصطلاح میں مزاحمت نہیں کرتے ممکن ہے کہ آپ کے نزدیک دینداری کی بھی دو قسمیں ہوں ایک حقیقی دیندار دوسرا وہ جس کو لوگ دیندار سمجھیں۔ اس نئی اصطلاح کے موافق آپ دیندار کیا شیخ بھی بن سکتے ہیں مگر اس حالت میں آپ ویسے ہی شیخ ہوں گے جیسے سب کا گرو شیخ نجدی ہے یعنی شیطان۔

دین کی حقیقت

غرض ہماری حالت یہ ہے کہ ہم دین کی حقیقت کو نہیں سمجھتے اس لئے محض نماز روزہ کر کے اپنے کو دیندار سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ معاملات و معاشرات وغیرہ بھی سب دین ہیں حتیٰ کہ پیشاب و پاخانہ کرنا اور ان سے فراغت کرنا بھی دین ہے گو ظاہر میں راحت نفس ہے مگر ان کاموں میں اگر نیت درست رکھی جائے تو سب دین کے کام ہیں مثلاً پیشاب و پاخانہ اس نیت سے کرو کہ اس سے فارغ ہو کر طبیعت ہلکی ہوگی اور تندرستی قائم رہے گی تو نماز وغیرہ میں دل لگے گا اس نیت سے یہ کام بھی باعث ثواب ہوں گے۔ حدیث میں ہے **لا یصلے احدکم وھو یدافعہ الاخبثان** (کنز العمال

۴۳۰۰۷، موارد الظمآن ۱۹۵) یعنی ایسی حالت میں نماز نہ پڑھو کہ تم کو بول و براز کا تقاضا ہو۔ اب دیکھئے اس وقت نماز پڑھنا حرام اور پیشاب و پاخانہ سے فراغت کرنا واجب ہے اور یہ شخص دنیا کے کام میں نہیں بلکہ دین کے کام میں ہے کیونکہ اس حالت میں یہ حکم شرعی کا امتثال کر رہا ہے پس دین کی حقیقت امتثال امر ہے۔ جس وقت جس کام کا شریعت امر کرے اس وقت وہی دین ہے فقط نماز روزہ ہی دین نہیں بلکہ نماز وغیرہ بھی اسی وقت تک دین کے کام ہیں جبکہ امر کے موافق ہوں اگر امتثال امر نہ ہو تو یہ بھی دین میں داخل نہیں۔ مثلاً نماز خلاف امر ہو جیسے طلوع یا غروب کے وقت پڑھی جائے تو بجائے ثواب کے گناہ ہوگا روزہ کیسی اچھی عبادت ہے مگر خلاف امر ہو تو وہ بھی دین کا کام نہیں۔ مثلاً کوئی شخص عید کے دن روزہ رکھے اور تمام دن غیبت بھی نہ کرے ذکر شغل ہی میں مشغول رہے اور تمام آداب صیام کی رعایت کرے مگر شام کو یہ شخص مردود ہے کیونکہ اس دن روزہ رکھنا خلاف امر ہے۔ ایسے ہی کوئی شخص حج کرے مگر ذی الحجہ کی نویں تاریخ کے بجائے دسویں کو وقوف عرفہ کرے تو اس کا حج مردود ہے کیونکہ اس نے خلاف امر کیا۔ پس معلوم ہوا کہ دین کی حقیقت امتثال امر ہے۔

ایک عجیب تفسیری نکتہ

چنانچہ حضرت حاجی صاحب نے آیت وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ میں یہی نکتہ بیان فرمایا تھا کیونکہ ظاہر میں اس آیت پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے جن و انس کو عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے حالانکہ دوسری آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کے علاوہ بھی تمام مخلوق عبادت میں مشغول ہے چنانچہ ارشاد ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ (کیا تم کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ کے سامنے سب عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی بھی) اس سے معلوم ہوا کہ پہاڑ اور درخت اور تمام جانور عبادت کرتے ہیں اور ان میں کوئی قید بھی نہیں لگائی اور انسان کے لئے کثیر من الناس (بہت سے آدمی) کی قید بھی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ انسان تو سب کے سب عبادت نہیں کرتے اور درخت اور جانور وغیرہ کو بلا قید بیان فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ سب کے سب عبادت میں مشغول ہیں تو وصف عبادت میں بظاہر دوسری مخلوق انسان و جن سے بڑھی ہوئی ہیں پھر بھی پہلی آیت میں عبادت کو انسان و جن کے لئے تخصیص کے ساتھ بیان فرمایا ہے ان کو محض

عبادت ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس اشکال کا جواب حضرت حاجی صاحب کی ایک تحقیق سے معلوم ہوا۔ حاجی صاحب نے بطور نکتہ کے فرمایا تھا کہ عبادت کا مادہ عبد ہے جس کے معنی غلام اور اس لفظ میں غایت ذلت کا اظہار ہے چنانچہ لغۃ عبادت کے یہی معنی ہیں اسی عبادت کا درجہ حق تعالیٰ کے لئے خاص ہے غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں حق تعالیٰ کو عبادت بہت پسند ہے۔ حتیٰ کہ تسمیہ میں بھی اس کی رعایت کو حدیث میں مستحب کیا گیا ہے حدیث میں ہے **احب الاسماء الی اللہ عبداللہ و عبدالرحمن** (سنن الدارمی ۲۹۴:۲، سنن ابی داؤد ۴۹۴۹) حق تعالیٰ کو سب ناموں سے زیادہ محبوب عبداللہ و عبدالرحمٰن ہیں جن کے لفظوں ہی سے بندگی اور غلامی کا اظہار ہے۔ عورتوں کو اگر شبہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے وہ نام نہ بتلائے جو حق تعالیٰ کو پسند ہوں تا کہ ہم بھی وہی نام رکھا کریں تو یاد رکھو کہ اس حدیث میں عورتوں کے لئے بھی نام موجود ہیں۔ عبد کا مونث امۃ اللہ و امۃ الرحمٰن نام رکھنا چاہئے۔ اس کے معنی ہیں خدا کی بندی جیسے عبداللہ کے معنے ہیں خدا کا بندہ اور ہر چند کہ حق تعالیٰ کے نام بہت ہیں مگر حدیث میں عبد کی اضافت اللہ اور رحمٰن کی طرف خصوصیت سے اس لئے کی گئی ہے کہ ان دو ناموں میں ایک خاص ترجیح ہے وہ یہ کہ اللہ اسم علم ہے باقی تمام نام اور صفات میں رحمٰن کو یہ ترجیح ہے کہ اس میں مبالغہ زیادہ ہے اس لئے لغۃ رحمٰن کا اطلاق غیر خدا پر نہیں کیا جاتا تو گو حقیقت میں یہ بھی اسم صفت ہے مگر غلبہ استعمال کی وجہ سے اسم علم کے مشابہ ہے باقی مسیلمہ کذاب کا اپنے کو رحمٰن سے موسوم کرنا یہ محض اس کی شرارت تھی ورنہ لغۃ اس لفظ کا خدا تعالیٰ کے ساتھ مختص ہونا اسے بھی معلوم تھا مگر جس طرح فرعون اپنے کو الٰہ کہتا تھا بہر حال ان دو ناموں کے اندر دوسرے ناموں سے ایک خاص وجہ ترجیح ہے لیکن اگر حق تعالیٰ کے دوسرے ناموں کی طرف عبد یا امۃ کو مضاف کر کے نام رکھا جائے تو وہ بھی نفس فضیلت میں انہی دونوں کے مثل ہوں گے (گو کسی قدر تفاوت سہی) پس اگر نام رکھنے میں اس کی رعایت کی جایا کرے تو اچھا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ناموں کی طرف عبد یا امۃ کو مضاف کر کے نام رکھا جائے مگر آج لوگ ان ناموں کو بہت کم اختیار کرتے ہیں دوسرے امور کی رعایت کو مقدم سمجھتے ہیں مثلاً قافیہ وغیرہ کی ایک صاحب کی عادت تھی کہ وہ اپنی اولاد کے نام اس وزن پر رکھتے تھے۔ **بسم اللہ، الحمد اللہ، قل ھو اللہ** وغیرہ ایک ظریف نے کہا کہ اب کے بچہ پیدا ہو تو اس کا نام ناقۃ اللہ بیت اللہ رکھ دینا وہ بڑے بگڑے کہ یہ بھی کوئی نام ہے کہنے لگے صاحب قرآن میں موجود ہیں اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی۔

عورتوں کی ایک عجیب عادت

اور عورتوں کی تو عجیب عادت ہے ان کے یہاں قافیہ وغیرہ کے علاوہ ناموں میں ایک بات بھی دیکھی جاتی ہے کہ نام زبان پر چلنے والا ہو رواں ہو وہ ایک نام کو مکرر سہ کرر چند مرتبہ کہہ کر دیکھتی ہیں کہ یہ نام رواں بھی ہے یا نہیں اگر ان کی زبان پر بے تکلف رواں ہو گیا تو اچھا ہے ورنہ برا۔ ہمارے وطن میں ایک بی بی ہیں ان کی لڑکیوں کے نام لمۃ المنان کے قافیہ پر ہیں جب اس قافیہ کے بہت سے نام ہو گئے اور پھر ایک لڑکی پیدا ہوئی تو مجھ سے کہا گیا کہ اس کا نام رکھو میں نے کہا کہ اس قافیہ پر صرف دو نام رہ گئے ہیں اور وہ دونوں عورتوں ہی کی صفت میں کہے گئے ہیں ایک وصف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے اور ایک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو شیطان کہا ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ریحان فرمایا ہے۔ تو اب اس بچی کا نام ریحان رکھ دو یا شیطان رکھ دو۔ شیطان تو بھلا کون رکھتا اس کا ریحان ہی رکھا گیا اور واقعی لفظی و معنوی دونوں حیثیتوں سے یہ نام بہت ہی موزوں ہے مگر باوجود ان تمام خوبیوں کے ایک بڑی بی اس نام کو چند مرتبہ مکرر کہہ کر کیا فرماتی ہیں کہ یہ کیا نام رکھا ریاں ریاں میں نے کہا سبحان اللہ تم نے اس نام کی اچھی گت بنائی اور یہ جو میں نے کہا تھا کہ یہ نام حضرت فاطمہ کے کلام میں ہے اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہنسی کے طور پر عورتوں کی مذمت میں ایک شعر حضرت فاطمہ کے سامنے پڑھا۔

ان النساء شیاطین خلقن لنا نعوذ باللہ من شر الشیاطین

(عورتیں شیاطین ہیں جو ہمارے لئے پیدا کی گئی ہیں ہم شیاطین کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں) تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس کے جواب میں فرمایا۔

ان النساء ریاحین خلقن لکم وکلکم یشتھی شم الریاحین

(عورتیں پھول ہیں جو تمہارے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ ہر ایک تم سے پھول سونگھنے کی خواہش رکھتا ہے)

ناموں کی دو قسمیں

عورتوں میں ناموں کے متعلق ایک اور بات دیکھی جاتی ہے کہ یہ نام کچا ہے یا پکا۔ جیسے ترکاریاں بعضی کچی بعضی پکی ہوتی ہیں ایسے ہی عورتوں کے یہاں ناموں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ نہ معلوم ناموں کا کچا پکا ہونا انہیں کیسے معلوم ہوتا ہے یہ عورتوں کے خاص علوم ہیں جو مردوں کو بھی معلوم نہیں

چنانچہ عبداللہ اور عبدالرحمٰن کی نسبت کہا کرتی ہیں کہ یہ پکا پکا نام ہے جیسے بڈھوں کا نام ہوتا ہے تو پکا نام ان کے نزدیک وہ ہے جو بوڑھاپے کے مناسب ہو اور کچا نام وہ ہے جو بچپن کے مناسب ہو باقی اس کی پہچان کہ کونسا نام بچپن میں پھبتا ہے اور کونسا بڑھاپے میں یہ عورتوں ہی کو حاصل ہے صاحب مردوں کی فہم اس سے قاصر ہے مگر میں کہتا ہوں کہ اچھا ہم نے مانا کہ عبداللہ نام پکا ہے تو عورتوں کو پھر بھی یہ نام اپنی اولاد کا ضرور رکھنا چاہئے کیونکہ اس میں فال نیک ہے کہ بچہ بڈھا ہوگا پس یہ تو اور وجہ اولویت ہوگئی نہ کہ وجہ انکار۔ کیونکہ عورتیں تو ایسے فال شگون کی بہت معتقد ہوتی ہیں تو وہ اس نام کو فال نیک ہی سمجھ کر اختیار کرلیا کریں۔ خیر یہ گفتگو تو بیچ میں ناموں کے متعلق بطور جملہ معترضہ کے آ گئی تھی میں یہ کہہ رہا تھا کہ عبادت کا مادہ عبد ہے جس سے معلوم ہوا کہ انسان عبدیت کے لئے پیدا ہوا ہے اور عبدیت خدا کو پسند ہے جس کی دلیل میں نے ابھی بیان کی ہے۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔

انسان اور دوسری مخلوقات کی اطاعت میں فرق

اب دیکھنا یہ ہے کہ دوسری مخلوقات کی اطاعت کس قسم کی ہے سو انسان کی اطاعت اور دوسری مخلوقات کی اطاعت میں بڑا فرق ہے۔ اس کو پہلے اپنے خادموں کے اندر دیکھ لو۔ ہمارے یہاں دو قسم کے خادم ہوتے ہیں ایک تو نوکر ہوتا ہے اور ایک غلام۔ نوکر کی خدمات اکثر متعین ہوا کرتی ہیں گو اس سے مختلف قسم کے کام لئے جائیں مگر پھر بھی باوجود عموم کے اس میں کچھ مستثنیات بھی ہوا کرتے ہیں مثلاً جو نوکر آپ کی ڈیوڑھی کا ملازم ہے آپ اس سے گھر کے کام جتنے چاہیں لے لیں مگر اس سے پاخانہ نہیں اٹھوا سکتے وہ اس کام سے انکار کر دیتا ہے کیونکہ اس کی خدمتیں متعین ہیں جن میں یہ خدمت داخل نہیں اس کو اس سے انکار کا حق ہے اور غلام کی خدمتیں معین نہیں ہوتی اس سے ہر قسم کا ذلیل و خسیس اور نفیس و شریف (جائز) کام لیا جا سکتا ہے اس کو کسی خدمت سے انکار کا حق نہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آقا کو کسی مجلس یا محفل میں جانا ہے مگر خود کسی وجہ سے نہیں جا سکتا تو سلاطین و امراء کے قصص سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ایسے مواقع میں اپنے غلام کو اپنا لباس پہنا کر بھیج دیا۔ اس وقت وہ غلام شاہی منصب کے فرائض انجام دیتا تھا کیونکہ اس وقت وہ بادشاہ کا نائب بنا ہوا ہے اور کبھی آقا بیمار ہے غلام اس کی تیمار داری کرتا اور بعض دفعہ اس کا پاخانہ تک اٹھاتا ہے۔ غرض غلام کے لئے کوئی خاص خدمت متعین نہیں یہی حالت انسان و دیگر انواع خلق کی ہے کہ تمام مخلوق کے متعلق خاص خاص عبادات ہیں

مگر انسان کے لئے کوئی عبادت خاص نہیں (انسان سے مراد مجموعہ انس و جن ہے یعنی مکلفین) مثلاً ملائکہ میں بعض کے لئے عبادت رکوع معین ہے وہ رکوع ہی میں رہتے ہیں بعض کے لئے عبادت سجود متعین ہے وہ ہر وقت سجدہ ہی میں رہتے ہیں)

(یہاں سے ان لوگوں کو سبق لینا چاہئے۔ جو اسلام کے مسئلہ غلامی پر اعتراض کرتے ہیں بھلا جس غلامی کے یہ آثار ہوں کہ آقا اور غلام میں کامل اتحاد پیدا ہو جاوے اس کو خلاف عدل کون کہہ سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب دشمن کی فوج کے ہزاروں لاکھوں آدمی معرکہ قتال میں اسیر و قید ہو کر آئیں تو ان کے متعلق بہتر سلوک کی صورت کیا ہے۔ اگر ان کو فوراً رہا کر دیا جائے تو یہ صورت جس قدر ضرر رساں ہے ظاہر ہے کہ جس دشمن کی کثیر تعداد کو مصیبت کے ساتھ گرفتار کیا تھا اس کو پھر اپنے مقابلہ کے لئے رہا کر دیا اور اگر ان کو قید کیا جاوے تو اس میں جو قباحت ہے ظاہر ہے۔ قید کو قیدی رکھ کر خواہ کتنی ہی راحت دی جائے اس کے دل سے عداوت نہیں نکل سکتی۔ دوسرے قیدیوں پر جتنا روپیہ صرف ہوتا ہے اس کا اندازہ ہر سلطنت کر سکتی ہے تو دشمنوں کے اوپر اتنی کثیر رقم صرف کرنا جس سے نتیجہ کچھ بھی حاصل نہیں کیونکہ وہ دشمن کے دشمن ہی رہتے ہیں۔ محض حماقت ہے پھر قید کے اندر اسیروں کو ہر قسم کی علمی اور تمدنی ترقی سے روکنا ظاہر ہے کہ قید میں رہ کر کوئی شخص علمی ترقی نہیں کر سکتا اس کی تمام قوائے فکریہ معطل پڑی رہتی ہیں اس لئے اسیروں کو قید رکھنا بھی کچھ مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔ اگر ضرر سے بچنے کے لئے سب کو تہ تیغ کیا جاوے تو اس کا قبیح ہونا ہر شخص کو معلوم ہے ان سب باتوں پر نظر کر کے بتلایا جاوے کہ قیدیوں کے ساتھ بہتر سلوک کی صورت کیا ہے ہم دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ اس کے متعلق جو طریقہ اسلام نے بتلایا ہے اس سے بہتر کوئی مذہب نہیں بتلا سکتا اسلام کا حکم ہے کہ جتنے قیدی معرکہ جنگ میں گرفتار ہوں تو ان سے اپنے قیدیوں کا مبادلہ کیا جاوے جو فریق مخالف کے ہاتھوں میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد جو بچیں ان کو غنائم میں تقسیم کر دیا جائے کہ وہ ان کو اپنا غلام بنا کر اپنے گھر میں رکھیں جو خود کھاویں وہی ان کو کھلاویں جو خود پہنیں وہی ان کو پہناویں طاقت سے زیادہ ان سے کوئی کام نہ لیں اور ان کے دین و دنیا کے درست کرنے کا خیال رکھیں۔ جب آقا غلام کو اپنے گھر میں اولاد کی طرح رکھے گا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ پہلی عداوت اس کے دل سے نکل جائے گی اور آقا کے گھر کو اپنا گھر سمجھے گا اس کی اولاد کو اپنے بھائی خیال کرے گا اس طریقہ پر خزانہ سلطنت اسیروں کے بیشمار مصارف سے محفوظ رہتا ہے اور ایک ایک آدمی پر ایک ایک غلام تقسیم ہو

جانے سے اس پر بھی کوئی بار نہیں پڑتا بلکہ وہ غلام کے کھانے کپڑے کو اس کی خدمت کے معاوضہ میں خوشی سے قبول کر لیتا ہے۔ مسلمان غلاموں کو علم و حرفت سے بھی محروم نہیں رکھ سکتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ جاہل غلام سے مہذب اور شائستہ غلام کی قیمت زیادہ ہوتی ہے اس وجہ سے مسلمانوں نے عموماً غلاموں کی تعلیم کا بہت زیادہ انتظام کیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج علماء کی فہرست میں صدہا اور ہزارہا آزاد شدہ غلاموں کا نام نہایت عزت واحترام سے لکھا ہوا نظر آرہا ہے۔ پھر چونکہ آقا کو غلام کے ساتھ ایک تعلق مالکانہ ایسا دیا گیا ہے جو انسان کو اپنی اولاد کے ساتھ بھی حاصل نہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غلاموں کے ساتھ آقاؤں کو اولاد سے زیادہ تعلق ہو گیا کہ جس طرح کسی شخص کے بیٹے کو گالی دینا اور مارنا باپ کی اہانت شمار ہوتا ہے اسی طرح کسی کے غلام کو ذلیل وحقیر کرنا آقا کو ذلیل کرنا سمجھا جانے لگا جو مسلمان احکام اسلام کے پابند تھے ان کے واقعات تاریخ میں موجود ہیں کہ وہ غلاموں کو کس محبت اور شفقت کے ساتھ پالتے تھے اور ان کی تعلیم وتہذیب کا کس درجہ خیال کرتے تھے تو کیا اس غلامی کو خلاف عدل وانصاف کہنا انصاف کا خون کرنا نہیں ہے۔ رہا یہ کہ بعض لوگوں نے غلاموں کے ساتھ برے برتاؤ بھی کیے ہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کا یہ برتاؤ ایسا ہی تھا جیسا کہ بعض مسلمان نماز نہیں پڑھتے اور شراب پیتے ہیں اس کے ذمہ دار یہ لوگ خود ہیں قانون اسلام اس کا کسی طرح ذمہ دار نہیں اسلام نے غلاموں کے متعلق جس قدر رعایتی احکام صادر کیے ہیں کوئی قوم اس کی نظر نہیں دکھا سکتی کہ دشمن کی فوج کے قیدیوں کے ساتھ اس نے اتنے حقوق کی رعایت کی ہو۔ واللہ اعلم ۱۲ جامع)

اور وہ ایک حال پر رہنے سے تھکتے نہیں کیونکہ وہ نور سے بنے ہیں اور نور میں یہ خاصیت ہے کہ اس میں تعب و نصب نہیں ہوتا حق تعالیٰ فرماتے ہیں یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ (رات دن پاکی بیان کرتے ہیں اس سے تھکتے نہیں) اسی طرح آسمان زمین وغیرہ کے لئے ایک ایک عبادت متعین ہے۔ چنانچہ ان کی ایک عبادت تو محسوس ہے وہ یہ کہ جس کام کے لئے جو چیز بنائی گئی ہے اس کام میں آتی رہے جیسے پہاڑ جس کام کے لئے بنائے گئے ہیں اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ زمین اپنے کام میں لگی ہوئی ہے آسمان چاند سورج سب ایک ایک کام میں لگے ہوئے ہیں یہ ان کی عبادت ہے چنانچہ آیت فَقَالَ لَھَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْھًا ط قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ کی تفسیر میں یہی کہا گیا ہے کہ حق تعالیٰ نے آسمان وزمین سے فرمایا کہ تم (جس کام کے لئے بنائے گئے ہو اس کے انجام دینے کے لئے) آؤ خواہ خوشی سے یا نا

خوشی سے انہوں نے جواب دیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ غرض ان مخلوقات کا ان کاموں میں مستعمل ہوتے رہنا جن کے لئے یہ بنائے گئے ہیں ایک عبادت ہے یہ عبادت تو محسوس ہے اور ایک عبادت غیر محسوس ہے جیسے حق تعالیٰ نے ہر مخلوق کو ایک تسبیح جداگانہ تعلیم کر دی ہے۔

تسبیح حالی اور قالی

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ پاکی نہ بیان کرتی ہو لیکن اس کی تسبیح تم نہیں سمجھتے) گو اس میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض نے تسبیح حالی مراد لی ہے کہ ہر چیز اپنی حالت سے حق تعالیٰ کی قدرت ونزاہت کو ظاہر کرتی ہے اور بعض نے تسبیح حقیقی مراد لی ہے کہ اہل کشف کا یہی قول ہے وہ جمادات کی تسبیح کو سنتے ہیں اس لئے وہ اس کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے بعض ملائکہ کو یہ تسبیح تعلیم کی ہے سبحان الذی جمع بین الثلج والنار (پاک ہے اللہ جس نے برف وآگ کو جمع کر دیا ہے) ان فرشتوں کا آدھا جسم برف کا ہے اور آدھا جسم آگ کا ہے نہ برف آگ کی گرمی کو کم کرتا ہے نہ آگ برف کو پگھلاتی ہے اس لئے ان کو یہ تسبیح تعلیم کی گئی ہے کہ پاک ہے وہ ذات جس نے برف اور آگ کو جمع کر دیا۔ ملائکہ کی ایک جماعت کو یہ تسبیح تعلیم کی گئی ہے سبحان الذی زین الرجال باللحیٰ والنساء بالذوائب (تذکرۃ الموضوعات للفتنی ۱۶۰) پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو ڈاڑھی سے زینت دی اور عورتوں کو زلفوں سے) اس پر شاید بعض لوگ خفا ہوں گے کہ یہ فرشتے تو روز ہماری برائی کرتے ہیں ہم کو مردوں میں بھی شمار نہیں کرتے ہیں۔ بھائی جب تم خود ہی اپنی مردانگی کی علامت کا صفایا کر دو تو کوئی کیا کرے غرض اسی طرح تمام مخلوق کا ذکر متعین ہے ان کے سپرد ایک خاص عبادت ہے اور انسان کی عبادت وخدمت متعین نہیں ایک وقت میں نماز کا حکم ہے ایک وقت نماز سے ممانعت ہے اور پاخانہ جانے کا حکم ہے جس وقت کسی کو پاخانہ پیشاب کا تقاضا ہو اس وقت اس کو نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ پاخانہ جانا ضروری ہے اس وقت اس کا پاخانہ جانا بھی عبادت میں داخل ہے اس کو اس کام میں بھی نماز ہی کا ثواب ملے گا اور اگر اس وقت وہ نماز میں مشغول ہوا تو گناہ ہوگا غرض کبھی اس کی نماز قضا حاجت کے حکم میں ہے اور کبھی قضا حاجت نماز کے حکم میں ہے اسی طرح کبھی اس کو سونے کا حکم ہے کبھی جاگنے کا حکم ہے۔

نفس کا حق

حدیث میں ہے کہ تمام رات مت جاگو ان لنفسک علیک حقا وان لعینک علیک حقا وان لزوجک علیک حقاً فادوا الی کل ذی حق حقه (مسند احمد ۲۶۸:۲، المستدرک للحاکم ۴: ۲۰۲) (تیرے نفس کا تجھ پرحق اور تیری آنکھوں کا بھی تجھ پرحق ہے اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے پس ہر صاحب حق کے حق کو ادا کرو) تو دیکھئے ایک مخصوص حصہ شب میں سونا مامور بہ ہوا اور وہ مخصوص حصہ ہر شخص کے مزاج کے مناسب ہوگا جتنی دیر میں دماغ و جسم کا تعب زائل ہو جایا کرے۔ نیز اگر کسی شخص کو ذکر کرتے کرتے یا تہجد کی نماز پڑھتے ہوئے نیند کا غلبہ ہونے لگا تو اس کے لئے حدیث میں وارد ہے۔ لیرقد یعنی سو رہے۔ لعله يستغفر فيسب نفسه مبادا کہیں استغفار کرتے ہوئے اپنے آپ کو برا بھلا ہی کہنے لگے مثلاً اللهم اغفرلی (اے اللہ مجھ کو بخش دے) کی جگہ اللهم اعفرلی عین سے کہنے لگے تو اس کے معنی برے ہیں جس میں اپنے اوپر بددعا ہے کہ مجھے مٹی میں ملا دے اور یہاں تک بھی غنیمت ہے بعض دفعہ نیند میں حق تعالیٰ کا نام غلط سلط نکلنے لگتا ہے اس لئے میں مشورہ دیتا ہوں کہ ذکر میں جب نیند آنے لگے تو زبان سے ذکر فوراً بند کر دو اس وقت قلب سے توجہ اور خیال رکھو اور کوئی شخص ذکر قلبی کو بے اصل سمجھ کر اس سے متوحش نہ ہو یہ بھی احادیث سے ثابت ہے۔ صحیحین کی متفق علیہ روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کان رسول الله صلی الله عليه وسلم يذكر الله على كل احيانه (الصحیح للبخاری ۱: ۸۳، سنن الترمذی ۳۳۸۴) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر وقت میں ذکر اللہ کرتے رہتے تھے) اب بتایئے کہ ذکر ہر وقت میں زبان سے کیونکر ہو سکتا ہے بعض مواقع میں ذکر لسانی نہیں ہو سکتا اب یا تو علی کل احیانه میں مجاز کے قائل ہو جایئے کہ اس کے معنے فی اکثر احیا نہ ہیں یا صوفیہ کے مذہب پر ذکر قلبی کے قائل ہو کر اس کو اپنے عموم پر رکھیے اور یہی ظاہر ہے۔

ذکر لسانی اور ذکر قلبی

بلکہ صوفیہ کے نزدیک تو اصل ذکر قلبی ہی ہے یعنی اگر ذکر لسانی ذکر قلبی سے خالی ہو تو وہ اس کو معتبر نہیں سمجھتے (مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ذکر لسانی میں اگر حضور قلب نہ ہو تو ذکر نہ کرے چھوڑ بیٹھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ محض لسانی کو کافی سمجھ کر اس پر قناعت نہ کرے بلکہ ذکر قلبی کے

لئے کوشش کرتا رہے اور وہ کوشش یہی ہے کہ لسانی پر دوام کرے اور اس کے ساتھ دل کو متوجہ کرنے کی بھی عادت ڈالے۔ اسی طرح ذکر قلبی حاصل ہو جائے گا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

از صفت واز نام چہ زاید خیال واں خیالش ہست دلال وصال

(صفت اور اسم سے تصور اور خیال پیدا ہوتا ہے اور وہ تصور رہبر وصال بن جاتا ہے)

ایک جگہ فرماتے ہیں

مست ولا یعقل نہ از جام ہو اے زہو قانع شدہ برنام ہو

(تم جام محبت سے مست ولا یعقل نہیں ہو تم صرف نام حق پر بجائے محبت کے قناعت کئے ہوئے ہو)

اس میں نام پر قناعت کرنے سے منع فرماتے ہیں ذکر اسمی سے مطلقاً منع نہیں فرماتے کیونکہ یہی تو زینہ ہے ذکر قلبی کا اور وصول الی الذات (ذات تک پہنچانے) کا اور اس حدیث سے زیادہ صریح دوسری حدیث ہے **من ذکر نی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی ومن ذکرنی ملاء ذکرتہ ملاء خیر منہ الحدیث** (مسند احمد ۲٬۳۵۴) حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو کوئی مجھ کو اپنے دل میں یاد کرے میں بھی اس کو اپنی ذات سے یاد کرتا ہوں اور جو کوئی مجھ کو جماعت میں یاد کرے میں اس کو اس کی جماعت سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ اس میں تو ذکر نفسی کو ذکر جماعت کے مقابلہ میں بیان فرمایا ہے جس میں ذکر قلبی کے سوا بظاہر اور کچھ مراد نہیں گو یہ احتمال ہے کہ مقابلہ جماعت میں ذکر ہونے سے ذکر خلوت مراد ہو باللسان مگر ایک اور حدیث حاشیہ حصن حصین میں نقل کی ہے۔ **یفضل الذکر الخفی الذی لایسمعہ الحفظۃ سبعون ضعفاً** (کنز العمال ۱۹۲۹) (ذکر خفی جس کو نگہبان فرشتے بھی نہ سنتے ہوں ذکر جلی سے ستر گناہ فضیلت رکھتا ہے) اس سے ذکر خفی کا ذکر جلی سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ **قلت ولکنی لم اعرف سندہ نعم لہ شاھد قوی من حدیث سعد بن ابی وقاص عنہ مرفوعاً قال خیر الذکر الخفی وخیر الرزق اوالعیش مایکفی رواہ ابو عوانۃ وابن حبان فی صحیحیھما کذافی الترغیب** (مسند احمد ۱۷۲٬۱ کنز العمال ۱۷۷۱)

(میں کہتا ہوں اس کی سند مجھے معلوم نہیں ہاں اس کے لئے شاہد قوی ہے حدیث سعد ابن ابی وقاص سے جو مرفوعاً ان سے مروی ہے۔ انہوں نے بیان کیا ذکر خفی بہتر ہے رزق یا عیش سے اس قدر بہتر ہے جو کافی ہو اس کو ابو عوانہ وابن حبان نے اپنی صحیحین میں روایت کیا ہے)

بہر حال یہ تو محض ان لوگوں کی تسلی کے لئے کہا گیا جو بدون حدیث کے کسی بات کا ثبوت نہیں

مانتے ورنہ اصل حکم تو یہ تھا کہ جب نیند آوے سو رہو اور اس وقت ذکر کو بند کردو لیکن میں نے ان لوگوں کے لئے جو ذکر کا بند کرنا ایسے حال میں گوارا نہیں کرتے یہ بتلادیا کہ وہ ذکر قلبی کیا کریں۔

محققین کی عجیب شان

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت ذکر میں نیند بہت آتی ہے اس کا کیا علاج آپ نے فرمایا اس کا علاج بھی ہے کہ پس تکیہ سر کے نیچے رکھ کر سو رہو۔ واقعی مشائخ محققین کی عجیب شان ہوتی ہے مگر محققین سے میری مراد وہ علماء نہیں ہیں جن کے صرف عقائد صحیح ہوں ان کو تو اہل حق اور محقق کہنا چاہئے تو جب مشائخ اہل حق بولا جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ دکاندار نہیں بدعتی نہیں ہیں پیری مریدی کو پیشہ نہیں بناتے پس اہل حق اور محقق تو دکانداروں اور بدعتیوں کے مقابلہ میں ہوتے ہیں مگر حق ہونے کے لئے صرف محق ہونا کافی نہیں اور یہ ضرور نہیں کہ ہر محق محقق ہو اس کی تفصیل یوں سمجھئے کہ محق ہونا تو ایسا ہے جیسے تندرست ہونا اور محقق ہونا ایسا ہے جیسے طبیب ہونا تو ظاہر ہے کہ تندرست طبیب نہیں ہوتا اور نہ طبیب بننے کے لئے صرف تندرست ہونا کافی ہے مشائخ محققین وہ ہیں جو عقائد صحیحہ کے ساتھ امراض نفس و معالجات نفس سے بھی ماہر ہوں چنانچہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ محق ہونے کے ساتھ محقق بھی تھے۔ تو انہوں نے ذکر میں نیند آنے کا اچھا علاج بتلایا تکیہ سر کے نیچے رکھ کر سو رہو پھر جب کچھ نیند سے بوجھ ہلکا ہو جاوے تو پھر کام شروع کرو واقعی اس کا بس یہی علاج ہے۔ اگر کوئی غیر محقق ہوتا تو نہ معلوم کیا کیا بتلاتا چنانچہ بعض لوگ بتلایا کرتے ہیں کہ جب نیند کا غلبہ ہو سیاہ مرچیں چبایا کرو میں کہتا ہوں کہ آخر کہاں تک۔ اگر پھر نیند آئی تو پھر مرچیں چبائے تو بھلا کتنے سیر مرچیں چبائے علاوہ اس میں اس نقصان کے منہ سے بہت زیادہ پانی کا بہنا دماغ کے ضعف کا سبب ہوگا۔ نیز زیادہ مرچیں چبانے سے حرارت قلب کا اندیشہ ہے۔ ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ جس کام کے لئے یہ شخص جاگنے کی تدبیریں کر رہا ہے اس مرچ کے مشغلہ میں وہ کام بھی نہ ہوگا کیونکہ تجربہ کر کے دیکھ لیا جاوے کہ غلبہ نیند میں اگر مرچ چباتے رہو اس وقت تو نیند کم ہو جاتی ہے مگر جہاں تھوڑی دیر اس کو موقوف کیا پھر نیند آنا شروع ہوئی تو یہ اچھا جان کو پاپ لگا اور اگر کہیں سیاہ مرچوں سے حرارت بڑھ گئی دماغ خشک ہو گیا تو وہی بات ہو جائے گی۔

مرچوں کا فساد

جیسا انبٹھہ کے ایک بھولے مولوی صاحب ہر وعظ میں مسلمانوں کی عملی کوتاہیاں بیان فرما کر کہا کرتے تھے یہ سب فساد مرچوں کا ہے ان کے نزدیک دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے زنا چوری جھوٹ

فریب ترک صوم وصلوۃ یہ سب مرچوں کا فساد ہے۔ خیر ان امور میں تو مرچوں کے فساد کو دخل ہو یا نہ ہو لیکن اگر کسی ذاکر کا دماغ سیاہ مرچیں چبانے سے خراب ہو گیا تو وہاں ضرور یہی کہا جائے گا کہ یہ سب مرچوں کا فساد ہے۔ بعض لوگ نیند دور کرنے کے لئے لونگیں چبانا بتلاتے ہیں یہ تو سخت آگ ہے اس کی تو تھوڑی مقدار بھی جگر وقلب کو پھونک دے گی پھر بہت جلد اختلاف وغیرہ کا اندیشہ ہے جس کے بعد پھر ساری عمر وظیفہ کو تو خیر باد کہو ہی گے نماز روزہ بھی چھوٹ جائے گا تو یہ اچھی حفاظت ہے وظیفہ کی کہ نماز روزہ کو بھی برباد کیا یہ سب طریقے واہیات ہیں بس اس کا آسان علاج وہی ہے جو مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ تکیہ سر کے نیچے رکھ کر سو رہو شیخ کو معرفت کے ساتھ کسی قدر طبیب بھی ہونا چاہئے تاکہ ہر شخص کی قوت وضعف کے لحاظ سے عمل تعلیم کرے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ضیاء القلوب میں لکھا ہے کہ ذاکر کو دودھ گھی کی تکثیر چاہئے تاکہ ذکر جہر سے دماغ خشک نہ ہو جائے یہ کام تو ساری عمر کا ہے ایک دو روز کا کام تھوڑا ہی ہے کہ آج کیا اور کل چھوڑ دیا۔ اس لئے دماغ کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ بعض لوگ ذکر کے ساتھ تقلیل غذا کو ضروری سمجھتے ہیں یاد رکھو یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے ہر شخص کا مزاج اس میں مختلف ہے تقلیل غذا سے کسی کو نفع ہوتا ہے اور کسی کو ضرر ہوتا ہے اور آج کل بوجہ ضعف قوی کے ضرر ہی زیادہ ہے بس اس زمانہ میں تقلیل غذا کا مفید درجہ یہ ہے کہ قدرے بھوک رکھ کر کھانا کھایا جاوے یعنی دسترخوان سے ایسے وقت میں اٹھو کہ دو چار لقمہ کی بھوک باقی ہو۔ زیادہ تقلیل سے قوے دماغیہ وغیرہ پر برا اثر ہوتا ہے۔ تو بھائی تم کو ذکر کرنا ہے یا نفس کو ہلاک کرنا۔ بزرگوں نے جو نفس کشی بتلائی ہے اس کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ اس کو بھوکا مار وان کا مطلب یہ ہے کہ اس کو تواضع کی ضرب سے ہلاک کرو اس میں ذلت پیدا کرو تکبر کو توڑ دو اور یہ بات پیدا ہوتی ہے کسی کی جوتیاں سیدھی کرنے سے۔ تقلیل غذا سے یہ بات حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس سے تو اور تکبر بڑھتا ہے کیونکہ یہ شخص اپنے کو صاحب مجاہدہ سمجھنے لگتا ہے اور جو لوگ پیٹ بھر کے کھانا کھاتے ہیں ان کو حقیر اور اپنے سے کم سمجھتا ہے وہی حال ہو جاتا ہے۔

چوں گرسنہ میشوی سگ می شوی
(جب فاقہ سے ہوتا ہے تو کتے کی طرح ہوتا ہے)

عبادت کی حقیقت

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ انسان کی کوئی خدمت متعین نہیں بلکہ ہر وقت میں اس کے لئے

جدا خدمت ہے۔ جیسے غلام ہوتے ہیں ایک وقت اس کو سونے کا حکم ہے اس وقت سونا اس کی عبادت ہے ایک وقت جاگنے کا حکم ہے اس وقت جاگنا اس کی عبادت ہے۔ ایک وقت پیشاب پاخانہ کا حکم ہے اس وقت یہی اس کی عبادت ہے پس اس کی عبادت کی حقیقت کیا ہے۔ محض امتثال امر کہ جس وقت جو حکم ہو اس کو بجا لائے اور اس سے ہم کو سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کی ہمارے حال پر کس قدر شفقت وعنایت ہے کہ اول تو ہم سے غلاموں کا سا برتاؤ فرمایا نوکروں جیسا برتاؤ نہیں کیا اور یہ کتنا بڑا فخر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنا غلام بنالیں۔

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

(احسان مت جتاؤ کہ میں بادشاہ کی خدمت کرتا ہوں بلکہ اس کا احسان سمجھو کہ تم جیسے کو اپنی خدمت میں رکھ چھوڑا ہے) پھر اس برتاؤ میں ہمارا نفع کس قدر ہے کہ ہم کو سونے اور جاگنے اور قضائے حاجت کرنے اور بیوی کے پاس جانے میں بھی ثواب ملتا ہے۔ قدم قدم پر ثواب ہی ثواب ہے کیونکہ معاشرت کو بھی دین ہی میں داخل فرمایا ہے گو بعض لوگ اس کو دین سے خارج سمجھتے ہیں۔ مگر بالکل غلط ہے۔

آداب مجلس

حق تعالیٰ نے قرآن میں آداب مجلس اور احکام استیذان کو امر و نہی کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور کسی شے کا مامور بہ ومنہی عنہ ہونا یہی دین ہونے کی علامت ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِى الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا (اے مسلمانو جب تم سے یہ کہا جاوے کہ کھل کر بیٹھ جاؤ تو کھل جایا کرو حق تعالیٰ بھی تمہارے لئے (جنت وغیرہ میں) وسعت کردیں گے اور جب یہ کہا جاوے کہ کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جایا کرو۔ تو دیکھئے اس آیت میں آداب مجلس کی تعلیم دی گئی ہے اور ہر چند کہ جو تعلیم اس میں دی گئی ہے وہ امر فطری ہے کہ ضرورت کے وقت کھل کر یا کھڑے ہو کر پھر سمٹ کر بیٹھنا طبیعت انسانی کا خود تقاضا ہے مگر حق تعالیٰ نے اس کا امر اس لئے فرمایا کہ بعض لوگ ایسے متکبر اینٹھ مروڑ والے ہوتے ہیں کہ ان سے کسی کے واسطے ہیئت بدلنا دشوار ہوتا ہے۔ میرا خود واقعہ ہے کہ میں نے ایک صاحب سے صف بندی کے وقت کہا کہ بھائی داہنی طرف آجاؤ وہ نہ آئے میں نے دوسرے شخص سے کہا بھائی ان کی تو شان گھٹتی ہے تم ہی آجاؤ تو ان کو اس قدر ناگوار ہوا کہ صف سے نکل کر مسجد سے بھی بھاگ گئے۔ واقعی ایسے بد دماغوں میں

غرور وتکبر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ اسی واسطے یہ لوگ جماعت میں بھی کم شریک ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ مسجد میں جلاہے دھنیے ہر قسم کے آدمی ہوتے ہیں اور وہ ہمارے دوش بدوش کھڑے ہوتے ہیں تو ہم کیسے آویں ارے ظالمو! خدا کے دربار میں بھی آکر تمہارا تکبر ڈھیلا نہیں ہوتا تم تم وہاں بھی اپنی شان کو محفوظ رکھنا چاہتے ہو اچھا پھر یہی ہے تو پھر تم جلاہوں دھنوں کی جنت میں بھی نہ جانا کیونکہ جنت میں یہ لوگ بھی ہوں گے بلکہ تم سے زیادہ ہوں گے کیونکہ جنت کے اعمال وخصال غربا میں زیادہ ہوتے ہیں اور غالباً درجات میں بھی تم سے عالی ہوں تو وہاں تم کو یہ کیسے گوارا ہوگا کہ جنت میں جلاہوں کے ساتھ رہو اور ساتھ رہنا بھی ان سے کم درجہ ہو کر چاہئے تو یہ کہ جب تم کو فرشتے جنت میں لے جانے لگیں تو صاف کہہ دینا کہ ہم جلاہوں کیساتھ نہیں رہتے ہم تو فرعون وشداد ونمرود کے ساتھ رہیں گے۔

سودا کا مسخرہ پن

جیسے سودا کا اور اس کی بیوی کا قصہ ہے سودا تو ایک رند مشرب شاعر تھا مگر اس کی بیوی نیک نماز روزہ کی پابند تھی ایک دن سودا کو مسخرہ پن سوجھا تو آپ بیوی سے کہنے لگے تو جو نماز پڑھتی ہے اس سے کیا نفع آخر اتنے دن تجھے نماز پڑھتے ہوئے ہوگئے تجھے کیا ملا اس نے کہا ہمیں آخرت میں جنت ملے گی ہم نماز کی بدولت جنت میں جائیں گے۔ تو سودا کیا کہتا ہے جا باولی! تو وہاں بھی ان جلاہوں اور ملانوں اور کنجڑوں ہی کے ساتھ رہے گی (کیونکہ جنت میں غربا ہی زیادہ ہوں گے) اور دیکھو ہم قیامت کے دن جہنم میں جائیں گے۔ جہاں بڑے بڑے بادشاہ ہوں گے فرعون نمرود شداد قارون ہامان وغیرہ۔ بڑا ہی مسخرہ تھا اس کو یہاں بھی تمسخر سوجھا مگر جہاں بعض امراء ایسے اینٹھ مروڑ کے ہوتے ہیں وہاں بعضے بے چارے متواضع اور مسکین طبع بھی ہوتے ہیں۔

ایک دیندار والی ملک نواب کی حکایت

ایک دیندار نواب صاحب والی ملک کی حکایت ہے کہ ایک غریب آدمی نماز میں ان کے دوش بدوش کھڑا ہوگیا تھا وہ غریب ان سے بالکل مل کر نہیں کھڑا ہوا جیسا کہ نماز میں حکم ہے صرف اسی خوف سے کہ کبھی یہ برا مانیں وہ بیچ بیچ کر کھڑا ہوتا تھا اور سلام کے ساتھ ہی فوراً بھاگا۔ نواب صاحب نے اس کو طلب کیا وہ بہت ڈرا کہ کہیں کپڑا وغیرہ لگ گیا ہے اس کی باز پرس ہوگی مگر لوگوں نے سمجھا دیا کہ تو ڈرنا مت اور دین کے خلاف بات مت کہنا۔ جب حاضر ہوا تو نواب

صاحب نے پوچھا تم ہم سے بچ بچ کر کھڑے ہوتے تھے کیا ہم سے ڈرتے تھے اس نے کہا تم سے کیا ڈرتا خدا کے دربار میں سب برابر ہیں میں اس لئے بچتا تھا کہ کہیں مجھ میں دنیا کا اثر نہ ہو جائے۔ بڑے خوش ہوئے اور درباریوں سے کہا دیکھو اللہ کے بندے کیسے کیسے ہیں اور اس کی کچھ ماہواری تنخواہ مقرر کر دی اور بہت معتقد ہوئے۔ سو ایسے امراء بھی ہیں (اس موقع پر پہنچ کر سامعین وعظ سے جناب شیخ رشید احمد صاحب نے فرمایا کہ مسجد کے پچھلے حصہ میں دھوپ آ گئی ہے وہاں جو لوگ بیٹھے ہیں ان کو تکلیف ہے ذرا اگلے حصہ والے کچھ اور آگے بڑھ کر بیٹھ جاویں چنانچہ سب نے اس پر عمل کیا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ دیکھئے اسی وقت ضرورت ہوگئی تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ مجلس میں کھل کر بیٹھنے کی) اور بحمد اللہ سب نے تعمیل کی جو کہ علامت ہے تواضع واخلاص کی اگر اینٹھ ومروڑ والے ہوتے تو اتنی جلدی تعمیل نہ ہوتی۔ غرض میں کہہ رہا تھا کہ معاشرت کے آداب بھی داخل دین ہیں چنانچہ قرآن میں تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ (مجلس میں کھل کر بیٹھنے کا امر ہے)۔ ایک حدیث میں تفریق بین الاثنین (دو کے درمیان تفریق) کی ممانعت ہے یہ بھی آداب مجلس میں سے ہے کیونکہ بعض لوگ باہم دوست ہوتے ہیں وہ مل کر بیٹھنا چاہتے ہیں ان کو درمیان میں اجنبی کے آنے سے سخت ایذا ہوتی ہے اسی طرح اس کی بھی ممانعت ہے کہ کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود وہاں بیٹھا جاوے کہ یہ سخت تکبر اور ظلم ہے کسی کو اس کی جگہ سے اٹھانے کا کسی کو کچھ حق نہیں (بشرطیکہ وہ مجلس عام ہو جیسے مسجد یا مجلس وعظ وغیرہ خاص مجلس نہ ہو) اور کہاں تک گنواؤں شریعت نے آداب معاشرت بہت بتلائے ہیں۔

فہرست مضامین قرآنیہ

ان کا مختصر پتہ بتلانے کے لئے یہ ایک بات کہتا ہوں وہ یہ کہ آج کل بعض قرآنوں کے ساتھ فہرست مضامین قرآنیہ بھی طبع ہوئی ہے پہلے فہرست قرآن نہیں بنائی گئی تھی مگر آج کل جہاں اور نئے نئے کام ہو رہے ہیں وہاں یہ بھی ایک نیا کام ہوا ہے تو آپ قرآن کی فہرست لے کر دیکھئے اس میں آپ کو آداب اللباس آداب الکلام آداب السلام آداب المجلس وغیرہ ملیں گے اس سے پتہ چلے گا کہ حق تعالیٰ نے معاشرت کے باب میں بھی ضروری چیز سے تعرض کیا ہے اس کے بعد حدیث کی کوئی کتاب مثلاً مشکوۃ لے لیجئے اور اس کی فہرست دیکھئے اس میں بھی آپ کو آداب اللباس آداب الطعام آداب السلام آداب المجلس ذم الکبر ذم التہاجر ذم التحاسد والتباغض باب ما علی الحکام من التیسیر باب اطاعۃ الامراء والحکام وغیرہ وغیرہ ہر قسم کے احکام متعلق معاشرت وسیاست و

سلطنت کے ملیں گے اور وہ سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال سے ماخوذ ہیں اور عبادت نام ہے امتثال احکام کا اور احکام ہر قسم کے ہیں تو انسان کی کوئی حالت عبادت سے خالی نہیں ہو سکتی کیونکہ ہر حال کے متعلق شریعت کا ایک حکم ہے اور اس کا بجالانا عبادت ہے اور یہیں سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اسلام میں ہمارے تمام مقاصد داخل ہیں ہمارا کوئی مقصود اسلام سے باہر نہیں کیونکہ اسلام کے معنی اطاعت ہی کے ہیں جو احکام کے متعلق ہوتی ہے اور احکام سے ہماری کوئی حالت باہر نہیں تو اسلام سے ہمارا کوئی مقصود خارج نہیں ہو سکتا اس سے آپ کو اسلام کی عظمت معلوم ہو گئی ہو گی اب سمجھئے کہ اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے متعلق ایک ضروری بات بیان فرمائی ہے۔ ضروری ہونا تو اسی سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس بات کا تعلق توقف اسلام سے ہے کیونکہ اسلام کی ضرورت معلوم ہے اور ضروری کے ایسے متعلقات بھی ضروری ہوا کرتے ہیں کیونکہ وہ تعلق ایک خاص حیثیت کا ہے جو ترجمہ سے معلوم ہو جائے گا۔

اسلام کے چند درجے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قریب ہے لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ لوگوں میں اسلام کا نام ہی رہ جائے گا اور قرآن سے کچھ نہ رہے گا مگر رسم یعنی نقش حدیث طویل ہے مگر آگے اجزاء کا بیان اس وقت مقصود نہیں گو ممکن ہے کہ ضمناً وہ بھی بیان میں آ جاویں مگر مقصود اس وقت یہی جملے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام کے چند درجے ہیں۔ **لا یبقی من الاسلام الا اسمہ** (مشکوۃ المصابیح ۲۷۶، کنز العمال ۳۱۱۳۶) (نہیں باقی رہے گا اسلام بجز اس کے نام کے) میں لفظ من الاسلام (اسلام سے) بتلا رہا ہے کہ یہ بھی اسلام کی ایک فرد ہے گو فرد ادنیٰ ہی سہی تو ایک درجہ تو یہ ہوا جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درجہ اسم فرمایا ہے یعنی نام کا اسلام پھر اس جملہ میں نفی واستثناء ہے جو حصر کو مفید ہے اور حصر میں ماعدا کی نفی ہوا کرتی ہے معلوم ہوا کہ اسلام میں ہیں اور بھی چیزیں جن کی یہاں نفی کر کے صرف درجہ اسم کو باقی رکھا گیا ہے اور ویسے بھی محاورہ میں نام کا درجہ حقیقت کے مقابلہ میں بولا جایا کرتا ہے تو ایک درجہ اور نکلا جس کو کام کا اسلام یا حقیقی اسلام کہنا چاہئے اب آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ اس حدیث میں مضمون کو اسلام سے کس قسم کا تعلق ہے اس میں اسلام کے درجے بتلائے گئے ہیں جن میں بعض ناقص ہیں بعض کامل جب اس حیثیت کا تعلق ہے تو اس کی ضرورت میں کیا کلام رہا۔ پھر جب اسلام مطلوب ہے جیسا کہ بیان بھی ہو چکا اور مسلمان کے لئے اسلام کا مطلوب ہونا بدیہی بات ہے

اور قاعدہ ہے کہ جو چیز مطلوب ہوا کرتی ہے اس کا درجہ کمال ہی مطلوب ہوا کرتا ہے۔ درجہ نقصان کسی کو مطلوب نہیں ہوتا نہ اس پر کوئی راضی ہوتا ہے مثلاً تعلیم اولاد کا درجہ ایک کامل ہوتا ہے ایک ناقص مثلاً انٹرنس کا درجہ کامل ہے تو اس سے کم کے اوپر کوئی راضی نہیں ہوتا اور اگر کوئی زیادہ مالدار ہے اس کی نظر میں درجہ کمال بی اے یا ایف اے وہ اس سے کم کے اوپر راضی نہیں ہوتا پھر خود بی اے اور ایف اے میں بھی دو درجے ہیں ایک ناقص ایک کامل ناقص یہ کہ پڑھنے لکھنے کے بعد استعداد درست نہ ہو کسی فن سے مناسبت نہ ہو تو اس حالت میں کہا جاتا ہے کہ صاحب تعلیم برائے نام ہوئی روپیہ ہی برباد گیا ایسی تعلیم باوجودیکہ عدم تعلیم کے مقابلہ میں کچھ درجہ ضرور رکھتی ہے مگر عموماً اس کو ناکافی اور برائے نام سمجھا جاتا ہے اور کوئی شخص اپنی اولاد کے لئے ایسی ناقص تعلیم کو پسند نہیں کرتا اسی طرح ہر چیز کو دیکھ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مطلوب میں ہمیشہ درجہ کمال مقصود ہوتا ہے درجہ نقصان کوئی گوارا نہیں کرتا جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو اب سمجھو کہ اسلام کے بھی مختلف درجات ہیں جن میں بعض کامل اور بعض ناقص ہیں اور اسلام مطلوب ہے تو اسلام میں بھی درجہ کمال ہی مطلوب ہونا چاہئے مگر افسوس کہ اسلام میں ہم لوگ ناقص حالت پر قناعت کئے ہوئے ہیں۔ اس کے کمال کی فکر نہیں کرتے، سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کی شکایت فرماتے ہیں یہ حدیث گو بظاہر بصورت خبر ہے مگر درحقیقت اس سے مقصود شکایت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دراصل ہماری شکایت فرمارہے ہیں کہ تمہاری دین سے لاپرواہی رفتہ رفتہ اس درجہ بڑھ جائے گی کہ ایک وقت میں تمہارا اسلام ناکارہ ہو جائیگا۔

جملہ خبریہ میں جملہ انشائیہ

ایک بار میرے ذہن میں ایک بات آئی تھی پھر بعد تامل وہ بہت مفید اور صحیح معلوم ہوئی وہ یہ کہ جملہ خبریہ خود مقصود نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ انشاء ہوتا ہے اگر جملہ خبریہ بولا جاوے تو اس میں ساتھ ہی ایک جملہ انشائیہ مقصود ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ جس کا آپ کو انتظار تھا وہ آ گیا تو یہ خبر خود مقصود نہیں ہوسکتی بلکہ مقصود یہ ہے کہ تم مطلع ہو جاؤ تاکہ انتظار کی کلفت رفع ہو یا یہ کہ اس کی مہمانی کرو خاطر و مدارات کا سامان کرو۔ یا کسی نے خبر دی کہ آج کل حاکم وقت بدل گیا ہے۔ یہ جملہ بھی خود مقصود نہیں ہوسکتا بلکہ مقصود یہ ہوگا کہ اب اس کے مذاق کی رعایت کرنا ضروری ہے پہلے حاکم مذاق معلوم کر لینا اب کافی نہ ہوگا۔ غرض اسی طرح غور کرکے دیکھ لیا جائے کہ تمام جمل خبریہ میں کوئی نہ کوئی جملہ انشائیہ ضرور لگا ہوا ہوتا ہے جو کہ فی نفسہ مقصود ہوتا ہے مگر یہ ان لوگوں کے کلام میں

ہوگا جو فضول کلام کے عادی نہ ہوں ہمیشہ سوچ کر بات کرتے ہوں یعنی عقلاء کے کلام میں تو یہی قاعدہ ہے جملہ خبریہ خود مقصود نہیں ہوتا مگر آج کل مقصود بدل گیا ہے اس زمانہ میں خود اخبار ہی کو لوگوں نے مقصود بنالیا ہے۔ جیسے کسی اخبار میں ایک خبر دیکھ کر بیان کردی کہ مرزاپور میں طاعون پھیل رہا ہے اب ان حضرات سے اگر کوئی سوال کرے کہ اس خبر سے آپ کا مقصود کیا ہے تو وہ خاموش ہیں ان کی خاموشی سے اس کلام کا فضول اور لغو ہونا ثابت ہو جائے گا اگر یہ کلام مفید ہوتا اور متکلم نے سوچ کر اسے زبان سے نکالا ہوتا تو وہ ضرور کسی مقصود کا نام لیتا جو صورت انشاء میں ہوتا مثلاً یہی کہتا کہ وہاں مسلمان آباد ہیں دعا کرو یا اپنی حفظ صحت کا انتظام کرو۔ یا وہاں جانے کا قصد نہ کرو وغیرہ وغیرہ وہ ان جمل انشائیہ میں سے ایک بھی بیان کردے تو اس کا جملہ خبریہ لغو نہ رہے گا مفید ہو جائے گا۔ اس سے آپ کو اندازہ ہوا ہوگا کہ آج کل اکثر لوگ فضول وعبث ولغو لا یعنی امور میں مشغول ہیں بعض لوگ کارڈ لکھتے ہیں تو ان سے یہ نہیں ہوسکتا کہ مقصود کی ایک دو بات لکھ کر کارڈ کو ختم کردیں نہیں اس کو مکھیاں سی مار کر بھرنا فرض ولازم سمجھتے ہیں اب وہ پر کیونکر ہوگا۔ انہی فضول خبروں قصوں سے پہلے کارڈ ایک پیسہ کا تھا تو یہ لوگ چار پیسے وصول کرتے تھے اور اب تو اٹھ پیسے وصول کرتے ہیں۔ واقعی بالکل مکھیاں سی مارتے ہیں جس کا پڑھنا بھی مشکل ہوتا ہے۔

فضول سوالات کا جواب دینا ناممکن ہے

ہمارے وطن میں ایک صاحب ہیں وہ اپنے عزیز کو بڑے لمبے لمبے خطوط لکھتے تھے جس میں فضول سوالات ہوا کرتے تھے مثلاً یہ کہ آج کل غلہ کا بھاؤ کیا ہے آپ کے پڑوس میں کون کون لوگ رہتے ہیں ان کے یہاں خیریت ہے یا نہیں اور اسی قسم کی بہت سی باتیں ہوتی تھیں۔ مکتوب الیہ سب باتوں کا جواب کہاں تک دے آخر اس نے ان فضولیات کا جواب دینا چھوڑ دیا تو وہاں سے تقاضا ہوتا کہ تم میری سب باتوں کا جواب نہیں دیتے۔ اس نے جواب دیا کہ تمہارے خطوط میں فضول ولایعنی سوالات ہوتے ہیں میں سب کا جواب کہاں تک دوں گا مگر کاتب کو اپنی غلطی کا احساس نہ ہوا تو مکتوب الیہ نے بھی یہی عمل شروع کیا کہ اب ان سے اسی قسم کے فضول سوالات کرنا شروع کئے۔ حتیٰ کہ ایک خط میں سو سے زیادہ سوالات تھے تو وہ حضرت جھلائے اور لکھا کہ تم بہت فضول باتیں لکھتے ہو اس سے بڑی کلفت ہوتی ہے انہوں نے جواب دیا کہ حضرت مجھے بھی آپ کے بے ہودہ سوالات سے ایسی ہی کلفت ہوتی تھی اب آپ کو اندازہ ہوا۔ غرض اس ترکیب سے پیچھا چھوٹا۔ میرے پاس جب ایسے خطوط آتے ہیں جن میں فضول خبریں یا فضول سوالات ہوں تو میں یہ شعر لکھ دیتا ہوں۔

ماقصہ سکندر ودارانخواندہ ایم ازما بجز حکایت مہرو وفا مپرس

ترجمہ (ہم نے داراوسکندر کے قصے نہیں پڑھے ہیں ہم سے مہر ووفا سے علاوہ اور قصے مت پوچھو)
ہم سے اگر دین کی بات پوچھو تو ہم ضرور بتلائیں گے۔ محنت سے ہم نہیں گھبراتے بشرطیکہ وہ بات اس قابل ہو کہ اس میں محنت کرنے سے خدا کی رضا حاصل ہوتی ہو ہم سے دین کا مسئلہ پوچھو اگر ہم کو جواب یاد ہوگا تو فوراً جواب دیں گے اگر یاد نہ ہوگا کتاب دیکھ کر جواب معلوم کرنے کی کوشش کریں گے چاہے اس میں ہم کو ہفتہ دو ہفتہ تک کتابوں کی ورق گردانی کرنی پڑے اگر پھر بھی ہم کو شرح صدر نہ ہوگا تو اپنے سے زیادہ جاننے والے کا پتہ بتلادیں گے۔

ضروری امور میں محنت سے نہ گھبرانا

ابھی آج کل کا قصہ ہے کہ ایک شخص میرے پاس سلسلہ میں داخل ہونے کے لئے آیا چونکہ اس کی برادری میں عورتوں کو میراث نہ دینے کا رواج تھا اس لئے پہلے حقوق العباد سے سبکدوش ہونے کی اسے تعلیم کی گئی کہ پہلے اس گناہ سے نجات حاصل کرو پھر سلسلہ میں داخل ہونے کا قصد کرنا وہ بے چارہ طالب تھا اس لئے خوشی سے اس پر تیار ہوگیا اور اس نے سب کے حقوق اداکرنے کا تہیہ کرلیا چونکہ کئی پشتوں سے عورتوں کو میراث نہیں دی گئی تھی اس لئے جہاں تک پتہ چل سکا وہاں تک ورثاء کے نام لکھے گئے معلوم ہوا کہ پردادا کے بھی اوپر سے عورتیں محروم ہیں تو کئی بطن کا لمبا مناسخہ ہوا اور ورثاء کی تحقیق اور فرائض نکالنے میں دو ہفتے لگ گئے مگر ہم اس سے نہیں گھبراتے دو تین آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر میں نے مناسخہ نکالا اور سب کے سہام الگ الگ بتلائے اس اللہ کے بندے نے سب ورثاء محرومین کو انکا حق ادا کیا ان لوگوں نے لینے سے انکار بھی کیا کیونکہ بعض کے بہت ہی معمولی حصے تھے کسی کے دو روپیہ کسی کے چار روپیہ مگر اس نے معافی کو منظور نہیں بلکہ سب کا پیسہ پیسہ ادا کردیا۔ غرض ضروری باتوں میں محنت سے ہم نہیں گھبراتے ہاں فضول امر میں ہم سے ایک سطر بھی نہیں لکھی جاتی۔ اس کا احساس وہ شخص کرتا ہے جس کو وقت کی قدر ہو مگر آج کل لوگ وقت کی قدر ہی نہیں جانتے حالانکہ زندگی کی ہر ہر گھڑی ہر سیکنڈ اور منٹ اتنا قیمتی ہے کہ ساری دنیا بھی اس کی قیمت نہیں ہوسکتی مرتے وقت اسکی قدر معلوم ہوگی کہ ہائے ہم سے کتنا بڑا خزانہ فضول برباد ہوگیا اس وقت آپ تمنا کریں گے کہ کاش مجھ کو ایک دو منٹ کی اور مہلت مل جائے تو میں توبہ واستغفار کرکے گناہوں سے پاک ہوجاؤں حقوق

العباد کے متعلق ورثاء کو وصیت کردوں مگر اس وقت مہلت کہاں اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ وقت آنے کے بعد نہ ایک منٹ ادھر ہوسکے گا نہ ادھر۔

نذیر کی تفسیر

اور ارشاد ہوگا اَوَ لَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَ جَآءَ كُمُ النَّذِيْرُ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر دراز اور طویل مہلت نہ دی تھی جس میں اگر تم چاہتے تو نصیحت حاصل کر سکتے تھے خصوصاً جبکہ تمہارے پاس ڈرانے والے بھی آچکے تھے (بعض نے نذیر کی تفسیر شیب (بڑھاپے سے کی ہے) غرض وقت بہت قابل قدر چیز ہے لیکن لوگ اس کی قدر نہیں کرتے۔ فضول باتوں میں ضائع کرتے ہیں۔ بعض طالبین کی عادت ہے کہ وہ محض حالات سے خط کو بھر دیتے ہیں اس سے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ مقصود کیا ہے اگر یہ مقصود ہے کہ ہمارے اوپر ایسے ایسے حالات وارد ہوتے ہیں تو اطلاع سے کیا مقصود ہے اگر یہ مقصود ہے کہ یہ حالات قابل التفات ہیں یا نہیں اور محمود ہیں یا مذموم تو اس کی تصریح ہونی چاہئے ورنہ محض اطلاع ایک فضول امر ہے اس تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ آج کل اکثر لوگ اخبار فضول میں مشغول ہیں اور حدیث میں ہے من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه (الکامل لابن عدی ۳: ۹۰۷، کنز العمال ۸۲۹۱) یعنی اسلام کی خوبی یہ ہے کہ مسلمان لایعنی امور کو ترک کردے تو یہ سب امور قابل ترک ہیں (یہ مضمون غایت تفصیل کے ساتھ وعظ ترک مالایعنی میں بیان ہو چکا ہے۔ قابل مطالعہ ہے۔

فن تعبیر کا بزرگی سے کوئی تعلق نہیں

بعض لوگ خطوط میں خواب بہت لکھتے ہیں مجھے اس سے بھی الجھن ہوتی ہے کوئی بہت ہی عجیب وغریب خواب ہو تو اس کی اطلاع کا مضائقہ نہیں مگر یہ تو نہ ہونا چاہئے کہ ہر خط میں خواب ہی لکھے ہوئے آیا کریں۔ اگر دس خطوط میں امراض نفس کا معالجہ دریافت کیا جائے اپنے عیوب کی اصلاح کا طریق دریافت کیا جائے تو اس کے بعد ایک خط میں خواب لکھ دینے کا بھی مضائقہ نہیں مگر اب تو حالت یہ ہے کہ دس خطوں میں تو خواب کی کیفیات ہوتی ہیں اور ایک خط میں بیداری کی۔ یہ تو یقیناً لایعنی میں داخل ہے پھر طرہ یہ کہ خواب لکھ کر اس کی تعبیر دریافت کرنا چاہتے ہیں اور مجھے اول تو تعبیر سے بہت کم مناسبت ہے دوسرے اس کو طریق سے کچھ تعلق نہیں نہ شان اصلاح

کے۔ لئے معتبر ہونا ضروری بلکہ تعبیر کے فن کو تو اسلام کی بھی ضرورت نہیں زمانہ جاہلیت میں بعض کفار ایسے معتبر ہوئے ہیں کہ علماء اسلام میں بھی ایسے معتبر نہ ہوئے ہوں گے تو جوفن مسلم وکافر دونوں میں مشترک ہو اس کو طریق یا بزرگی سے کیا تعلق اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ جس خط میں خواب لکھا جائے اس کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا جائے کہ اگر تعبیر ضروری ہو تو لکھی جائے ورنہ کچھ ضرورت نہیں اس سے مکتوب الیہ پر بار نہیں ہوتا اسی لئے میں خوابوں کا جواب کم دیتا ہوں اکثر تو یہ شعر لکھ دیتا ہوں۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

(نہ میں شب ہوں نہ شب پرست جو خواب کی تعبیر بیان کروں محبوب حقیقی کا بندہ ہوں ان کی باتیں بیان کرتا ہوں)

شریعت میں خواب کا درجہ

خواب کا درجہ شریعت میں صرف اتنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے خواب کو مبشرات سے فرمایا ہے کہ یہ دل خوش کن چیز ہے اور برے خواب کو تحزین من الشیطان (شیطان کی طرف سے حزن و ملال میں ڈالنا) کہا گیا ہے یعنی شیطان برے خواب دکھلا کر مسلمان کو پریشان کرنا چاہتا ہے، تو اس سے پریشان و مغلوب نہ ہونا چاہئے۔ ورنہ شیطان اور تنگ کرے گا خواب سے نہ کوئی جنت میں جائے گا نہ دوزخ میں کیونکہ اس کا مدار اعمال اختیاریہ پر ہے اور خواب اختیاری نہیں اگر کوئی آدمی ساری عمر برے خواب دیکھتا رہے تو اس کا کیا قصور ہے اور جو ساری عمر اچھے خواب دیکھے اس کا کیا کمال ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خواب علت نہیں محض علامت ہے وہ بھی جبکہ خواب خواب ہی ہو تبخیر دماغ نہ ہو اور آج کل اکثر خواب تو ایسے ہی ہوتے ہیں کہ تبخیر دماغ سے پریشان خیالات نظر آنے لگے ہیں مگر لوگوں نے اس کو مقاصد میں داخل کر لیا ہے اور خواب کے اوپر اعتماد کر کے فیصلے کر لیتے ہیں۔ بعض لوگ چاہتے ہیں کہ مردہ کو خواب میں دیکھ لیا جائے اور جب تک وہ نظر نہیں آتا اس وقت تک متفکر رہتے ہیں۔ حالانکہ اس میں ایک ضرر ہے وہ یہ کہ مردہ اگر اچھی حالت میں نظر آیا تو اس کے بعد ایصال ثواب سے غفلت ہو جاتی ہے گویا ان کے نزدیک ثواب پہنچانے کے لئے معذب ہونا بھی ضروری ہے۔ اور اگر اسے معذب دیکھا تو مسلمان سے خواہ مخواہ بدگمانی ہوگی حالانکہ محض خواب کی بنا پر کسی سے بدگمان ہونا جائز نہیں یہ ساری گفتگو اس پر شروع ہوئی تھی کہ جملہ خبریہ

سے بھی انشاء ہی مقصود ہوتی ہے اور جس جملہ سے انشاء مقصود نہ ہو وہ مہمل ہے یہ مرض آج کل ہی ہوا ہے کہ اخبار کو بھی مقصود سمجھتے ہیں۔ پس ہر چند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں اس جگہ جملہ خبریہ وارد ہے مگر جب خبر خود مقصود نہیں ہوسکتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو سید الحکماء والفصحاء ہیں آپ کے کلام میں خبر سے مقصود انشاء کیوں نہ ہوگا۔ اگر اس پر کوئی اشکال کرے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (فرما دیجئے اللہ ایک ہے) میں خبر سے کیا مقصود ہے میں کہوں گا کہ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے تم اسکو واحد ہی سمجھو۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں بھی اس جگہ خبر مقصود نہیں بلکہ انشاء مقصود ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے لوگو! تم اپنے اسلام کی تکمیل میں کوشش کرو اور درجہ کمال حاصل کرنے کی فکر کرو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ نام کا اسلام رہ جائے یا محض صورت ہی صورت رہ جائے اور یہ درجہ نہ کافی ہے نہ مطلوب کیونکہ مقاصد میں ہمیشہ درجہ کمال مطلوب ہوا کرتا ہے اور اس حدیث میں ضمناً ان لوگوں کی شکایت بھی ہوگئی جو محض درجہ صورت یا درجہ اسم پر اکتفا کرلیں گے اسی کو آپ بطور شکایت کے بیان فرماتے ہیں کہ عنقریب ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ اسلام کا نام ہی نام رہ جاوے گا اور قرآن کے صرف نقوش رہ جائیں گے۔ اس کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات تو صراحۃً معلوم ہوگئی کہ آپ اسلام کے مراتب و درجات بیان فرما رہے ہیں البتہ ان درجات کی تعیین یہ بعض کی اشارۃً ہے اور بعض کی صراحۃً۔

اسلام کے تین درجے

غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے تین درجے بیان فرمائے ہیں لہذا پہلے میں ان درجات کی تعیین کرنا چاہتا ہوں پھر تکمیل کا طریقہ بیان کروں گا۔ ایک درجہ تو اس جگہ صراحۃً مذکور ہے جس کو نام کا اسلام فرمایا ہے اور دو درجے صراحۃً مذکور نہیں مگر تامل سے سمجھ میں آسکتے ہیں چنانچہ ولا یبقی من القرآن الا رسمہ (مشکوۃ المصابیح ۲۷۶، کنز العمال ۳۱۱۳۶) (قرآن سے صرف نقش ہی باقی رہ جائیں گے) سے دوسرا درجہ مفہوم ہوتا ہے یعنی رسم اسلام کیونکہ جیسے قرآن میں ایک درجہ رسم قرآن ہے اسی طرح اسلام میں ایک درجہ رسم اسلام ہے جس کو صورت اسلام کہنا چاہئے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ اسم اور لفظ رسم کے معنی میں غور کرنے سے لغۃً فرق معلوم ہوتا ہے اسم کہتے ہیں نام کو اور رسم کہتے ہیں نقش کو پس درجہ اسم میں تو شی کا تحقق نہ صورۃً ہوتا ہے نہ معنیً محض نام ہی نام

ہوتا ہے اور درجہ رسم میں نام کے ساتھ صورت کا بھی تحقق ہوتا ہے پس یہ درجہ نام کے درجہ سے بڑھا ہوا ہے۔ یہ دو درجے ہوئے اب ایک تیسرا درجہ اور ہونا چاہئے جس کے اعتبار و تقابل سے ایک درجہ کو نام کا اسلام اور ایک درجہ کو صورت کا اسلام کہا گیا ہے وہ درجہ حقیقت کا ہے ظاہر ہے کہ بدون تصور حقیقت کے نہ نام کا درجہ ہوسکتا ہے نہ صورت کا اس لئے اس کا ماننا تو ضروری ہے۔ اب ترتیب وار سن لیجئے کہ اسلام کے تین درجے ہوئے ایک تو درجہ حقیقت ہے جس کو کام کا اسلام کہنا چاہئے' دوسری صورت کا درجہ ہے تیسرے نام کا اسلام ہے جس میں نہ حقیقت ہے نہ صورت ہے مگر برائے نام اس پر حقیقت کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ اس کو ایک مثال میں سمجھئے کہ مثلاً دوستی ایک شے ہے اس کے بھی ہمارے عرف میں تین درجے ہیں ایک تو دوستی کی حقیقت ہے کہ دل سے خیر خواہی اور ہمدردی ہو دوسرے دوستی کی صورت ہے کہ ظاہر میں برتاؤ ایسا ہے جیسا دوستوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ مگر دل میں محبت زیادہ نہیں لیکن اس کے ساتھ اتنی بات بھی ہے کہ دشمنی کا برتاؤ بھی نہیں نہ پیچھے غیبت شکایت ہے نہ دشمنوں کے ساتھ سازش ہے یہ بھی ایک درجہ میں دوستی ہے یعنی دوستی کی صورت میں، جس کی حقیقت یہ ہے کہ دشمنی نہ کرنے کو بھی دوستی کہہ دیا جاتا ہے اور ایک قسم کی دوستی یہ ہے کہ منہ پر تو دوستی کا برتاؤ کیا جاتا ہے جھک کر سلام کرتے ہیں سامنے خوشامد کی باتیں بناتے ہیں اور پیچھے ایذا و اضرار کے درپے ہوتے ہیں تو پہلا درجہ تو کمال دوستی کا ہے اور دوسرا درجہ صورت دوستی کا ہے اور تیسرا درجہ صرف نام کی دوستی ہے۔ جیسے منافقین کو برائے نام مسلمان کہہ دیا جاتا ہے مگر ظاہر ہے کہ جس طرح ہماری نگاہ میں نام کی دوستی کی ذرا بھی قدر نہیں ہوتی اسی طرح خدا تعالیٰ کے یہاں منافقوں کے اسلام کی کچھ بھی قدر نہیں مومن کہلانے سے اور مسلمان نام ہو جانے سے کیا ہوتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

میم وہ داؤ میم و نون تشریف نیست   لفظ مومن جزپے تعریف نیست

(میم واو میم نون میں کچھ شرافت نہیں اسی طرح صرف مؤمن کہنے سے مؤمن نہیں ہوتا جب تک ایمان وعمل صالح نہ ہو)

یعنی مومن کا لفظ (بدون موجود حقیقت کے) کچھ شرافت نہیں بلکہ محض پتہ کے لئے ہے جس سے فی الجملہ امتیاز ہو جاتا ہے اس حالت میں لفظ مومن کی ایسی مثال ہوگی جیسے کسی جاہل لٹھ کا نام فاضل رکھ دیا جاوے تو اس نام سے اس کو ایک امتیاز تو حاصل ہو جائے گا کہ فاضل کہنے سے وہی

سمجھا جاوے گا مگر نام فاضل ہونے سے وہ سچ مچ تو فاضل نہیں ہو جاتا وہ تو جاہل کا جاہل ہی رہتا ہے اسی طرح منافق کو مومن کے لقب سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کہیں الفاظ سے بھی کام چلا کرتا ہے۔ اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ لایبقی من القرآن الا رسمہ (قرآن سے صرف نقش ہی باقی رہ جائیں گے) سے جو تم نے دوسرا درجہ مراد لیا ہے کہ لفظ رسم سے درجہ صورت مراد ہے اس کی کیا دلیل ہے ممکن ہے کہ اس سے بھی وہی مراد ہو جو الا اسمہ سے مراد ہے (مگر اس کا نام ہی نام)۔

مسئلہ بلاغت

پس ایک جملہ میں ہے دوسرے جملہ میں اسی درجہ قرآن کا بیان ہے۔ اس کے چند جواب ہیں اول یہ کہ بلاغت کا مسئلہ ہے کہ تاکید سے تاسیس اولیٰ ہے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں جو کہ سید البلغاء ہیں تاسیس ہی مراد ہونی چاہئے۔ دوسرے یہ کہ قرآن کے متعلق درجہ اسم مراد لینا صحیح بھی نہیں کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ علم دین جس میں قرآن بھی داخل ہے قرب قیامت میں خود مرتفع نہ ہوگا بلکہ علماء وقراء مر جاویں گے اس کے بعد مسلمان بھی دنیا سے اٹھ جائیں گے سو قرآن مجید کا علم وعمل گو باقی نہ رہے مگر خود قرآن مجید رہے گا یہ نہیں کہ قرآن کا صرف نام ہی نام رہ جائے اور اس کی صورت بھی باقی نہ رہے بلکہ قرآن کی صورت اخیر زمانہ تک ضرور باقی رہے گی لہذا الا رسمہ (مگر اس کے نقش) سے درجہ اسم مراد لینا صحیح نہیں ہوسکتا اس سے درجہ صورت ہی مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک زمانہ میں مسلمانوں کے اندر صرف قرآن شریف کے نقوش رہ جائیں گے اس کے سمجھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے بہت کم رہ جائیں گے اور صرف درجہ رسم کا باقی رہنا بھی باعتبار اکثر کے ہے کل کے اعتبار سے نہیں کیونکہ قیامت تک ایک جماعت قرآن کی سمجھنے والی اور اس پر عمل کرنے والی ضرور رہے گی خواہ وہ معدودے چند ہی ہوں کیونکہ ایک صحیح حدیث میں یہ بھی آچکا ہے لا یزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاهرین الی یوم القیامة (قلت رواه الشیخان واللفظ لمسلم ۱۲ جامع) (کنز العمال ۳۴۵۵۹) (میری امت سے ایک گروہ قیامت تک حق پر مقاتلہ کر کے غالب رہے گا میں کہتا ہوں کہ اس کو بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے اور لفظ مسلم کے ہیں) یعنی قیامت تک ایک جماعت حق پر ضرور رہے گی اور ظاہر ہے کہ حق پر ہونا بدون عمل بالقرآن کے ممکن نہیں کہ ایک جماعت قرآن پر عمل کرنے والی

قیامت تک (مراد قرب قیامت ہے) ضرور رہے گی۔ لہٰذا لا یبقی من القرآن الا رسمہ (مشکوۃ المصابیح ۲۷۶، کنز العمال ۳۱۱۳۶) (قرآن سے اس کے نقش ہی باقی رہ جائیں گے)۔ سے درجہ اسم مراد نہیں ہو سکتا اور اس تقریر سے معلوم ہوا کہ لا یبقی من الاسلام الا اسمہ (اسلام سے صرف اس کا نام ہی نام باقی رہے گا) بھی اکثر کے اعتبار سے سب کے اعتبار سے نہیں کیونکہ ہر زمانہ میں ایک جماعت کامل الاسلام بھی ضرور رہے گی۔

اسلام کی صورت اور حقیقت

اب اس کو سمجھئے کہ اسلام میں درجہ حقیقت کون سا ہے اور نام کا اسلام کون سا ہے اور صورت اسلام کیا ہے اس کے سمجھنے کے لئے پہلے آپ کو اسلام کی حقیقت سمجھنی چاہیے حقیقت کے معلوم ہونے کے بعد باقی دو درجے خود ہی معلوم ہو جائیں گے۔ آج کل اسلام کا نوحہ کرنے والے تو بہت ہیں مگر افسوس حقیقت جاننے والے بہت کم ہیں۔ آج کل لکچروں اور وعظوں میں اسلام کا رانڈ رونا رویا جا رہا ہے کہ اسلام پستی میں آ گیا، اسلام کمزور ہو گیا کوئی کہتا ہے کہ اسلام کو اتحاد اتفاق کی ضرورت ہے کوئی کہتا ہے کہ اسلام مسلمانوں سے یہ درخواست کرتا ہے وغیرہ وغیرہ کوئی ان سے پوچھے کہ تم یہ نوحہ کس کا کر رہے ہو۔ کیا اسلام کوئی پتلا ہے جس کے اوپر یہ آفتیں آ رہی ہیں، کیا اسلام کوئی تم سے الگ چیز ہے، جو کبھی بڈھا ہوتا ہے کبھی بیمار ہوتا ہے کبھی اس پر حملے کئے جاتے ہیں۔

نفسانی اغراض

اے صاحبو! اسلام تو حقیقت میں آپ کی ایک صفت ہے تم اپنے آپ کو مسلم یا مسلمان کہتے ہو تم موصوف ہو اور اسلام تمہاری ایک صفت ہے جیسے کوئی شخص حسین ہو تو حسن اس کی ایک صفت ہے اور وہ موصوف بالحسن ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ صفت کا تحقق موصوف ہی کے ساتھ ہوا کرتا ہے جدا نہیں ہوا کرتا چنانچہ حسن کا تحقق ہمیشہ حسین آدمی کے ساتھ ہوا کرتا ہے حسن کے لئے کوئی جدا تحقق نہیں۔ جب یہ بات ہے تو اب بتلاؤ کہ تم جو اسلام کا نوحہ کرتے ہو اس کا مطلب کیا ہے کیا اس کی بعینہ یہی مثال نہیں کہ کوئی شخص حسن کا نوحہ کرتا پھرے اور اپنی خبر نہ لے۔ صاحبو! آپ کا نوحہ اسلام کرنا حقیقت میں یہ اپنا نوحہ ہے، تمہارا تنزل یہ اسلام کا تنزل ہے، تمہاری ضرورت اسلام کی ضرورت ہے ورنہ کوئی بتلائے کہ تم سے علیحدہ اسلام کا وجود کونسا ہے مگر اب حالت یہ ہے کہ اسلام کا تو رانڈ رونا روتے ہیں مگر اپنی خبر نہیں لیتے اپنی

اصلاح کا کسی کو اہتمام نہیں بس وہ حالت ہے جو مولانا فرماتے ہیں۔

کردہ تاویل لفظ بکر را خویش راتا ویل کن نے ذکر را
بر ہوا تاویل قرآں می کنی پست و کژ شد از تو معنے سنی

(تو نے لفظ بکر تاویل کی اپنی تاویل کر (یعنی اپنی اصلاح کر) نہ ذکر کی تاویل کر نفسانی اغراض سے قرآن پاک کی تاویل کرتا ہے تجھ قرآن پاک کے معنی کو کج اور بگاڑتا ہے)

جو لوگ اسلام کی خدمت کرنا چاہتے ہیں ان کو چاہئے کہ اپنی خدمت کریں جب وہ خود درست ہو جائیں گے تو اسلام بھی درست ہو جائے گا۔ اسلام کی اصل خدمت یہی ہے کہ تم اپنی اصلاح کرو اور اپنے اعمال واقوال واحوال کو اسلام کے مطابق بناؤ جب تمہاری کامل اصلاح ہو جائے گی تو اسلام کو ترقی ہو جائے گی۔ مگر اب تو یہ حالت ہے کہ اسلام کی خدمت اور حفاظت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ وقت نماز روزہ کی تعلیم اور مسئلہ مسائل بتلانے کا نہیں ہے اب تو خدمت اسلام کی ضرورت ہے اے اللہ نہ معلوم وہ اسلام کی خدمت و حفاظت کیا چیز ہے جس کے لئے نماز روزہ کی اور حلال وحرام کے جاننے کی بھی ضرورت نہیں۔

اسلام کا نام

حتیٰ کہ ایک دفعہ کسی اخبار میں کسی ریفارمر کا یہ مضمون شائع ہوا تھا کہ اسلام میں ایک ایسی چیز ہے جو ترقی سے بہت ہی سد راہ ہے وہ یہ کہ مسلمان ہو کر پانچ وقت کی نماز پڑھنا پڑتی ہے بہت سے غیر مسلم مسلمان ہونا چاہتے ہیں اور وہ اسلام کو حق سمجھتے ہیں مگر پانچ وقت کی نماز کو فرض سن کر وہ اسلام سے رک جاتے ہیں لہذا ہمارے علماء کو چاہئے کہ اسلام میں سے نماز کو نکال دیں اگر یہ نکال دی گئی تو اسلام کو بہت ترقی ہوگی اور بڑا مانع مرتفع ہو جائے گا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں) میں کہتا ہوں کہ اگر اسلام میں سے نماز کو نکال دیا گیا اور نکالنے کے معنی یقیناً یہی ہیں کہ نماز کو ضروری نہ کہا جاوے پھر وہ اسلام ہی کہاں رہے گا وہ بھی ساتھ ساتھ رخصت ہو جائے گا پھر اگر لوگ اسلام بھی قبول کریں تو وہ محض نام کا اسلام ہوگا۔ حقیقت اسلام اس میں نام کو بھی نہ ہوگی تو اب جتنی بھی ترقی ہو وہ اسلام کی ترقی تھوڑا ہی ہوگی کفر کی ترقی ہوگی کیونکہ فرضیت صلوٰۃ سے انکار کرنا کفر ہے۔ یہ تو اسلام کی خدمت ایسی ہوگی جیسے ایک بڑھیا کے گھر میں شاہی باز آ گرا تھا اس نے باز کبھی

دیکھا نہ تھا اس لئے اس کی بڑی چونچ دیکھ کر وہ بھی ٹیڑھی کہنے لگی کہ ہائے تو دانہ کیونکر کھاتا ہوگا تیری چونچ تو بڑی ٹیڑھی ہے اس کے بعد قینچی سے اس کی چونچ کاٹ ڈالی۔ پھر ٹیڑے ناخن دیکھ کر اسے اور بھی ترس آیا کہ ہائے کسی نے تیرے ناخن بھی نہیں بنائے تو چلتا کیسے ہوگا اس نے ناخن بھی کاٹ دیئے۔ پھر لمبے لمبے بازو دیکھ کر کہنے لگی کہ اتنا بوجھ لے کر تجھ سے اڑا کیونکر جاتا ہوگا پھر قینچی سے پر بھی کاٹ دیئے اس نے تو اپنے زعم میں اس کے ساتھ بڑی ہمدردی کی تھی مگر حقیقت میں اس نے اس کو تباہ کر دیا جب بادشاہ کو تلاش کے بعد پتہ لگا کہ شاہی باز ایک بڑھیا کے گھر میں ہے تو اس نے منگوایا تو وہاں وہ لنڈورا بنا ہوا پہنچا بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو لے کر بازار میں اور شہر کی گلی کوچوں میں منادی کرو کہ جو شخص اپنے قدردان مربی سے جدا ہو کر ناقدروں کے ہاتھ میں جا پھنسے اس کی یہ گت بنا کرتی ہے تو صاحبو! ہم بھی آج کل اسلام کی ایسی ہی خدمت وحفاظت کر رہے ہیں جیسے اس بڑھیا نے شاہی باز کی خدمت کی تھی کہ اسلام کی ناک کان کاٹ کر آپ اس کو رونق وترقی دینا چاہتے ہیں کہ نہ نماز کی ضرورت ہے نہ روزہ کی نہ قربانی کی نہ حج کی نہ کفریات ومعاصی سے بچنے کی اور پھر بھی وہ اسلام کی حفاظت ہی چلی جا رہی ہے ان لوگوں کو یہ بھی خبر نہیں ہے کہ ہم جس کی خدمت وحفاظت کا دعوے کر رہے ہیں ہمارے اقوال وافعال سے اس کی بیخ کنی ہو رہی ہے۔ شیخ شیرازی فرماتے ہیں ۔

یکے برسر شاخ و بن می برید خداوند بستاں نگہ کردو دید

(ایک شخص ٹہنی پر بیٹھا ہوا جڑ کاٹ رہا تھا باغ کے مالک نے نگاہ کی اور دیکھا)

آجکل لوگوں کا مذاق

ایک صاحب نے مجھ سے ابھی ایک مسئلہ پوچھا تھا میں نے اس کا شرعی جواب دیدیا تو وہ کیا کہنے لگا کہ یہ تو سود کی صورت ہے میں نے کہا بہتر ہے اگر آپ کے نزدیک یہ سود کی صورت ہے تو اس پر عمل نہ کریں مگر اسلام کا حکم یہی ہے ہم اس کو بدل نہیں سکتے افسوس! لوگوں کا مذاق آج کل یہ ہو رہا ہے کہ شریعت میں وہی مسائل رکھے جائیں جو ہماری عقل کے مطابق ہوں اور جو بات ان کی سمجھ میں نہ آوے اس کو شریعت میں نہ رہنا چاہئے کہتا ہوں کہ اگر ایسا کر دیا جائے تو پھر وہ مذہب اسلام کہاں رہے گا بلکہ خود ساختہ مذہب ہو جائے گا تو جس مذہب میں بندوں کی رائے اور تصنیف کو دخل ہو سکے وہ تو ایسا کر سکتا ہے مگر اسلام میں ایسا نہیں

ہوسکتا یہ تو خدا کا بھیجا ہوا مذہب ہے جس کی حفاظت کا حق تعالیٰ نے خود وعدہ کیا ہے اس میں کسی کی ذاتی رائے اور تصنیف چل نہیں سکتی بہت لوگ احکام میں تحریف کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر ذاتی تجربہ شاہد ہے کہ سب تحریفات خود ہی مٹ جاتی ہیں اور احکام شرعیہ اپنی اسی اصلی حالت پر قائم رہتے ہیں۔ الغرض میں یہ کہہ رہا تھا کہ اسلام تم سے جدا کوئی چیز نہیں مسلمانوں ہی سے اسلام کا ظہور ہوتا ہے اس لئے اسلام کی ترقی تمہاری ترقی ہے اور تمہارا تنزل اسلام کا تنزل ہے جیسے کسی عورت سے دوسری عورت نے پوچھا کہ بی فوج کسے کہتے ہیں اس نے کہا کہ تیرا میاں میرا میاں یہ سب مل ملا کر فوج ہو جاتی ہے۔ واقعی فوج کی حقیقت اس نے خوب بتلائی کوئی فوج کا الگ پتلا تھوڑا ہی ہوتا ہے یہی حالت اسلام کی ہے کہ ہمارے اور تمہارے درست ہونے سے اسلام کی ترقی ہوتی ہے کوئی ہم سے الگ چیز تھوڑا ہی ہے تو اب اگر اسلام کی ترقی چاہتے ہو تو اپنی حالت کی اصلاح کرو جب تم سب درست ہو جاؤ گے بس اسلام کو ترقی ہوگئی مگر یہ یاد رکھو کہ اپنی درستی یا اسلام کی ترقی کے یہ معنی نہیں کہ تم مال و دولت زیادہ جمع کرنے کی تدبیریں کرو یہ تو خوش حالی اور تمول کی ترقی ہے۔

اسلام کی ترقی

اسلام کی ترقی یہ ہے کہ تم اپنی ایسی حالت بناؤ کہ تم کو دیکھ کر دنیا یوں کہنے لگے کہ ہاں بھائی یہ لوگ مسلمان ہیں یعنی تمہاری حرکات وسکنات کو دوسروں کی حرکات وسکنات سے امتیاز ہو تمہاری وضع وہیئت ممتاز ہو تمہارے احوال وافعال واقوال تعلیم اسلام کے تابع ہوں اس وقت یہ بات حاصل ہوگی کہ جہاں ایک مسلمان اور ایک کافر کو جمع کیا جائے گا فوراً لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ مسلمان ہے یہ کافر ہے دونوں کے برتاؤ کو دیکھ کر لوگ پہچانیں گے کہ اسکا برتاؤ مسلمانوں جیسا ہے اس کا نہیں اب تو ہماری یہ حالت ہے کہ ہماری تقریر وتحریر معاملات و معاشرت اسلام سے بہت دور جا پڑی ہے حتیٰ کہ صورت میں بھی بہت کم امتیاز باقی ہے اس حالت میں اسلام کو ترقی کیونکر ہو اور اگر اسی حالت میں رہ کر تم نے ترقی بھی کی تو یاد رکھو وہ اسلام کی ترقی نہ ہوگی بلکہ محض مال ودولت کی ترقی ہوگی۔ مگر اس طرف لوگوں کو بہت ہی کم توجہ ہے اپنی اصلاح کی فکر ہی نہیں صرف اسلام کے تنزل کا نوحہ کرتے رہنا ان کا کام رہ گیا ہے۔

حالانکہ خود اسلام میں کوئی نقص یا ضعف کچھ نہیں ہوا ایک دفعہ میں ایک مدرسہ کے جلسہ میں شریک ہوا وہاں ایک واعظ صاحب نے اپنے وعظ میں کہا کہ آج کل اسلام کی حالت بیوہ عورت جیسی ہے جس طرح وہ اپنے سرپرست کے مرجانے سے تیری میری دست نگر ہو جاتی ہے اسی طرح اسلام تمہارا منہ تک رہا ہے اس لئے اعانت اسلام کی سخت ضرورت ہے پھر اخیر میں اعانت کا طریقہ یہ بتلایا کہ مدرسہ میں چندہ دو۔ مجھے یہ مضمون بہت ناگوار ہوا۔ جب میری باری آئی تو میں نے کہا کہ اسلام کی حالت بیوہ جیسی عورت کیوں ہونے لگی ہاں تم خود رنڈوے ہوگئے ہو گے اپنے ضعف کو اسلام کی طرف کیوں منسوب کرتے ہو اسلام ہرگز ضعیف نہیں ہوا بلکہ حقیقت میں تم ہی ضعیف ہو رہے ہو اور اسلام کی طرف تمہارا اس ضعف کو منسوب کرنا ایسا ہے جیسے ہمارے یہاں ایک عورت نے عید کا چاند دیکھا تھا اس وقت وہ بچے کو پاخانہ کرا رہی تھی جلدی میں اسے کپڑے سے پونچھ کر ناک پر انگلی رکھ کر چاند دیکھنے لگی عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ اکثر ناک پر انگلی رکھ کر بات چیت کیا کرتی ہیں انگلی میں کہیں پاخانہ لگا رہ گیا تھا تو وہ کیا کہتی ہے اوئی اب کے چاند سڑا ہوا کیوں نکلا۔ اس بھلی مانس نے اپنی انگلی کی تو خبر نہ لی چاند کو سڑا ہوا بتلا دیا یہی ہماری حالت ہے کہ اپنے ضعف کی تو خبر نہیں لیتے اسلام کو ضعیف بتلاتے ہیں حالانکہ اسلام کی اب بھی وہی حالت ہے جو پہلے تھی۔

ہنوز آں ابر رحمت درفشان ست خم و خمخانہ با مہر و نشان ست

(اب بھی وہ ابر رحمت درفشان ہے خم اور خمخانہ مہر و نشان کے ساتھ موجود ہے)

اسلام کا ظہور

سڑے ہوئے تم خود ہو ماہتاب اسلام کو سڑا کیوں بتلاتے ہو باقی یہ جو میں نے ابھی کہا تھا کہ اسلام مسلمانوں کے ساتھ تہ لگا ہوا ہے ان سے جدا اور الگ نہیں ہے اس لئے مسلمانوں کا تنزل اسلام کا تنزل ہے اور ان کی ترقی اسلام کی ترقی ہے یہ مضمون اس سے متعارض نہیں کیونکہ اس سے میری مراد ظہور اسلام ہے نہ کہ حقیقت اسلام یعنی اسلام کا ظہور مسلمانوں کے تابع ہے اور مسلمانوں کو دیکھ کر ہی دوسری قوموں کو اسلام کا ظہور معلوم ہوتا ہے ورنہ حقیقت اسلام ایک مستقل شے ہے وہ کسی کے تابع نہیں کیونکہ وہ نام ہے قرآن وحدیث کی تعلیم کا اور یہ اسلام کسی

وقت کمزور نہیں ہوسکتا یہ تو ابتداء سے جیسا ہے اسی حال پر موجود ہے اس کا نوحہ تو کسی وقت بھی نہیں ہوسکتا اور نہ ان شاء اللہ کبھی ہوگا البتہ جس اسلام کا لوگ نوحہ کررہے ہیں وہ مسلمانوں ہی کے تابع ہے اور اس کی ترقی وتنزل کو میں نے مسلمانوں کی ترقی وتنزل کے تابع کہا تھا۔

اسلام کے دو وجود

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کے دو وجود ہیں ا ۔ اصلی ایک عارضی وجود اصلی اس کا مستقل ہے اور اس میں کبھی ضعف نہیں آسکتا اور وجود ا اہل اسلام کے ساتھ لگا ہوا ہے اس کی قوت و ضعف مسلمانوں کی حالت کے تابع ہے اور آج کل نوحہ ہورہا ہے جو کہ درحقیقت اپنا ہی نوحہ ہے! صاحبو اسلام کی حالت جب خراب ہوتی ہے جب یہودیت ونصرانیت کی طرح اسلامی احکام میں بھی خلط ہوجاتا مگر خدا کے فضل سے احکام اسلامی اب تک اسی آب وتاب کے ساتھ اپنی اصلی حالت پر ہیں گو اہل باطل نے تحریف کی بہت کوشش کی ہے مگر لفظی تحریف تو کبھی ہو ہی نہ سکی چنانچہ قرآن کو خدا تعالیٰ نے حفظ کے ذریعہ سے ایسا محفوظ کیا ہے کہ اس میں ایک حرف کی بھی کمی پیشی نہیں ہوسکتی احادیث میں وضاعین نے اپنی طرف سے کچھ باتیں ٹھونسنا چاہی تھیں تو حق تعالیٰ نے محدثین کی جماعت کو پیدا کردیا جنہوں نے رجال وسند سے بحث کرکے وضاعین کی وضع کو نکال باہر کیا حدیث کی اس طرح حفاظت کی گئی البتہ تحریف معنوی اہل اہواء ہر زمانہ میں کرتے رہتے ہیں مگر وہ بھی چندروز کے بعد مٹ جاتی اور محرفین ہی کے ساتھ ان کی تحریف بھی چل دیتی ہے اور اسلام کی ہر وقت وہی حالت رہتی ہے۔

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں ست خم و خمخانہ با مہر و نشان ست

(اب بھی وہ ابر رحمت درفشان ہے خم وخمخانہ مہر ونشاں کے ساتھ موجود ہے)

تحریف معنوی

اور تماشا یہ ہے کہ تحریف معنوی بھی اس وقت تک نہیں چلتی جب تک اس کی تائید میں کوئی شرعی دلیل نہ پیش کی جائے اگر کوئی شخص اپنی طرف سے ایک بات نکال کر یوں چاہے کہ مسلمان اس کو میرا قول سمجھ کر اسلام میں داخل کرلیں تو ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کیونکہ مسلمانوں کے عقیدہ میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ اسلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی طرف سے کسی بات کا اضافہ

بدون حکم الٰہی کے نہیں کر سکتے تھے تو دوسروں کا شمار ہی کیا ہے۔ بس تحریف بھی کسی شرعی حکم کے تابع ہو کر ہی کچھ روز تک چلتی ہے اور واقعی یہ غایت حفاظت ہے چنانچہ ایک دنیا پرست عالم نے کسی شخص کے لئے اس کی ساس کو حلال کرنا چاہا تھا (کیونکہ اس ترکیب سے ان کو ایک ہزار کی رقم ملتی تھی تو اب دیکھئے یہ تحریف کیونکر چلی محض اتنی بات کہنے پر وہ شخص قانع نہیں ہوا کہ بس میں جائز کرتا ہوں تو بلا تکلف جائز سمجھ بلکہ ان مولوی صاحب کو اس کے لئے با قاعدہ فتویٰ مرتب کرنا پڑا جس میں ظالم نے دلائل شرعیہ میں تحریف کی اور اسی ترکیب کا معاوضہ اس نے ایک ہزار روپیہ لیا تھا چنانچہ اس نے لکھا کہ ساس کہتے ہیں منکوحہ کی ماں کو اور ابھی تک اس کا منکوحہ ہونا ہی متحقق نہیں کیونکہ ہندوستان کی عورتیں جاہل ہیں اکثر ان کی زبان سے کلمات کفر نکل جاتے ہیں اور نکاح کے وقت لڑکی سے تجدید ایمان نہیں کرائی گئی لہذا اغالب یہ ہے کہ وہ مرتدہ تھی جس کا نکاح درست نہیں ہوا تو وہ منکوحہ نہیں ہوئی تو اس کی ماں منکوحہ کی ماں نہیں ہوئی لہذا اس سے نکاح درست ہے رہا یہ کہ حرمت مصاہرت کا ثبوت تو زنا سے بھی ہو جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حرمت مصاہرت کا مسئلہ مختلف فیہ ہے امام شافعی اس کے قائل نہیں لہذا حرمت مصاہرت کے بارہ میں ہم نے بضرورت امام شافعی کے مذہب کو اختیار کر لیا ہے تو دیکھئے اس عالم کی تحریف بھی اس ترکیب سے چلی کہ اس کو کھینچ تان کر ایک صورت فقیہہ کے تحت میں داخل کرنا پڑا گو وہ داخل ہو نہیں سکتی کیونکہ اس شخص نے محض احتمال کی بنا پر اس عورت کو مرتدہ بنایا ہے اور یہ کسی طرح جائز نہیں واقعی جب عالم بگڑتا ہے وہ ستم ہی ڈھاتا ہے جاہل تو گناہ کر کے شرماتا بھی ہے کیونکہ وہ گناہ کو گناہ سمجھتا ہے مگر عالم اگر گناہ بھی کرتا ہے تو اس کو دین کے اندر ٹھونستا ہے نعوذ باللہ منہ۔

قابیل وقت

اسی طرح ایک جگہ کسی آدمی نے اپنی علاتی بہن سے نکاح کیا تھا نہ معلوم وہ کمبخت بہن کیونکر راضی ہوگئی اس کی ماں نے کہا کہ کمبخت یہ تو نکاح نہیں ہوا حرام ہوا کہنے لگی واہ ہم تو اپنے بھائی ہی کے پاس رہیں گے تم کو کیا۔ واقعی بھائی سے زیادہ بہن کا حقدار کون ہے تو یہ شخص قابیل وقت ہو گیا جس طرح اس نے اپنی بہن سے نکاح کرنا چاہا تھا اور یہی دلیل بیان کی تھی کہ اپنی بہن کا میں زیادہ مستحق ہوں اسی طرح اس شخص نے کیا پھر جب اس سے لوگوں نے سوال کیا کہ ظالم تو نے بہن سے نکاح کس قاعدہ سے کیا یہ تو نص قطعی سے حرام ہے یعنی

واخواتکم (تمہاری بہن بھی حرام ہیں) کہنے لگا کہ واخواتکم سے اخوات کاملہ مراد ہیں یعنی حقیقی بہنیں لان المطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل (مطلق کا جب اطلاق کیا جائے تو اس سے فرد کامل مراد ہوتا ہے) تو اس ظالم نے بھی تحریف کر کے ایک شرعی قاعدہ کے تحت میں اس کو داخل کیا۔اسی طرح ایک صاحب نے فتویٰ دیا کہ منکوحۃ الجد (دادا کی منکوحہ) سے نکاح جائز ہے اور دلیل یہ بیان کی کہ مانکح اباء کم (ان عورتوں سے بھی نکاح حرام ہے جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے) سے صرف منکوحۃ الاب مراد ہے باپ کی منکوحہ حالانکہ اجماعاً منکوحۃ الجد بھی اس میں داخل ہے پھر سنا کہ بعد میں ان صاحب نے اس غلطی سے رجوع کیا غنیمت ہے تو گو لوگ دین میں ایسی معنوی تحریفیں کرتے رہتے ہیں مگر یہ بھی چلتی نہیں چندروز میں سب مٹ مٹا جاتی ہیں۔

جماعت کثیرہ دلیل حقانیت نہیں

کیونکہ قرآن مجید میں جابجا خداتعالیٰ کے وعدے ہیں کہ ہم اس دین کی حفاظت کریں گے۔اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (ہم نے ہی قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)(اور)هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔(وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دیں اگرچہ مشرکین ناپسند کریں) اور حدیث میں ہے لا یزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق لایضرهم من خذلهم حتی یاتی امر الله (سنن ابن ماجه ١٠، السنن الکبیری للبیهقی ٩، ٢٢٦) کے قرب قیامت تک ایک جماعت میری امت میں سے حق پر ہمیشہ قائم رہے گی اور ان کو اس سے کچھ ضرر نہ ہوگا کہ لوگ ان کا ساتھ چھوڑ دیں۔ یہ جماعت اسلام کی خدمت اور احکام کی حفاظت کرتی رہے گی اور محرفین کی لفظی ومعنوی تحریفات کو دین میں سے نکالتی رہے گی وہ کسی کی مخالفت کی پرواہ نہ کریں گے دوسری حدیث میں ان لوگوں کو بشارت دی گئی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان هذا الدین بدا غریباً وسیعود غریباً فطوبی للغرباء (سنن الترمذی ٢٦٣٠، مسند احمد ٢، ٣٨٩) غریب کے معنی مفلس ونادار نہیں ہیں بلکہ عربی میں غریب کہتے ہیں پردیسی، اجنبی، بے یارومددگار کو مطلب یہ ہوا کہ اسلام کی ابتداء

بھی ایسی حالت میں ہوئی ہے کہ اس کے یارو مددگار کم تھے اور اخیر میں بھی اس کی یہی حالت ہو جائے گی کہ اس کے مددگار کم ہوں گے اور جو لوگ مددگار ہوں گے بھی ان کا ساتھ کوئی نہ دے گا تو اسلام کے معاونین بھی اس وقت بے یارو مددگار ہوں گے آگے ان کو بشارت ہے **فطوبی للغرباء** کہ ان بے یارو مددگار لوگوں کے لئے مبارکباد ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک زمانہ میں دین کے ناصر بہت کم ہو جائیں گے کیونکہ طائفہ کا اطلاق جماعت قلیل ہی پر ہوتا ہے خصوصاً جب لفظ امت کے مقابل لایا گیا ہے تو اس سے قلیل ہی مراد ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان ناصروں کے ساتھی بھی کم ہوں گے اور اس وقت یہی تھوڑی سی جماعت حق پر ہوگی یہی دین کو اصلی صورت میں ظاہر کریں گے۔ اسی سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی جانب جماعت کثیرہ کا ہونا حقانیت کی دلیل نہیں۔

اسلام کا نوحہ کرنا مناسب ہے

الغرض اسلام یہودیت و نصرانیت کی طرح ضعیف و کمزور نہیں ہوسکتا اس میں خلط مسلط اور تحریف نہیں ہوسکتی اس لئے اسلام کا نوحہ کرنا کسی وقت بھی درست نہیں البتہ دین کو ہم لوگوں نے خود بگاڑ رکھا ہے یعنی لوگوں کی نظروں میں اپنی حرکتوں سے اس کو بدنام کر دیا ہے۔ کفار ہمارے اعمال و افعال کو دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کی یہی تعلیم ہوگی اس لئے وہ اسلام پر اعتراض کرنے کی جرات کرتے ہیں یا اسلام کو وحشی اور غیر متمدن مذہب بتلاتے ہیں اگر آج ہم اپنی اصلاح کرلیں تو کفار کی آنکھیں کھل جائیں کہ اسلام سے زیادہ تہذیب و تمدن کسی مذہب میں بھی نہیں پس اے صاحبو! تم اپنے ضعف کو اسلام کی طرف کیوں منسوب کرتے ہو اسلام ضعیف نہیں اس کی قوت ذاتی ہے عارضی نہیں اس کی اصلی قوت کبھی زائل نہ ہوگی ہاں وہ قوت جو ہر مذہب کو اپنے متبعین کے اعتبار سے حاصل ہوتی ہے اس میں کبھی ضعف تمہاری عارضی حالت کی وجہ سے ہوسکتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس ضعف کا منشا ہم خود ہیں ہماری وجہ سے یہ ضعف پیدا ہوتا ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ تم اپنے ضعف کا علاج کرو اپنی اصلاح کر کے قوت پیدا کرو۔ ورنہ بدون اپنی اصلاح کے اسلام کا نوحہ کرنا ویسا ہی ہوگا جیسا کہ اس عورت نے چاند کو سڑا ہوا بتلایا تھا نیز جس طرح ایک حبشی جا رہا تھا راستہ میں اسے ایک آئینہ پڑا ہوا ملا اٹھا کر دیکھا تو اس میں آپ کو اپنی دلفریب صورت نظر آئی جھلا کر پھینک دیا اور کہا کہ ایسا بدصورت تھا جب ہی تو کوئی تجھے یہاں پھینک گیا ہے تو جس طرح اس حبشی نے آئینہ میں اپنی صورت دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ آئینہ ہی کی یہ صورت ہے اسی طرح اسلام کے آئینہ میں آپ کو اپنا ضعف نظر آ رہا ہے جس کو آپ اسلام کا ضعف سمجھتے ہیں جیسے ایک بوڑھے میاں کی حکایت ہے کہ

ان کا بچہ روٹی کھا رہا تھا پاس لوٹا رکھا تھا اس نے جو لوٹے پر ہاتھ رکھا تو روٹی کا ٹکڑا اس کے ہاتھ سے لوٹے میں گر گیا۔ لڑکے نے جو اس میں سے نکالنا چاہا تو اس کو پانی میں اپنی صورت نظر آئی وہ سمجھا کہ لوٹے میں کوئی دوسرا لڑکا بیٹھا ہوا ہے وہ کہنے لگا کہ ابا اس نے میرا ٹکڑا چھین لیا ہے پوچھا کس نے کہا کہ یہ جو لوٹے میں بیٹھا ہوا ہے۔ ابا جان نے جو جھک کر دیکھا تو ان کو اپنی صورت نظر آئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ تف ہے تیری اوقات پر اتنی بڑی داڑھی لگا کر بچہ کے ہاتھ سے ٹکڑا چھینتے شرم نہ آئی۔

اسلام اور ایمان کا مفہوم

مجھ کو اس جگہ ایک نکتہ بھی بتلانا ہے کہ اسلام و ایمان ایک ہیں یا دو۔ نصوص سے یہ فرق معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اعمال ظاہرہ پر اطلاق کیا جاتا ہے اور ایمان عقائد کا نام ہے گو اطلاق میں دونوں متحد ہیں کیونکہ آج کل جو شخص صورت اسلام اختیار کئے ہوئے ہو ہم اس کو مومن ہی کہیں گے کیونکہ نفاق کا علم ہم کو نہیں ہوسکتا وحی بند ہو چکی ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام و ایمان میں اطلاقاً بھی فرق تھا پس آج کل دونوں کا اتحاد ایک عارض کی وجہ سے ہے کہ ہم کو نفاق کا علم نہیں ہوسکتا ورنہ اصل میں فرق ضرور ہے۔

خوشی کی بات

پس یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اسلام ہی کی شکایت فرما رہے ہیں ایمان کی شکایت نہیں فرماتے اس سے معلوم ہوا کہ جس خاص زمانہ میں مسلمانوں کے اعمال میں ایسا تغیر آجائے کہ ان کا اسلام برائے نام رہ جائے یہ ضرور نہیں کہ ایمان بھی برائے نام رہ جائے ممکن ہے کہ عقائد ضروریہ توحید و رسالت و قرآن و آخرت میں تغیر نہ آئے عقائد درست رہیں۔ چنانچہ بحمد اللہ اس وقت تک تو اکثر مسلمانوں کے عقائد درست ہیں گو بعض فروعی اختلاف بدعت و سنت و تقلید و عدم تقلید پیدا ہو گئے ہیں مگر یہ نزاع ضروریات میں نہیں اب جبکہ رسم اور اسم کے معنی اور اسلام کے درجات معلوم ہو گئے تو اس سے اس کی وجہ بھی معلوم ہو گئی ہو گی کہ اسلام کی بابت تو یہ شکایت فرمائی گئی کہ لا یبقی من الاسلام الا اسمہ (مشکوۃ المصابیح ۲۷۶' کنز العمال ۳۱۱۳۶) (اسلام سے صرف اس کا نام ہی نام باقی رہ جائے گا) اور قرآن کے متعلق فرمایا کہ لا یبقی من القرآن الا رسمہ یعنی قرآن کے نقوش ہی رہ جائیں گے حاصل اس وجہ کا یہ ہے کہ قرآن میں ایسا تغیر نہیں ہوا کہ غیر قرآن قرآن مشہور ہو گیا چنانچہ قرآن آپ کے سامنے موجود ہے قدیم سے قدیم نسخوں کا مقابلہ کر کے دیکھ لو ایک حرف کا فرق نظر نہ آئے گا بشرطیکہ اہل مطابع نے تصحیح کا پورا اہتمام کیا ہو۔ اور اگر ان لوگوں سے

کچھ کوتاہی ہوئی ہے وہ بھی سب کو بلا اختلاف معلوم ہے لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قرآن کا کسی وقت نام ہی نام رہ جائے گا صورت بھی نہ رہے گی۔ بلکہ صورت قرآن ہمیشہ رہے گا البتہ اسلام کی اس خاص وقت میں صورت بھی نہ رہے گی بلکہ صرف نام ہی رہ جاوے گا اس سے خود یہ بات ظاہر ہے کہ رسم کا درجہ اسم سے بڑھا ہوا ہے اس پر اگر کسی کو یہ سوال ہو کہ کیا ہمارا اسلام صورت اسلام بھی نہیں حالانکہ نماز روزہ وغیرہ بہت کچھ کرتے ہیں تو سمجھو کہ محاورات میں اعمال واقوال کے متعلق اکثر کا اعتبار ہوتا ہے مثلاً ایک بستی میں آپ کے دشمن زیادہ ہوں اور دوست ایک دو ہوں تو آپ کہا کرتے ہیں کہ فلاں بستی ساری میری دشمن ہے اسی طرح ایک شخص آپ کے ساتھ دشمنی کے برتاؤ زیادہ کرتا ہے اور دوستی کے کم تو اس کو دشمن ہی کہا جاتا ہے دوست برائے نام بھی نہیں کہا جاتا۔ اس قاعدہ پر نظر کر کے دیکھا جائے کہ اس وقت مسلمانوں میں نماز روزہ ادا کرنے والے کتنے ہیں معلوم ہو جائے گا کہ بہت کم ہیں زیادہ وہی لوگ ہیں جن کی صورت ووضع اعمال واقوال ہی شریعت سے بہت دور ہیں تو مجموعہ پر نظر کر کے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ مسلمانوں میں اسلام کا نام ہی رہ گیا ہے۔

اسلام کا مصداق

صورت بھی نہیں رہی کیونکہ اسلام کا مصداق تو یہی اعمال ظاہرہ تھے۔ پھر جو لوگ نماز وغیرہ کرتے بھی ہیں ان میں بھی یہ دیکھا جائے کہ ایسے کتنے آدمی ہیں جن کی نماز صورت میں درست ہے قاعدہ کے موافق ہے سارے مجموعہ پر نظر کر کے اوسط یہی نکلے گا کہ اکثر کی نماز خراب ہے غرض ہماری حالت یہ ٹھہری کہ اکثر اعمال میں حقیقت تو کیا ہوتی صورت بھی کامل نہیں۔

عبادت کی حقیقت

کیونکہ عبادت کی حقیقت تو یہ ہے جس کو ایک حدیث میں اس طرح بتلایا گیا ہے ان تعبداللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک (الصحیح البخاری ۱۴۴۲، فتح الباری ۵۱۳،۸) حق تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو جیسے گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو کیونکہ تم اگر نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھ رہے ہیں اور اس کا مقتضا بھی عبادت کا اسی طرح کرنا ہے جیسا اگر تم دیکھتے ہوتے اگر اس مراقبہ کے ساتھ نماز ادا کی جائے تو اس وقت نماز کی حقیقت موجود ہوگی مگر ایسی نماز تو بھلا کون پڑھتا ہے اس لئے حقیقت کا تو پتہ ہی نہیں لیکن حقیقت کامل نہ ہو تو کم از کم صورت تو کامل ہوتی افسوس یہ ہے کہ ہمارے اعمال کی صورت بھی خراب ہے مثلاً نماز ہی میں

قیام کا ادب یہ ہے کہ نظر سجدہ گاہ پر رہے ہماری حالت یہ ہے کہ نظر سجدہ کی جگہ سے بہت آگے رہتی ہے چنانچہ نماز میں سر اٹھا کر کھڑے ہوتے ہیں بعضے دیواروں پر چھت پر نظر دوڑاتے ہیں۔

قراءت کا ادب

قراءت کا ادب یہ ہے کہ ہر لفظ تدبر و فکر کے ساتھ زبان سے نکالیں' یہاں یہ حالت ہے کہ آموختہ سا یاد کرلیا ہے کھڑے ہوئے اور حافظوں کی طرح آموختہ سنا دیا۔ نیز قرات کا یہ بھی ادب ہے کہ ہمیشہ کے لئے چھوٹی ہی سورت متعین نہ کی جائے ہماری حالت یہ ہے کہ ہم نے چھانٹ کر چھوٹی چھوٹی سورتیں مقرر کرلی ہیں۔ **انا اعطینا ' قل هو الله' لایلف قریش' والعصر** بس ساری نمازیں انہی سے ادا ہوتی ہیں۔ پھر غضب یہ ہے کہ ان چند سورتوں کی بھی تصحیح کا خیال نہیں کرتے الحمد کو الہمد پڑھتے ہیں انا اعطینا کو انا آتینا پڑھتے ہیں جس کو عربی زبان کوئی نہیں کہہ سکتا کیونکہ الہمد یہ عربی لغت نہیں ہے وعلی ہذا القیاس۔

طریقہ نماز

رکوع کا قاعدہ یہ ہے کہ سر اور کمر اور سرین سب برابر سطح مستوی کی طرح رہیں یہاں حالت ہے کہ کمر اونچی رہتی ہے سر کبھی بہت جھکا ہوا ہے کبھی اونچا اٹھا ہوا رکوع میں نظر پیروں رہنی چاہئے ہماری نگاہ بہت دور پہنچتی ہے پھر رکوع سے سر اٹھا کر سیدھا کھڑا ہونا واجب ہے مگر بہت لوگ سیدھی طرح کھڑے نہیں ہوتے بس یوں ہی سر کا ذرا سا اشارہ کر کے دھم سے سجدہ میں گر پڑتے ہیں بعض لوگ جلدی میں تین بار بھی تسبیح پوری نہیں کرتے پھر سجدہ کی ہیئت بھی خلاف قاعدہ بنا رکھی ہے کہنیاں زمین پر رکھی ہوتی ہیں بازو اچھی طرح نہیں کھلتے کمر جھکی ہوئی رہتی ہے حالانکہ سجدہ میں کمر اونچی رہنی چاہئے۔ پھر سجدہ سے سر اٹھا کر سیدھا بیٹھ کر دوسرا سجدہ کرنا چاہئے بہت آدمی سجدہ کر کے سیدھی طرح نہیں بیٹھتے بس ذرا سا سر کا اشارہ کر کے دوسرا سجدہ شروع کر دیتے ہیں تو بھلا اس حالت میں صورت بھی درست کہاں رہی۔

نقل کے کمال کا معیار

صورت تو اس کو کہتے ہیں کہ عالمگیر جب تخت نشین ہوئے تو مبارک باد کے لئے جہاں سب لوگ آئے وہاں ایک بہروپیہ بھی آیا تھا بادشاہ متبع شریعت تھے بہروپیہ کو انعام کس مد سے دیں اور تقویٰ بھگاریں تو عرفاً شان شاہی کے خلاف اس لئے آپ نے ایک لطیف حیلہ سے ٹالنا چاہا فرمایا کہ انعام دیا جاتا ہے کمال پر تم ہم کو اپنا کمال دکھلاؤ تب انعام دیں گے اور تمہارے کمال کا معیار یہ

ہے کہ ایسا بہروپ اختیار کرو جس میں ہم تم کو پہچان نہ سکیں۔ عالمگیر کو اپنی فراست پر ناز تھا وہ سمجھتے
تھے کہ یہ جس بہروپ میں بھی آئے گا میں ضرور پہچان لوں گا اور واقعی اس نے مختلف قسم کی صورتیں
بنائیں مگر عالمگیر نے ہر دفعہ پہچان لیا آخر جب عالمگیر نے دکن کا سفر کیا تو جتنے شہر اور قصبے راستہ
میں آتے تھے سب کے حکام کو اطلاع دی گئی کہ جس شہر میں جو بزرگ ہوں ان کے نام اور احوال
سے اطلاع دی جائے یہ بہروپیہ بھی راستہ میں ایک شہر کے قریب کسی پہاڑی پر جا بیٹھا اور اپنا چیلا
شہر میں چھوڑ دیا اس نے مشہور کرنا شروع کیا کہ فلاں پہاڑ پر ایک بڑے پہنچے ہوئے بزرگ رہتے
ہیں یہاں تک کہ اس کی طرف رجوعات شروع ہوئیں اور بڑی شہرت ہوگئی۔ چنانچہ بزرگوں کی
فہرست میں حاکم شہر نے اس کا نام بھی لکھ بھیجا عالمگیر قطع منازل کرتے ہوئے اور ہر شہر کے
بزرگوں سے ملتے ملاتے دعائیں لیتے ہوئے یہاں بھی پہنچے تو ان حضرت سے ملنے کا ارادہ ہوا
لیکن پہلے وزیر کو احتیاطاً بھیجا کہ جا کر دیکھو یہ شخص واقعی بزرگ ہے یا نہیں وزیر نے جو آ کر
ملاقات کی تو بہروپیہ نے سلوک وتصوف کے بہت سے مضامین اور علوم ومعارف بیان کئے جو
وزیر کے خواب میں بھی نہ آئے تھے پہلے زمانہ میں یہ لوگ علوم حاصل کرتے تھے محض پیشہ ہی نہ تھا
بلکہ ایک فن ہو گیا تھا۔ وزیر نے واپس آ کر بہت تعریف کی کہ میں نے تو ایسا بزرگ ایک بھی نہیں
دیکھا اگر آپ ان سے ملاقات نہ کریں گے تو میں یہ سمجھوں گا کہ آپ نے بزرگوں کو دیکھا ہی
نہیں عالمگیر کو یہ سن کر اشتیاق زیادہ ہوا زیارت کو چلے جا کر بیٹھے تو ان حضرت نے عالمگیر کے
سامنے بھی استغناء وتوکل خوب ظاہر کیا بزرگوں کے ملفوظات وحکایات وعلوم خوب بیان کئے جن
سے عالمگیر کو بڑی خوشی ہوئی اس کے بعد بادشاہ نے بیس ہزار اشرفیوں کے توڑے نذر کئے
بہروپیہ نے واپس کر دیئے اور کہا کہ اپنی طرح مجھ کو بھی دنیا پرست بنانا چاہتے ہو جاؤ لے جاؤ۔
عالمگیر نے خجلت کے ساتھ نذر اٹھالی اور اجازت لے کر واپس ہوئے۔ راستہ میں بادشاہ ووزیر
دونوں تعریف کرتے جارہے تھے کہ حقیقت میں ایسا بزرگ نظر سے نہیں گزرا اس وقت بہروپیہ
صاحب بھی پیچھے پیچھے جارہے تھے بادشاہ کی جو نظر پڑی تو اس نے جھک کر سلام کیا اور وہی دعائیہ
کلمات جو بہروپیوں کی اصطلاح ہے عرض کئے۔ عالمگیر نے کہا کہ آہا یہ بزرگ آپ تھے واقعی یہ
نقل تم نے خوب کی ہم بالکل نہیں پہچان سکے۔ پھر خیمہ میں پہنچ کر پانچ سو روپیہ انعام دیئے جس کو
بہروپیہ نے بڑی خوشی سے قبول کیا اس کے بعد عالمگیر نے اس سے سوال کیا کہ ایک بات تو بتلاؤ
تم نے بیس ہزار اشرفیاں تو ناک پر مار کر واپس کر دیں اور پانچ سو روپیہ اس خوشی سے لے لئے اس
کی کیا وجہ تھی، اگر تم اس وقت ساری اشرفیاں لے لیتے تو حقیقت معلوم ہو جانے کے بعد بھی ہم

اس کو تم سے واپس تھوڑا ہی لیتے۔ اس کا جو جواب بہروپیہ نے دیا وہ سننے کے قابل ہے۔

کہا حضور یہ میں خوب جانتا تھا لیکن اس وقت میں نے صوفیہ کا بہروپ بنا رکھا تھا اس وقت اگر میں نذر قبول کر لیتا تو نقل غلط ہوتی جو میرے کمال کے لئے دھبہ تھا جب نقل کامل ہو چکی تو اب جو کچھ حضور نے عطا فرمایا ہے یہ میرے کمال کا صلہ ہے اس کو میں نے خوشی سے قبول کیا کیونکہ میرا گذارا اسی پر ہے۔ صاحبو! نقل کے یہ معنی ہیں جو اس بہروپیہ نے سمجھے۔

نماز روزہ کی نقل

افسوس یہ ہے کہ ہم لوگ نماز روزہ کی نقل بھی تو پوری نہیں کرتے۔ ہمیں صورت صلوۃ کی اتنی رعایت تو کرنی چاہئے جیسے اس بہروپیہ نے صورت بزرگ کی رعایت کی۔ پھر صورت ظاہرا کامل ہونے کے بعد بھی وہ نقل ہی ہوگی حقیقت جب بھی نہ ہوگی حقیقت تو اس وقت ہوگی جبکہ قلب حاضر ہو اور حضور قلب کے معنی فنا کے نہیں ہیں کہ ایسی یکسوئی ہو کہ کسی چیز کی بھی خبر نہ ہو یہ تو اکابر کی باتیں ہیں۔

نماز میں وساوس کا علاج

میں تو ایک معمولی بات بتاتا ہوں جس پر ہر ایک کو عمل سہل ہو مگر افسوس تو یہ ہے کہ ہم واجد علی شاہ کے احدی بنے ہوئے ہیں کہ آسان سے آسان کام بھی ہم سے نہیں ہوتا واجد علی شاہ کے زمانہ میں کاہلوں کی ایک جماعت تھی جو احدی کے لقب سے مشہور تھے وہ کاہلی میں حد سے بڑھے ہوئے تھے جن کا ایک قصہ یہ ہے کہ دو احدی ایک جگہ جمع تھے ایک لیٹا ہوا ایک بیٹھا ہوا سامنے سے ایک سوار گزرا تو لیٹے ہوئے احدی نے اسے پکارا کہ اے میاں سوار اے میاں سوار ذرا خدا کے واسطے یہاں آنا وہ سمجھا کہ کوئی کام ہوگا۔ آیا پوچھا بتلا کیا کہتا ہے کہنے لگا کہ یہ بیر جو میرے سینہ پر رکھا ہوا ہے ذرا میرے منہ میں ڈال دے اس نے کہا کہ کم بخت اتنا کام تجھ سے نہیں ہو سکتا تھا جو میرا راستہ کھوٹا کیا پھر اس کے ساتھی سے کہا کہ اب اتنا کام تو نے بھی نہ کر دیا تو وہ کہنے لگا کہ بس میاں ایسی بات مجھ سے نہ کہنا میں دوں گا اس کے منہ میں بیر اس سے اتنا تو ہو ہی نہ سکا کہ کل میں لیٹا تھا اور میرا منہ کھلا تھا ایک کتا آ کر منہ میں پیشاب کرنے لگا اس کو ہٹا ہی دیتا سوار نے دونوں پر لاحول پڑھی کہ کم بخت دونوں منحوس ہیں۔ واقعی دین کے بارہ میں ہماری حالت بالکل ان احدیوں کے مشابہ ہے کہ ہم سے دین کا آسان سے آسان کام بھی نہیں ہو سکتا سو حضور قلب کی حقیقت نہایت سہل ہے مگر ہوتی ہے کرنے سے وہ ایک حدیث سے معلوم ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من صلی

رکعتین مقبلاً علیهما بقلبه لم یحدث فیهما نفسه دخل الجنة جو شخص دو رکعتیں اس طرح پڑھ لے کہ دل سے ان پر متوجہ ہو اور اپنے جی سے باتیں نہ کرے وہ جنت میں داخل ہو گا۔ اس سے حضور قلب کی یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ نماز پر دل سے متوجہ ہو یعنی ہر رکن کے ادا کرنے میں یہ بات پیش نظر رہے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں پھر ہر رکن کو نماز کے قاعدہ پر ادا کرے بتلایئے تو یہ کیا مشکل کام ہے۔ اگر کسی کو خطرات و وساوس آتے رہیں تو یہ حضور قلب کے منافی نہیں پس اتنا ضروری ہے کہ خود وساوس نہ لاوے اور جو آتے ہوں ان کی طرف التفات نہ کرے دیکھئے کس قدر تو آسان مگر ہم سے یہ بھی نہیں ہو سکتا وجہ ساری یہ ہے کہ دین کا اہتمام ہی قلب میں نہیں رہا۔

ضرورت اصلاح

اب بتلایئے جب ہمارے اعمال کی صورت بھی شریعت کے موافق نہیں تو یہ کیونکر کہا جائے کہ ہمارے اسلام میں صورت اسلام ہے بس یہی کہا جائے گا کہ اسلام نام کا رہ گیا ہے۔ پھر زیادہ افسوس یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں کسی کو دین کا تھوڑا بہت خیال بھی ہوتا ہے تو وہ دین اسلام کی ساری اصلاح کا طریقہ صرف بیعت ہونے کو سمجھتا ہے کہ بس کسی سے مرید ہو جاؤ پھر خود بخود اصلاح ہو جائے گی بلکہ بعض تو یہ سمجھتے ہیں کہ پیر ہم سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں پس یہ لوگ اعمال کا مطلق اہتمام نہیں کرتے صرف پیروں کے نذرانہ کا خیال رکھتے ہیں کہ ان کی سالانہ نذر قضا نہ ہو چاہئے سال بھر کی نماز روزہ قضا ہو جائے اور یہ مذاق بگاڑا ہے ان دکاندار پیرزادوں نے کہ انہوں نے عوام کو یہی سمجھا رکھا ہے کہ بس سلسلہ میں داخل ہو جانا نجات کے لئے کافی ہے۔ تمہیں اور کچھ کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے عوام انہیں کے بھروسہ پر رہتے ہیں ایک ایسے ہی پیر اپنے مریدوں کے گاؤں میں گئے تھے ایک گوجر کے مہمان ہوئے اس نے کہا کہ پیر توں تو (یعنی تو تو) بڑا دبلا ہو رہا ہے۔ پیر صاحب بولے کہ دبلا کیونکر نہ ہوں تم لوگ نماز نہیں پڑھتے مجھے سب کی طرف سے نماز پڑھنی پڑتی ہے روزہ نہیں رکھتے مجھے سب کی طرف سے روزے رکھنے پڑتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مجھے سب کی طرف سے پل صراط پر چلنا پڑتا ہے جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے اس مصیبت سے دبلا ہو گیا۔ گوجر بولا وہ دیہ (یعنی تعجب) توں تو بڑا کام کرے ہے جا میں نے فلانا موجی کا کھیت تجھ کو دیا۔ پیر صاحب بڑے خوش ہوئے مگر ساتھ ہی یہ بھی فکر ہوئی کہ ان گنواروں کا کیا اعتبار ایسا نہ ہو کہ پھر زبان سے پھر جائے اس لئے کہا کہ چودھری جی پھر کھیت پر قبضہ کرا دو۔ اس نے کہا ہاں ہاں چل ابھی قبضہ کر لے اس نے پیر کو تو آگے کیا اور خود

پیچھے رہا اور ایسے راستہ سے جہاں ایک گول چل رہی تھی اور بعض جگہ ڈول تازی بنی ہوئی تھی وہاں پھسلن بہت ہوتی ہے۔ پیر صاحب ایک جگہ پھسل کر گرے تو پیچھے سے چوہدری نے ایک لات دی کہ اب تو تو یوں کہے تھا کہ میں پل صراط پر چلا کروں ہوں جو بال سے بھی زیادہ باریک ہے تو ایک بالشت کی ڈول پر تو چل ہی نہیں سکتا پل صراط پر کیا چلتا ہوگا تو جھوٹا ہے جا میں کھیت نہیں دیتا واقعی وہ پیر تو اسی قابل تھا۔ اور خیر بعض لوگ اتنے نادان تو نہیں ہیں اس لئے وہ خود بھی عمل کرتے ہیں مگر امراض قلب کے علاج میں وہ بھی کوشش نہیں کرتے بس ان کی زیادہ دوڑ یہ ہوتی ہے کہ جب گناہوں کا خیال آیا تو پیر کے پاس آئے کہ حضور ایسی توجہ کر دیجئے کہ گناہوں سے نفرت ہو جائے چاہے پیر صاحب کو خود بھی نفرت نہ ہو بلکہ معاصی کی طرف میلان ہوتا ہو کیونکہ میلان تو نقص نہیں ہاں اس پر عزم یا عمل کرنا یہ نقص ہے۔ پس زوال میلان کی طلب کرنا گویا فرشتہ ہو جانے کی درخواست کرنا ہے۔ انسان تو میلان سے خالی نہیں ہو سکتا اس کا تو کمال ہی یہ ہے کہ باوجود میلان کے پھر معاصی سے بچتا رہے بدون میلان کے معاصی سے بچنے میں کیا کمال ہوگا تو یہ بھی ان کی غلطی ہے کہ توجہ ہی پر بھروسہ کئے بیٹھے ہیں۔

خود کرنے کے کام

صاحبو! جو کام تمہارے کرنے کا ہے وہ دوسروں کے کئے نہ ہوگا اگر دوسروں کے کئے کچھ ہوسکتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب کا کام کرنے کے لئے کیوں نہ کافی ہو جاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی کوشش کی کہ ابو طالب ایمان لے آئیں مگر وہ ایمان نہ لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کچھ نہ کر سکے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (بے شک جس کو تم محبوب رکھتے اس کو ہدایت نہیں کر سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں ہدایت دیں)۔

اصلاح نفس

دیکھئے بچہ اگر بیمار ہو تو شفا اس کے ہی پینے سے ہوگی باپ کا کام یہ ہے کہ نسخہ لکھوائے دو الا دے اس کو تیار کر دے مگر یہ تو اس کا کام نہیں کہ خود پی بھی لے اور اس کے پینے سے لڑکا اچھا ہو جائے اگر لڑکا دوا نہ پئے تو ماں باپ کیا کر سکتے ہیں شفا تو اسی کے پینے سے ہوگی یہی حال اصلاح نفس کا ہے چنانچہ نص میں اس کی تصریح ہے وان لیس للانسان الا ماسعی (انسان کے لئے وہی ہے جس کی کوشش کرے) معتزلہ نے اس آیت سے ایصال ثواب کی نفی

پر استدلال کیا ہے یہ غلطی ہے کیونکہ اس جگہ حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو بات عمل پر موقوف ہے وہ بدون عمل کے حاصل نہ ہوگی بلکہ اپنے ہی عمل سے حاصل ہوگی اور ثواب ہر جگہ عمل پر موقوف نہیں ہے چنانچہ دیگر نصوص ایصال ثواب یا تسبب ثواب کے اس پر شاہد ہیں یہ بات کام کی اس آیت کے متعلق ابھی ذہن میں آئی ہے جو بہت بے تکلف ہے۔

حضور قلب کی حقیقت

غرض میں یہ کہہ رہا تھا کہ حضور قلب کی حقیقت حدیث کے اس لفظ سے معلوم ہو رہی ہے **مقبلاً علیھما بقلبہ** (ان پر دل سے متوجہ ہو) تو یہ کیا مشکل کام ہے کہ اپنی توجہ کو ادھر ادھر نہ لے جاؤ بتلایئے اس میں کیا دشواری ہے مگر ہماری حالت یہ ہے کہ اس کا بھی ذرا اہتمام نہیں نماز میں ہی تمام وساوس ہم کو سوجھتے ہیں غرض حقیقت صلوۃ تو حضور قلب سے حاصل ہوتی ہے اور صورت صلوۃ اس طرح حاصل ہوگی کہ کوئی کتاب مسائل کی جس میں نماز کے فرائض و واجبات و سنن و مستحبات بیان ہو لے کر پڑھو اور آج کل اردو میں ایسے رسائل بکثرت شائع ہو گئے ہیں اگر حضور قلب ابھی حاصل نہ ہو سکے تو کم از کم صورت صلوۃ تو کامل کرلو اور حضور کے لئے کوشش کرتے رہو اس وقت یہ کہا جائے گا کہ آپ کی نماز میں صورت صلوٰۃ موجود ہے۔ یہ تو صرف نماز کا بیان تھا اس کے بعد اپنی ساری باتوں کو دیکھو لین دین کو اور معاملات و معاشرات کو تو ہر شعبہ میں آپ کو معلوم ہوگا کہ ہماری کوئی حالت ظاہر میں بھی شریعت کے مطابق نہیں لہذا اکثر کے اعتبار سے یہ ارشاد بالکل صحیح ہے کہ **لا یبقےٰ من الاسلام الا اسمہ** (مشکوۃ المصابیح ۲۷۶، کنز العمال ۳۱۱۳۶) (اسلام سے اس کا نام ہی باقی رہ جائے گا) جب ہمارا اسلام برائے نام ہے اور ضرورت ہے ترقی کی چنانچہ ترقی کی ضرورت پر سب کا اتفاق ہے اور ترقی ہوتی ہے تدریجاً تو ہم کو چاہئے کہ پہلے درجہ اسم سے درجہ رسم تک ترقی کریں پھر ان شاء اللہ تعالیٰ درجہ رسم سے حقیقت تک بھی وصول ہو جائے گا اس سے معلوم ہوا کہ حالت موجودہ بھی بے کار و فضول نہیں یہ بھی غنیمت ہے۔

بلا بودے اگر ایں ہم نبودے

(مصیبت ہوتی اگر یہ بھی نہ ہوتی)

مگر اس کو کافی نہ سمجھو بلکہ تکمیل کی فکر کرو۔ مجھ کو سب سے زیادہ مقصود اس حدیث کا جزو اول تھا دوسرا جزو تبعاً مذکور ہو گیا اور بحمد اللہ مقصود کے متعلق کافی بیان ہو چکا ہے اب میں ختم کرنا چاہتا ہوں۔

طریق حصول قوت مسلم

اور اخیر میں ترقی دنیا کے متعلق اتنا اور کہتا ہوں کہ وہ اگر مقصود بھی ہے تو مقصود بالذات نہیں دین کے تابع ہے جب ہم خدا کو راضی کر لیں گے تو اس کے ہاتھ میں سب خزائن رحمت ہیں وہ ہماری مدد کریں گے پس سب سے مقدم اپنے دین کی درستی ہے جب اس تدبیر پر ہر شخص عمل کرے گا تو ہر ایک کی حالت درست ہو جائے گی جس سے مجموعہ خود بخود درست ہو جائے گا پھر اسلام کی حالت جس کو تم رو رہے ہو درست ہو جائے گی کیونکہ تمہاری ہی کمزوری سے اسلام میں ضعف آیا تھا جب تم قوی تندرست ہو جاؤ گے اسلام بھی قوی ہو جائے گا اور تمہاری قوت کا طریقہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ تم اپنی حالت کی اصلاح کا اہتمام کرو اور خدا تعالیٰ کو راضی کرو۔ جس کے لئے اس کی بھی ضرورت ہے کہ جو لوگ اصلاح کے طریقے جانتے ہیں ان سے رجوع کرو۔

مولانا فرماتے ہیں

این ہمہ گفتیم ولیک اندر بسیچ   بے عنایات خدا ہیچم ہیچ

بے عنایات حق و خاصان حق   گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

(یعنی ہم نے اوپر بہت سے وعظ و نصیحت کی ہے لیکن جس کام کے پختہ ارادہ کرنے میں جب تک حق تعالیٰ کی عنایت نہ ہو ہم محض ہیچ ہیں اور بدون خدا تعالیٰ اور خاصان خدا کی عنایت کے تو اگر فرضاً فرشتہ بھی ہو تو تیرا ورق سیاہ یعنی اعمال محض سیاہ ہوں گے ۱۲)

طریق عنایت خاصان حق

اور خاصان حق کی عنایت حاصل کرنے کا بھی طریقہ یہی ہے کہ تم اپنی تکمیل کی کوشش کرو ان کے عنایت و کرم کے لئے روپیہ پیسہ نہیں چاہئے بلکہ وہ تو اسی سے خوش ہوتے ہیں جس کو کام میں لگا ہوا دیکھتے ہیں گو خدمت کچھ بھی نہ کرتا ہو بچہ جتنا شوقین ہوتا ہے استاد کی عنایت اتنی ہی بڑھتی ہے، یہی قاعدہ یہاں بھی ہے اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ توفیق زیادہ دے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین والحمد للہ رب العالمین۔

(اس کے بعد حضرت حکیم الامت دام مجدہم نے حسب معمول ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی) اور دعا پر بیان ختم ہوا ۱۲ جامع)

الاکرامیہ بالاعملیۃ والاعلمیۃ

یہ وعظ علم وعمل کی ضرورت کے متعلق ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ بروز سہ شنبہ بعد نماز ظہر بیٹھ کر دو گھنٹہ ۱۵ منٹ ارشاد فرمایا جسے مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے قلمبند فرمایا سامعین کی تعداد ۵۰ تھی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَ شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّم.

اَمَّابَعْدُ: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (بے شک اللہ تعالیٰ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو اس کی عظمت کا علم رکھتے ہیں) وقال تعالی اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ. (اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہو)

ترتیب مصحف پر اجماع

یہ جو میں نے تلاوت کیا ہے یہ دو آیات کے دو مختلف ٹکڑے ہیں اور گو میرا معمول یہ ہے کہ اکثر ایک ہی آیت کا بیان کرتا ہوں مگر اس وقت چونکہ میرا مقصود دو آیتوں سے حاصل ہوتا ہے ان میں بھی ان آیتوں کے اجزاء سے اس لئے دونوں آیتوں کا ایک ایک جزو تلاوت کیا گیا اور گو تقریر استدلال میں ترتیب بالعکس ہے کہ دوسرا حصہ مقدم ہوگا اور پہلا موخر ہوگا مگر میں نے ادباً ترتیب موجودہ قرآنی کا لحاظ کیا ہے اور ترتیب مصحف اسی طرح ہے جس طرح میں نے تلاوت کی ہے۔ کیونکہ یہ ترتیب مجمع علیہ ہو چکی ہے حضرات صحابہ نے جمع مصحف میں اس پر اجماع کیا ہے جس کی مخالفت کتابت مصحف میں تو حرام ہے اور اگر کوئی اس ترتیب کے خلاف مصحف لکھنا چاہے تو امام اس کو تعزیر کرے اور تلاوت قرآن اور قراءت صلوٰۃ میں بھی اس کی رعایت واجب ہے اور قصداً مخالفت کرنا مکروہ ہے (سہواً ترتیب کے خلاف ہو جائے تو معاف ہے) اور گو اس وقت تلاوت مقصود نہیں بلکہ تبلیغ احکام مقصود ہے۔

ضرورت علم

اور اس میں رعایت ترتیب واجب نہیں مگر ادباً رعایت کر لی گئی دوسرے حصہ کا ترجمہ تو یہ ہے کہ جو زیادہ ڈرنے والا ہے وہ خدا تعالیٰ کے یہاں زیادہ مکرم ہے اور پہلے حصہ کا ترجمہ یہ ہے کہ اور کوئی بات نہیں ہے صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے علماء ہی ڈرتے ہیں نتیجہ اس کا نہایت بدیہی ہے جو استنباط کا محتاج نہیں ہے ایک آیت میں اکرمیت کا مدار تقویٰ پر رکھا گیا ہے اور دوسری آیت میں خشیت یعنی تقوی کو علم پر موقوف کیا گیا ہے اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ انسان بدون علم کے اکرم نہیں ہو سکتا اور اس سے جو میرا مقصود ہے یعنی علم کی ضرورت جو کہ مجموعہ مقصود کا ایک جزو ہے وہ بھی ظاہر ہے محتاج بیان نہیں کیونکہ ان دونوں مقدموں کے ملانے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مقصود بالبیان کیا ہے اور ایک مقدمہ عقلی جو ابھی بیان ہوگا اس کے ملانے سے وہ مجموعہ بھی ظاہر ہو جائے گا کیونکہ اس وقت میرا مقصود دو چیزوں کی ضرورت بتلانا ہے ایک علم دوسرے عمل سو علم کی ضرورت تو صراحۃً ثابت ہوگئی کیونکہ ایک آیت میں خشیت کو اس پر موقوف کیا گیا ہے اور خوف و خشیت حق تعالیٰ سے ہونا ضروری ہے کیونکہ جز و ایمان ہے چنانچہ مشہور عقیدہ ہے کہ ایمان خوف و رجاء کے درمیان ہے تو جو اس کا موقوف علیہ ہوگا وہ بھی ضروری ہوگا تو علم کی ضرورت صراحۃً ثابت ہوگئی اب یہاں ایک مقدمہ عقلی یہ ملایئے کہ خوف جس طرح ایک درجہ میں خود بھی مقصود ہے اسی طرح عمل کے لئے بھی مقصود ہے بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل کے لئے زیادہ مقصود ہے چنانچہ نصوص سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

ضرورت عمل

جب یہ بات ہے تو اب عمل کی ضرورت بھی ظاہر ہوگئی کیونکہ خوف و خشیت کا جس طرح ایمان کے لئے ضروری ہونا مسلم ہے اسی طرح خوف کی ضرورت عمل کی وجہ سے بھی ہے تو عمل بھی ضروری ہوا اب مقصود بالکل واضح ہو گیا کہ علم بھی ضروری ہے اور عمل بھی اور ہر چند کہ تقویٰ اور خشیت دونوں کے معنی لغۃً ڈرنے کے ہیں مگر اطلاقات قرآن میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کا استعمال زیادہ تر اس خوف کے لئے ہوتا ہے جس میں اجتناب عن المعاصی بھی ہو محض خوف اعتقادی کے لئے کم استعمال ہوتا ہے تو یوں کہیے کہ تقویٰ خوف مقرون بالعمل کو کہتے ہیں اور خشیت خوف اعتقادی کو اس بنا پر یوں بھی کہنا ممکن ہے کہ ان دو آیتوں میں سے ایک میں یعنی اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ (بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم

سب میں بڑا شریف وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہو) میں ضرورت عمل کا بیان ہے کہ خدا تعالیٰ کے یہاں اکرمیت تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے جو کہ خوف مقرون بالعمل ہے اور اکرمیت عنداللہ ہر شخص کو مطلوب ہے تو تقویٰ کا اختیار کرنا ضروری ہوا جو مستلزم ہے عمل کو اور دوسری آیت اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (بے شک اللہ تعالیٰ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو اس کی عظمت کا علم رکھتے ہیں) میں علم کی ضرورت کا بیان ہے اس طرح کہ خشیت کو مطلوب فرمایا اور وہ مستلزم ہے علم کو پس ان دونوں جزوں سے علم و عمل کی ضرورت ظاہر ہو گئی۔

علم و عمل کی کمی

اور اس مضمون کے اختیار کی یہ وجہ ہے کہ اس کی ضرورت گو عام ہے مگر اس مقام پر اور زیادہ ہے یعنی یوں تو ہر جگہ آج کل علم و عمل کی کمی ہے اور یہ مقام بھی اسی عموم میں داخل ہے لیکن یہاں کچھ زیادہ کمی ہے کیونکہ مجھے یہاں کی حالت اچھی طرح معلوم ہے جس محلّہ میں اس وقت بیان ہو رہا ہے میں سالہا سال سے یہاں رہ چکا ہوں دوسرے اب بھی میں کچھ زیادہ دور نہیں رہتا ہوں حالات سے اب بھی اطلاع ہوتی رہتی ہے۔ جن کا حاصل یہی ہے کہ دینی لحاظ سے اس محلّہ کی حالت نہایت خراب ہے علم کی طرف یہاں کے باشندوں کو بہت ہی کم توجہ ہے اسی وجہ سے اعمال میں بھی بہت کوتاہی ہے حالانکہ اس محلّہ میں زیادہ تر وہ لوگ رہتے ہیں جو مدعی شرافت ہیں اور وہ واقعی نسباً شریف ہیں بھی اور شرافت نسب فی نفسہ صفت بھی عمدہ ہے مگر شرف نسب پر قناعت کر لینا اور اس پر فخر کرنا اور اصل شرف کو چھوڑ دینا یہ نہایت غلطی ہے۔

اصل شرف

اب میں بتلانا چاہتا ہوں کہ اصل شرف کیا چیز ہے اور شرافت نسب کی حقیقت کیا ہے۔ حق تعالیٰ نے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ. (اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہو) میں تو اصل شرف کو بتلایا ہے کہ اصلی شرف جس سے انسان خدا تعالیٰ کے یہاں مکرم و معزز شمار ہوتا ہے تقویٰ اور پرہیز گاری ہے اور اس سے پہلے جزو میں شرف نسب کی حقیقت بتلائی ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا. (اے لوگو! ہم نے (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت (یعنی آدم و حوا) سے پیدا کیا ہے (پس اس میں تو سب برابر ہیں) اور (جس بات میں فرق رکھا ہے کہ) تم کو مختلف

قومیں اور (پھران قوموں میں) مختلف خاندان بنائے (سو محض اس لئے) تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو جس میں یہ شناخت بھی داخل ہے کہ کون ہمارا عصبہ ہے اور کون ذوالارحام ہے اور کون ہم سے دور ہے تا کہ بقدر قرب و بعد نسب کے ان کے حقوق شرعیہ ادا کئے جائیں اور میراث میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دی جائے اور اس کے سوا اور بھی مصلحتیں ہیں نہ اس لئے کہ ایک دوسرے پر تفاخر کرو ۱۲) یہاں حق تعالیٰ نے مختلف خاندانوں اور قوموں کے بنانے میں یہ حکمت بتلائی ہے کہ اس سے تعارف اور شناخت ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے کا پتہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ قریشی ہے، یہ انصاری ہے یہ صدیقی ہے یہ فاروقی ہے۔ اگر یہ تفاوت نہ ہوتا تو امتیاز سخت دشوار ہوتا کیونکہ ناموں میں اکثر توارد ہوتا ہے ایک ہی نام کے بہت سے آدمی ہوتے ہیں تو کسی قدر امتیاز تو جائے سکونت سے ہو جاتا ہے کہ ایک دہلوی ہے ایک لکھنوی ہے پھر ایک شہر میں بھی ایک نام کے بہت سے ہوتے ہیں تو محلوں کے نام سے امتیاز ہو جاتا ہے کہ ایک محلت کا رہنے والا ہے اور ایک محلہ خیل کا پھر وہاں بھی ایک نام کے دو تین ہوتے ہیں تو قبائل کی طرف نسبت سے امتیاز ہو جاتا ہے یہ حکمت ہے اختلاف قبائل کی مگر آج کل ہمارے بھائیوں نے اسی کو مدار فخر بنالیا ہے اب یہاں دو قسم کے لوگ ہو گئے ہیں بعض نے تو نسب وشرف کی جڑ ہی اکھاڑ دی ان کو اس سے شبہ ہوا کہ اس آیت میں اختلاف قبائل کی حکمت صرف تعارف بتلائی گئی ہے اور حکمتوں سے سکوت کیا گیا ہے تو انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ بس اس میں اور کچھ حکمت نہیں ہے لان السکوت فی موضع البیان بیان اس پر نظر کر کے بعض نے تو شرافت نسب کا انکار ہی کر دیا کہ اس سے شرف کچھ نہیں ہوتا بلکہ جس طرح دہلوی لکھنوی ہندوستانی بنگالی یہ سب نسبتیں تعارف کے لئے ہیں اور ان سے کچھ شرف حاصل نہیں ہوتا اسی طرح قریشی انصاری سید اور فاروقی، عثمانی وغیرہ یہ نسبتیں بھی شناخت کے لئے ہیں ان سے بھی کچھ شرف حاصل نہیں ہوتا۔

اھل شرف کہلانے کیلئے قیاسات بعیدہ

اور یہ وہ لوگ ہیں جو اس شرف عرفی سے محروم ہیں ان میں سے بعض نے تو اپنے کو شریف ثابت کرنا چاہا ہے چنانچہ ایک قوم نے اپنا عرب ہونا ثابت کیا ہے اور کہا کہ ہماری اصل راعی ہے چونکہ یہ لوگ جانور پالتے ہیں اس لئے ان کو راعی کہا گیا پھر غلط عوام سے لفظی تغیر ہو گیا اسی طرح بعضوں نے اپنے کو حضرت خالد بن ولید کی اولاد میں داخل کرنے کی کوشش کی ہے اور

اس طرح وہ عرب بننا چاہتے ہیں مگر اس ترکیب میں تکلف تھا کیونکہ تاریخ سے تو اس کا کچھ ثبوت ملتا نہیں محض قیاسات بعیدہ سے کام لینا پڑتا ہے جس سے ہر شخص کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بات بنائی ہوئی ہے اس لئے بعض نے اپنے نقص کو یوں دور کرنا چاہا کہ اہل شرف ہی سے اس شرف کی نفی کر دی کہ شرافت نسب کوئی چیز نہیں اور اس کے متعلق ان کے کچھ لطیفے بھی ہیں جن کے بیان کر دینے کا مضائقہ نہیں۔ چنانچہ ایک شخص سے جو چھوٹی قوم کا تھا کسی نے پوچھا کہ تم کس کی اولاد میں ہو کہا میں آدم علیہ السلام کے بھائی کی اولاد میں ہوں لوگوں نے کہا کہ میاں کیا آدم علیہ السلام کے کوئی بھائی بھی تھا کہنے لگا کیا ان کے کوئی بھائی نہیں تھا لوگوں نے کہا ہرگز نہیں کہا کیا پھر سب لوگ آدم علیہ السلام ہی کی اولاد میں ہیں کہا ہاں کہنے لگا پھر تم مجھ سے کیوں پوچھتے ہو کہ تو کس کی اولاد میں ہے جس کی اولاد میں تم ہو اسی کی اولاد میں سے میں بھی ہوں لوگ اس پر چپ ہو گئے اسی طرح ایک بھنگی کی حکایت ہے کہ وہ کہیں ندی میں ڈوبنے لگا تو اول تو یوں چلایا کہ ارے اللہ کے واسطے مجھے بچاؤ جب اس کہنے پر کوئی نہ آیا تو اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ ارے دوڑو جلدی آؤ نبی زادہ ڈوبا جاتا ہے یہ سن کر لوگ دوڑے اور جلدی سے آکر اسے بچایا اب جو نکال کر دیکھا تو بھنگی اس سے پوچھا کہ نالائق تو نبی زادہ کدھر سے ہوا کہنے لگا کہ میں بھی آدم علیہ السلام کی اولاد میں ہوں اور وہ نبی تھے تو میں نبی زادہ ہوا غرض اس قسم کے لطیفے ان قوموں کے بہت ہیں وہ مختلف ترکیبوں سے اپنے کو اہل شرف کے برابر کرنا چاہتے ہیں بعض نے اس نفی میں حضرت علی کے اس قول سے استدلال کیا ہے۔

الناس من جهة التمثال اکفاء ابوهم آدم والام حواء

مالفخر الا لاهل العلم انهم علی الهدی من استهدی ادلاء

ترجمہ:۔ آدمی صورت کے اعتبار سے سب برابر ہیں کیونکہ سب کے باپ آدم علیہ السلام اور ماں حوا علیہا السلام ہیں بس اہل علم کے سوا کسی کے لئے فخر نہیں ہے کیونکہ وہی ہدایت پر بھی ہیں اور طالب ہدایت کی طرف رہنمائی ہی کرتے ہیں اس سے بعض وہ حضرات جو نسبی شرف نہیں رکھتے اور علم حاصل کر چکے ہیں اس پر استدلال کرتے ہیں کہ شرف نسب کوئی چیز نہیں بس شرف اگر ہے تو علم سے ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہی معلوم نہیں کہ یہ حضرت علی کا قول ہے یا نہیں پھر جس کا بھی قول ہو مطلب نفی فخر ہے کہ نسب پر فخر نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ امر غیر اختیاری ہے اور فخر عقلاً ان چیزوں پر ہو سکتا ہے جو اختیاری ہوں اور وہ علم و عمل ہے گو شرعاً اس پر بھی فخر کرنا نہ چاہئے۔

شرف نسب کے نعمت ہونے میں کوئی شبہ نہیں

باقی یہ مطلب نہیں کہ شرف نسب کوئی چیز نہیں دیکھو آدمی کا حسین یا بدصورت ہونا یا اندھا اور سوانکھا ہونا اگرچہ امر غیر اختیاری ہے اور اس پر فخر نہ کرنا چاہئے مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حسن صورت اور سوانکھا ہونا نعمت بھی نہیں یقیناً اعلیٰ درجہ کی نعمت ہے اسی طرح یہاں سمجھو کہ گو شرف نسب بوجہ امر غیر اختیاری ہونے کے سبب فخر نہیں مگر اس کے نعمت ہونے میں شبہ نہیں اور بعض لوگوں نے حکایات سے استدلال کیا ہے کہ مثلاً ایک بزرگ مر گئے تھے وہ چھوٹی قوم کے تھے کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو علم وعمل کی وجہ سے وہ بعض اہل شرف سے بھی اعلیٰ درجہ میں تھے یا کسی زمانہ میں کوئی زندہ بزرگ اپنے معاصرین میں بڑے مقتدا اور شیخ مانے جاتے تھے حالانکہ وہ چھوٹی قوم کے تھے مگر حکایات سے اثبات مدعا نہیں ہوسکتا حکایات تو توضیح کے لئے ہوتی ہیں اول اثبات مدعی دلیل سے ہونا چاہئے پھر حکایات سے اس کی توضیح ہونی چاہئے اور یہاں دلیل سے شرف نسب کی نفی ثابت نہیں ہوئی اس لئے محض حکایات سے استدلال کرنا لغو ہے ہاں بعض نے اس نص قرآنی سے استدلال کیا ہے کہ لبس نسب کا فائدہ محض تعارف ہے اس سے کوئی شرف حاصل نہیں ہوتا مگر اس شخص کو قرآن کی ایک آیت کے ساتھ (دوسری آیتوں کو بھی دیکھنا چاہئے۔ حق تعالیٰ ایک جگہ یہ بھی فرماتے ہیں وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ اس سے معلوم ہوا کہ نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے بعد سے ان کی ذریت میں نبوت اور کتاب منحصر کی گئی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور نبوت وکتاب کا حصر بلا واسطہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد سے ان کی اولاد میں ہوا ہے ان کے واسطہ سے نوح علیہ السلام کی ذریت میں ہوا ہے تو اولاد ابراہیم کو باقی خاندانوں پر یہ خاص شرف حاصل ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے قیامت تک نبوت اور کتاب اسی خاندان میں منحصر ہوگئی اور اس میں ہزاروں انبیاء پیدا ہوئے نیز اس کے ساتھ ۱۲) احادیث کو بھی ملانا چاہئے کیونکہ احادیث بھی اسی زبان سے نکلی ہیں جس سے قرآن ادا ہوا ہے اور اسی قلب پر نازل ہوئی ہیں جس پر قرآن نازل ہوا ہے وہ بھی وحی میں داخل ہیں گو متلو نہ ہوں۔

فضیلت قریش

تو احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی فضیلت بیان فرمائی ہے انصار کے فضائل بیان فرمائے ہیں اور ایک حدیث میں ہے **الناس معادن کمعادن الذھب والفضة**

خيارهم فی الجاهلية خيارهم فی الاسلام اذا فقهوا (مسند احمد ۲:۴۹۸، مستدرک حاکم ۳:۲۴۳) کہ جیسے چاندی سونے کی کانیں ہیں اسی طرح آدمیوں کی بھی مختلف کانیں ہیں جن میں بعض سونے کے مشابہ ہیں بعض چاندی کے بعض دوسرے معادن کے مثل ہیں پھر آپ فرماتے ہیں کہ جو خاندان جاہلیت میں اچھے شمار ہوتے تھے وہی اسلام کے بعد بھی اچھے ہیں جب کہ علم حاصل کرلیں بعض نے یہ سمجھا کہ اس میں قید **اذا فقهوا** اہل انساب کو مضر ہے کہ اس میں مدار فضل فقہ کو فرمایا مگر کچھ بھی مضر نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فقہ کے بعد **خيار فی الجاهلية** کو **خيار فی الاسلام** فرمارہے ہیں تو فقہ کے بعد مساوات نہ رہی بلکہ حاصل یہ ہوا کہ فقیہ غیر صاحب نسب فقیہ صاحب نسب کے برابر نہیں بلکہ فقیہ صاحب نسب افضل ہوگا۔

اہل انساب کی شان متبوعیت

تو کوئی تو بات ہے جس سے وہ خیار ہوئے ہاں یہ ضرور ہے کہ صاحب نسب جاہل سے غیر صاحب نسب عالم افضل ہے اس کا ہم کو انکار نہیں مگر حدیث سے اتنی بات معلوم ہوگئی کہ شرف نسب بھی کوئی چیز ضرور ہے جس کے ساتھ علم وفقہ مل جائے تو صاحب نسب غیر صاحب نسب سے بہتر ہوگا نیز حدیث میں ہے **الائمة من قريش** (مسند احمد ۳:۱۸۳، کنز العمال ۱۴۷۹۲) کوئی تو وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت کو قریش کے ساتھ مخصوص فرمایا معلوم ہوا کہ اہل انساب میں شان متبوعیت دوسروں سے زیادہ ہے نیز ایک حدیث میں بطور جز کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ثابت ہے **انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب** (الصحيح للبخاری ۴:۳۷، مشكوة ۴۸۹۵) (میں نبی ہوں جھوٹا نہیں میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں) جب جنگ حنین میں حضرات صحابہ کے پیر اکھڑ گئے اور وہ پیچھے ہٹنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ میں نبی ہوں یہ جھوٹ بات نہیں (اس لئے میرا غلبہ یقینی ہے)

صاحب نسب ہونے کی فضیلت

اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں یعنی میں خاندانی اور صاحب نسب ہوں میں ہرگز پسپا نہ ہونگا تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحب نسب ہونے پر فخر کیا ہے اور دشمن کو ڈرایا ہے کہ تو اپنے مقابل کو کم نہ سمجھنا وہ بڑا خاندانی ہے جس کی بہادری سب کو معلوم ہے اگر شرف نسب کوئی چیز

نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انا ابن عبدالمطلب کیوں فرمایا نیز ایک حدیث میں ہے ان اللہ اصطفی من ولد ابراھیم اسمعیل واصطفی من ولد اسمعیل بنی کنانۃ واصطفی قریشا من کنانۃ واصطفی من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم (سنن الترمذی ۳۶۰۵، کنز العمال ۳۱۹۸۴) یعنی حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسماعیل علیہ السلام کو انتخاب فرمایا (اس سے عرب کی فضیلت عجم پر ثابت ہوئی کیونکہ اسماعیل علیہ السلام ابوالعرب ہیں اور ایک روایت میں اس کی تصریح بھی ہے اختار اللہ العرب من بین الانام ۱۲) اور اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کیا اور کنانہ میں سے قریش کو منتخب کیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو منتخب کیا اور ایک حدیث کے یہ الفاظ ہیں ان اللہ خلق الخلق فجعلنی فی خیرھم (ای الانس) ثم جعلھم فرقتین فجعلنی فی خیرھم فرقۃ (ای العرب) ثم جعلھم قبائل فجعلنی فی خیرھم قبیلۃ (ای قریش) ثم جعلھم بیوتا فجعلنی فی خیرھم بیتا (ای بنی ھاشم) فانا خیرھم نفسا و خیرھم بیتا (سنن الترمذی، ۳۵۳۲ مسند احمد ۱: ۲۰۱) اس نص سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نسب مطلق کرم سے خالی نہیں گو اکرم ہونے کو مستلزم نہ ہو کیونکہ اکرمیت کا مدار تو تقویٰ ہے ان اکرمکم عنداللہ اتقکم مگر اس کرم بالنسب کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سارے کرم کو نسب ہی میں منحصر کر دیا جائے جیسا کہ اہل قصبات کی عادت ہے یہ دوسری جماعت ہے جس نے نسب کے بارہ میں افراط و غلو کیا ہے جیسا کہ پہلی جماعت نے تفریط کی تھی۔

اہل عرب کی عادت

اہل قصبات نے فخر بالانساب ہی پر قناعت کر لی ہے اصل میں یہ اہل عرب کی عادات میں سے ہے ان کو اپنے انساب پر بڑا فخر تھا چنانچہ ان کے اشعار اس سے بھرے پڑے ہیں وہی اثر ہندوستان کے ان قبائل میں اب تک موجود ہے جو نسل عرب سے یہاں پر ہیں اور قصبات میں تو یہ غضب ہے کہ عورتوں کے کھوٹ کی وجہ سے بھی خاندانوں پر عیب لگا دیتے ہیں کہ اس کی ماں ایسی ہے اس کی دادی ایسی ہے نانی ایسی ہے اس صفت میں یہ اہل عرب سے بھی بڑھ گئے کیونکہ اہل عرب نسب میں عورتوں کی وجہ سے نقص نہیں نکالتے (یہ اور بات ہے کہ نجیب الطرفین کو اکمل سمجھتے ہیں مگر جس کی ماں کم ذات ہو اور باپ شریف ہو اس کو بھی کامل النسب شمار کرتے ہیں ناقص نہیں سمجھتے ۱۲۔

شریعت میں ماں کے نسب کا اعتبار نہیں

مگر خدا تعالیٰ نے ماں کے نسب میں اعتبار کرنے کی ایسی جڑ اکھاڑی ہے کہ ان کو سر اٹھانے کا موقعہ نہیں ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیبیاں تھیں ایک حضرت سارہ وہ تو ان کی خاندان کی تھیں دوسری حضرت ہاجرہ جن کی اولاد میں حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں جو ابوالعرب ہیں وہ کنیز تھیں تو جو عورت ساری عرب کی جواصل ہے وہ کنیز ہیں اب جو قبائل عرب ہندوستان میں عورتوں کے کھوٹ کی وجہ سے دوسرے خاندانوں میں عیب نکالتے ہیں وہ اس دھبہ کو دھوئیں کس طرح دھوتے ہیں مگر در حقیقت یہ کوئی عیب ہی نہیں اسی لئے شریعت نے نسب میں ماں کا اعتبار نہیں کیا۔

سیادت کی بناء اولاد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ہے

البتہ اولاد فاطمہ میں ماں کا اعتبار کیا گیا ہے کیونکہ سیادت کا مدار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ہے اور سیدوں کا شرف دوسرے قبائل پر انہی کی وجہ سے ہے اور یہاں سے بعض علویوں کی غلطی واضح ہوگئی کہ وہ بھی اپنے کو سید کہتے ہیں حالانکہ سیادت کی بناء پر حضرت علی پر نہیں ہے بلکہ حضرت فاطمہ پر ہے پس حضرت علی کی جو اولاد حضرت فاطمہ سے ہے وہ تو سید ہے اور جو دوسری بی بی سے ہے وہ سید نہیں ہے اب ایک سوال یہاں ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر ایک شخص کا باپ سید نہ ہو اور ماں سید ہو تو وہ سید ہے یا نہیں تو قواعد کے موافق یہ شخص سید نہیں ہے ہاں ماں کی سیادت کی وجہ سے ایک گونہ شرف اس کو ضرور حاصل ہے مگر یہ اپنے کو سید نہیں کہہ سکتا اور اس کے لئے زکوٰۃ لینا بھی جائز ہے اگر صاحب نصاب نہ ہو بہر حال ماں کا نسب میں اعتبار نہیں البتہ حریت ورق میں اولاد شرعاً ماں کی قائم ہوتی ہے اور اس سے ایک اشکال کا بھی جواب ہوگیا وہ یہ کہ بعض احادیث میں وارد ہے کہ من عمل کذا فلہ اجر من اعتق اربعة من ولد اسمعیل (جس شخص نے ایسا عمل کیا اسے حضرت اسماعیل علیہ السلام میں سے چالیس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا) کا عتاق ہی متصور نہ ہوگا تو پھر حدیث میں اعتاق ولد اسماعیل کا کیا مطلب ہے بعض نے تو یہ کہا ہے کہ یہ بطور فرض کے ہے کہ اگر اہل عرب کا استرقاق جائز ہوتا تو ان کا اعتاق سب سے افضل ہوتا اس کا ثواب اس عمل سے ملے گا مگر جواب صحیح اور بے تکلف اس قاعدہ مذکورہ سے حاصل ہوگیا وہ یہ کہ کسی عربی نے عجمیہ رقیقہ سے نکاح کیا تو اولاد نسب میں تو باپ کے تابع ہو کر ولد اسماعیل ہوگئی اور ان میں ماں کے تابع ہو کر محل اعتاق ہو سکے گی یہ بیچ میں استطراداً کلام تھا اصل مقصود یہ تھا کہ نسب کا شرف شرعاً بھی معتبر ہے اور ایک بہت بڑی دولت ونعمت ہے۔

اصل شرف علم وعمل ہے

مگراس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں غلو کیا جائے جیسا کہ قصبات میں رواج ہے افسوس یہ لوگ ہڈی بوٹی کو لے کر بیٹھ گئے اور جو اس سے بڑھ کر شرف تھا اس کو چھوڑ بیٹھے اور وہ اصل شرف علم وعمل ہے افسوس شرفاء کو اس کا بالکل خیال نہیں علم دین کی طرف ان کو مطلق توجہ نہیں اور اس محلہ میں تو خصوصاً اس سے بہت ہی غفلت ہے بچے ہیں کہ آوارہ پھرتے ہیں اور بڑے ہیں کہ وہ بھی دین سے ناواقف ہیں کسی نے بہت کیا انگریزی پڑھ لی مگر انگریزی کوئی علم نہیں ہے اس کو دین سے کیا تعلق بلکہ اس کو پڑھ کر تو اکثر دین سے بے تعلقی ہو جاتی ہے اس لئے شرفا کو چاہیۓ کہ اپنے بچوں کو علم دین پڑھانے کا ضرور اہتمام کریں اور میں انگریزی سے منع نہیں کرتا مگر یہ ضرور کہوں گا کہ اس سے پہلے علم دین پڑھانا چاہیۓ چاہے اردو رسائل ہی میں ہو اور بڑوں کو بھی اس کا اہتمام کرنا چاہیۓ شاید وہ اس پر یہ کہیں گے کہ بڈھے طوطے اب کیا پڑھیں گے مگر میں کہتا ہوں کہ بڈھے طوطے اگر پڑھ نہیں سکتے مگر دوسروں سے تو سن سکتے ہیں میں آپ سے پڑھنے کو نہیں کہتا بلکہ آپ کسی پڑھے لکھے آدمی سے مسائل کی کتاب سن لیا کریں طوطے پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا کہ ہمارے گھر میں ایک طوطا ہے وہ کسی کی بات پر نہیں بولتا اس کو لاکھ پڑھاؤ مگر کچھ نہیں کہتا لیکن جہاں کوئی لڑکی کتاب پڑھنے بیٹھی تو وہ طوطا بھی ساتھ میں ٹرٹر لگاتا ہے اور اتنا بولتا ہے کہ پڑھنا دشوار کر دیتا ہے تو دیکھیۓ وہ طوطا بھی کتاب سن کر پڑھنے کی حرص کرتا ہے جب علم کا حیوان پر یہ اثر ہے تو انسان پر کیوں اثر نہ ہوگا۔

پڑھنا پڑھانا صرف درس ہی پر موقوف نہیں

صاحبو! پڑھنا پڑھانا اور عالم ہونا درس ہی پر موقوف نہیں حضرات سلف تو سن سن کر ہی عالم ہو گئے تھے یہ درس وتدریس کا طریقہ تو ان کے بعد ہی کے زمانہ سے شروع ہوا ہے ورنہ پہلے تو محض دو چار عالم کتاب ہوتے تھے اور انکی صحبت میں رہ کر مسئلے مسائل سن کر بہت سے بدون پڑھے ہی عالم بن جاتے تھے اور حضرات صحابہ وتابعین تو محض سننے ہی سے عالم ہوئے ہیں وہاں کتاب کھول کر پڑھنے کا رواج ہی نہ تھا بس صحابہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن سن کر سب عالم ہو جاتے تھے پھر حضرات صحابہ کی باتیں سن سن کر تابعین عالم ہو گئے اور ہمارے حضور تو اس پر فخر فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں

لکھنا پڑھنا نہیں ہے چنانچہ ارشاد ہے **نحن امة امية لانکتب و لا نحسب** (مسند احمد ۱۲۲:۲) (ہم امی امت ہیں نہ لکھنا جانتے ہیں نہ حساب کتاب)

ہم ان پڑھ امت ہیں نہ لکھنا جانتے ہیں اور نہ حساب

چنانچہ حضرات صحابہ میں کاتبان وحی معدودے چند تھے ورنہ اکثر صحابہ لکھنا بھی نہیں جانتے تھے۔ حساب بھی زیادہ نہ آتا تھا مگر وہ ایسے امی تھے کہ بڑے بڑے ارسطو اور افلاطون ان کے علوم کو سن کر منہ تکتے تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا اثر

حضرات صحابہ نے ہرقل اور مقوقس کے دربار میں جو حکیمانہ کلام کیا ہے اس کو سن کر سلاطین بھی حیرت میں رہ جاتے تھے کہ ان پڑھ لوگوں کے یہ علوم ہیں یہ محض حضور کی صحبت کا اثر تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان تھی۔

نگار من کہ بمکتب نرفت و درس نکرد بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

اس لئے پڑھ نہ سکنے کا عذر تو فضول ہے آپ سن سن کر ہی علم حاصل کر لیجئے اور اگر آج بڈھوں کو گورنمنٹ کی طرف سے قانون یاد کرنے کا حکم ہو جائے تو اس وقت یہ بوڑھے طوطے سب جوانوں کی طرح قانون یاد کرنے لگیں گے یہ بہانہ محض دین کے کاموں میں ہے دنیا کے کاموں میں بوڑھے بھی جوان ہو جاتے ہیں۔ غرض علم جس طرح سے بھی ہو حاصل کرنا ضروری ہے۔ بدون علم کے ایسی ایسی غلطیاں ہوتی ہیں کہ بعض لوگ عمر بھر نماز غلط ہی پڑھتے رہتے ہیں۔

مسائل نماز سے بے خبری

چنانچہ ایک قریب کے قصبہ کے ایک بوڑھے میاں جو مہذب اور لکھے پڑھے ہیں میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کسی نے مجھ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ جس طرح فرضوں میں دو رکعتیں بھری ہوتی ہیں اور دو خالی کیا سنتوں میں بھی یہی حکم ہے میں نے کہا نہیں بلکہ سنتوں میں سب رکعتیں بھری ہوتی ہیں تو وہ بڑے میاں یہ سن کر بڑے حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم تو اب تک سنتیں بھی دو بھری اور دو خالی پڑھتے تھے یہ تو آج ہی معلوم ہوا کہ سنتوں میں کوئی رکعت خالی نہیں ہوتی۔ اب بتلایئے کہ بڑے میاں کے پیر تو قبر میں لٹکے ہوئے ہیں اور اب تک نماز کا طریقہ

معلوم نہیں یہ ساری خرابی علم نہ ہونے کی ہے اسی طرح بعض صورتوں میں کسی غلطی سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور کسی غلطی سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے مگر بدون علم کے لوگ نہ معلوم کیا کیا گڑ بڑ کرتے ہیں بس بات یہ ہے کہ لوگوں کی نظر میں احکام الٰہیہ کی وقعت نہیں رہی اس لئے کچھ فکر نہیں کہ نماز درست ہوتی ہے یا فاسد اور اگر درست بھی ہوتی ہو تو اس بے علمی کے سبب بہت لوگوں کو جماعت کا اہتمام نہیں وقت کا خیال نہیں بعضے بہت تنگ وقت میں نماز پڑھتے ہیں افسوس اگر عدالت میں ایک چپڑاسی آواز دے کہ فلانا حاضر ہے تو اس کی کوشش کی جاتی ہے کہ پکارنے کے بعد حاضری میں دو منٹ کی بھی دیر نہ ہو گھنٹہ بھر پہلے سے تیار بیٹھے رہتے ہیں اور یہاں پانچ وقت منادی پکارتا ہے اور کان پر جوں تک نہیں رینگتی بلکہ اذان کے بعد اقامت بھی ہونے لگے اور امام کی آواز اور سورت کا شروع ہو جانا بھی سن لیں جب بھی کچھ اثر نہیں ہوتا حی علی الصلوٰۃ سن کر تو کیا اثر ہوتا افسوس ہم پر حی علی الفلاح سن کر بھی اثر نہیں ہوتا۔

نماز پڑھنے میں فلاح دارین ہے

حق تعالیٰ کی بھی کیا عنایت ہے کہ وہ ہماری حالت سے خوب واقف ہیں جانتے ہیں کہ یہ ایسے بھدے اور ناقدرے ہیں کہ محض حی علی الصلوٰۃ کہنے سے نماز کو نہ آئیں گے اس لئے جس طرح بچوں کو مٹھائی وغیرہ سے لبھایا اور بہلایا کرتے ہیں اسی طرح حق تعالیٰ نے ہم کو لبھانے کے لئے حی علی الصلوٰۃ کے ساتھ حی علی الفلاح بھی اذان میں بڑھا دیا کہ نماز میں فلاح و کامیابی بھی ہے اسی کے لئے آجاؤ کیونکہ اس جگہ فلاح مطلق ہے جس میں فلاح دنیوی واخروی دونوں داخل ہیں۔

آج کل روپیہ ملنے کا نام سب کچھ ہے

اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ ہم تو روز نماز پڑھتے ہیں مگر ہمیں تو کچھ بھی نہیں ملتا چنانچہ ایک تھانے دار نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ تو جو نماز پڑھتی ہے تجھے کیا ملتا ہے تو بات یہ ہے کہ آج کل روپیہ ملنے کا نام ملنا ہے اگر نماز پڑھ کر روپے مل جایا کرتے تب ان کے نزدیک یوں کہنا صحیح ہوتا کہ کچھ ملا ہے جیسے ایک پیشکار اشراق تک وظیفہ پڑھا کرتے تھے انہوں نے کسی پیر سے وظیفہ پوچھ رکھا تھا صبح کی نماز کے بعد اشراق تک وہ پڑھا جاتا تھا اور یہی وقت رشوت کے معاملات

طے کرنے کا تھا اہل معاملہ آتے اور اشاروں سے رشوت طے ہوتی کیونکہ وظیفہ میں بولنے کو منع سمجھتے تھے بس صاحب معاملہ نے ایک انگلی اٹھا دی کہ ایک سو لے لو اور انہوں نے سر ہلا کر دو انگلیاں اٹھا دیں کہ دو سو لونگا پھر اشاروں ہی سے بات طے ہوگئی رقم حاضر ہوگئی اور پیشکار صاحب نے مصلے کا کونہ اٹھا دیا اس نے رقم رکھ دی یہ پھر وظیفہ میں مشغول ہوگئے اب دوسرا آتا اس سے بھی اسی طرح اشاروں میں بات چیت ہوتی اور جب کسی رقم پر صلح ہو جاتی یہ جائے نماز کا کونہ اٹھا دیتے وہ رقم رکھ دیتا غرض یہ بزرگ جب اشراق کی نماز سے فارغ ہوتے تو گھر میں دو چار سو روپے لے کر جاتے تھے تو ملنا آج کل اس کو کہتے ہیں اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہم کو جنت ملے گی یا خدا راضی ہوگا تو اس کو کچھ ملنا ہی نہیں سمجھتے چنانچہ سودا نے اپنی بیوی سے پوچھا تھا کہ تو تہجد کیوں پڑھا کرتی ہے کہا ہم جنت میں جائیں گے تو وہ مسخرہ کہتا ہے کہ جا پاگل تو وہاں بھی ملانوں طالب علموں ہی کے ساتھ رہے گی (کیونکہ جنت والے اکثر غرباء ہی ہوں گے) اور دیکھ ہم جہنم میں جائیں گے جہاں بڑے بڑے سلاطین اور امراء و رؤسا فرعون نمرود و شداد و قارون اور ابو جہل جیسے ہوں گے تو آج کل فلاح روپے ملنے کو کہتے ہیں اگر کسی نیک کام میں روپیہ ملتا ہو تو اس کو ہر شخص بڑے شوق سے کرتا ہے اور جس میں یہ نہ ہو اس کی کچھ وقعت نہیں۔

احمقوں کی مزاحیہ حکایات

ایک جاہل نے کسی واعظ کو وعظ میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ کی راہ میں جو ایک روپیہ دے اسے دس تو ضرور ملتے ہیں اور بعض کو زیادہ بھی ملتے ہیں سات سو تک۔ اس شخص نے سوچا کہ میں غریب آدمی ہوں مجھے کسی حیلہ کی ضرورت بھی ہے لاؤ یہی تجارت شروع کریں اس سے اچھی تجارت کیا ہوگی اس کے پاس ایک روپیہ تھا اس نے وہی خیرات کر دیا اب دس کے منتظر بیٹھے ہیں جب کئی روز تک دس نہ آئے تو میاں کو دست آنے لگے کہ افسوس میں نے اپنا روپیہ بھی کھویا کیونکہ اس نے ثواب کے لئے تھوڑا ہی دیا تھا محض تجارت کے لئے دیا تھا اتفاق سے ایک دن یہ کسی کھیت میں قضاء حاجت کے لئے جو بیٹھا اور استنجا کے لئے ڈھیلہ اٹھانے لگا ایک ڈھیلہ کے نیچے ایک بٹوہ پڑا ملا جس میں پورے دس روپے تھے بڑا خوش ہوا کہ مولوی نے سچ کہا تھا دوڑا ہوا مولوی صاحب کے پاس آیا اور کہا آپ نے جو وعظ میں کہا تھا کہ اللہ کے لئے ایک دینے سے دس ملتے ہیں یہ بالکل درست ہے مگر مروڑے بڑے غضب کے ہیں آپ نے اس کو چھپا لیا اب سے اس

مضمون کے ساتھ اتنا اور کہہ دیا کرو کہ دس ملنے سے پہلے دست بھی آتے ہیں اور مروڑے بھی لگتے ہیں پھر جس کی ہمت ہوگی وہ دے گا ورنہ نہیں دے گا اسی طرح ایک اور احمق کی حکایت ہے اس نے کسی مولوی صاحب سے توکل کا وعظ سنا تھا کہ جتنا جس کے مقدر میں ہے وہ ضرور مل کر رہتا ہے بس آپ نے یہ سن کر سب کام چھوڑ دیئے اور جنگل میں جا کر بیٹھ رہے مگر بیٹھا ایسی جگہ کنویں کے پاس جہاں راستہ چلنے والے ٹھہرتے تھے اب لوگ آتے اور کنویں پر ٹھہر کر سڑک کی طرف منہ کر کے جس میں اس کی طرف پشت ہوتی تھی کھانا کھا کر چل دیتے ایک دن گزرا دوسرا دن گزرا پھر ایک مسافر ایسا آیا اس نے بھی اس کی طرف پیٹھ کر کے کھانا کھایا اور چلنے کو ہوا اب تو یہ بالکل مایوس ہوگیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ مولوی صاحب نے کیسا غلط مضمون بیان کیا تیسرا دن بھی گزر گیا اور اس کا بھوک سے برا حال ہوگیا۔ آخر آپ نے کھنکارنا شروع کیا اوہ اوہ مسافر نے مڑ کر دیکھا تو ایک آدمی نظر آیا جس کا بھوک سے براحال ہے اس کو رحم آیا اور جو کچھ بچا ہوا کھانا تھا وہ دیدیا کھانا کھا کر کچھ جان آئی تو آپ بھی مولوی صاحب کے پاس دوڑے ہوئے آئے کہ مولوی جی توکل کا مضمون تو درست ہے مگر کھنکارنے کی بھی ضرورت ہے تمہارے بیان میں اتنی کسر تھی آئندہ اس کو بھی ظاہر کر دیا کرو۔ اگر میں نہ کھنکارتا تو جان سے ہی گیا ہوتا۔

فلاح کی حقیقت

غرض بعض لوگ مال ملنے ہی کو فلاح سمجھتے ہیں اور نماز پڑھ کر چونکہ فوراً مصلے کے نیچے سے روپے نہیں نکلتے اس لئے ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ نماز میں کیا فلاح ہے مگر میں کہتا ہوں کہ کیا مال خود مقصود بالذات ہے بھلا اگر ایک شخص کے پاس ہزار روپے کے نوٹ ہوں یا نقدی ہو اور وہ ایسی جگہ پہنچ جائے جہاں کوسوں تک نہ کھانا ہے نہ پانی ہے اور اس وقت اس کو بھوک پیاس لگی تو بتلایئے یہ ہزار روپے اس کے کس کام کے اب اگر وہ بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر جان دے دی تو کیا آپ اس کو مفلح اور کامیاب کہیں گے ہرگز نہیں معلوم ہوا کہ مال خود فلاح نہیں اب شاید آپ یہ کہیں کہ کھانا پینا تو فلاح ہے ہم اس کے طالب ہیں سو یہ بھی غلط ہے کھانا پینا بھی مقصود بالذات نہیں کیونکہ بعض دفعہ کھانا کھا کر ہیضہ ہو جاتا ہے اس وقت یہی کھانا سبب ہلاکت ہو جاتا ہے معلوم ہوا کہ مقصود اور کچھ ہے وہ کیا ہے چین و آرام جب یہ سمجھ میں آ گیا کہ فلاح کی حقیقت راحت ہے تو اب دعوے سے کہا جاتا ہے کہ نماز سے یہ فلاح ضرور حاصل ہوتی ہے نماز سے قلب کو وہ راحت ملتی ہے جو ہزار کھانوں سے بھی نہیں مل سکتی مگر جیسے بعض دواؤں کا نفع ایک خاص میعاد پر ہوا کرتا ہے چنانچہ

اطباء کہا کرتے ہیں کہ اس دوا کو تین دن یا تین ماہ استعمال کر کے پھر آنا اس مدت سے پہلے نفع ظاہر نہ ہوگا اگر چھ ماہ کا اندھا کسی قیمتی سرمہ کو دو تین دن لگا کر سوانکھا ہونا چاہے تو وہ بے وقوف ہے اسے چاہئے کہ کم از کم مثلاً تین ماہ تو استعمال کر کے دیکھے اسی طرح نماز کی راحت کا احساس ایک خاص میعاد کے بعد ہوتا ہے جو ہر شخص کے لئے اس کے مناسب ہوتی ہے پس یہ آپ کی غلطی ہے کہ آپ چار دن نماز پڑھ کر مراقبہ کرنے بیٹھ گئے کہ دیکھوں راحت قلب حاصل ہوئی یا نہیں صاحب کسی جاننے والے طبیب روحانی سے پوچھ کر نماز کو قاعدہ سے شروع کرو اور کچھ عرصہ تک ادا کرتے رہو پھر دیکھو کیا حال ہوتا ہے ان شاء اللہ چند ہی روز میں یہ حالت مشاہد ہوگی۔

سلطان اللیل

جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جعلت قرة عینی فی الصلوة (فتح الباری ۱۱: ۳۴۹ کنز العمال ۱۸۹۱۲) میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے جو شخص نماز کا عادی ہے وہ جانتا ہے کہ نماز پڑھ کر کیا راحت ہوتی ہے مشہور ہے کہ عشاء کی نماز پڑھ کر آدمی سلطان اللیل (رات کا بادشاہ) ہو جاتا ہے۔ واقعی سلاطین کو کیا راحت نصیب ہوگی جو نمازی کو عشاء کی نماز پڑھ کر حاصل ہوتی ہے قاعدہ ہے کہ ہر چیز کا ادراک ضد کو دیکھ کر کامل ہوتا ہے تو نماز کی راحت کا احساس بھی اس طرح ہوگا کہ کبھی ریل میں نماز پڑھنا دشوار ہوا ہو تو یاد کیجئے اس وقت کیسی پریشانی ہوئی ہوگی اور خدا خدا کر کے کسی اسٹیشن پر آدمیوں کے اترنے سے جگہ ملی ہوگی تو نماز پڑھ کر کیسا چین ملا تھا مگر یہ بات ایک زمانہ تک نماز کی عادت ہونے سے نیز اہل اللہ کے پاس بیٹھنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ذوقی چیز

اہل اللہ کے پاس بیٹھنے سے نسبت مع اللہ حاصل ہوتی ہے دل کو خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک لگاؤ ہو جاتا ہے مگر یہ نسبت ذوقی چیز ہے اور اس کے حصول کے لئے بھی ایک میعاد ہے اس کی حقیقت قول سے نہیں معلوم ہو سکتی محض ذوق سے معلوم ہوتی ہے ظاہر میں بھی تو ایسی بہت چیزیں ہیں جو بدون ذوق کے معلوم نہیں ہو سکتیں دیکھئے لوگ کہتے ہیں کہ شعر میں مزا آتا ہے مگر کیا کوئی اس مزہ کی حقیقت الفاظ میں بیان کر سکتا ہے ہرگز نہیں ہمارے ایک دوست ہیں ان کو اشعار میں مزا نہیں آتا جب وہ کسی کو شعر سے مزا لیتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اس پر ہنستے ہیں کہ شعر بھی کوئی مزہ کی چیز ہے یہ بھی کوئی کھانے پینے کی چیز ہے جو اس میں مزا آئے ایک دفعہ الہ آباد میں ایک دوست میرے ساتھ تھے ان کی طبیعت شاعرانہ ہے وہ نہ اپنی ایک غزل سنا رہے تھے جس میں ایک شعر یہ بھی تھا۔

کیا بیٹھا ہے سینہ پر زانو کو دھرے قاتل ہاں پھیر بھی دے خنجر کیا دیر لگائی ہے

(لوگ تو اس سے مزے لے رہے تھے اور وہ حضرات ان پر ہنس رہے اور فتوے لگا رہے تھے کہ واللہ یہ بالکل جھوٹ ہے ہم نے تو کسی محبوب کو نہیں دیکھا کہ وہ عاشق کے سینہ پر خنجر چلانے کو بیٹھا ہو اب بتلائیے ایسے لوگوں کو الفاظ سے کیونکر سمجھایا جائے کہ شعر میں یہ مزا ہے کیونکہ یہ محض ذوقی چیز ہے جس کو یہ ذوق حاصل نہیں وہ اس کے لطف کو نہیں سمجھ سکتا۔

عنین طریق

یہی وجہ ہے کہ فلاسفہ نے صوفیہ کے حال وقال و وجد کو دماغ کی خرابی پر محمول کیا اور کہا کہ حق تعالیٰ سے محبت نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ غائب ہیں اور غائب کے ساتھ محبت نہیں ہو سکتی اور حیرت ہے کہ بعض متکلمین بھی حق تعالیٰ کے ساتھ حب عقلی کے تو قائل ہیں مگر حب طبعی کا انکار کرتے ہیں افسوس عشاق تو محبت میں مرے کھپے جاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ محبت حق تعالیٰ سے ہو ہی نہیں سکتی وہ تو جان دینے کو تیار ہیں اور بہت سے تڑپ تڑپ کر مر بھی گئے اور یہ ان کو دیوانہ کہتے ہیں یہ لوگ عنین طریق ہیں ان کو عشق کا چرکہ نہیں لگا اس لئے اس کی حقیقت کے منکر ہیں کیونکہ

ذوق ایں مے نشناسی بخدا تا نچشی

(ذوق اس شراب کی حقیقت نہیں جان سکتے جب تک اسے چکھ کر نہ دیکھو

اصل زندگی تو دراصل اہل اللہ کی ہے

حضرات! یہ لوگ جن کو دیوانہ کہا جاتا ہے ایسے عاقل ہیں کہ ان کے ملفوظات اور حکیمانہ اقوال کے سامنے ارسطو بھی طفل مکتب ہے تو کیا ایسے عاقلانہ اقوال دیوانوں سے صادر ہوا کرتے ہیں مگر چونکہ اس محبت نے ان سے سلطنتیں چھڑا دیں جب انہوں نے سلطنت کو مخل تعلق حق دیکھا تو لات مار کر الگ ہو گئے ان کا مذاق یہ ہے کہ

عشق با مردہ نباشد پائدار عشق را باحی و باقیوم دار

اور

عاشقی با مردگان پائندہ نیست زانکہ مردہ سوئے ما آیندہ نیست

وہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی پر نظر نہیں کرنا چاہتے دنیا اور اسکے لذائذ ان کی نظر میں خاک کے برابر

بھی نہیں رہے اس لئے اہل دنیا کی نظر میں وہ دیوانے شمار ہونے لگے مگر وہ ایسے دیوانے ہیں کہ

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد

مگر میں سچ کہتا ہوں کہ زندگی انہی کی زندگی ہے واللہ ان کو کھانے پینے میں بھی وہ مزہ آتا ہے کہ آپ کو اور ہم کو نہیں آتا کیونکہ ان کو کھانے پینے کے وقت میں یہ مستحضر ہوتا ہے کہ یہ سب نعمتیں محبوب کی طرف سے ہیں اور محبوب کے ہاتھ سے اگر گلا ہوا امرود بھی ملے تو وہ آلہ آباد کے شاداب امرود سے افضل ہوتا ہے بلکہ محبت کی تو اس سے بھی بڑھ کر عجیب حالت ہے کہ عاشق کو محبوب کی ایذا میں بھی مزا آتا ہے اسی لئے اہل اللہ کو جان دینے میں بھی مزا آتا ہے کیونکہ عاشق کو محبوب کے ہاتھ سے دھول کھانے میں بھی لطف محسوس ہوتا ہے حضرت عراقی فرماتے ہیں۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اہل محبت کے احوال

حضرت زلیخا نے جب زنان مصر کے سامنے یوسف علیہ السلام کو بلایا تو انہوں نے بدحواس ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور ایذا کا مطلق احساس نہ ہوا اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں صحابہ کی یہ حالت ہوئی جس کو حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

لواحی زلیخا لو ارین جبینہ لاثرن بالقطع القلوب علے الید

واقعی ہزاروں مردوں نے اپنے دل کاٹ دیئے غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جانیں دیدیں اور عورتوں کی یہ حالت تھی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوات سے واپس ہوتے تو عورتیں سڑکوں پر کھڑی ہو جاتیں اور آنے والوں سے اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت پوچھتی تھیں ایک دفعہ کسی غزوہ میں ایک عورت کا باپ اور خاوند اور بیٹا اور بھائی غرض سارا کنبہ شہید ہو گیا تو حضرات صحابہ نے اس کی تعزیت کی کہ تمہارے فلاں فلاں عزیز شہید ہو گئے۔ تو وہ پوچھتی ہے کہ یہ بتلاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں صحابہ نے کہا حضور تو مع الخیر واپس تشریف لا رہے ہیں تو وہ فرماتی ہیں کہ بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلامت چاہئیں آپ کے اوپر ہزار ماں باپ اور اولاد فدا ہیں۔

فدی لرسول اللہ امی و خالتی وعمی و آبائی و نفسی و مالیا

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کو یہ تعلق تھا کہ عورتیں اور مرد اور بچے سب کے

قلوب پارہ پارہ ہو گئے تھے غرض محبت کے ساتھ مصائب بھی شیریں ہو جاتی ہیں۔

از محبت تلخہا شیریں بود

چنانچہ ان صحابیہ کو حضور کی سلامتی کی اس درجہ مسرت تھی کہ اپنے سارے کنبہ کا مرنا بھول گئیں جب تلخیاں بھی خوشگوار ہو جاتی ہیں تو محبوب کے لذیذ انعامات میں تو عاشق کو کیا کچھ حظ آئے گا۔ اس لئے اہل اللہ کو جب کھانے پینے کی چیزوں میں یہ امر مشاہد ہوتا ہے کہ یہ محبوب نے ہم کو دی ہیں تو ان کو وہ حظ حاصل ہوتا ہے کہ اہل دنیا نے اس کا خواب بھی نہیں دیکھا۔

نماز میں ظاہری و باطنی فلاح

پھر ان لوگوں کو بھلا نماز میں تو کیوں حظ نہ آئے گا جو خاص قرب محبوب اور حاضری دربار کی حالت ہے اس وقت واقعی طور پر ان کو حی علی الفلاح کا ادراک ہوتا ہے کہ نماز عجیب راحت کی چیز ہے یہ تو نماز میں فلاح عاجل باطنی ہے اس کے علاوہ نماز میں ظاہری فلاح عاجل بھی بہت کچھ ہے چنانچہ نماز میں ایک نفع یہ ہے کہ اگر کوئی آپ کو فضول مخالطت فضول مکالمت سے ایذا دینا چاہے تو نماز شروع کر دو جب تک نماز پڑھتے رہو گے کوئی تمہیں کچھ نہ کہے گا دوسرے اگر تم کسی آنے والے کی تعظیم نہ کرنا چاہو اور تعظیم نہ کرنے میں خطرہ کا اندیشہ ہو تو اس کو آتا ہوا دیکھ کر نماز شروع کر دو اس طرح تعظیم سے بھی بچے رہو گے اور دوسرے کو اپنی بے تعظیمی کا بھی خیال نہ آئے گا کیونکہ سب جانتے ہیں کہ نماز میں انسان دوسری طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تیسرے اگر کوئی یہ چاہے کہ میں اس طرح خلوت اختیار کروں کہ گوشہ نشین بھی مشہور نہ ہوں کیونکہ اس شہرت کے بعد پھر خلوت نہیں رہ سکتی لوگ تنگ کرتے اور ہجوم کرنے لگتے ہیں تو اس کی سہل صورت یہ ہے کہ ہر وقت نفل نماز پڑھا کرے ہمارے ایک عزیز بزرگ نے جو مشرب سماع رکھتے تھے اسی طرح خلوت اختیار کی تھی کہ بیٹھک ہی میں عام منظر پر رہتے اور ہر وقت نماز پڑھتے تھے جب کوئی ملنے آیا تو سلام کے بعد دو چار باتیں خیر و عافیت کی پوچھ لیتے اور پھر نماز شروع کر دیتے مجھے یہ طریقہ بہت پسند آیا کہ نہ تو وہ بد اخلاق ہی مشہور ہوئے کیونکہ جو کوئی بھی آتا تھا اس سے ضرورت کی قدر مل بھی لیا کرتے تھے اور نہ عزلت گزینی میں خلل آیا اور نہ خلوت نشین مشہور ہوئے جو عوام کا ہجوم ہوتا ایک برکت نماز کی یہ ہے کہ اس میں بڑے بڑے سلاطین اور روساء کی برابری ہو جاتی ہے ایک انگریز کالج علی گڑھ میں گیا تو وہاں دیکھا کہ رئیسوں کے لڑکے پڑھتے ہیں جن کے ساتھ نوکر اور ملازم بھی ہوتے ہیں مگر خدمت کے وقت تو وہ نوکر دور کھڑے رہتے ہیں آقا کے پاس بھی نہیں بیٹھ سکتے اور نماز کے وقت آقا کے

برابر پاس مل کر کھڑے ہوتے ہیں اس نے ان رئیس زادوں سے دریافت کیا کہ نماز میں برابر کھڑے ہونے سے یہ ملازم گستاخ نہیں ہوجاتے انہوں نے کہا کیا مجال ہے جو نماز کے بعد ہماری ذرا بھی برابری کرسکیں اس وقت کا یہی حق ہے کہ سب برابر ہوں اور دوسرے وقت کا دوسرا حکم ہے اس کو اس سے بڑی حیرت ہوئی اور اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ جو نوکر نماز پڑھتا ہے حالانکہ وہ نماز میں آقا کے برابر بھی ہوجاتا ہے مگر پھر بھی اس میں انقیاد کی صفت بڑھ جاتی ہے یعنی وہ آقا کی خدمت اور اس کے حقوق کی بجا آوری بے نمازی نوکر سے زیادہ کرتا ہے واقعی یہ بات مشاہد ہے کہ دیندار آدمی جیسے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتا ہے بندوں کے حقوق بھی خوب ادا کرتا ہے اسی برابری پر ایک اور قصہ یاد آیا نواب ٹونک جن کا نام وزیر الدولہ تھا بڑے دیندار تھے ایک دفعہ کسی نماز میں وہ آئے اور کسی غریب مزدور کے پاس کھڑے ہوگئے وہ بے چارا ڈرا کہ کہیں نواب صاحب کو میرا دامن وغیرہ نہ لگ جاوے پھر مصیبت آوے اس لئے وہ ذرا سمٹا کر دب کر کھڑا ہوا جس سے صف میں فرجہ ہوگیا نواب صاحب صف ملانے کے لئے ادھر کو اور کھسک گئے تو وہ اور ہٹ گیا اب نواب صاحب تو اس سے ملتے ہیں اور وہ الگ ہوتا جاتا ہے خدا خدا کر کے نماز پوری ہوئی تو وہ غریب فوراً ہی بھاگا نواب صاحب نے دعا سے فراغت کر کے فرمایا کہ یہ ہمارے پہلو میں کون شخص کھڑا تھا اس کو حاضر کرو خدم حشم نے اس کو حاضر کیا اب تو وہ سمجھا کہ میری کم بختی آوے گی لوگوں نے کہا ڈرو نہیں کچھ نہیں کہیں گے مگر نواب صاحب کے سامنے دب کر گفتگو نہ کرنا دلیرانہ بات چیت کرنا پھر وہ کچھ نہ کہیں گے چنانچہ نواب صاحب کے سامنے پہنچے انہوں نے فرمایا کیوں صاحب یہ کیا حرکت تھی کہ ہم تو صف میں خوب ملنا چاہتے تھے کیونکہ سنت بھی ہے اور تم ہم سے الگ ہوتے تھے کیا نماز میں بھی تم ہم سے ڈرتے تھے اس نے دلیر بن کر جواب دیا کہ نماز میں آپ سے میں کیوں ڈرتا یہ تو خدا کا دربار ہے جس میں بڑے سے بڑا بادشاہ بھی کسی ادنی مسلمان پر ترجیح نہیں رکھتا۔ نواب صاحب نے فرمایا پھر کس لئے تم بچتے تھے کہا میں اس لئے بچتا تھا کہ کہیں آپ کی دنیا مجھ کو نہ لگ جائے یہ سن کر نواب صاحب اس کے بڑے معتقد ہوئے اور حاضرین سے تعریف کی اور رونے لگے اور کہا واقعی اس غریب کی کچھ تنخواہ مقرر کردی۔

نماز کے دنیوی منافع

نماز کی ایک برکت یہ ہے کہ اس سے صحت اچھی رہتی ہے اطباء بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ اخلاق حمیدہ وافعال حسنہ کا اثر صحت پر بہت اچھا پڑتا ہے اور افعال بد سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ تجربہ کر کے دیکھ لیا جائے کہ ایک آدمی نمازی ہو اور ایک بے نمازی تو نمازی کی صحت بے

نمازی سے ضرور اچھی ہوگی (مگر دونوں یکساں قوی اور قریب قریب بدن کے لینے چاہئیں) بلکہ ایک حدیث سے جو ابن ماجہ میں ہے تو معلوم ہوتا ہے گو محدثین نے اس کو ضعیف کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے ذریعہ سے بعض امراض کا علاج کیا ہے ایک دفعہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کے پیٹ میں درد تھا وہ آہ آہ کر رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو تشریف لے گئے اور فارسی میں فرمایا اشکمت درد قال نعم قال قم فصل فزال وجع بطنه (سنن ابن ماجه ۳۴۵۸ تفسیر الطبری ۱:۲۰۵) کیا تمہارے پیٹ میں درد ہے کہا ہاں فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو نماز چنانچہ پڑھتے ہی درد زائل ہو گیا چونکہ یہ مسئلہ احکام میں سے نہیں اس لئے ضعف حدیث اس میں مضر نہیں۔ میں یہ تو دعویٰ نہیں کرتا کہ نماز پڑھنے سے ہمیشہ درد زائل ہو جایا کرے گا ممکن ہے کسی عارض سے اس نفع کا ظہور نہ ہو مگر یہ تو ضرور ہے کہ نماز سے ایک خاص سرور و نشاط اور قلب کو راحت حاصل ہوتی ہے۔ جس کا اثر صحت پر بھی ضرور ظاہر ہوتا ہے اور ہم کو اس کی وجہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ نماز سے راحت و سرور کیوں ہوتا ہے کیونکہ ہر اثر کے لئے کسی علت کا معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ بعض چیزیں بالخاصہ موثر ہوتی ہیں دیکھئے مقناطیس میں جو جذب حدید کی خاصیت ہے اس کی وجہ کوئی نہیں بتلا سکتا اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ نماز میں یہ اثر بالخاصہ ہے جس کی علت بتلانے کی ہمیں ضرورت نہیں افسوس اتنی بڑی عبادت جس میں فلاح اخروی بھی ہے اور فلاح دنیوی بھی ہے اور ہم اس سے ایسے غافل ہیں کہ پانچ وقت خدا کی طرف سے ایک منادی ہم کو پکارتا ہے اور ہم جماعت میں نہیں آتے حالانکہ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ولقد هممت ان امربا لصلوة الی ان قال فاحرق بیوتهم بالنار کہ میں چاہتا ہوں کہ نماز میں ایک شخص کو امام بناؤں پھر چند آدمیوں کو ساتھ لے کر دیکھوں کہ کون کون لوگ جماعت میں نہیں آئے پھر جو جماعت سے پیچھے رہتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان کے گھر پھونک دوں اور گو آپ نے ان لوگوں کے گھروں کو پھونکا نہیں مگر چاہا تو تھا اور حضور کی شان یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں انی اری ربک یسارع فی هواک کہ میں خدا تعالیٰ کو دیکھتی ہوں کہ آپ کی خواہش کو بہت جلد پورا کر دیتے ہیں اور بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان کیوں نہ ہو جب ادنی ادنی مقبولین کی یہ شان ہے کہ

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں　　میدہد یزداں مراد متقیں

تو معلوم ہوا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا چاہا ہے تو خدا تعالیٰ نے بھی ضرور چاہا ہے اب بتلاؤ جس کے گھر کو خدا اور رسول پھونکنا چاہیں وہ کیونکر بچ سکتا ہے تو جو لوگ جماعت میں نہیں آتے ان کے گھر میں ضرور آگ لگی ہے شاید تم کہو کہ ہمارا گھر کہاں جلا وہ تو اچھا خاصا موجود ہے۔

بے نمازی کے چہرے سے بدرونقی عیاں ہوتی ہے

تو اس کے متعلق مولانا رومی کا جواب سن لو فرماتے ہیں۔

آتشے گرنا مدست ایں دود چیست جاں سیہ گشت وروان مردود چیست

یہ تھوڑی آگ لگی ہوئی ہے جس کے دھوئیں نے دل کو سیاہ کر دیا اور چہرہ پر وحشت وظلمت برس رہی ہے اس ظلم قلب سے بے نمازی کے چہرہ پر ہی ضرور ایک اثر ہوتا ہے جس سے اس کا بے نمازی ہونا لوگوں کو معلوم ہو جاتا ہے نمازی کے چہرہ پر جو نور ہوتا ہے وہ بے نمازی کے چہرہ پر نہیں ہوتا اور یہ اثر قلب کا ہے نمازی کے دل میں نور ہے اس کا اثر چہرہ پر ظاہر ہوتا ہے اور بے نمازی کے دل میں ظلمت ہے اس کا اثر چہرہ کی بدرونقی سے ظاہر ہوتا ہے معلوم ہوا کہ آگ ضرور لگی ہے اسی کا یہ دھواں ہے جس نے ظاہر و باطن دونوں کو سیاہ کر دیا ہے دل کی سیاہی یہ ہے کہ بہت لوگوں کو نہ رشوت سے نفرت ہے نہ جھوٹ بولنے سے نہ کسی پر بہتان باندھنے سے نہ کسی کی زمین دبانے اور قرض لے کر انکار کر دینے سے نہ لڑکوں اور عورتوں کو گھورنے سے وغیرہ وغیرہ اور مولانا کا یہ ارشاد حدیث سے موید ہے۔ حدیث میں ہے **ان المومن اذا اذنب کانت فی قلبه نکتة سوداء فان تاب واستغفر صقل قلبه وان زاد زادت حتی تعلو قلبه فذلکم الوان الذی ذکر الله تعالیٰ کَلَّا بَلْ** (سنن ابن ماجة: ۴۲۴۴، مسند احمد ۲، ۲۹۷) (سکته) رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ (قال الترمذی حسن صحیح مشکوۃ ص ۲۰۷) یعنی جب مسلمان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ داغ پیدا ہو جاتا ہے پھر اگر توبہ استغفار کر لے تو دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر گناہ میں بڑھتا گیا تو یہ داغ بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ دل کو گھیر لیتا ہے یہی وہ زنگ ہے جس کی بابت حق تعالیٰ فرماتے ہیں کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ یعنی ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے کرتوتوں کا زنگ غالب ہو گیا ہے۔ اسی کو مولانا ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

ہر گنہ زنگے ست برمرآۃ دل دل شود زیں زنگ ہا خوار و خجل

چوں زیادت گشت دل راتیرگی نفس دون رابیش گرد د خیرگی

یہ تو بالکل حدیث کا ترجمہ ہے پس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ گناہوں سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اسی کو مولانا نے فرمایا کہ آگ نہیں لگی تو یہ دھواں کہاں سے آیا کہ دل سیاہ ہو گیا اور

صورت پر پھٹکار برستی ہے۔ بزرگوں کا کلام کلیایا جزئیاًبالکل حدیث وقرآن کا ترجمہ ہے گو ظاہر میں اشعار نظر آتے ہیں۔

مثنوی الہامی کتاب ہے

لکھنؤ میں ایک دفعہ میرا بیان ہوا تو اتفاق سے اس میں مثنوی وغیرہ کے اشعار زیادہ پڑھے گئے اس وقت ایک غیر مقلد بھی موجود تھے۔ بیان کے بعد کہنے لگے کہ وعظ تو بہت اچھا ہے مگر اتنی کسر ہے کہ اس میں قال اللہ وقال الرسول کم تھا اشعار زیادہ تھے اگلے دن پھر بیان ہوا تو میں نے قصداًاشعار زیادہ پڑھے اور ہراک شعر کے مضمون کو حدیث وقرآن سے ثابت کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ حدیث وقرآن کا ترجمہ ہے اور اگر کسی جگہ حدیث وقرآن کا ترجمہ بھی نہ ہو تو محقق کا کلام خدا ورسول کے خلاف کبھی نہیں ہوسکتا بلکہ اللہ ورسول ہی کی مراد کو واضح کرتا ہے گو بعینہ ترجمہ نہ ہو بالخصوص مثنوی شریف کہ وہ تو خود الہامی کتاب ہے چنانچہ مولانا جامی کا ارشاد ہے۔

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن در زبان پہلوی

حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ قرآن سے مراد کلام الٰہی پس اس کا مطلب یہ ہے کہ مثنوی کلام الٰہی ملہم ہے یہ مطلب نہیں کہ یہ قرآن کا ترجمہ ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اس میں بہت سی حکایات ایسی ہیں جو قرآن میں نہیں ہیں ہاں بعض جگہ بعینہ ترجمہ قرآن بھی ہے مگر سب جگہ نہیں اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ الہام فارسی میں کیوں ہوا کیونکہ حق تعالیٰ کسی زبان کے ساتھ مقید نہیں ہیں وہ فارسی میں بھی تکلم اور الہام فرماسکتے ہیں مولانا فرماتے ہیں۔

پارسی گو گرچہ تازی خوشترست عشق را خود صد زبان دیگر ست

تو یہ اشعار یعنی ہر گنہ زنگے ست الخ علاوہ کلام محقق اور کلام ملہم ہونے کے حدیث کا ترجمہ بھی ہیں اس لئے مولانا کا ارشاد بالکل بجا ہے کہ آگ ضرور لگی ہے اسی سے دل سیاہ ہوا ہے رہا یہ کہ آگ کے ساتھ تو سوزش بھی ہوتی ہے اور بے نمازی کو تو سوزش نہیں ہے تو خوب یاد رکھو کہ سوزش بھی ہے مگر فالج غفلت کی وجہ سے جسم سن ہو رہا ہے اس لئے اس کا احساس نہیں ہے جیسے کلوروفارم سونگھنے والے کو زخم نشتر کا احساس نہیں ہوتا ایسے ہی ان لوگوں نے غفلت کا کلوروفارم سونگھ رکھا ہے اس لئے گناہوں کی سوزش کا احساس نہیں ہوتا مگر ایک دن یہ فالج اور یہ سن اور بے ہوشی اترے گی اس وقت گناہوں کی سوزش کا احساس ہوگا۔

فسوف تری اذا انکشف الغبار افرس تحت رجلک ام حمار

اس وقت غفلت کے غبار آنکھوں پر سوار ہیں اور دینداروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے اور ان کو گدھے پر سوار سمجھتے ہیں مگر جس دن یہ غبار بیٹھ جاوے گا اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ گدھے پر سوار کون تھا اور گھوڑے پر سوار کون۔

خدائی آگ

دوسرے یہ گناہوں کی آگ خدائی آگ ہے جس کی خاصیت یہ ہے **نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ** (وہ اللہ کی آگ ہے جو اللہ کے حکم سے سلگائی گئی ہے جو بدن کو لگتے ہی دلوں تک پہنچ جاتی ہے) اس کا اصل محل قلب ہے اور دعوے سے کہا جاتا ہے کہ گناہ گار کا دل بے چین ہوتا ہے اس کو راحت و چین نصیب نہیں ہوتا۔ گناہ سے دل کمزور اور ضعیف ہو جاتا ہے یہ اسی آگ کا تو اثر ہے جس نے اندر اندر دل کو پھونک دیا ہے اور صوفیہ کی تحقیق تو یہ ہے کہ یہ گناہ خود ہی آگ ہیں اور جہنم انہی کی صورت مثالی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جہنم کا فی نفسہ وجود نہیں بس معاصی ہی کو مجازاً جہنم کہہ دیا گیا جیسا کہ فلاسفہ نے نعیم و جحیم کی حقیقت علم و جہل سمجھی ہے مطلب یہ ہے کہ جہنم خارج میں موجود ہے اور اسی طرح موجود ہے جس طرح حدیث و قرآن میں خبر دی گئی ہے مگر اس کی حقیقت یہی معاصی ہیں جہنم کی آگ اور سانپ بچھو وغیرہ سب انہی گناہوں کی صورت ہیں چونکہ اس عالم میں اعراض بھی جواہر بن جاتے ہیں اس لئے یہی گناہ جو یہاں کیے جاتے ہیں ان ہی کی یہ صورتیں بن گئیں اور پہلے سے بن گئیں۔ امام غزالی نے یہی بات لکھ دی تھی جس کو لوگوں نے جہنم منصوصہ کی حقیقت کے انکار پر محمول کیا اور امام پر فتویٰ لگانے لگے مگر یہ حمل غلط ہے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس سے بری ہیں لوگوں نے ان کے کلام کو سمجھا نہیں یہ مسئلہ میں نے اس لئے بیان کر دیا تھا کہ اگر کسی کی نظر سے یہ بات گزرے تو غلطی میں نہ پڑے غرض صوفیہ کے قول پر تو یہ گناہ ہی خود آگ ہیں ان کے لئے کسی دوسری آگ کی ضرورت نہیں مرنے کے بعد یہی آگ اور سانپ بچھو بن کر ستائیں گے پس گنہگار مرنے کے بعد تو صورت جہنم میں جائے گا اور اس وقت وہ حقیقت جہنم میں موجود ہے کیونکہ بڑا جہنم یہ ہے کہ حضرت حق ناراض ہوں۔

شنیدہ ام سخن خوش کہ پیر کنعاں گفت فراق یار نہ آں می کند کہ بتواں گفت

حدیث ہول قیامت کہ گفت واعظ شہر کنایتیست کہ از روزگار ہجراں گفت

ایمان کا اثر

صاحبو! جہنم انہی کے واسطے جہنم ہے جن سے خدا تعالیٰ ناراض ہوں اور جس سے خدا راضی ہو اس کے لئے جہنم کوئی چیز نہیں بلکہ ان سے تو جہنم خود پناہ مانگتی ہے ان کے ایمان کے اثر سے وہ خود ٹھنڈی ہونے لگے گی حدیث میں ہے کہ جس وقت مسلمان پل صراط سے گزریں گے جو جہنم کی پشت پر بچھایا جائے گا تو مومن متقی سے جہنم کہے گی جز یا مؤمن **فان نورک اطفا** ناری اے مومن جلدی سے پار ہو جا تیرے نور نے میری نار ہی کو بجھا دیا۔

ایک جماعت اولیاء کا حال

نیز مولانا رومی نے ایک جماعت اولیاء کا حال لکھا ہے کہ وہ پل صراط سے گزر کر جب جنت میں پہنچ جائیں گے تو حق تعالیٰ یا ملائکہ سے سوال کریں گے کہ ہم نے سنا تھا کہ پل صراط سے گزرتے ہوئے جہنم بھی راستہ میں آتا ہے مگر ہم کو تو ملا ہی نہیں تو ارشاد ہوگا کہ تم نے ایک باغ سرسبز و شاداب دیکھا تھا یا نہیں وہ کہیں گے ہاں باغ دیکھا تھا ارشاد ہوگا کہ وہی جہنم تھا جو تمہارے ایمان کی برکت سے گلزار ہو گیا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے دنیا میں آگ گلزار ہو گئی تھی۔

گلستان کند آتشے برخلیل گروہے بآتش بردز آب نیل

اور نیز قیامت میں انبیاء علیہم السلام اور بعض مومنین اذن شفاعت کے بعد جہنم میں گھس گھس کر دوزخیوں کو نکالیں گے مگر جہنم ان کا کچھ بھی نہ کر سکے گی اور اس وقت بھی زبانیہ جہنم دوزخ میں موجود ہیں مگر ان کو اس سے کچھ ضرر نہیں ہے۔ یہ تو ان لوگوں کی حالت ہے جو کامل الایمان ہیں اور جن میں ایمان ضعیف ہے ان کو بھی جہنم پوری طرح نہ جلا سکے گی کیونکہ ان کے دل میں ایمان ہے مومن کے قلب پر آگ کا اثر نہ پہنچے گا اور حدیث مسلم میں ہے کہ **اماتهم الله اماتة** کہ گنہگار مسلمانوں کو حق تعالیٰ جہنم میں داخل کر کے ایک قسم کی موت یعنی نیند کا سا اثر دیدیں گے پھر ان کو عذاب جہنم کا کافر کے برابر احساس نہ ہوگا الغرض اصل جہنم تو خدا کی ناراضی ہے۔

شریف طبائع کا خاصہ

اور خدا کی ناراضی گناہوں سے ہوتی ہے تو گناہ خود جہنم ہیں اگر سزا بھی نہ ہو اور ویسے ہی چھوڑ دیئے جائیں تو حق تعالیٰ کا ناراض ہونا ہی خود جہنم ہے بلکہ شریف طبائع کا خاصہ یہ ہے کہ

ان کو جرم پر سزا مل جانے سے غم ہلکا ہو جاتا ہے اور اگر سزا نہ ملے تو رنج زیادہ ہوتا ہے کوئی ان سے جہنم کی حقیقت پوچھے وہ یہی کہیں گے کہ معصیت ہی خود جہنم ہے۔ پس اب یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ جو لوگ نماز نہیں پڑھتے یا جماعت کی پابندی نہیں کرتے ان کے گھر میں ضرور آگ لگی ہے اور ایک دن اس کی سوزش کا احساس ضرور ہوگا گو ابھی نہ ہو۔

صاحبو! بعض طاعات کا موقعہ تو کبھی کبھی آتا ہے مثلاً روزہ سال میں ایک بار آتا ہے اور بعض طاعات سب پر فرض نہیں مثلاً حج اور زکوٰۃ سب پر فرض نہیں مگر نماز تو ایسا ظاہر فرض ہے جس کی فرضیت سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہے امیر وغریب سب پر یکساں فرض ہے پھر اس کے لئے کوئی خاص مہینہ مقرر نہیں روزانہ پانچ دفعہ فرض ہے تو یہ طاعت سب سے اہم اور ضروری ہے۔

ہماری قوت عملیہ کی کمزوری

مگر اس کے ساتھ ہمارا یہ معاملہ ہے کہ مسلمان بہت کم ایسے ہیں جو اس کے پابند ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری قوت عملیہ کمزور ہے اور قوت عملیہ اس لئے کمزور ہے کہ قوت علمیہ کمزور ہے اگر ہم کو گناہوں کا ضرر پورا پورا معلوم ہوتا تو ترک صلوٰۃ پر ہم کو جرات نہ ہوتی جیسے سنکھیا کے ضرر کا ہم کو علم ہے تو کبھی تجربہ وامتحان کے لئے بھی کسی نے نہ کھایا ہوگا نیز اوپر سے گرنے کا ضرر سب کو معلوم ہے تو امتحان کے واسطے کبھی کوئی اوپر سے نہ گرا ہوگا اور جو لوگ ایسی بے ہودگی کرتے ہیں کسی جہل کے غلبہ سے ان چیزوں کی مضرت کا علم ہی ضعیف ہو جاتا ہے پس معلوم ہوا کہ ہم کو گناہوں کے ضرر کا علم ایسا بھی نہیں جیسا کہ سنکھیا کھانے اور اوپر سے گرنے کے ضرر کا علم ہے ورنہ کیا وجہ ہے کہ گناہوں کا ارتکاب بے دھڑک کر لیا جاتا ہے اور ان کاموں کو بھول کر بھی نہیں کیا جاتا اور یہی قوت علمی کی کمزوری ہے کہ جس چیز کا ضرر سنکھیا کھانے اور اوپر سے گرنے کے ضرر سے بھی اشد ہے اس کو ہم نے ان سے بھی کم کر رکھا ہے ورنہ کبھی تو تجربہ کے لئے ان افعال کا بھی ارتکاب کیا ہوتا جیسے بوجھ بجکڑ کی حکایت ہے کہ اس کی بستی میں ایک آدمی درخت پر چڑھ گیا تھا پھر اترا نہ گیا تو شور مچانے لگا آدمی جمع ہوگئے وہ بھی سب بے وقوف تھے کسی کی سمجھ میں کوئی ترکیب نہ آئی تو بوجھ بجکو کو بلایا گیا اس نے اوپر تلے دیکھ کر تھوڑی دیر سوچ کر کہا کہ بس تدبیر سمجھ میں آگئی ایک رسا اس کے پاس پھینک دو اور کہو کمر سے باندھ لے اس نے باندھ لیا پھر لوگوں کو حکم دیا کہ رسے کو زور سے جھٹکا دو لوگوں نے جو جھٹکا مارا تو بدن تو نیچے آ گیا مگر روح اوپر کو اڑ گئی لوگوں نے بوجھ بجکو سے کہا

کہ یہ کیا ہوا کہنے لگا اس کی قسمت میں موت ہی تھی ورنہ میں نے تو اس ترکیب سے بہت آدمی کنویں سے نکالے ہیں اسی طرح ایک بھینس کا سر ناج کی کوٹھی میں پھنس گیا تھا بے چاری وہیں کی وہیں رہ گئی اب کوٹھی کو توڑتے ہیں تو ناج کا نقصان اور نہیں توڑتے ہیں تو بھینس کی جان جاتی ہے جب سارے تھک گئے اور کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی تو بوجھ بجکڑ کو بلایا گیا اس نے کہا کہ بھینس کا سر کاٹ دو پھر آدمی سے کہو کہ اوپر سے اندر گھس کر سر نکال لاوے (کیونکہ ناج کی کوٹھی کے دو منہ ہوتے ہیں ایک اوپر وہ بڑا ہوتا ہے اور ایک نیچے وہ چھوٹا ہوتا ہے ۱۲) جب سر کاٹ دیا گیا تو بھینس مرگئی اب سر کو نکال کر لائے بھی تو وہ جڑ کہاں سکتا ہے۔

علمی اور عملی کمزوری کا سبب

صاحبو! ہم اس کو بے وقوف اور احمق کہتے ہیں مگر ہم بھی اسی حماقت میں مبتلا ہیں کیونکہ اس نے بھی امتحاناً یہ فعل کئے تھے اس کو اوپر سے گرنے اور سر کاٹنے کے ضرر کا علم نہ تھا اگر اس کو ضرر کا علم کافی ہوتا تو کبھی ایسی رائے دینے کی جرات نہ کرتا مگر اس نے محض آزمایا ہی تھا جیسے ہم امتحان کے لئے کبھی نماز کو ترک کر دیتے ہیں اور بہت سے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں اور دل میں کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اس گناہ کا مزا تو دیکھ لیں پھر نہ کریں گے اس امتحان کی وجہ یہی ہے کہ ہم کو ضرر کا علم پورا نہیں اگر علم ضرر کافی ہوتا تو تجربہ کی کبھی ہمت نہ ہوتی اور یہ کچھ علم نہیں کہ دو چار الفاظ یاد کر لئے کہ نماز نہ پڑھنا گناہ ہے۔ رشوت اور سود حرام ہے وغیرہ وغیرہ علم وہ ہے جس کا طبیعت پر اثر ہو جو دل میں گھس گیا ہو جیسے سنکھیا کا زہر قاتل ہونا دل میں گھسا ہوا ہے مگر ہماری یہ حالت گناہوں کے متعلق نہیں ہے بلکہ یہاں تو ایسی بے فکری اور دلیری ہے کہ اگر کوئی ان کو خیر خواہی سے نصیحت کرتا ہے کہ بھائی نماز پڑھا کرو یا برے کام نہ کیا کرو تو یہی لوگ جو چند الفاظ پڑھے ہوئے ہیں اور تعلیم یافتہ و مہذب کہلاتے ہیں ناصح کو یوں جواب دیتے ہیں کہ میاں تم ہی جنت میں چلے جانا ہم دوزخ ہی میں سہی۔ بھلا یہ جواب سن کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان کو گناہوں کے ضرر کا علم ہے، ہم تو جب جانیں کہ یہی شریف آدمی جو جہنم میں جانے پر تیار ہو ڈکیتی کر کے بھی یہ کہہ دے کہ میاں تمہیں آرام سے گھر بیٹھے رہو، ہم جیل خانہ ہی میں سہی یا کسی کا گھر جلتا ہو اور کوئی اس کو خبر دے تو بے فکری کے ساتھ یہ کہہ دے کہ میاں تمہیں گھر میں راج کرو ہم بے گھر ہی سہی صاحب! ایک ذرا سے جھونپڑے کے بچانے کی بھی سب کو فکر ہوتی ہے مگر افسوس جنت کے بارے میں ہم ایسے سخی بنے ہیں کہ گناہوں کی بدولت وہ ہمارے ہاتھ سے ضائع ہوتی ہے تو

اس کی ذرا فکر نہیں اب تو سمجھ میں آ گیا کہ درحقیقت ہم کو گناہوں کے ضرر کا علم ہی نہیں اور جو کچھ ہے وہ محض الفاظ کے درجہ میں ہے جس کا مفہوم قلب میں کچھ نہیں پس یہ مسئلہ ثابت ہوگیا کہ علمی اور عملی کمزوری گناہوں کا سبب ہے اور یہ بلا آج کل ہر جگہ عام ہے جس کے عموم میں یہ مقام بھی داخل ہے اس لئے میں نے اس مضمون کو اختیار کیا ہے اسی کو حق تعالیٰ نے ان آیات میں بتلایا ہے۔

بڑا اشرف خوف خدا ہے

فرماتے ہیں اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ. (بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا اشریف وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے) اس میں حق تعالیٰ نے ان لوگوں کے کان کھولے ہیں جو زمینداری پر یا کسی عہدہ پر یا شرف نسب اور جائیداد و مال وغیرہ پر فخر کرتے ہیں کہ سن لو بڑا اشرف خدا کا ڈر ہے یعنی تقویٰ اور پرہیزگاری جس کا حاصل ہے گناہوں سے بچنا اسی سے کامل شرافت حاصل ہوتی ہے اس میں تو ضرورت عمل پر تنبہ کیا گیا ہے اور اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (بے شک اللہ تعالیٰ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو اس کی عظمت کا علم رکھتے ہیں) میں یہ بتلایا گیا ہے کہ خدا کا خوف علم سے حاصل ہوتا ہے مطلب یہ ہوا کہ قوت عمل علم پر موقوف ہے پس علم و عمل دونوں کی ضرورت ثابت ہوگئی اب اگر کسی کو فلاح اور اصلاح کی طلب ہو وہ علم و عمل حاصل کرنے کی سعی کرے مگر اس کا مطلب نہیں کہ سب مدرسہ میں آ جاویں کیونکہ اسکو آج کل دنیا سے بے کاری کا سبب سمجھتے ہیں تو سن لو کہ علم و عمل کا حاصل ہونا بے کار بننے پر موقوف نہیں آپ سارے کام کرتے رہیں جب بھی یہ دولت مل سکتی ہے گو بعد میں دنیا سے اضطراراً بے کار ہو جانا پڑتا ہے مگر وہ بے کاری ایسی لذیذ ہوگی کہ آپ ہزار کاموں کو اس پر فدا کریں گے اس کو آپ خود اختیار کریں گے باقی ہم آپ سے بے کار بننے کو نہ اب کہتے ہیں نہ جب کہیں گے۔

علم حاصل کرنے کا آسان طریقہ

اب وہ طریقہ بتلاتا ہوں تو سنئے علم حاصل کرنے کا سہل طریقہ تو یہ ہے کہ آج کل مسائل دینیہ کی کتابیں اردو میں بکثرت ہیں عقائد کی بھی اور احکام کی بھی ان کو تنہائی میں دیکھا کیجئے اور فراغ کے اکثر اوقات میں کتب بینی میں رہا کیجئے یار دوستوں کے ساتھ مجلس آرائی چھوڑ دیجئے۔

ضرورت خلوت اور اس کا مفہوم

آپ نے اب تک خلوت اختیار کی نہیں اس لئے اس کی قدر نہیں اگر کچھ دنوں خلوت اختیار

کرلو تو پھر جلوت سے گھبراؤ گے مگر خدا کے لئے تنہائی میں ناول نہ دیکھو اس کو تو اول دیکھو ہی نہیں اور اگر کسی معقول ضرورت سے دیکھو بھی تو جلوت میں دیکھو مگر دوسروں کو نہ سناؤ۔ کیونکہ مجمع میں دیکھنے سے ذہن منتشر رہتا ہے تو اچھی طرح مضمون کا اثر دل پر نہیں ہوتا اور خلوت میں جو مضمون دیکھا جاتا ہے اس کا دل پر پورا اثر ہوتا ہے۔ پھر ناول کا اثر یہ ہوگا کہ آپ کو عورتوں کے گھورنے اور جھانکنے تاکنے کا خیال ہوگا پھر وصال کی ہوس ہوگی اور وہ ترکیبیں استعمال کرو گے جو ناول میں دیکھیں تھیں جس سے دنیا و آخرت دونوں برباد ہوں گے۔ یاد رکھو خلوت کے معنی یہ نہیں کہ آدمی اکیلا بیٹھا رہے چاہے دل میں کچھ ہی بھرا ہو بلکہ خلوت کے معنی یہ ہیں کہ دل خدا کے ساتھ لگا رہے۔ پس جب تک خلوت میں دل خدا کے ساتھ لگا رہے خلوت میں رہو۔

نیک لوگوں کی مجالست

اور جب خلوت میں قلب کو انتشار اور ہجوم خطرات ہونے لگے تو مجمع میں بیٹھو مگر نیک مجمع میں اس سے خطرات دفع ہوں گے اس وقت یہ جلوت ہی خلوت کے حکم میں ہے کیونکہ مقصود ربط قلب باللہ ہے اور اس وقت وہ خلوت سے حاصل نہیں بلکہ مجمع میں بیٹھنے سے حاصل ہے اسی کو شیخ شیرازی فرماتے ہیں۔

چو ہر ساعت از تو بجائے رود دل بہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی
گرت مال و زر ہست و زرع و تجارت چو دل با خدایست خلوت نشینی

اور ایک بزرگ حق تعالیٰ کی طرف سے فرماتے ہیں۔

چوں باہمہ چو بامنی بے ہمہ چوں بے ہمہ چو بے منی باہمہ

یعنی جو شخص سب کو چھوڑ کر حق تعالیٰ کا دھیان لگائے رکھے اور ان کی یاد میں مشغول رہے وہ اگر باہمہ بھی ہے یعنی مجمع کے ساتھ ہے مگر بے ہمہ ہے یعنی خلوت میں ہے اور جو شخص خدا کو چھوڑ کر اور چیزوں کا خیال رکھے اگر وہ بے ہمہ بھی ہے یعنی خلوت میں ہے مگر باہمہ ہے یعنی خلوت میں نہیں۔ غرض خلوت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ تنہائی میں بیٹھ کر ناول دیکھا کرو بلکہ یہ معنی ہیں کہ تنہائی میں خدا کے ساتھ دل لگاؤ میں یہ نہیں کہتا کہ دن بھر خلوت میں رہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنے اوقات کو ضبط کر کے کچھ وقت خلوت کا بھی نکالو اور اس وقت میں کسی محقق سے پوچھ کر اس کے کہنے کے موافق عمل کرو۔ وہ آپ کو کچھ دیر مطالعہ احکام کا امر کرے گا کچھ دیر ذکر اللہ بتلائے

گا اس طرح خلوت کر کے دیکھو اور گھنٹہ آدھ گھنٹہ روزانہ اللہ اللہ کر کے دیکھو پھر تم لوگوں کی صحبت سے خود ہی رسے تو ڑاؤ گے اس وقت مولانا کا یہ قول صاف واضح ہو جائے گا۔

ہیچ کنجے بے دود بے دام نیست جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

مگر افسوس تو یہ ہے کہ ہم لوگ تو اپنے کو شیخ زادہ سمجھ کر شیخ سے بھی زیادہ سمجھتے ہیں گویا اپنے کو بجائے شیخ زادہ کے شیخ زیادہ سمجھتے ہیں۔ اس لئے کسی سے طریقہ پوچھتے ہوئے عار آتی ہے صاحبو! بدون جاننے والے کی رہبری کے تو آپ ایک دو میل بھی نہیں جاسکتے پھر خدا کے راستہ میں کیونکر چل سکتے ہو جس کی شان یہ ہے۔

اے برادر بے نہایت در گہیست ہرچہ بروئے میرسی بروئے مایست

فراغ و وسعت بڑی دولت ہے

مجھے ان لوگوں پر زیادہ افسوس آتا ہے جو صاحب وسعت ہیں کہ ہر کام ان کے اشارہ پر ہوتا ہے صرف زبان ہی ہلانی پڑتی ہے اور پھر بھی وہ عمر عزیز کو فضول کاموں میں ضائع کرتے ہیں۔ اہل حاجت کو تو دنیا کے کاموں ہی سے فرصت کم ملتی ہے مگر اہل وسعت کو کیا ہوا ان کو تھوڑی دیر خلوت میں خدا کو یاد کرنے سے کون چیز مانع ہے یہ فراغ و وسعت بھی بڑی دولت ہے ان کو اس کی قدر کرنا چاہئے ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

خوشا روز گارے کہ دارد کسے کہ بازار حرصش نباشد بسے

بقدر ضرورت یسارے بود کند کارے از مرد کارے بود

مطالعہ دینی کتب و ذکر اللہ

تو اگر کسی کو مدرسے میں آنا گوارا نہ ہو تو وہ اردو رسالے ہی پڑھ کر علم حاصل کرلے اگر اردو جانتا ہو اور اگر یہ بھی نہ ہو تو کسی اہل اللہ کے پاس جایا کرو اس کی صحبت سے بھی علم و عمل دونوں حاصل ہو جائیں گے اگر روز جانا نہ ہو تو ہفتہ میں ایک دن ہی مقرر کرلو جو تعطیل کا دن ہے یعنی جمعہ کا دن اس سے زیادہ اور کیا آسان ترکیب ہوگی اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

مقام امن و مئے بے غش و رفیق شفیق گرت مدام میسر شود زہے توفیق

یہ خلوت از اغیار اور صحبت بایار یعنی شیخ کے متعلق فرمایا ہے اور ذکر اللہ اور کتب بینی کے متعلق حافظ شیرازی فرماتے ہیں

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل ست صراحی مئے ناب و سفینہ غزل ست

صراحی مے ناب سے مراد ذکر اللہ ہے جس کی مستی کے سامنے شراب کی مستی بھی ہیچ ہے اس سے وہ سرور و نشاط حاصل ہوتا ہے جو کسی شراب سے نہیں ہوتا پھر مزا یہ کہ یہاں سرور ہی سرور ہے فساد عقل اور شرور نہیں ہیں یہ ترکیب تو مردوں کے لئے علم و عمل حاصل کرنے کی ہے اور عورتوں کے واسطے یہ ترکیب ہے کہ مرد مسائل معلوم کر کے ان کو بتلائیں اور عمل کی تاکید کریں اور دیکھتے رہیں کہ جو احکام ان کو بتلائے گئے ہیں ان پر عمل ہوتا ہے یا نہیں یہ کام مردوں کے ذمہ ہے کہ اپنے گھر والوں کو بھی جہنم سے بچائیں ورنہ محض اپنے بچانے سے وہ سبکدوش نہ ہوں گے اب بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ صاحب گھر والوں پر گھر والے کے کہنے سے اثر نہیں ہوتا سبحان اللہ تو کیا باہر والے کہنے آئیں گے اور کیوں صاحب یہ کیا بات ہے کہ کھانے میں نمک تیز ہو جائے تو اس وقت آپ کے کہنے کا اثر کیوں ہوتا ہے۔ یاد کرلو اگر کبھی کھانے میں نمک تیز ہوا ہوگا اور تم نے بیوی کو دھمکایا ہوگا تو اس کا کیسا اثر ہوا ہوگا کہ اس دن کے بعد پھر اس نے کبھی یہ حرکت نہ کی ہوگی اور غلطی سے اگر کی بھی ہوگی تو سال دو سال میں کبھی ایسا اتفاق ہو گیا ہوگا آخر اس کی کیا وجہ کہ نمک کی تیزی پر تو گھر والوں کے کہنے کا اثر ہو اور نماز روزہ کے لئے باہر والوں کا اثر ہو تمہارا اثر نہ ہو۔ وجہ یہ ہے کہ آپ نے نمک تیز ہونے پر تو ناک منہ چڑھا کر کہا تھا اور نماز نہ پڑھنے پر کبھی ناک نہ چڑھائی تھی بلکہ یوں ہی بوجھ سا اتار دیا تھا اور عذر کے لئے کہہ دیا کہ صاحب ہم نے تو بیوی سے نماز کو کہا تھا وہ نہیں پڑھتی ہم کیا کریں اب ہم کو سبکدوش ہو گئے تو یاد رکھو اس طرح کہنے سے تم سبکدوش نہیں ہوئے۔ صاحب جب تم نے بیوی کو نماز کے لئے کہا تھا اور اس نے نہ پڑھی تھی تو کبھی تم نے یہ تو کیا ہوتا کہ اس کے ہاتھ کی روٹی کھانا چھوڑ دیتے کہ میں بے نمازن کے ہاتھ کی پکائی ہوئی روٹی نہ کھاؤں گا اس کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ ہندوستان کی عورتیں اس کو گوارا نہیں کر سکتیں کہ خاوند کسی غیر کے ہاتھ کی روٹی کھاوے اس صفت میں تو وہ حوروں کے مشابہ ہیں حوروں کی شان میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے عربا اترابا کہ وہ اپنے شوہروں کی عاشق ہیں یہی حال ہندوستان کی عورتوں کا ہے یہ بھی خاوند کی عاشق اور خادم ہوتی ہیں۔ اس کی راحت کو اپنی راحت پر مقدم کرتی ہیں جب تک مرد کھانا نہ کھائے اس وقت تک عورتیں کھانا نہیں کھاتیں بھوکی بیٹھی رہتی ہیں مرد کی بیماری میں یہ اپنی بیماری کو بھول جاتی ہیں بارہا دیکھا گیا ہے کہ کوئی عورت پہلے بیمار ہوئی تو جب تک خاوند اچھا ہے اس وقت تو وہ پڑی گری رہتی ہے اور جہاں خاوند گرا پھر یہ کھڑی ہو گئی اپنی بیماری کو بھول گئی اور اس کی خدمت میں لگ گئی۔ نیز ان کے دل پر کسی غیر مرد کا وسوسہ بھی نہیں آتا نہ حلال کا نہ حرام کا آپ نے مردوں کو تو غیر عورتوں کی طرف جھانکتے تاکتے دیکھا ہوگا اور بعضے منہ کالا بھی کرتے ہیں مگر عورتوں کو غیر مرد کی

طرف التفات کرتے کم دیکھا ہوگا یا اپنے شوہر ہی پر نگاہ کو منحصر کر لیتی ہیں اس صفت میں بھی یہ حوروں کے مشابہ ہیں ان کی صفت میں قاصرات الطرف بھی آیا ہے ہندوستان کی عورتیں بھی اکثر ایسی ہی ہیں نیز مردوں کو تو اس کا بھی خیال ہوتا ہے کہ بیوی حسین ہو خوبصورت ہو مگر عورتوں کو اس کا بھی خیال نہیں ہوتا خاوند چاہے کیسا ہی بدصورت ہو وہ اسی کی ہو جاتی ہیں ان میں عشق زوج کا مادہ بہت زیادہ ہے اور عجب نہیں کہ اسی وجہ سے یہاں نکاح بیوہ کا معیوب ہو گیا ہوگا گو اب زیادہ عیب نہیں رہا مگر عورتیں اب بھی اس کو پسند نہیں کرتیں باقی انہوں نے اس غلو کر لیا ہے چنانچہ جو بیوہ نکاح نہ کرے اس کی تعریف میں کہتی ہیں کہ فلانی تو ایمان پر بیٹھی ہے گویا جس نے نکاح کر لیا وہ بے ایمان ہے۔ بس یہ غلو اور معصیت ہے ایک بی بی نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ فلاں اول مر گئی تھی اب اس کا مرد اس کے بعد مرا ہے تو کیا عورت قبر میں بھی عدت بیٹھے گی۔ سوال تو جہالت کا ہے مگر اس سے شوہر کی عظمت اس کے دل میں معلوم ہوئی کہ وہ مرنے کے بعد بھی عورت کے ذمہ شوہر کا یہ حق سمجھتی تھی کہ شاید قبر میں اس کو عدت گزارنا پڑے گی زندگی میں تو شوہر کا حق تھا ہی اس نے موت کے بعد بھی اس کو باقی سمجھا۔ غرض ہندوستان کی عورتیں شوہروں کی عاشق ہوتی ہیں ان کو یہ کبھی گوارا نہیں ہوتا کہ مرد کسی اور کے ہاتھ کی روٹی کھائے اس لئے اگر آپ نماز کی تاکید اس طرح کریں کہ ایک دو دفعہ کہنے سے بھی اگر وہ نماز نہ پڑھے تو چند روز تک اس کے ہاتھ کی روٹی نہ کھاویں تو اس کا ضرور اثر ہوگا یہ طریقہ ہے عورتوں کی تعلیم کا اور مردوں کے لئے علم و عمل حاصل کرنے کا سہل طریقہ ابھی بتلا چکا ہوں اب کسی کو کوئی عذر باقی نہیں رہا جب آپ علم و عمل حاصل کر لیں گے اس وقت آپ کو اصلی شرف اور پوری شرافت حاصل ہوگی بدوں اس کے محض نسبی شرف زیادہ وقعت کی چیز نہیں اسی کو حق تعالیٰ نے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ (بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا شریف وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے) میں بیان فرمایا ہے اس کے بعد فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ (بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے با خبر ہیں) اس میں اس پر تنبیہ ہے کہ علم و عمل ہر چند کہ بڑا شرف ہے اور اسی سے آدمی خدا تعالیٰ کے یہاں معزز و مکرم ہوتا ہے مگر فخر اس پر بھی نہ کرنا چاہئے اس میں علماء اور صوفیہ کے کان کھولے گئے ہیں کہ شاید وہ یہ سن کر کہ مدار شرف و اکرمیۃ تقوی ہے جو کہ مستلزم ہے علم کو اپنے علم و تقوی پر ناز کرنے لگیں اور فخر کرنے لگیں کہ ہم سب سے اشرف و اکرام ہیں۔ تو بتلاتے ہیں کہ پرہیزگاری اور تقویٰ کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے تم نہیں جان سکتے کہ عند اللہ کون متقی ہے کیونکہ علم و عمل جبھی موجب شرف ہے جب کہ وہ خدا کے یہاں قابل قبول ہو جائے اور اس کا یقینی علم کسی کو نہیں بلکہ اپنے علم و عمل کی حالت پر نظر کر کے تو اگر عدم قبول یقینی ہو تو بعید نہیں پھر فخر کرنے کا کیا موقعہ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ علم و عمل کا اعتبار خاتمہ سے ہے اور اس کی بھی کسی کو خبر

نہیں کہ ہمارا خاتمہ کس حال میں ہونے والا ہے اس لئے فخر کرنا اور اترانا اور ناز کرنا کیا زیبا ہے ہاں اس کو نعمت الٰہی سمجھ کر شکر کرتے رہو سبحان اللہ قرآن مجید کے دو جملوں میں عوام کی بھی اصلاح ہوگی اور خواص کی بھی خلاصہ آیت کا یہ ہوا کہ اصلی شرف علم وعمل ہے جن کو یہ شرف حاصل نہ ہو وہ اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں اور محض شرف نسب پر قناعت نہ کریں اور جن کو شرف علم وعمل حاصل ہو وہ اس پر فخر وناز نہ کریں بلکہ نعمت الٰہی سمجھ کر شکر کرتے رہیں بس اب میں ختم کرتا ہوں کیونکہ عصر کا وقت آ گیا ہے اور بحمد اللہ جس مضمون کا بیان کرنا مقصود تھا وہ بقدر ضرورت بیان ہو چکا اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو علم وعمل کی توفیق دیں اور فہم سلیم عطا فرمائیں آمین۔

و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا مولانا محمد وعلی آله واصحابه اجمعین. وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین. تم والحمد لله الذی بعزته وجلاله تتم الصلحت ـ

(ملفوظ) سالت الشيخ ادام الله بقاء ه ان البخاری رحمه الله بوب فی صحیحه تطوع قیام رمضان من الایمان واورد فيه حدیث من قام رمضان ایمانا واحتساباً غفرله ماتقدم من ذنبه وهذا لا یدل علی کون قیام رمضان من الایمان بل علی کونه سببا للمغفرة اذا کان مقرونا بالایمان. فاجاب مدظله ان مراد الامام رضی الله عنه کون تطوع قیام رمضان من متعلقات الایمان لاجزء اله علی الحقیقة والحدیث یدل علی مراده صریحا ثم قال وعندی ان النزاع بین اهل الحق فی کون الایمان تصدیقاً فقط وکونه تصدیقاً و قولا و عملا لفظی لا حقیقی و حاصله انهم متفقون علی ان مطلق الایمان یصح ویوجد بدون العمل حتی اجمعو اعلی علم التکفیر بالمعاصی وان تارک العمل لا یکفر بل هومو من اذا کان قلبه مطمئنا بالایمان وانما النزاع فی الایمان الکامل ثم اتفق کلهم علی ان الایمان الکامل لا یوجد بدون العمل ولکن اختلفو افی کون العمل جزء اله و شرطا فمال المحدثون ومنهم البخاری الی ان العمل جزء للایمان الکامل فالایمان الکامل عندهم هو المجموع الحاصل بالتصدیق والعمل وذهب المتکلمون الی کونه شرطاله فالایمان الکامل عندهم هوالتصدیق الذی یتقوی ویکمل باقتران العمل معه والحاصل ان الکمال عند المحدثین صفة للمجموع الحاصل من التصدیق والعمل ومن ههنا قالوا ان الایمان یزید وینقص وهو قول وعمل وعند المتکلمین صفة لتصدیق القلب فقط و العمل شرط خارج عنه ولذا قالوا ان الایمان لایزید ولا ینقص لکون التصدیق امرا بسیطا غیر مرکب وانما یکمل وضعف ونظیر هذا الاختلاف اختلاف الحکماء والا مام الرازی فی کون الاذعان شرطا للتصدیق اوشطرا و اما ان التصدیق لا توجدبدون الاذعان فامر مجمع علیه بینهم وکذاههنا لا نزاع فی ان الایمان الکامل لا یوجدبدون العمل و انما اختلفو افی امر مرجعه الذوق والوجد ان وهو کون الکمال بالعمل یختص للتصدیق القلبی او ان الموصوف به هو المجموع.

تم بحمد اللہ